ستمبر 2013
خواتین ڈائجسٹ
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
www.paksociety.com

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
پاکستان (سالانہ) ۔۔۔۔۔ 600 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ ۔۔۔۔۔ 5000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ۔۔۔۔۔ 6000 روپے

ستمبر 2013
جلد 41 شمارہ 5
قیمت 50 روپے

خط و کتابت کا پتہ: خواتین ڈائجسٹ، 37 - اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابنِ حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Email: info@khawateendigest.com Website www.khawateendigest.com

مدیرہ

خواتین ڈائجسٹ کا ستمبر کا شمارہ لیے حاضر ہیں۔

تبدیلی کا عمل جاری ہے۔

دنیا اور اس کی ہر شے ہر آن تبدیلی کے عمل میں ہے۔ مختلف ادوار سے گزرتی ہوئی حیاتِ انسانی ایک مشترک انسانی معاشرے اور تہذیب میں ڈھلتی جا رہی ہے لیکن فطرتِ انسانی اس تبدیلی کے اثرات کو قبول نہیں کر پاتی ہے۔ زمین و آسمان کے درمیان وسعتوں کو زیر کرنے والا انسان آج بھی ان ہی تاریک راہوں کا مسافر ہے۔ مختلف تعصبات کا اسیر۔ انسان کے ہاتھوں انسان کی تذلیل، زندگی کے امکانات کو ختم کرنے کے منصوبے، جبر، ظلم، ناانصافی آج بھی بنی نوع انسان کا مقدر ہے۔ عالمی منظر نامہ سے ہٹ کر وطنِ عزیز پر نظر ڈالیں تو صورتِ حال یہاں بھی امید افزا نظر نہیں آتی۔ پاکستان اس وقت عالمی طاقتوں کا نشانہ ہے اور ہمیں اس کا ادراک ہی نہیں ہے۔

ہم مختلف خانوں میں بٹے ہوئے، ٹکڑوں میں تقسیم کہیں بھی وہ تعلق نظر نہیں آتا جو ہمیں یکجا کر سکے۔

پاکستان کی تاریخ میں ایک سنہری لمحہ جگمگاتا ہے۔ چھ ستمبر جب پڑوسی ملک نے رات کی تاریکی میں حملہ کیا اور پوری قوم اپنے سے تین گنا بڑی طاقت کے سامنے ایک ہو کر مقابلے کے لیے کھڑی ہو گئی تھی۔ آج بھی پاکستان کی بقا کے لیے اسی اتحاد، اسی جذبے کی ضرورت ہے۔

نیا ناول،

نگہت عبداللہ کا ناول اختتام کو پہنچا، اس ماہ اس کی آخری قسط شائع کی جا رہی ہے۔ آئندہ ماہ ان صفحات پر آپ نیا ناول پڑھیں گی۔ نیا ناول کس مصنفہ کا ہو سکتا ہے، ہمیں بتائیں۔ دیکھتے ہیں آپ کا اندازہ کتنا درست ہے۔

عید نمبر،

اکتوبر کا شمارہ جو عید الاضحیٰ سے پہلے آئے گا عید نمبر ہوگا۔ عید نمبر میں گوشت کے پکوان، مہندی کے ڈیزائن اور عید کے حوالے سے تحریریں شامل ہوں گی۔ مصنفین سے درخواست ہے اپنی تحریریں جلد از جلد بھجوا دیں تاکہ عید نمبر میں شامل ہو سکیں۔

عید سروے،

عید نمبر میں قارئین کی شمولیت کے لیے حسبِ روایت عید سروے بھی شامل ہوگا۔ سوال یہ ہے۔

، عید الاضحیٰ کے حوالے سے خصوصی اہتمام، کوئی واقعہ اور کوئی ایسی ڈش جو آپ لازمی بناتی اور داد وصول کرتی ہوں؟

اس سوال کا جواب اس طرح بھجوائیں کہ ہمیں 25 ستمبر تک موصول ہو جائے۔

اس شمارے میں،

- نبیلہ عزیز کا مکمل ناول۔ خان بابا کی گلی نہیں، ، ثمرہ شکور کا مکمل ناول۔ نارسائی ہی نارسائی،
- نگہت سیما کا مکمل ناول۔ زمین کے آنسو، ، آسیہ مقصود کا ناولٹ۔
- فاخرہ ارشد، نعیمہ ناز، عزالہ فرخ، تنیم شریف اور طاہرہ نیازی کے افسانے،
- عنیزہ سید اور نگہت عبداللہ کے ناول، ، ٹی وی فنکارہ مرد سہ صدیقی سے باتیں،
- زندگی گلزار ہے کی کشف، صنم سعید سے باتیں، ، کرن کرن روشنی۔ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ،
- آپ کا باورچی خانہ، میری خاموشی کو بیان ملے، نفسیاتی ازدواجی الجھنیں اور دیگر سلسلے شامل ہیں۔

خواتین ڈائجسٹ آپ کا اپنا پرچا ہے۔ اسے پڑھ کر اپنی رائے ــــ سے ضرور نوازیں۔ آپ کی رائے ہمارے لیے بہت اہم ہے۔

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دینِ اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔

پوری امتِ مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے، اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

کتبِ احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ہم جو احادیث شائع کر رہے ہیں، وہ ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگانِ دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

قرآن مجید پڑھنے کا ثواب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"قرآن کریم (صحت کے ساتھ) پڑھنے میں ماہر (قیامت کے دن) معزز نیکو کار فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو شخص اسے اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور اسے پڑھنے میں مشقت ہوتی ہے، اس کے لیے دگنا اجر ہے۔"

فوائد و مسائل: 1۔ قرآن کے ماہر سے مراد حافظ اور تجوید کے ساتھ پڑھنے والا قاری یا عالم باعمل ہے۔

2۔ جو شخص تجوید کے ساتھ روانی سے نہیں پڑھ سکتا، اس کے باوجود شوق سے پڑھتا ہے اور پڑھنے میں جو مشقت ہوتی ہے اسے برداشت کرتا ہے، اس کے لیے دگنا ثواب ہے۔ اس میں ان معمر حضرات کے لیے بڑی خوش خبری ہے جن کی زبان موٹی ہو جاتی ہے تو وہ کوشش کے باوجود صحتِ مخارج اور صفاتِ حروف کا لحاظ رکھ کر الفاظ ادا نہیں کر سکتے، لہٰذا وہ تلاوت ترک نہ کریں بلکہ یہ عمل صالح جاری رکھیں۔

3۔ خلوصِ نیت کے ساتھ ادا کیا ہوا ناقص عمل بھی اللہ تعالیٰ کو بہت پیارا ہے، جب وہ عمل نقص کے بغیر ادا کرنا ممکن نہ ہو۔

حافظ و قاری کا درجہ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"قرآن والے (حافظ یا قاری) سے (قیامت کے دن) جنت میں داخل ہوتے وقت کہا جائے گا "قرآن پڑھتا جا اور (جنت کے درجات میں) چڑھتا جا"۔ وہ پڑھتا جائے گا اور ہر آیت کے ساتھ ایک ایک درجہ بلند ہوتا چلا جائے گا حتی کہ اسے جو آخری آیت یاد ہے، وہ بھی پڑھ لے۔"

فوائد و مسائل : 1 ۔اس سے قرآن مجید کے حافظ اور کثرت سے اس کی تلاوت کرنے والے کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے۔

2 اگر پورا قرآن مجید یاد نہ ہو تو بھی جتنا یاد ہے اس کے مطابق درجات بلند ہوں گے۔

3 ۔اس حدیث میں تلاوت اور حفظ قرآن کی ترغیب ہے۔

قرآن کی گواہی

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قیامت کے دن قرآن مجید ایسے مرد کی شکل میں آئے گا جس کا رنگ اڑا ہوا ہو اور کہے گا میں وہی ہوں جس نے تجھے رات کو بیدار رکھا اور دن کو پیاسا رکھا۔

فوائد و مسائل : 1 ۔شاحب سے مراد وہ انسان ہے جس کا رنگ بیماری کی وجہ سے یا سخت محنت اور تھکاوٹ کی وجہ سے تبدیل ہو گیا ہو۔

2 ۔اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جس طرح قرآن پڑھنے والا تہجد میں تلاوت کی محنت اور تھکاوٹ برداشت کرتا تھا' قرآن کو بھی اسی شکل میں ظاہر کیا جائے گا اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح قرآن کی تلاوت اور قیام کی وجہ سے آدمی کا رنگ بدل جاتا تھا' اسی طرح قرآن بھی انتہائی بھاگ دوڑ کرے گا کہ مومن کو زیادہ سے زیادہ بلند درجہ مل سکے اور اس بھاگ دوڑ کا اثر اس کی ظاہری صورت میں نظر آئے گا۔واللہ اعلم۔

تلاوت کا اجر و ثواب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"کیا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ جب وہ گھر جائے تو اسے گھر میں تین بڑی بڑی موٹی تازی حاملہ اونٹنیاں ملیں؟"

ہم نے کہا جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر کوئی نماز میں تین آیتیں پڑھ لے تو وہ اس کے لیے تین بڑی بڑی موٹی تازی حاملہ اونٹنیوں سے بہتر ہیں۔"

فوائد و مسائل : 1 ۔قرآن مجید کی تلاوت کا فائدہ اتنا زیادہ ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی دولت اس کے مقابلے میں ہیچ ہے۔

2 ۔حاملہ اونٹنیوں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ اس دور میں عربوں کے نزدیک یہ سب سے عمدہ اور قیمتی مال تھا۔

3 ۔نماز میں تلاوت کا ثواب نماز کے علاوہ تلاوت سے زیادہ ہے۔

قرآن کی مثال

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"قرآن کی مثال گھٹنا بندھے ہوئے اونٹوں کی سی ہے۔ اگر مالک ان کے بندھنوں کے ذریعے سے ان کی حفاظت کرے گا تو انہیں اپنے قابو میں رکھے گا اور اگر ان کے بندھن کھول دے گا تو وہ بھاگ جائیں گے۔"

فوائد و مسائل : 1 ۔اونٹ کو بٹھا کر رسی سے اس کا گھٹنا باندھ دیا جاتا ہے۔ اس رسی کو عقال کہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے اونٹ بھاگ نہیں سکتا۔ قرآن مجید یاد کرنے کے بعد اسے پڑھتے رہنا چاہیے تاکہ یاد رہے۔ اگر پابندی سے تلاوت نہ کی جائے تو حفظ کیا ہوا قرآن بھول جاتا ہے۔

2 ۔اگر تلاوت فرض اور نفل نمازوں میں' خصوصاً نماز تہجد میں ہو تو برکات کا حصول زیادہ ہوتا ہے۔

سورۂ فاتحہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔

"اللہ عزوجل فرماتا ہے میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر لیا ہے۔ وہ آدھی میرے لیے ہے اور آدھی میرے بندے کے لیے۔ اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو وہ مانگتا ہے۔" انہوں نے کہا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"پڑھو! بندہ کہتا ہے۔ "الحمدللہ رب العالمین" سب تعریفیں جہانوں کے مالک اور پالنے والے کے لیے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے بندے نے میری تعریف کی اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو وہ مانگے۔ بندہ کہتا ہے۔

"الرحمٰن الرحیم" بہت مہربان' نہایت رحم کرنے والا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثنا کی اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو وہ مانگے۔ بندہ کہتا ہے "مالک یوم الدین" جزا کے دن کا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے بندے نے میری عظمت بیان کی۔ یہ (سب تعریف) میرے لیے ہے اور یہ آیت میرے درمیان اور میرے بندے کے درمیان نصف نصف ہے۔ (یعنی جب) بندہ کہتا ہے "ایاک نعبدو ایاک نستعین" ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ تو یہ میرے اور بندے کے درمیان نصف نصف ہے اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو اس نے مانگا۔ اور سورہ کی (باقی) آخری آیات میرے بندے کے لیے ہیں۔ (پھر) بندہ کہتا ہے "ہمیں سیدھا راستہ دکھا' ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا' جن پر تیرا غضب نہیں ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔" (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) یہ میرے بندے کا حصہ ہے اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو اس نے مانگا۔"

فوائد و مسائل : 1 ۔سورۂ فاتحہ سب سے عظیم سورت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو "نماز" فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تلاوت نماز کا رکن ہے۔

2 ۔اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ فاتحہ کی آیت نہیں۔ لیکن یہ استدلال درست نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صحیح حدیث میں اس بات کی قطعی طور پر صراحت اور وضاحت موجود ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۂ فاتحہ کی ایک مستقل آیت ہے۔ امیر المومنین فی الحدیث سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"یعنی جب تم سورۂ فاتحہ پڑھو تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا کرو کیونکہ یہ (سورت فاتحہ) ام القرآن' ام الکتاب اور السبع المثانی ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس (سورہ فاتحہ) کی ایک آیت ہے۔

3 ۔دوسری سورتوں کے شروع میں جو بسم اللہ ہے وہ سورتوں کا جزو نہیں' تاہم یہ بھی اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی آیت ہے اور سورہ توبہ کے سوا ہر سورت کے ساتھ نازل ہوئی ہے' اس لیے ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے۔

4 ۔جہری نماز میں سورت کے ساتھ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنا بھی جائز ہے' تاہم آہستہ پڑھنا راجح ہے۔

5 ۔اللہ کی حمد و ثنا بھی ایک لحاظ سے دعا ہے کیونکہ اللہ کی تعریف سے مقصود اس کی رضا اور قرب کا حصول ہوتا ہے اور حمد و ثنا کرنے والے کو یہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔

نمازی کو اگرچہ اسلام کے ذریعے ہدایت حاصل ہو چکی ہے۔ اس کے باوجود انسان کو زندگی میں ہر قدم پر اللہ کی رہنمائی اور توفیق کی ضرورت ہوتی ہے' اس لیے ضروری ہے کہ بندہ نماز میں سورۂ فاتحہ کے ذریعے اللہ سے ہدایت کی درخواست کرتا رہے۔ واللہ اعلم۔

سب سے بڑی سورت

حضرت ابو سعید بن معلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔ "کیا میں مسجد سے نکلنے سے پہلے تجھ کو قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت نہ سکھاؤں؟" (اس کے بعد جب) نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے باہر تشریف

لے جانے لگے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد دہانی کرائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"الحمد للہ رب العالمین۔ یہی سبع مثانی (سات بار بار دہرائی جانے والی آیت) ہیں اور یہی قرآن عظیم ہے' جو مجھے دیا گیا ہے۔"

فوائد ومسائل : 1۔ اس حدیث میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ "یقیناً" ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار دہرائی جانے والی سات آیات اور قرآن عظیم عطا فرمایا ہے۔"
2۔ "سورۂ فاتحہ کو "سبع مثانی" اس لیے فرمایا گیا ہے کہ یہ ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔
3۔ سورۂ فاتحہ کو "قرآن عظیم" کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ یہ قرآن مجید کے تمام مضامین کا خلاصہ ہے' یعنی اس میں عقیدہ توحید' عملی توحید' یعنی صرف اللہ کی عبادت اور صرف اس سے مدد مانگنا' اس کی صفات' عقیدہ آخرت' وعدہ وعید' گزشتہ انبیاء اور ان کی امتوں کے نیک اور نافرمان افراد کے واقعات سے عبرت اور اس سے ہدایت کی درخواست جیسے اہم مضامین موجود ہیں۔

شفاعت

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"قرآن مجید میں ایک سورت ہے' جس کی تیس آیتیں ہیں۔ اس نے اپنے پڑھنے والے کی شفاعت کی۔ "حتیٰ کہ اس کی مغفرت ہو گئی۔ (وہ سورت ہے) تبارک الذی بیدہ الملک۔

فوائد ومسائل :
1۔ "شفاعت کی" یعنی قیامت کے دن شفاعت کرے گی۔
2۔ قیامت کے دن اعمال محسوس صورت میں سامنے آئیں گے۔
3۔ قیامت کو نیک اعمال بھی شفاعت کریں گے۔
4۔ قرآن مجید کی تلاوت ایمان کے ساتھ اور خلوص نیت سے ہو تو مغفرت کا باعث ہے۔

تہائی قرآن

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"قل ھو اللہ احد" (سورہ اخلاص) تہائی قرآن کے (تیسرے حصے کے) برابر ہے۔"

فوائد ومسائل :
1۔ سورہ اخلاص کا ثواب ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔
2۔ اس کی عظمت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں توحید کا بیان ہے۔
3۔ اللہ تعالیٰ کو توحید سے محبت اور شرک سے انتہائی نفرت ہے۔

اللہ کے ذکر کی فضیلت

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں جو تمہارے اعمال میں سب سے بہتر' تمہارے بادشاہ (اللہ تعالیٰ) کو سب سے زیادہ پسند' تمہارے درجات کو سب سے زیادہ بلند کرنے والا اور تمہارے لیے سونا اور چاندی (اللہ کی راہ میں) دینے سے بہتر اور اس بات سے بھی بہتر ہے کہ تم اپنے دشمن کا مقابلہ کرو اور ان کی گردنیں کاٹو اور وہ تمہاری گردنیں کاٹیں؟"
صحابہ نے کہا۔ "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کیا ہے؟"
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اللہ کا ذکر۔"

اللہ کی رحمت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو لوگ بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے بیٹھتے ہیں' انہیں فرشتے گھیر لیتے ہیں اور ان پر رحمت چھا جاتی ہے اور ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر ان (فرشتوں) میں فرماتا ہے' جو اس کے پاس ہوتے ہیں۔"

فوائد ومسائل :
1۔ ذکر کے لیے بیٹھنے والوں سے مراد مسنون انداز سے ذکر کرنے والے ہیں' مثلاً "نماز سے فارغ ہو کر مسنون اذکار میں مشغول افراد یا وعظ و درس قرآن و حدیث کی مجلس یا آپس میں اللہ کی نعمتوں کا ذکر تاکہ دل میں شکر کا جذبہ پیدا ہو۔
2۔ خود ساختہ الفاظ کے ساتھ' خود ساختہ طریقوں سے ذکر کرنا خلاف سنت ہے۔ جیسے روشنیاں بجھا کر اجتماعی طور پر ذکر کرنا' بالخصوص الفاظ کی ضربیں لگانا' یا ایسی دعاؤں کو اہمیت دینا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں' مثلاً "درود تاج' درود ماہی' ہفت ہیکل' شش قفل وغیرہ۔ ایسی چیزوں سے ثواب کے بجائے گناہ کا اندیشہ ہے۔
3۔ فرشتے نیکی کی مجلس میں شریک ہوتے ہیں۔
4۔ سکینت سے مراد دل میں اطمینان و سکون اور خوشی کی خاص کیفیت ہے' جو ذکر کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے۔
5۔ فرشتوں میں ذکر فرمانے کا مقصد اس عمل پر خوشنودی کا اظہار ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قربت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" "میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں' جب وہ میرا ذکر کرتا ہے اور اس کے ہونٹ میرے ذکر کے ساتھ حرکت کرتے ہیں۔"

فوائد ومسائل :
1۔ اللہ تعالیٰ کی عام معیت تو ہر مخلوق کے ساتھ ہے کہ وہ اپنے علم اور قدرت کے لحاظ سے ہر ایک کے ساتھ ہے۔ ایک معیت مدد اور نصرت کی ہوتی ہے' جو اس کی راہ میں جدوجہد یا جنگ کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہے۔ یہ بھی ایسی ہی معیت ہے' جو ذکر کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہے' اس کا مقصد خوشنودی کا اظہار ہے۔
2۔ اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر ہر جگہ موجود نہیں بلکہ آسمانوں پر عرش عظیم کے اوپر ہے جیسا کہ قرآن و حدیث کی صریح نصوص سے ثابت ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ الرحمن علی العرش استوی (طہ۔20)
3۔ اللہ کا ذکر بہت بڑی نیکی ہے۔

احسن عمل

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' "ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔
"اسلام میں نیک اعمال بہت زیادہ ہیں (میں ان سب کو کما حقہ ادا نہیں کر سکتا۔) مجھے ایک بات بتا دیجیے جسے میں مضبوطی سے پکڑ لوں۔"
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے۔"

فوائد ومسائل :
1۔ شرائع سے مراد اللہ کے مقرر کردہ احکام جن میں فرض بھی ہیں' نوافل بھی ہیں اور مستحبات بھی۔
2۔ فرائض کی ادائی ہر حال میں ضروری ہے لیکن مستحبات کی بھی اپنی اہمیت ہے اور نوافل بھی قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں۔ بعض لوگ ان اعمال کی کثرت دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں۔ جیسے اس صحابی نے خواہش ظاہر کی کہ آسان سی نیکی سے کافی ثواب حاصل ہو جائے۔
3۔ اللہ کے ذکر کو معمول بنا لینے سے نفلی عبادات کی کمی کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

ایک پنجابی نظم

انشاجی

تینوں دسیا تے توں ہسنا اے
اَسیں تینوں کجھ نئیں دسنا اے
بس اگ اپنی وِچ جلنا اے
اور آپے پکھا جھلنا اے
اَسیں پکے آں توُ خام کُڑے
کجھ ہویا نئیں، کی ہونا سی
اک دن دا ہسنا رونا سی
اوہ ساگر چھلاں ایویں سی
اوہ ساریاں گلاں ایویں سی
پر چرچا کرنا تمام کُڑے

اسیں کہندے کہندے مر جانا
توں ہسدے ہسدے مر جانا
اَسیں اُجڑے اُجڑے رہ جانا
توں وسدے وسدے مر جانا
ہاں سوچ لیا انجام کُڑے

اک گھر وِچ دیوا بلدا ای
کی دیکھ سندیسے گھلدا ای
کیوں پورب پچھم جانی ایں
کیوں من اپنا بھٹکانی ایں
گھر آجا پے گئی شام کُڑے

زندگی گلزار ہے کی کشف

صنم سعید سے باتیں

شاہین رشید

1 "اصلی نام؟"
"صنم سعید۔"
2 "پیار کا نام؟"
"صنم ہی کہتے ہیں۔"
3 "تاریخ پیدائش / شہر؟"
"2 فروری 1985ء / لندن میں پیدا ہوئی۔"
4 "بہن بھائی / آپ کا نمبر؟"
"ہم تین بہن بھائی ہیں / میرا نمبر پہلا ہے۔"
5 "تعلیمی قابلیت؟"
"اے لیول برٹش اسکول سے اور گریجویشن کیا ہے۔"
6 "شادی؟"
"شادی ان شاء اللہ 2014ء میں ہوگی اور اپنی پسند سے کروں گی اور والدین کی پسند بھی شامل ہوگی۔"
7 "پہلا پروگرام / وجہ شہرت؟"
"پہلا سیریل "دام" تھا / اور سنا ہے کہ یہی سیریل شہرت کا باعث بھی بنا تھا۔"
8 "پہلی کمائی اور کہاں خرچ کی؟"
"تھیٹر کی تھی پہلی کمائی اور امی کو لا کر دیے تھے۔ بہت خوش ہوئی تھیں امی۔"
9 "شوبز کی بڑی برائی؟"

"کوئی نہیں۔ انسان خود اچھا ہو.....بس۔"

10 "آپ کی صبح کب ہوتی ہے؟"

"کام کے حساب سے ہوتی ہے۔ کام ہو تو جلدی اٹھ جاتی ہوں ورنہ تھوڑی دیر سے۔"

11 "ملک میں کون سی تبدیلی ضروری ہے؟"

"حکومت کی۔"

12 "ضدی ہیں؟"

"ہاں تھوڑی ضدی ہوں۔"

13 "گھر میں کسی کے غصے سے ڈر لگتا ہے؟"

"امی کے غصے سے۔"

14 "کوئی چیز جو وقت سے پہلے مل گئی ہو؟"

"کام بہت کم عمری میں ہی کام مل گیا تھا۔"

15 "جوائنٹ اکاؤنٹ ہونا چاہیے یا نہیں؟"

"دونوں ہونے چاہئیں۔"

16 "محبت کا اظہار کس طرح کرتی ہیں؟"

"خط لکھتی ہوں۔"

17 "جب شاپنگ کے لیے جاتی ہیں تو سب سے پہلے کیا خریدتی ہیں؟"

"شاپنگ سے نفرت ہے مجھے۔ بالکل بھی شوق نہیں ہے۔"

18 "آپ کے دنیا میں آنے کا کیا مقصد ہے؟"

"ہوں.....بتاتی ہوں بعد میں، آپ آگے چلیں۔"

19 "پیسہ خرچ کرتے وقت کیا سوچتی ہیں؟"

"کہ پیسے والٹ میں رکھے ہیں یا نہیں۔"

20 "کبھی کرائسز میں وقت گزارا؟"

"الحمدللہ! نہیں۔"

21 "بہترین تحفہ آپ کی نظر میں؟"

"کتا یا بلی۔ یا کسی بھی جانور کا بچہ۔"

22 "کون سی بات آپ کے موڈ پر اچھا اثر ڈالتی ہے؟"

"جب میں سنتی ہوں کہ فلاں کے یہاں بیٹا یا بیٹی ہوئی ہے۔"

23 "پسندیدہ پروفیشن؟"

"اداکاری۔"

24 "آپ کا ذریعہ معاش؟"

"یہی شوبز۔"

25 "پسندیدہ فیشن؟"

"ویسٹرن فیشن۔"

26 "اپنے لیے تعریفی جملے؟"

"ایک شادی میں گئی تو کہا گیا کہ آپ کی وجہ سے ہماری تقریب زیادہ بارونق ہو گئی ہے۔"

27 "مخلص کون ہوتے ہیں اپنے یا پرائے؟"

"اپنے۔"

28 "چھٹی کا دن کہاں گزارنا پسند کرتی ہیں؟"

"سمندر پر۔"

29 "لباس میں کیا پسند ہے؟"

"امی کی ساڑھیاں۔"

30 "گھر کے کس کونے میں سکون ملتا ہے؟"

"اپنے کمرے میں اپنے بستر پر۔"

31 "اپنی شخصیت کے لیے کوئی ایک لفظ؟"

"صبر۔"

32 "کوئی آرٹسٹ جس کے ساتھ کام کرنے کی خواہش ہے؟"

"بہت ہیں۔ فہرست لمبی ہے۔"

33 "کس کے ایس ایم ایس کے جواب فوراً دیتی ہیں؟"

"امی کے۔"

34 "بوریت دور کرنے کے لیے کیا کرتی ہیں؟"

"گانے سنتی ہوں۔"

35 "ایک کردار جو کرنا چاہتی ہیں؟"

"کامیڈی رول۔"

36 "ایک کردار جو کر کے پچھتائیں؟"

"نہیں، ایسا کوئی کردار نہیں ہے۔"

37 "ایک کردار جو بہت ہٹ گیا ہو؟"

"میرا نصیب کی شازیہ کا رول اور زندگی گلزار ہے کی کشف کا کردار۔"

38 "کسی کو فون نمبر دے کر پچھتائیں؟"

"نہیں، سب محبت سے ہی فون کرتے ہیں۔"

39 "مہمانوں کی اچانک آمد کیسی لگتی ہے؟"

"اچھی لگتی ہے.....بہت اچھی لگتی ہے۔"

40 "اگر آپ پاور میں آجائیں تو کیا کریں گی؟"

"میں عورتوں کے لیے اور تعلیم کے لیے کچھ کروں گی۔"

41 "کیا چیزیں جمع کرنے کا شوق ہے؟"

"جمع کرنے کا شوق نہیں ہے۔ ہر دو تین مہینے کے بعد فالتو چیزوں کو نکال دیتی ہوں۔"

42 "نعمت جو بری لگتی ہے؟"

"نہیں..... کیونکہ ہماری بہتری کے لیے ہی ہمیں نعمت دی جاتی ہے۔"

43 "وقت کی پابندی کرتی ہیں؟"

"کوشش کرتی ہوں۔ اور مجھے اتنا تو اندازہ ہے کہ میں دوسروں سے کافی بہتر ہوں وقت کی پابندی کے معاملے میں۔ پرفیکٹ نہیں ہوں۔"

44 "کن لوگوں پر دل کھول کر خرچ کرتی ہیں؟"

"اپنی فیملی پر اور اپنے اوپر۔"

45 "اپنے لیے سب سے قیمتی چیز کیا خریدی؟"

"ٹکٹ ہی ہوتا ہے ٹریولنگ ٹکٹ۔"

46 "کھانے کے لیے بہترین جگہ چٹائی یا ٹیبل؟"

"ٹیبل۔"

47 "ایک ریسٹورنٹ جہاں کھانا کھانا پسند کرتی ہیں؟"

"میں انگریزی کھانوں کی شوقین ہوں۔ اس لیے وہیں جاتی ہوں، جہاں انگریزی کھانے ملیں۔"

48 "کیا اچھا پکا لیتی ہیں؟"

"سب کچھ پکا لیتی ہوں کیونکہ سارا خاندان شیف سے بھرا ہوا ہے۔"

49 "اگر آپ کے علاوہ ساری دنیا سو جائے تو آپ کیا لینا پسند کریں گی؟"

"ہوں! گھر بھی ہے گاڑی بھی ہے۔ ضرورت کی ہر چیز ہے ویسے بھی میں نے زیادہ خواہشیں پالی ہی نہیں ہیں۔"

50 "کیا ڈرامے کے کردار انسان کی شخصیت کے قریب ہوتے ہیں؟"

"بہت قریب ہوتے ہیں۔"

51 "انٹرنیٹ اور فیس بک سے آپ کی دلچسپی؟"

"انٹرنیٹ کے بغیر تو گزارا ہی نہیں ہے اور فیس بک کے بغیر گزارا ہو جاتا ہے۔"

52 "مستقبل کے بارے میں کیا سوچتی ہیں؟"

"شادی اور بچے.....بس۔"

53 "عورت نرم دل ہوتی ہے یا مرد؟"

"خواتین نرم دل ہوتی ہیں، اس میں تو کوئی شک و شبہے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔"

54 "ایک شخصیت جس کو اغوا کرنا چاہتی ہیں اور تاوان میں کچھ وصول کرنا چاہتی ہیں؟"

"کوئی نہیں..... جن کو کرنا ہوتا وہ تو سب میرے پاس ہیں۔"

55 "کن کیڑوں سے ڈر لگتا ہے؟"

"مکوڑوں سے اور لال بیگ سے۔"

56 "خودکش حملہ کرنے والا بہادر ہوتا ہے یا بزدل؟"
"بہادر ہوتا ہے۔"
57 "کس قسم کے رویے دکھ کا باعث بنتے ہیں؟"
"بدتمیزی اور جھوٹ بولنے والے کے رویے۔"
58 "شادی کی رسومات میں پسندیدہ رسم؟"
"مہندی۔"
59 "ناشتا اور کھانا کس کے ہاتھ کا پکا پسند ہے؟"
"ابو کے ہاتھ کا۔ بہت اچھا پکا لیتے ہیں۔"
60 "کس تاریخی شخصیت سے ملنے کی خواہش ہے؟"
"پرانے زمانے کے ہالی ووڈ کے اسٹارز سے ملنے کی خواہش ہے۔"
61 "اپنا فون نمبر کتنی مرتبہ تبدیل کیا؟"
"کبھی بھی نہیں..... میرا یہ نمبر پہلے دن سے ہے۔"
62 "کن چیزوں کو لیے بغیر گھر سے نہیں نکلتیں؟"
"فون، بٹوا، سینی ٹائزر اور بیگ۔"
63 "پاکستان کے لیے کیا سوچتی ہیں؟"
"یہی کہ اللہ کرے حالات اچھے ہو جائیں۔"
64 "اپنی غلطی کا اعتراف کر لیتی ہیں؟"
"بالکل..... اور کر لینا چاہیے۔ اس میں عزت ہے انسان کی۔"
65 "اپنی کوئی اچھی عادت بتائیں؟"
"نماز پڑھنا۔"
66 "بری عادت؟"
"فون پر دھیان نہیں دیتی۔ لوگ کالز کرتے ہیں۔ رابطہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بس ادھر ادھر رکھ کر بے فکر ہو جاتی ہوں۔"
67 "ہاتھ میں پین آجائے تو کیا لکھتی ہیں؟"
"پین کا زمانہ تو اب گیا۔ پھر بھی ہاتھ میں آجائے تو اپنا نام ہی لکھتی ہوں۔"
68 "نگیٹیو رول پسند ہیں یا پوزیٹو؟"
"دونوں۔ جن کا اثر لوگوں پر ہو۔"
69 "گالیاں کب دیتی ہیں؟"
"بہت کم اور عموماً گاڑی چلاتے وقت، کیونکہ ٹریفک کا نظام بہت برا ہے۔"
70 "کبھی غصے میں کھانا پینا چھوڑا؟"
"پریشانی میں تو چھوڑا ہوگا، مگر غصے میں نہیں۔"
71 "مارننگ شو..... آپ کے تاثرات؟"
"فضول لگتے ہیں میں دیکھتی نہیں۔ شاید اچھے بھی ہوتے ہوں۔"
72 "شہرت کب مسئلہ بنتی ہے؟"
"شہرت آسان چیز نہیں ہے، کبھی کبھی مسئلہ بن جاتی ہے۔"
73 "روڈ پہ کیا کھانے کا مزا آتا ہے؟"
"دہی بھلے، گول گپے..... جب شوٹ پہ ہوتے ہیں۔"
74 "بستر پر لیٹتے ہی نیند آجاتی ہے یا کروٹیں بدلتی ہیں؟"
"آج کل چونکہ کام زیادہ ہے تو تھکن ہو جاتی ہے۔ اس لیے لیٹتے ہی نیند آجاتی ہے۔"
75 "بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ کیا کیا چیزیں رکھتی ہیں؟"
"کریم، پانی، گھڑی، کتاب۔"
76 "تھکن کے باوجود کہاں جانے کے لیے ہمیشہ تیار رہتی ہیں؟"
"کہیں نہیں۔ صرف اپنے بستر پر۔"
77 "خدا کی حسین تخلیق؟"
"سورج کی روشنی۔"
78 "زندگی کب بری لگتی ہے؟"
"جب پلان کے مطابق کوئی کام نہیں ہو رہا ہوتا۔"
79 "قومی تہوار جوش سے مناتی ہیں؟"
"تہوار تو نہیں البتہ کسی دوست کی شادی ہو تو شوق سے جاتی ہوں اور انجوائے کرتی ہوں۔"
80 "ویلنٹائن ڈے منانا کیسا لگتا ہے؟"
"میں نہیں مناتی۔"
81 "مذہبی تہوار جو آپ کو پسند ہے؟"
"عید الفطر..... یہی ایک دن ہوتا ہے، جب سب رشتے داروں سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ ورنہ تو ملنے کا وقت کہاں ملتا ہے۔"
82 "زندگی کب بدلی؟"
"ابھی تک تو نہیں بدلی۔"
83 "اگر کوئی گہری نیند سے اٹھا دے تو؟"
"تو کوئی بات نہیں۔ میں چڑچڑی نہیں ہوتی۔"
84 "جھوٹ کب بولتی ہیں؟"
"سفید جھوٹ بول لیتی ہوں۔ کسی کو نقصان پہنچانے کے لیے جھوٹ نہیں بولتی۔"
85 "اپنی شخصیت میں کیا چیز بدلنا چاہتی ہیں؟"
"میں مزید ایماندار ہو کر اپنی شخصیت کو بہتر کرنا چاہتی ہوں۔"
86 "دن کے کس حصے میں اپنے آپ کو تر و تازہ محسوس کرتی ہیں؟"
"صبح کے وقت۔"
87 "گھر آکر پہلی خواہش؟"
"کھانا مل جائے جلدی سے۔"
88 "کون سے چینل شوق سے دیکھتی ہیں؟"
"HBO، ہم ٹی وی اور جس پہ ریموٹ رک جائے۔"
89 "کردار کے لیے مشاہدہ کرتی ہیں؟"
"بہت زیادہ، بہت ہی زیادہ۔"
90 "جس دن موبائل سروس آف ہو تو؟"
"سانس لیتی ہوں اطمینان کا اور آرام کرتی ہوں۔"
91 "گھر سے باہر کھانا پسند کرتی ہیں یا گھر میں؟"
"دونوں جگہوں پہ..... یکسانیت کو ختم کرنے کے لیے چینج لانا پڑتا ہے۔"
92 "فقیر کو کم سے کم کتنا دیتی ہیں؟"
"دس روپے..... اس سے زیادہ نہیں۔ میری کام والی سے زیادہ یہ لوگ کماتے ہیں مفت میں۔"
93 "لائٹ چلی جائے تو بے ساختہ کیا بولتی ہیں؟"
"جانے پر نہیں، بلکہ آنے پر نعرہ لگاتی ہوں کہ بجلی آ گئی۔"
94 "اچانک چوٹ لگ جائے تو؟"
"خطرناک چوٹ نہیں لگی کہ منہ سے کچھ نکلے۔"
95 "کس ملک کے لیے کہتی ہیں کہ کاش یہ ہمارا ہوتا؟"
"کینیڈا۔"

96 "کس ملک کی شہریت لینا چاہتی ہیں؟"
"میرے پاس پہلے سے ہی برطانیہ کی شہریت ہے۔"
97 "ہم عموماً کن چیزوں پہ اپنا وقت ضائع کرتے ہیں؟"
"دوسروں کی برائیاں کرنے میں اور کمپیوٹر پہ فضول بیٹھ کر۔"
98 "حجاب فیشن ہے یا ضرورت ہے؟"
"اس کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔ جس کا دل چاہے کرے اور جس کا نہ چاہے نہ کرے۔"
99 "شاپنگ کے لیے پسندیدہ جگہ؟"
"مارکیٹ ٹائپ کی جگہ پر جاتی ہوں۔ جیسے زینب مارکیٹ، سنڈے بازار وغیرہ۔"
100 "اگر آپ کی شہرت کو زوال آجائے تو؟"
"کچن سنبھالوں گی۔ بچوں کو پالوں گی۔ مجھے یہ سب کام بہت اچھے لگتے ہیں۔"

☼

مقبول فنکارہ

عروسہ صدیقی سے ملاقات

شاہین رشید

چینلز بے شمار کام بے حساب پیسہ بھی بے انتہا ... اتنا کچھ دیکھ کر بعض لوگوں میں انکساری آجاتی ہے بعض میں لالچ۔ آج کل کے نئے فنکاروں سے انٹرویو کی بات کرو تو پوچھتے ہیں پیسے کتنے دیں گی ... کچھ کہتے ہیں شکر کیجیے آپ کو ہم نے پیسوں کے بغیر انٹرویو دے دیا ...

جن کا انٹرویو ابھی آپ پڑھ رہے ہیں ان کی بھی کچھ ایسی ہی سوچ ہے مگر ان کی "مہربانی" ہے کہ انہوں نے ہمیں انٹرویو دے دیا۔

عروسہ صدیقی آج کل آپ کو ہر دوسرے ڈرامے میں نظر آئیں گی۔ کیونکہ ہر ڈرامے میں ان کے لیے کوئی نہ کوئی کردار نکل ہی آتا ہے۔ آج کل آپ انہیں "کنگر" میں بھی دیکھ رہے ہیں۔

"کیسی ہیں عروسہ ... کیا مصروفیات ہیں آج کل؟"

"جی اللہ کا شکر ہے۔ مصروفیات کے بارے میں کیا کہوں آپ کو پتا ہی ہے جو اس فیلڈ میں آتا ہے اگر کامیاب ہے تو پھر مصروف ہی مصروف ہے اور مجھ پر اللہ کا بڑا کرم ہے کہ میرے پاس آج کل بہت کام ہے۔"

"ہر کردار قبول کر لیتی ہیں؟"

"ارے نہیں ایسا بھی نہیں ہے۔ کردار بھی وہی لیتی ہوں جو مجھے پسند آتے ہیں۔ ورنہ تو جس طرح آفرز آتی ہیں۔ اگر ہر کردار قبول کر لوں تو پھر شاید سر اٹھانے کی بھی فرصت نہ ملے گی اور نہ ہی کھانا کھانے کی۔"

"تو اچھا ہے نا... کھانا کھانے کی فرصت نہیں ملے گی تو کم سے کم اسمارٹ تو ہو جائیں گی آپ؟"

قہقہہ "ایسا کچھ نہیں ہونے والا۔ بہت کوشش کر لی مگر کوئی فرق نہیں پڑا۔ اس لیے اب اپنے اس موٹاپے سے سمجھوتا کر لیا ہے۔"

"کیا کھانے پینے کی بہت شوقین ہیں آپ؟"

"کھانے پینے کا تو ہر کوئی شوقین ہوتا ہے اور میں بھی ہوں۔ بریانی مجھے بے انتہا پسند ہے۔ مگر جتنی نظر آتی ہوں اتنا کھاتی نہیں ہوں۔ میرے اندر خوراک سے زیادہ ہوا ہے۔"

"لگتا بھی ایسا ہی ہے ... ویسے آپ کو اس موٹاپے نے کون سا کوئی نقصان دیا ہے؟"

"بالکل جی ... کوئی نقصان نہیں دیا بلکہ ابھی تک تو فائدہ ہی فائدہ ہے۔ ایک بات بتاؤں آپ کو ... ہر کھانے کے بعد پکا عہد کرتی ہوں کہ اب کھانا نہیں کھاؤں گی مگر پھر جب بھوک لگتی ہے تو برداشت نہیں کر پاتی۔"

"تو فاقہ کرنے سے کب کوئی دبلا ہوا ہے؟ یہ تو پلاننگ کے ساتھ ہوتا ہے ایکسرسائز کے ساتھ، کھانے کے مینو کے ساتھ ... وغیرہ وغیرہ؟"

"سوچتی تو میں بھی ہوں مگر اب تو کچھ بھی کرنے کے لیے ٹائم ہی نہیں ہے۔ اللہ مالک ہے۔ مجبوری ہو گی تو کچھ نہ کچھ کر ہی لوں گی۔ لوگ تو غصہ کھانے پر اتارتے ہیں مگر میں تو ایسا بھی نہیں کر سکتی۔"

"او ہو... غصہ بھی آتا ہے تمہیں، لگتا تو نہیں ہے ... اتنے اچھے مزاحیہ کردار کر رہی ہوتی ہو تم۔"

"وہ تو کردار ہوتے ہیں۔ لیکن سچ میں مجھے غصہ بہت آتا ہے بلکہ بعض اوقات تو چھوٹی چھوٹی باتوں پر آجاتا ہے۔ مثلاً" لائٹ روٹین کی جاتی ہے مگر مجھے غصہ آجاتا ہے۔ گھر میں ٹینشن ہو کوئی پریشانی ہو میرا کوئی کام ادھورا رہ جائے بس غصہ آجاتا ہے۔ اپنی اس عادت سے اکثر خود بھی پریشان رہتی ہوں۔"

"کہتے ہیں کہ بندہ مصروف رہے تو غصہ کرنے کا ٹائم ہی نہیں ملتا آزما کر دیکھ لو۔"

"اچھا... تب ہی... جب سے اس فیلڈ میں آئی ہوں غصہ کچھ کم ہو گیا ہے۔ صحیح کہہ رہی ہیں آپ مصروف بہت رہتی ہوں اس لیے کافی حد تک بہتر ہو گئی ہوں۔"

"جب سے آئی ہو تم اس فیلڈ میں میرے خیال میں ہر طرح کے رول کر ہی لیے ہوں گے۔ کوئی تشنگی باقی ہے ابھی؟"

"ابھی کیا ہی کیا ہے۔ ابھی تو شروعات ہیں۔ ابھی تو بہت سے کردار باقی ہیں۔ خاص طور پر بہت ہی مظلوم و معصوم لڑکی کا رول کرنا ہے۔ دیکھیں کہ یہ خواہش

کب نوری ہوتی ہے۔"

"ونگر کے کردار کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"اچھا کردار ہے۔ مظلوم تو نہیں ہاں اس لحاظ سے مظلوم کہہ سکتی ہیں کہ بچاری کی شادی نہیں ہو رہی ہے۔"

"قہقہہ۔"

"ویسے تم جو ایکٹنگ کرتی ہو۔ اپنے ذہن سے کرتی ہو یا اسکرپٹ میں سب ہدایات لکھی ہوتی ہیں؟"

"بہت کچھ تو اسکرپٹ میں لکھا ہوتا ہے مگر اس کو حقیقت کا رنگ تو ہمیں ہی دینا پڑتا ہے۔ ویسے بھی مجھے اس فیلڈ میں اتنا مزا آرہا ہے کہ اچھے سے اچھا کرنے کے لیے میں چلتے پھرتے لوگوں کا بھی مشاہدہ کرتی رہتی ہوں کہ کیا پتا کون سا رول کب مل جائے۔

"آپ اس فیلڈ میں کیسے آئیں؟ اور آپ کا اپنا پروڈکشن ہاؤس بھی تو ہے نا؟"

"اس فیلڈ میں آنا بھی اتفاقیہ ہی ہے۔ اگر لوگ کہتے ہیں کہ ہم اتفاقیہ آگئے تو غلط نہیں کہتے۔ گھر والوں کے کہنے پر میں نے "ناپا" میں داخلہ لیا۔ خیال یہی تھا کہ ہوسٹ بنوں اور ٹاک شو کروں۔۔۔ مگر سب نے کہا کہ تم تو اداکاری کے لیے فٹ ہو تو میں اداکاری کی طرف آگئی۔"

"اچھا۔۔ ایسا کیسے پتا چلا کہ تم اداکاری کر سکتی ہو؟"

"وہ ایسے کہ جب ناپا میں داخلہ لیا تو ہر شعبے میں کام کرنے کا موقع ملا۔ مثلاً" ڈائریکشن، اسکرپٹنگ، ڈانس اور بہت کچھ۔۔۔ پھر یہ دیکھا جاتا ہے کہ کس میں ہماری دلچسپی زیادہ ہے اور کیا ہم بہتر طور پر کر سکتے ہیں تو میری پرفارمنس دیکھ کر مجھے یہی مشورہ دیا گیا کہ آپ اداکاری کے شعبے میں زیادہ پرفیکٹ ہیں اور آج آپ دیکھ لیں کہ واقعی میرے استادوں نے جو مشورہ مجھے دیا اس میں میں کتنی کامیاب ہوں اور آپ کو پتا ہے میرے استاد کون تھے۔ ارشد محمود صاحب، طلعت حسین صاحب، ضیاء صاحب اور خالد انعم صاحب۔۔۔ تو انہی کے کہنے پر میں نے تھیٹر میں بھی کام کیا اور اب ڈراموں میں بھی کر رہی ہوں اور پھر اپنا پروڈکشن ہاؤس بھی بنایا Fantastic کے نام سے اور اب کافی کام ہو رہا ہے اس پروڈکشن ہاؤس کے تحت۔"

"تو مستقبل میں ایکٹنگ اور پروڈکشن دونوں چلیں گے؟"

"ان شاءاللہ۔۔۔ مگر میں پلاننگ نہیں کرتی، جو ہونا ہو گا خود بخود ہوتا چلا جائے گا۔ میں نے کب سوچا تھا کہ میں اس فیلڈ میں آؤں گی۔ اتفاق ہو گیا اور آگئی۔ جناب کچھ پتا نہیں ہوتا انسان کو کہ اس کی منزل کون سی ہے۔ بس جو ہونا ہو گا، ہو جائے گا۔"

"غرور آیا کبھی کہ میں تو ایک اسٹار بن گئی ہوں؟"

"نہیں نہیں غرور کس بات کا۔ سب کا اپنا اپنا کام ہوتا ہے۔ ساری دنیا کما رہی ہے۔ ہر کوئی اپنی فیلڈ میں مست ہے۔ اور ہم بھی تو غرور کیسا؟"

"مگر آپ لوگ اپنی ایک الگ پہچان رکھتے ہیں۔ سب لوگوں کو تو سب لوگ نہیں پہچانتے؟"

"ہاں۔۔۔ یہ بات تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہم کہیں بھی جاتے ہیں فوراً" پہچانے جاتے ہیں۔ مجھے تو بہت اچھا لگتا ہے جب لوگ ہم سے ملتے ہیں۔ آٹو گراف لیتے ہیں، ہماری تعریف کرتے ہیں تو سیروں خون بڑھ جاتا ہے۔ تب اپنے آپ پر فخر محسوس ہوتا ہے اور میں تو سب سے بہت اچھی طرح ملتی ہوں، کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیتی۔"

"آپ جیسے فنکار بتاتے ہیں کہ کام کے کوئی اوقات نہیں ہوتے۔ مگر سینیئرز کے لیے وقت کا بہت خیال رکھا جاتا ہے؟"

"نہیں! میرا نہیں خیال کہ ایسا کچھ ہے۔ اس فیلڈ میں کوئی ٹائم فکس نہیں ہے۔ کب کام شروع ہو گا اور کب ختم ہو گا، بعض اوقات جلدی فارغ ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات رات دیر ہو جاتی ہے۔ ہاں جو جاب کرتے ہیں، ان کے مزے ہوتے ہیں۔ ٹائم پہ جاتے ہیں اور ٹائم پہ واپس آتے ہیں۔ ہماری یہ جاب ذرا مشکل ہے۔ جس کے کوئی ٹائمنگ نہیں ہے۔"

"پھر کیا دل چاہتا ہے کہ چھوڑ دوں یا کام کو جاری رکھوں؟"

"چھوڑ دینے کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتی۔ کیونکہ میں تو اس فیلڈ میں بہت انجوائے کر رہی ہوں۔ اب تو اس کام میں جنونی ہو گئی ہوں۔ اس کام سے مجھے اتنا لگاؤ ہو جائے گا میں نے سوچا بھی نہیں تھا اور ویسے بھی میں جس کام میں دل لگاؤں پھر اس کو دل و جان سے کرتی ہوں اور میں بہت خوش ہوں۔ مجھے اس فیلڈ میں بہت زیادہ مزا آرہا ہے۔"

"اچھا۔۔۔ کبھی کام میں گڑبڑ بھی ہوئی؟"

"ہاں! تھوڑی بہت تو ہو ہی جاتی ہے۔ تب میں بہت پریشان ہو جاتی ہوں۔ اور جب تک اپنے سین سے مطمئن نہ ہو جاؤں کام نہیں چھوڑتی۔ کام ٹھیک نہ ہو تو موڈ بھی سخت خراب ہو جاتا ہے۔"

"کام کا آغاز تھیٹر سے کیا یا ڈائریکٹ ٹی وی پہ آئیں؟"

"آغاز تو تھیٹر سے ہی کیا۔ میں نے 3 سال تک تھیٹر کیا اور ساتھ ساتھ پڑھائی کرکے اپنا خرچہ بھی نکالا۔ پھر جب ناپا جوائن کیا تو دو سال ناپا کے تحت تھیٹر کیا۔ پھر ٹی وی کا رخ کیا۔ تو سب نے کہا کہ نیا چہرہ آگیا ہے۔ جبکہ ایسا نہیں تھا۔ اداکاری کا تجربہ لے کر آئی تھی۔"

"پھر ٹی وی آکر یہاں کا کام زیادہ آسان تھا یا تھیٹر کا کام زیادہ آسان اور مزیدار تھا؟"

"تھیٹر کا تو اپنا ہی مزا ہے۔ لیکن ٹی وی میں اداکاری کا بھی اپنا ہی مزا ہے۔ آسان تو کوئی بھی نہیں ہے۔ تھیٹر میں بھی بہت سوچ سمجھ کر کام کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ تھیٹر میں فوراً" دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جاتا ہے۔ اچھا کرو، تب بھی پتا چل جاتا ہے اور برا کرو تب بھی پتا چل جاتا ہے۔ ٹی وی میں رسپانس کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔"

"تھیٹر میں پہلا ڈراما کون سا تھا اور پھر ٹی وی پہ آمد کس کھیل کا باعث بنی؟"

"سفید خون" تھیٹر کا پہلا کھیل تھا جو کہ ضیا محی الدین صاحب کی تحریر تھی اور ٹی وی کے پہلے کھیل کا نام "بارش میں دیوار" تھی اور یہ ایک ٹیلی فلم تھی پھر "کھاریاں سے کھارادر" کیا۔ پہلا سیریل "چاند پروسہ" تھا، جس میں میں نے ایک معذور لڑکی کا کردار کیا تھا۔"

"عروسہ صدیقی کے بارے میں آپ کو بتائیں کہ 13 مئی 1985ء میں کراچی میں ان کا جنم ہوا۔ دو بھائیوں کی اکلوتی بہن ہیں اور وہ بھی بڑی تو چھوٹے بھائیوں پہ رعب بھی ہے۔ والدین کے ساتھ تقریباً" تیرہ سال سعودی عرب میں رہیں۔ ابتدائی تعلیم سعودی عرب سے ہی حاصل کی مگر اعلیٰ تعلیم کے لیے پاکستان آنا پڑا اور پڑاؤ کراچی میں ہوا۔ یہاں آکر عروسہ نے گریجویشن کیا اور پھر تین سال کا ڈپلومہ کیا "ناپا" سے۔ اب ان کا ارادہ عنقریب ایم بی اے کرنے کا ہے بشرطیکہ اداکاری سے فرصت مل گئی تو۔

"شوبز میں کام کرنے والے شوبز کے لوگوں کو بہت قریب سے جانتے ہیں آپ نے کس حد تک ان کو جانا ہے؟"

"جی! جن کے قریب رہا جائے ان کی اچھائیاں برائیاں بھی کھل کر سامنے آتی ہیں۔ ہر فیلڈ میں اچھے بُرے لوگ ہوتے ہیں لیکن چونکہ میرا تعلق شوبز سے ہے تو مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں اکثریت منافق اور Fake ہے۔ منہ پر کچھ اور پیچھے کچھ' ایسے لوگ بہت خطرناک ہوتے ہیں اس لیے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔"

"اچھا دوست کون ہوتا ہے لڑکے یا لڑکیاں؟"
"میری نظر میں تو اچھے دوست لڑکے ہوتے ہیں اور میرے زیادہ تر دوست ہیں بھی لڑکے..... ممکن ہے کہ لڑکوں کے لیے اچھی دوست لڑکیاں ثابت ہوتی ہوں۔"
"شادی کب کرنی ہے۔ یہ اس لیے پوچھ رہی ہوں تاکہ آپ کا بندھن کے لیے انٹرویو ہوسکے؟"
قہقہہ "او اچھا۔ دیکھیں جب نصیب میں ہو گا ہوجائے گی۔ یہ کب انسان کے اپنے اختیار میں ہے۔ اختیار میں ہوتا تو میرے خیال میں کوئی لڑکی کنواری نظر نہ آتی۔"
"عید کا اہتمام کرتی ہیں؟"
"عید سے پہلے عید ہوتی ہے مگر عید پر اپنے لیے کچھ کرنے کا موقع کہاں ملتا ہے۔ گھر کے کام اتنے ہوتے ہیں کہ اپنے لیے ٹائم نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لیے عید تو بس ایسے ہی گزر جاتی ہے۔ البتہ گھر میں کسی کی سالگرہ ہو یا میری سالگرہ ہو تو پھر خوب مزا آتا ہے۔ خوب رونق بھی ہوتی ہے اور گھر سے باہر جاکر کھانا بھی کھاتے ہیں۔ گفٹ دیتے بھی ہیں اور لیتے بھی ہیں۔"
"ہوں..... گڈ اپنی شخصیت میں تمہیں کیا چیز متاثر کرتی ہے؟"
قہقہہ..... "مجھے تو اپنی شخصیت میں کچھ بھی پسند نہیں ہے۔ ہاں لوگ جب تعریف کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ کی مسکراہٹ بہت اچھی ہے۔ آپ کی آنکھیں بہت اچھی ہیں۔ تو میں بھی خوش ہو جاتی ہوں کہ چلو تعریف تو ہوئی۔"
"اپنی شخصیت میں کیا چینج لانے کی خواہش ہے؟"
"خواہش تو یہی ہے کہ دبلی پتلی اسمارٹ ہو جاؤں' مگر شاید ایسا اب ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ اب کچھ کرنے کے لیے ٹائم ہی نہیں ہے..... ہاں یہ ضرور چاہوں گی کہ غصہ کچھ کم ہو جائے اور صبر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اللہ تعالیٰ۔ غصہ تو ناک پہ دھرا رہتا ہے۔"
"موڈ کب خراب ہوتا ہے؟"
"جب میں گھر میں دیکھتی ہوں کہ والدین مجھ سے زیادہ اپنے بیٹوں سے پیار کرتے ہیں دل تو برا ہوتا ہے نا۔"

میری خاموشی کو بیاں ملے

خالدہ جیلانی

رضوانہ شکیل راؤ.... لودھراں

1۔ ہم ایک چراغ خانہ ہیں۔ شادی سے پہلے خود کو خاتون سننا خاصا ناگوار گزرتا تھا۔ لیکن "بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے"۔ اب میاں جی اور اسد اللہ کی موجودگی میں خود کو بارہا خاتون سننا تو ایک طرف رہا' اپنا تعارف بھی "خاتون" کے طور پر کروا رہی ہوں۔ (حالانکہ میں دیکھنے میں لگتی نہیں ہوں) شادی سے پہلے شمع محفل بننے کے ارمان جی بھر پورا کیے۔ ارے ارے! آپ کچھ ایسا ویسا مت سمجھ لیجیے گا۔ اسکول لائف میں غیر نصابی سرگرمیوں میں مقدور بھر حصہ لینے' بے پناہ کامیابیاں سمیٹنے سے مراد ہے۔
تعلق میرا شاہینوں کے شہر سرگودھا سے ہے۔ لیکن رہائش پذیر میں لودھراں کے ایک گاؤں میں ہوں۔ وجہ؟ جناب میری شادی میرے پھپھو زاد سے لودھراں میں ہوئی ہے۔ جہاں تک مشاغل کا تعلق ہے تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عمر' مزاج' تجربے کی طرح مشاغل میں بھی کمی آجاتی ہے۔ جیسے پہلے کمپیوٹر پر گھنٹوں بیٹھے رہنا۔ مٹی کے برتن بنانا۔ سہیلیوں سے جی بھر کر لایعنی باتیں کرنا..... جبکہ اب مزے مزے کے کھانے بنانا (بھئی میاں کے دل کا راستہ معدے سے جو ہو کر گزرتا ہے۔) اسد اللہ کے کپڑوں کی ڈیزائننگ کرنا۔ میاں جی کے ہفتہ بھر کے کپڑے دھو کر پریس کر کے ہینگ کرنا۔ تاکہ روز صبح استری کا مسئلہ نہ بنے۔ کیونکہ صبح ناشتا کی افراتفری ہوتی ہے۔ صرف لکھنا پڑھنا واحد مشغلہ ہے۔ جو بدلا ہے نہ بدلے گا۔ (ان شاء اللہ)

2۔ کوئی انسان مکمل طور پر خوبیوں کا مرقع ہوتا ہے اور نہ اس سے مبرا۔ بلکہ خوبیوں اور خامیوں سے ایک انسان گندھا ہوتا ہے۔ مجھے تو خود میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔ اگر کوئی خوبی کسی کو نظر آتی بھی ہوگی تو اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔ سب مالک کا کرم ہے۔ بقول شاعر

میرے عروج کو کوئی زوال نہیں
کمال تو یہ ہے کہ مجھ میں کوئی کمال نہیں

بہت نرم دل اور حساس ہوں۔ اپنے آپ کو حالات کے مطابق ڈھالنے کی پوری کوشش کرتی ہوں۔ باقی سب خدا پر چھوڑ دیتی ہوں۔ ہاں ایک بڑی خامی یہ ہے کہ اگر کسی بات پر اڑ جاؤں تو پھر جو مرضی ہو جائے۔ میں نہ مانوں گی۔ ایک مکمل مشرقی خاتون کی طرح گھرداری میں خوشی محسوس کرتی ہوں۔ فضول خرچی بھی کبھی کبھار کر لیتی ہوں۔ مگر بہت زیادہ نہیں۔ پہلے بہت زیادہ بولتی تھی۔ اب بہت کم۔ (مگر اتنا بھی کم نہیں بولتی بس...! شادی کے بعد بندے کو سوچ سمجھ کر بولنا پڑتا ہے۔)

3۔ خواتین ڈائجسٹ سے تعلق بہت پرانا ہے۔ بے بی باجی کے رسالے جو ایک صندوق میں رکھتی تھیں وہ۔ پہلی بار چھپ کر (کیونکہ اس وقت میں پانچویں کلاس میں تھی) کوئی کہانی پڑھی تھی جواب یاد نہیں۔ ارے کیا سوال پوچھ لیا..... بہت سی تحریریں ہیں جو ذہن میں نقش ہیں۔ میری موسٹ فیورٹ رائٹر عمیرہ احمد کی تمام تحریریں خاص طور پر پیر کامل کا سالار سکندر اور دربار دل کی ممی کا کردار جسے کبھی نہیں بھلایا

جاسکتا۔ اس کے علاوہ سعدیہ حمید چوہدری کی وہ تحریر جس میں مہرسیال کا کردار۔۔۔ مجھے اس تحریر کا نام یاد نہیں ہے۔ بہت خوب صورت ناول تھا۔ سلسلے وار ناولٹس میں سے سب سے پہلے بیوٹی فل نیم والا "دل من مسافر من ہے" عنیزہ سید کی خوب صورت تفہیم اور لفظوں کا جادو جگاتی یہ تحریر بھلائی نہیں جاسکتی۔ عمیرہ احمد کا "میری ذات ذرہ بے نشان" آمنہ ریاض کا "تم آخری جزیرہ ہو" فرحت اشتیاق "بن روئے آنسو" اور ایسی بہت سی خوب صورت تحریریں ہیں، جو دل و دماغ پر انمٹ نقوش چھوڑ چکی ہیں۔ رفعت سراج کے "دل دیا دہلیز" نے کتنا ہی عرصہ اپنا اسیر بنائے رکھا۔

4 ۔ زندگی کی شاہراہ پر چلتے چلتے اگر کبھی ستانے کا موقع ملے تو پرانا فوٹو البم اور اپنی دوستوں کے کارڈز ضرور پڑھتی ہوں۔ ان کے لفظوں کی شیرینی نہ صرف میری تمام تھکن سمیٹ لیتی ہے، بلکہ ایک بے پناہ خوشی بھی دیتی ہے۔ جہاں تک سالگرہ منانے کا تعلق ہے تو شادی سے پہلے دوبار ہی سالگرہ ہوئی میری بھتیجی بینش بھائی ارشد اور افشاں بہن نے مل کر نیٹ کارڈز دیے تھے۔ کیونکہ ان دنوں ہم سب کو نیٹ پر چیٹ کا بہت چسکا پڑا تھا۔ میرے میاں نے (جو اس وقت منگیتر تھے) مجھے پرفیوم اور بہت خوب صورت کلپ بھجوایا تھا۔ (جو آج بھی میرے پاس محفوظ ہے۔) اب شادی کے بعد سالگرہ کا اہتمام نہیں کرتے۔ مگر شکیل میری سالگرہ یاد ضرور رکھتے ہیں۔ وش کرتے ہیں۔ اب کی بار انہوں نے پھول اور لپ اسٹک اپنے پسندیدہ کلر کی مجھے گفٹ کی۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہی مجھے بہت بڑی ناقابل بیان خوشی دیتی ہیں۔

5 ۔ عمر کا وہ سنہرا لیکن ناقابل فراموش دور جب مزاج میں شوخی رچ جاتی ہے اور شاعری سے لگاؤ بڑھ جاتا ہے۔ اس دور میں ہم نے بھی لاتعداد اشعار بے شمار ڈائریوں کی زینت بنائے۔ اب یہ حال ہے کہ اگر کوئی شعر دل کو چھوا تو تھوڑی دیر بعد غم جاناں یا غم دوراں اس حصار کو توڑ کر اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں۔ بہرحال زندگی اسی کا نام ہے۔ فی الحال اپنے پسندیدہ اشعار میں سے ایک شعر بھیج رہی ہوں۔ تمام لکھے تو لسٹ بہت لمبی ہوجائے گی۔

وہ سفید پھولوں سی ایک دعا میرے ساتھ ساتھ رہی سدا
یہ اس کا فیض ہے، بارہا میں بکھر بکھر کر سنور گیا

میں جب بھی یہ شعر زیر لب دہراؤں مجھے اپنا آپ اپنے والدین اور اپنی دوستوں کی دعاؤں کے حصار میں محسوس ہوتا ہے۔ پسندیدہ کتاب، قرآن پاک ہے۔ ہم اس کا ترجمہ پڑھیں تو ایک روحانی خوشی نصیب ہوتی ہے اور آپ جانتے ہیں، اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور جب کوئی اسے بغور پڑھتا ہے تو اس پر فکر کے بہت سے دروازے وا ہوجاتے ہیں۔ اشفاق احمد کی زاویہ مجھے بہت پسند آئی اور میں نے اسے کافی بار پڑھا۔ اس میں ہمیں بہت سے سوالوں کے جواب مل جاتے ہیں۔ آخر میں رائٹرز سے کہنا چاہوں گی، جو لکھیں اخلاص کے ساتھ لکھیں، محنت کریں اور کچھ ایسا لکھیں، جس میں حسن کا جوہر ہو، تعمیر کی روح ہو اور زندگی کی حقیقتوں کی روشنی ہو جو قاری میں حرکت اور ایسی بے چینی پیدا کردے۔

جو روح کو تڑپا دے اور قلب کو گرما دے

فوزیہ ثمر بٹ۔۔۔ گجرات

1 میرا نام فوزیہ ثمر بٹ ہے۔ گجرات کی رہنے والی ہوں۔ گجرات ترقی پذیر اور خوب صورت لوگوں کا شہر ہے۔ میرا اسٹار لبرا ہے۔ اپنے اسٹار کی تمام خامیاں اور خوبیاں میری ذات کا حصہ ہیں۔ خود خوب صورت نہیں ہوں مگر خوب صورت لوگوں سے ملنا اچھا لگتا ہے۔ خوب صورت مناظر، رنگ، جملے، غرض ہر وہ چیز جس میں خوب صورتی کی تھوڑی سی بھی جھلک نظر آئے، طبیعت کو خوش کرتی ہے۔

میرے گھر میں امی جی، ابو جی، میری بہن اور اکلوتا نخریلا بھائی ہے۔ دنیا میں ماں کے بعد میرا بھائی ہے، جس کے لیے کچھ بھی کرسکتی ہوں۔ گھر میں پچھلے ڈیڑھ سال سے دو افراد کا اضافہ ہوچکا ہے۔ ایک میرے اکلوتے جیجا جی میر رئیس صاحب، جن کا میرے بارے میں فرمانا ہے۔ "میری اکلوتی سالی بات کم کرتی ہے اور سنتی زیادہ ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا، اللہ نے اسے کس مٹیریل سے بنایا ہے۔"

اور دوسرا فرد میری پیاری بھابھی طیبہ عمران ہیں جو میرے بارے میں ارشاد فرماتی ہیں "کہ شاید ہی میں اپنی زندگی میں ایسا کوئی اور سیمپل دیکھ سکوں۔" کوئی کچھ بھی کہے۔ میں جو ہوں خود سے مطمئن ہوں۔ اچھی کتابیں پڑھنا اور اچھی تحریروں کو ڈائری میں تحریر کرنا اچھا لگتا ہے۔

پرانے گانے اور بلھے شاہ کا کلام سننا اچھا لگتا ہے۔ شاعری پسند ہے۔ تنگ نظر لوگوں سے ملنا اور تنگ کپڑے پہننا میرے لیے دونوں مشکل ترین کام ہیں۔

2 ۔ پہلے آپ میری ذات میں جو خامی ہے۔ وہ سن لیں۔ ویسے اگر بھابھی طیبہ کو اس کا موقع دیا جائے تو وہ آپ کو بڑی تفصیل سے بتاسکیں گی۔ سب سے بڑی خامی۔ عقل نامی چیز شاید ہی ہو۔ بقول میری امی جانی کے "شاید اس لڑکی کو عقل آجائے اور میں امی کے اس جملے کے بعد ہر بار یہی سوچتی ہوں کاش کہ عقل خریدی جاسکتی تو۔۔۔ تین، چار روپے کی میں بھی خرید لیتی۔

پہلے غصہ بات بات پہ آتا تھا۔ اب نہیں آتا۔ اب یہ کارنامہ طیبہ جی انجام دیتی ہے۔ بزدل ہرگز نہیں ہوں۔ کام کرکے پچھتاتی نہیں۔

دوسروں کی مرضی میں آسانی سے ڈھال لیتی ہوں خود کو۔ انا ٹائپ کی چیز نہیں مجھ میں۔ پہلے طبیعت میں بڑا بے صبرا پن تھا۔ اب زندگی میں ٹھہراؤ آگیا ہے۔ کتاب زیست کے اوراق الٹ کے دیکھتی ہوں۔ زندگی نے دیا تھوڑا ہے، مگر شکر ہے، لیا بہت کم ہے۔ بیرونی چوٹیں اپنوں سے شیئر کرتی ہوں۔ مگر اندرونی (دل) کی چوٹیں، صرف اپنے رب سے شیئر کرتی ہوں۔ ڈپلومیٹ نہیں ہوں۔ ایسے لوگوں سے ملنا تکلیف لگتا ہے۔ خود مخلص ہوں تو دوسروں سے بھی خلوص کی امید کرتی ہوں۔ اکثر اپنی اس خوبی کے ہاتھوں نقصان اٹھایا کہ ہر ہاتھ ملانے والا آپ کا دوست نہیں ہوسکتا ہے۔ خوبیاں بہت سی ہیں۔ کافی حد تک خوش مزاج ہوں۔ ہر ہنسنے والی بات پہ دل کھول کر ہنستی ہوں۔ یوں کس بٹ کہتے ہیں۔ اپنی حماقتوں پہ ہنسنا بھی ایک ہنر ہے اور مجھے یہ ہنر آتا ہے۔

حساس دل ہوں میری اس عادت سے دوسروں کو کافی فائدہ پہنچتا ہے۔ دل میں بغض نہیں رکھتی۔ جو دل میں ہوتا ہے وہی زبان پہ ہوتا ہے۔ اسی لیے حلقہ احباب میں دوستوں کی تعداد ذرا کم ہے اور جو ہیں وہ میری طرح ہی باوفا ہیں۔ کوشش کرتی ہوں مجھ سے کسی کا دل نہ ٹوٹے کیونکہ میں جانتی ہوں دل میں رب بستا ہے۔

کتابیں پڑھنا اور ان سے باتیں کرنا اچھا لگتا ہے۔ لکھنے کا شوق ہے۔ مگر میرا ذہن میرے قلم کا ساتھ نہیں دیتا۔ میرا دماغ جو تانے بانے بنتا ہے۔ میں اسے کاغذ کے سینے پہ تحریر نہیں کرسکتی۔

3 ۔ خواتین سے وابستگی بہت پرانی ہے۔ نصابی تعلیم تو اتنی حاصل نہیں کی مگر کتابیں بہت سی پڑھی ہیں۔ دل میں خلش ہے کہ کچھ پڑھ لیتی تو شاید پاکستان کی دوسری وزیراعظم میں ہی ہوتی۔ زندگی میں بہت سے کاش سوالیہ انداز میں سامنے ہیں مگر۔۔۔ مطالعے کا شوق ہمیں اپنے امی، ابو سے ملا۔ آپ کو ہمارے گھر میں ہر قسم کی کتابیں پڑھنے کو مل جائیں گی۔ خواتین، شعاع، کرن کی تمام کی تمام رائٹرز قابل احترام ہیں۔ ان کی تحریروں کو پڑھنے سے زندگی میں نکھار آتا ہے۔ بہت سی تحریریں ہیں جنہیں پڑھ کر طبیعت خوش بھی ہوتی ہے اور ایسی بھی ہیں، جنہیں پڑھ کر رونا آتا ہے۔ شاید شمع جلتی رہے، نزہت شبانہ حیدر، سعدیہ حمید چوہدری

کا ناولٹ دیر لگی آنے میں، مہر آپا اُلو برائے فروخت نہیں، آمنہ مفتی، فرحت اشتیاق کے ناول وہ جو قرض رکھتے تھے جان پر..... کے کرداروں پہ ہمیشہ دکھ ہوا ہے۔ من و سلویٰ کی زینی پہ بہت ترس آیا تھا۔ اس ناول کا لازوال جملہ بہت پسند ہے۔

"جو چیز اللہ نہ دے، اسے انسانوں سے نہیں مانگنا چاہیے ورنہ انسان بڑا خوار ہوتا ہے۔"

4 ۔ سالگرہ نہیں مناتی۔ گھر میں صرف عمران کی سالگرہ منائی جاتی ہے۔ اب اس کے بچوں کی ہوتی ہے۔ 10 اکتوبر کو میری دوست ثمو نعیم کا واہ کینٹ سے فون آجاتا ہے۔ مع گفٹ۔ اور میرے اکلوتے جیجا جی میر رئیس صاحب، جو نام کے رئیس نہیں، دل کے بھی ہیں۔ بھابھی وش کردیتی ہیں۔ اس طرح سالگرہ کا دن تمام ہوجاتا ہے۔

5 ۔ پسندیدہ شعر تو کافی سے ہیں۔ بس جو اچھا لگتا ہے ڈائری کی زینت بن جاتا ہے۔

روٹھنے سے کیا ہوگا، آؤ معذرت کرلیں
آپ میں بھی مجھ میں بھی خامیاں بہت سی ہیں

مجھ میں کیا ہے، جو مجھے یاد کرے گا کوئی
اچھے اچھوں کو یہاں لوگ بھلا دیتے ہیں

آپ کو میرے جوابات کیسے لگے، آئندہ ماہ شیئر ضرور کیجیے گا۔ ان شاء اللہ آگے کسی اور سلسلے میں آپ سے ملاقات ہوگی۔

سدرہ شہزادی خان..... جہلم

1 ۔ میں ہوں سدرہ شہزادی خان۔ جہلم کے چھوٹے سے گاؤں میں رہتی ہوں۔ جہاں صرف ہم سب رشتے دار یا پھر مزارعے رہتے ہیں۔ سارا دن میں کچھ نہ کچھ کرتی رہتی ہوں۔ کیونکہ آج کل میں نے پڑھائی میں گیپ (اپنی بہن کو ساتھ ملانے کے لیے) دیا ہوا ہے تو بور ہوتی ہوں اور سارا دن رسالے پڑھتی رہتی ہوں۔

2 ۔ انسان کو اپنے اندر خوبیاں زیادہ نظر آتی ہیں اور خامیاں کم۔ لیکن کوئی بات نہیں۔ ایک دو دفعہ ایسا کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ میری سب سے بڑی خامی ہے کہ مجھے ہنسی بہت آتی ہے۔ میری امی کہتی ہیں، جہاں سنجیدہ ہونا ہو وہاں سدرہ ہنس پڑتی ہے۔ خوبی! میرے اندر مروت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے اکثر میری تعریف ہوتی ہے کہ کبھی سدرہ کسی کو "نہ" نہیں کہتی۔

3 ۔ مجھے اسکیچ بنانے کا بہت شوق ہے اور میں اکثر اسکیچز بناتی رہتی ہوں۔ میری کزن تحریم کو میں نے اپنا بنایا اسکیچ دکھایا تو انہوں نے بہت تعریف کی تھی۔ مجھے کتابیں پڑھنے کا شوق ہے۔ خواتین ڈائجسٹ کے سارے ناولز میں نے پڑھے ہیں۔ جن میں سانس ساحل تھی، مصحف، من و سلویٰ، پیر کامل وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ مجھے رائٹر بننے کا شوق ہے اور میں سب کو کہانیاں سناتی رہتی ہوں۔ میری باجو کہتی ہیں، سدرہ کی کہانیاں سن لو، نیند خود بخود آجائے گی۔ کیونکہ ہمارے علاقے میں زیادہ تر لوگ سادہ ہیں۔ اس لیے سب کہتے ہیں کہ تم تو پڑھ چکی ہو، پھر کیا لکھتی رہتی ہو۔

5 ۔ شاعری سے مجھے اتنا لگاؤ نہیں ہے۔ مگر مجھے مزاحیہ شاعری، جس میں اچھا سا پیغام ہو، پسند ہے۔ شاعر علامہ اقبال اور احمد فراز، وارث شاہ اور بلھے شاہ کا کلام پسند ہے۔ مجھے علامہ اقبال کا سادہ مگر بڑا اچھا مفہوم رکھنے والا یہ شعر پسند ہے۔

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

5 ۔ میری سالگرہ بائیس فروری کو ہوتی ہے اور سب یاد رکھتے ہیں مگر اہتمام سے کبھی نہیں منائی۔ بس اگر کزنز وغیرہ کو کوئی چیز وغیرہ کھلادی تو الگ بات ہے اور تحفے لینا اور دینا تو چلتا ہی رہتا ہے۔ کیونکہ تحفے دینے سے محبت بڑھتی ہے۔

6 ۔ خواتین ڈائجسٹ پڑھیں، کیونکہ یہ زندگی کے مختلف پہلوؤں میں رہنمائی کرتا ہے۔ میرے خاندان کی سب لڑکیاں ڈائجسٹ پڑھتی ہیں۔ انا شعاع، اقرا، کرن اور میں خواتین لیتی ہوں اور ہم مل کر پڑھتی ہیں۔

عنیزہ سید

جو رکے تو کوہ گراں تھے ہم

ماہ نور اپنے چاچا سردار خان کے گاؤں گئی تو وہاں بندر کا تماشا دیکھ کر اس کے دل میں یہ فن سیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اس نے بندر کا تماشا دکھانے والے شخص سے اس خواہش کا اظہار کیا' لیکن اس کے کزنز اسے زبردست وہاں سے لے گئے۔ وہ کئی دن تک بندر والے کے بارے میں سوچتی رہی۔ اسے بندر والے کی شخصیت میں عجیب کشش محسوس ہوئی تھی وہ اس کے دوبارہ آنے کا انتظار کرنے لگی۔

سعد بلال کو فنون لطیفہ اور دیگر فنون سے گہرا شغف ہے تاہم اس کے والد کو یہ بات پسند نہیں ہے۔ ان کے خیال میں بلال کو یہ دلچسپی اپنی ماں سے ورثے میں ملی ہے' کیونکہ وہ ایک گلوکارہ تھیں۔ بلال کی خواہش ہے کہ سعد سنجیدگی سے کاروبار میں ان کا ہاتھ بٹائے۔

سارہ خان سرکس میں کرتب دکھایا کرتی تھی۔ ایک حادثے میں وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئی۔ سعد اس کا بہت خیال رکھتا ہے' کیونکہ وہ سعد کو بہت عزیز ہے۔

ماہ نور گاؤں میں بابے منگو کے میلے میں گئی تو اسے وہاں ایک لوک فنکار کی آواز نے مسحور کر دیا۔ وہ اس سے ملنے گئی تو اسے لگا جیسے وہ فنکار وہی بندر والا ہو۔ اس نے بھی ماہ نور کو شناسا نظروں سے دیکھا۔

خدیجہ اور فاطمہ' ماہ نور کی خالہ ہیں۔ ماہ نور ان سے ملنے گئی تو وہ دونوں "شہناز" نامی ایک رشتے دار خاتون کو یاد کر رہی تھیں' جس نے گلوکاری کے شوق میں گھر والوں سے بغاوت کی تھی۔ اور پھر شادی کے بعد اس کے قتل کی خبر ہی ملی تھی۔

سعد کی نیٹ پر اپنی بہن نادیہ سے بات ہوئی' جو پڑھائی کے سلسلے میں بیرون ملک مقیم ہے۔

اٹھارہویں قسط

"سیمی آنٹی جو میں نے آپ سے ریکویسٹ کی ہے آپ یقیناً" اسے یاد رکھیں گی۔" وہ ان دونوں سے رخصت ہوتے ہوئے بولا تھا۔

ہاں۔ ایک دم یاد رکھوں گی۔" سیمی آنٹی بشاشت سے بولی تھیں۔

"سعد! اگلی بار تم چاکلیٹس اور پھولوں کے بغیر آئے تو میں دروازہ نہیں کھولوں گی۔" سارہ نے دل کے سارے خدشے دباتے ہوئے مسکرا کر ایک خوشگوار بات کرنے کی کوشش کی تھی۔

"اگلی بار۔" سعد نے زیرِ لب دہرایا اور ہولے سے ہنس دیا۔ "تمہیں آج دروازہ کھولتے دیکھ کر مجھے لگا' میں فاتح عالم ہوں۔"

"میں اگلی بار کی بات کر رہی ہوں' یاد رہے' دروازہ نہیں کھلے گا۔" سارہ کے لہجے میں تنبیہہ تھی۔

"کون جانے اگلی بار۔" وہ کچھ کہتے کہتے رکا اور اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالتے ہوئے اللہ حافظ کہتا سیڑھیاں اتر گیا۔ سیمی آنٹی اس کے جانے کے بعد تیزی سے کمرے کے اندر داخل ہوئیں۔ انہیں میز پر بکھرے برتن سمیٹنے تھے۔ سارہ بالکنی میں رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کے دل میں وہم تھے اور الجھنیں سوال تھے اور اضطراب بھی۔

☼ ☼ ☼
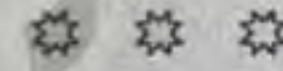
"دیکھا' آخر میں نے تمہیں پکڑ لیا۔ فائنلی تم پکڑے گئے۔" وہ سارہ اور سیمی آنٹی سے رخصت ہو کر سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا تو اسے اپنے سامنے پایا جو چہکتی آواز میں اس سے مخاطب تھا۔

"تم واقعی میرے ہاتھوں قتل ہو جاؤ گے ابراہیم۔" اس نے اپنے زور سے دھڑکتے دل کو قابو کرتے ہوئے جواب دیا۔

سعد کو ڈھونڈ لینا ابراہیم کے لیے ہفت اقلیم کی دولت ہاتھ لگنے کے مترادف تھا۔

"میں نے سنا تھا تو نے یہاں کسی سے نکاح کیا ہوا ہے اور بمعہ ساس کے یہاں رہتا ہے۔ کبھی کبھار آ کر میں عموماً" ایسی افواہوں پر یقین نہیں کیا کرتا' اسی لیے یہ خبر ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا رکھی تھی' لیکن جب تیری مسلسل گمشدگی میرے لیے ایک چیلنج بن گئی تو میں نے دوسرے کان سے اڑی خبر کو واپس کھینچ لیا اور مفروضات کے ڈانڈے ملاتا یہاں تک پہنچ ہی گیا اور دیکھ لے...... کبھی کی سنی افواہ سچ ثابت ہوئی' گمشدہ سعد بڑھیا ساس اور جوان جہان زوجہ کے ساتھ رہتا ہی پایا گیا۔" وہ سعد کے سامنے مزے سے اپنے کارنامے کی تفصیل سنا رہا تھا۔

"لفظ جھانپڑ کا مطلب سمجھتے ہو تم۔" سعد نے اس کی بات سننے کے بعد سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں! سمجھتا ہوں اور رسید کرنا بھی جانتا ہوں۔" ابراہیم نے سر ہلایا۔ "کہو کتنے رسید کروں۔" اس نے سوالیہ انداز میں سعد کی طرف دیکھا۔ "کافی تعداد میں کھانے کے حق دار تو تم ہو۔"

"میں تمہارا لحاظ کر رہا ہوں ابراہیم!" سعد نے کہا۔ "ورنہ تمہارے چار من کے وجود کو نیچے گرا کر ان گنت جھانپڑ رسید کر چکا ہوتا اب تک۔"

"چل پھر چیلنج ہے تو چیلنج ہی سہی' کھلی دعوت دیتا ہوں دنگل کی۔" ابراہیم نے کہا۔ "مت بھولنا کہ میں کن پہلوانوں کی اولاد ہوں۔"

سعد نے ابراہیم کی بات کا جواب دیے بغیر سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور پھر چہار سمت پھیلے سبزے پر نظر دوڑائی۔ وہ مری سے آگے گلیات کے راستوں کو جاتی سینہ کشادہ کیے پتلی سڑک کے کنارے پر بیٹھے تھے۔ فضا میں

نمی تھی اور سبزہ بھی اس نمی سے بوجھل تھا۔ اس نم دار فضا میں سانس لینا مشکل ہو رہا تھا اور اسے ایک نہ ختم ہونے والی تھکاوٹ بھی محسوس ہو رہی تھی۔

اس نے سر اٹھا کر پہاڑوں کو ایسے دیکھا جن کی چوٹیاں سر کرنے کا خیال کسی کوہ پیما کو کبھی نہ آیا ہو گا کیوں کہ یہ چوٹیاں ان کے پیمانہ کوہ پیمائی سے بہت چھوٹی تھیں۔ لینڈ سلائیڈنگ نے ان پہاڑوں کی ڈھلوانوں پر کہیں کہیں اپنے سیاہ نشان چھوڑ رکھے تھے۔

"کیا یہ پہاڑ بھی ایسے کوہ گراں ہیں' جن کا بوجھ اٹھانے کی طاقت صرف خدا کی اس زمین کو عطا ہوئی ہے۔ ان کو سر کرنے کا خیال کسی انسان کو آتا ہے' نہ ہی وہ ان کی طرف دھیان کرتا ہے۔ انسان کو تو بلندیوں اور صرف بلندیوں سے پیار ہے۔ وہ تو شاید ہی یہ سوچتا ہو کہ یہ نسبتاً" کوتاہ قامت پہاڑ بھی تو زمین کو اس کی جگہ سے ہلنے نہ دینے کے لیے ہی بنائے گئے ہیں لیکن یہ یونہی زمین کے سینے پر کھڑے' اسے اپنی جگہ گڑے رہنے میں مدد دیتے کھڑے رہیں گے' نہ ان کی چوٹیوں تک پہنچنے کا کبھی کسی کو خیال آئے گا نہ ہی ان کی بلندیوں کو کوئی چھو پائے گا۔"

وہ نجانے کس احساس تلے دھیان ہٹانے کے لیے الٹی سیدھی باتیں سوچے چلے جا رہا تھا۔

"مانتے ہو پھر کہ میں اس دنیا میں تمہارا واحد' سچا اور مخلص دوست ہوں۔" سبزے کے ایک نرم رسیلے تنکے کو دونوں ہونٹوں کے درمیان دباتے ہوئے ابراہیم نے کہا۔ اب وہ سعد کے سامنے صلح کی سفید جھنڈی لہرانے کے موڈ میں تھا۔

"جو چیزیں غیر حقیقی ہوتی ہیں' نہ ماننے کی کوئی وجہ تو ان کے لیے پیش کی جاتی ہے جبکہ تم ہو اور حقیقت ہو' میں تمہارے دعوے کو کیوں جھٹلاؤں گا۔" سعد نے صلح کی سفید جھنڈی قبول کرتے ہوئے کہا۔

"پھر اس واحد' سچے اور مخلص دوست کو یہ تو بتا ہی دو کہ اس بے سبب خود ساختہ گمشدگی کے پیچھے کیا راز ہے اور یہ جو حلیہ تم نے اس وقت ...... تمہارا کون سا روپ ہے؟"

ابراہیم نے سعد کو اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے کہا' حلیے سے یقیناً" اس کا اشارہ بڑھے ہوئے شیو' میلے مسلے ہوئے کپڑے' چہرے پر تھکاوٹ کے واضح آثار اور ہاتھ پر بندھی اس پٹی کی طرف تھا جو دن بھر کی خواری کے بعد میلی ہو رہی تھی۔

"ابراہیم! تم قسم کھاؤ۔ تم نے ڈیڈی کو کوئی ارجنٹ میسج نہیں کیا میری یہاں موجودگی اور مجھے پا لینے کے حوالے سے۔" سعد نے درخت کے تنے سے ٹیک لگاتے ہوئے بھاری آواز میں کہا۔

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔" ابراہیم نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"تم اس کا جواب دو جو سوال میں نے کیا ہے' تمہارے سوال کا جواب میں بعد میں دوں گا۔" سعد نے کہا۔

"اگر میں کہوں کہ کر دیا ہے تو؟" ابراہیم نے اس کی طرف دیکھا۔ جواب میں سعد نے سرعت سے اٹھتے ہوئے اس کے ہاتھ سے فون کو جھپٹ لیا۔ اس کا یہ عمل اتنا فوری تھا کہ ابراہیم کو سنبھلنے اور سمجھنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ بے بسی سے سعد کو اپنے فون کی تمام ہسٹری دیکھتے ہوئے دیکھتا رہ گیا۔

"ہوں۔" اس کے فون کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد سعد نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"اگر تم نے یہ کام کر دیا ہوتا تو میں واقعی تمہیں قتل کر دیتا۔"

"مگر مجھے کچھ سمجھ میں تو آئے۔ تم یہ سب کیوں کر رہے ہو۔ کیوں اس شخص کو اذیت میں مبتلا کر رکھا ہے جس کے لیے ساری دنیا سے زیادہ صرف تم اہم ہو۔" ابراہیم نے بلند آواز میں پوچھا۔ سعد کے حلیے نے اسے

جھنجلا کر رکھ دیا تھا۔

"جو ساری دنیا سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ صرف وہی تو احساس دلا سکتا ہے کہ ساری دنیا میں اور کون کون رہتا ہے اور اس اور کون کون کے ساتھ کیا "کیا ہو چکا ہے۔" سعد نے سہل سا جواب دیا۔

"مجھے تمہاری بات ذرا بھی سمجھ میں نہیں آئی۔" ابراہیم نے سر ہلایا۔ "میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ تمہاری گمشدگی نے انکل کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ جب تک تمہاری گاڑی نہیں ملی تھی۔ وہ پریشانی کے عالم میں حواس کھو دینے کے قریب نظر آنے لگے تھے۔ ہاں گاڑی ملنے کے بعد یکایک ان کے رویے میں تبدیلی آگئی اور انہوں نے ہر طرح کی تلاش رکوا دی۔ پھر وہ بظاہر نارمل نظر آنے لگے۔ لیکن لاکھ میں احمق سہی میں جانتا ہوں کہ انکل ابھی بھی سخت بے چینی کا شکار ہیں۔ میں ان سے ملنے جاتا ہوں تو ان کی زبان تو نہیں، نظریں مجھ سے سوال کرتی ہیں کہ کچھ پتا چلا۔"

"ان کی نظریں اب سوال کرنے لگی ہیں۔" سعد ہولے سے ہنسا۔ اس کی ہنسی میں عجیب سی تلخی تھی۔ "اگر انہوں نے عمر بھر دوسروں کی نظروں کے سوالوں کے جواب دے دیے ہوتے تو شاید اب ان کی نظریں سوال نہ کر رہی ہوتیں۔"

"کیا پہیلیاں بجھوا رہے ہو یار!" ابراہیم نے الجھتے ہوئے کہا۔ "تم کوئی سیدھا جملہ کوئی قابل فہم بات نہیں بول سکتے کیا؟"

"میں آسان ترین لفظوں میں بھی باتیں کروں نا ابراہیم! تو تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔" سعد نے کہا۔

"چلو نہ بتاؤ کچھ بھی مجھے۔ بس ایسا کرو کہ میرے ساتھ چلو اپنے گھر۔" ابراہیم نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"گھر... گھر والوں سے بنتے ہیں یار!" سعد نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "جبکہ اس گھر سے "گھر والوں" کو ایک ایک کر کے گھر بدر کر دیا گیا۔ اب وہ "گھر" گھر نہیں رہا۔" اس نے ابراہیم کی طرف دیکھا۔ "مقتل گاہوں کو گھر کہتے سنا ہے کیا تم نے کبھی کسی سے؟"

"او بھائی! معاف کر۔" ابراہیم نے گھبرا کر اس کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ "کیوں مجھے ڈرا رہا ہے ایسے خوف ناک لفظ بول کر۔"

"یا تو تجھ پر کسی نے کوئی کالا عمل کروا دیا ہے یا پھر تو ویسے ہی کسی ہانٹڈ جگہ کا چکر لگا آیا ہے۔ جب ہی ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔" کچھ توقف کے بعد ابراہیم نے خیال ظاہر کیا۔

"تم ایسا کرو واپس چلے جاؤ، جا کر اپنا جم اور ریسٹورنٹ چلاؤ۔ دیسی کھانے کھاؤ اور میٹھی لسی پی کر لمبی نیند سو جاؤ۔ مجھے میرے حال میں مست رہنے دو۔" سعد نے اسے مشورہ دیا۔

"تمہارا خیال ہے میں تمہارے اس مشورے پر ہی عمل کروں گا۔" ابراہیم نے سر جھٹکا۔ "میں تو بچو! تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آیا ہوں اور لے کر ہی جاؤں گا۔"

"یہ خیال تو بھول ہی جاؤ۔" سعد نے لاپروائی سے کہا۔ "میں وہاں نہیں جا رہا۔"

"اندھیرا بڑھنے لگا ہے اور یہ سنسان ویران جگہ ہے۔ یہاں سنا ہے گیدڑ، مار خور اور چیتے سب ہی پائے جاتے ہیں ان کی خوراک بننے کا ارادہ ہے تو ٹھیک ہے۔ ہم بیٹھے رہتے ہیں دوست کی خاطر۔ دوست کے ساتھ موت بھی آ جائے تو پروا نہیں۔" ابراہیم کو سعد کی بے نیازی پر غصہ آنے لگا۔

"جانوروں کا نوالہ بننے کے لیے یہاں بیٹھے رہنے کا شوق ہے تو بیٹھے رہو۔ تم نہیں جاتے تو میں چلا جاتا ہوں۔" سعد وہاں سے ہٹ کر سڑک کے بالکل کنارے پر کھڑی اس گاڑی کی طرف چلنے لگا، جو اس کی میزبان نے اسے دی تھی۔

اگر تم اس طرح یہاں سے چلے گئے تو تمہاری اس جگہ موجودگی، جہاں تم اپنی ساس اور زوجہ کے ساتھ رہ رہے ہو، اس پجیرو گاڑی اور اس کا نمبر، تمہارا حلیہ اور ذہنی حالت... والد کے گوش گزار نہ کر دی تو میرا نام بھی ابراہیم نہیں۔" ابراہیم نے اسے جاتے دیکھ کر کھڑے ہوتے ہوئے پیچھے سے بلند آواز میں پکار کر کہا۔

"اور جو تمہاری ان گیدڑ بھبکیوں میں آ جائے، وہ انسان کی اولاد ہی نہیں۔" سعد نے اسی کی طرح بلند آواز میں بغیر مڑے اور بغیر رکے جواب دیا۔

"میں انکل کو میسج کرنے لگا ہوں سعد! اگرچہ وہ اس وقت ملک میں نہیں ہیں لیکن ان کے ایک اشارے پر ان کے کارندے... تم جانتے ہو، وہ لوگ کیا نہیں کر سکتے۔" ابراہیم نے ہار نہ مانتے ہوئے ایک بار پھر دھمکی دینے کی کوشش کی۔

"کیا؟" سعد کے چلتے قدم رکے اور اس نے گھوم کر پیچھے دیکھا۔ "وہ یہاں نہیں ہیں کیا؟"

"بدقسمتی سے۔" ابراہیم اسے رکتے دیکھ کر بڑے بڑے پتھروں پر سے کودتا ہوا لپک کر اس تک پہنچا۔ "وہ اس ٹریڈ میلے میں شرکت کے لیے ایمسٹرڈیم گئے ہوئے ہیں، جہاں شیڈول کے مطابق تمہیں جانا تھا۔"

"تم اپنی گاڑی میں بیٹھ کر آگے چلو۔ میں تمہارے پیچھے آتا ہوں۔ گھر چلتے ہیں۔" سعد نے ابراہیم کی بات ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

"آر یو شیور؟" ابراہیم نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ایک پل میں سعد کو منتر بدلتے دیکھ کر "ششدر" رہ گیا تھا۔

"چلو گاڑی اسٹارٹ کرو۔" سعد نے کہا اور خود اس گاڑی کا لاک کھولنے لگا۔ جسے صبح سے اب تک نہ جانے کہاں کہاں بھگائے پھر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ہاں۔ اس بار اس کے رویے اور اس کی باتوں میں کچھ غیر معمولی پن تھا۔" یمی آنٹی نے اپنے ٹخنے پر درد دور کرنے والی دوا کی مالش کرتے ہوئے کہا۔ موسم میں خنکی بڑھ رہی تھی اور یہ خنکی ان کی ہڈیوں کے جوڑوں پر اثر انداز ہو رہی تھی۔

"کچھ..." سارہ نے میز پر رکھے اسکیچنگ پیپر پر رنگ بھرتے ہوئے رک کر کہا اور یمی آنٹی کی طرف دیکھا۔ "کچھ نہیں یمی آنٹی! بہت کچھ غیر معمولی تھا۔"

"ہو سکتا ہے، بہت کچھ غیر معمولی ہو۔" یمی نے دوا کی ٹیوب پر ڈھکن لگانے کے بعد ٹخنے پر اونی گارڈ چڑھاتے ہوئے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن تمہارا کیا اندازہ ہے، اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔"

"میں کوئی اندازہ نہیں لگا پائی۔" سارہ نے بالکنی میں کھلنے والے دروازے میں جڑے شیشے سے پار دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ اسے نظر کے سامنے پھیلے ہوئے پہاڑوں پر دھند چھاتی محسوس ہو رہی تھی۔ جھٹ پٹے کے وقت کے اس منظر میں اس کے لیے کچھ بھی نیا نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ اس کی نظروں کو وہ ہلکی سی دھند بھی بری لگ رہی تھی اور اس میں چھپتے پہاڑ معمول سے زیادہ سیاہی مائل ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔

"میرا خیال ہے، وہ کسی ذاتی مسئلے میں پھنسا ہوا ہے۔" یمی آنٹی کچن کی طرف جاتے ہوئے بولیں۔

"پتا نہیں۔" سارہ جیسے بے خیالی میں بولی۔ "ہم اس کو آخر جانتے ہی کتنا ہیں جو اس کے ذاتی مسئلے کو سمجھ سکیں۔"

"یہ تو ہے۔" یمی آنٹی نے مڑ کر اسے دیکھا۔ "ہم صرف سعد کو جانتے ہیں۔ اس کا آگا پیچھا، گھر بار، کاروبار۔

اس نے بھی ان سب کی تفصیل تو ہمیں بتائی ہی نہیں۔"

سارہ نے اس بار ان کی بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ تیزی سے پھیلتے اندھیرے میں چھپتے سیاہ پڑتے پہاڑوں کو دیکھے چلے جارہی تھی۔

"بس اتنا معلوم ہے کہ وہ پیسے والا آدمی ہے۔ اس کے پاس پیسہ ہے اور خوب ہے۔" سیمی آنٹی کچن میں جاکر سنک کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے بولیں۔

"بس اتنا معلوم ہے کہ وہ دل والا آدمی ہے۔ اس کے پاس دل ہے اور بہت بڑا دل ہے۔" سارہ نے سیمی آنٹی کی بات کا جواب صرف سوچا۔ زبان سے ادا نہیں کیا۔ اس کے سامنے کے منظر پر مکمل تاریکی چھا چکی تھی اور چپکے سے ہر دل کو بھانے والا پیلا اداس چاند اپنے قمری چکر کے آخری دنوں کی کمزور روشنی لیے عین اس کی نظروں کے سامنے آکر ٹھہر سا گیا تھا۔

"نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ شاید ہی اب کبھی میں تمہیں دیکھ پاؤں۔" سارہ نے اس زرد چاند کو دیکھتے ہوئے سعد کو تصور میں مخاطب کیا۔ "ہمیشہ مجھے امید اور حوصلہ نہ ہارنے کے سبق پڑھانے والے تم کتنے ناامید اور بے حوصلہ لگ رہے تھے اور میں تو تمہاری یہ حالت دیکھ کر اس پر یقین کرنے میں ہی اپنا سارا جتن صرف کرتی رہ گئی۔ تم سے یہ بھی نہ کہہ پائی کہ تم کیوں اتنے ناامید اور بے حوصلہ ہو رہے ہو۔"

اس نے سوچا اور سعد کے تھکے ہوئے مضمحل چہرے کو یاد کرتے ہوئے دکھ سے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

"اس محدود و مختصر سے گھر سے باہر میری زندگی تو صرف تم ہو سعد! تمہاری آمد زندگی کا پیغام اور تمہارا رخصت ہونا، تمہاری دوبارہ آمد کی امید ہے... پھر مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ زندگی رخصت ہوئی، بس سانس باقی ہے۔"

اس نے سر جھکا کر آنکھیں کھولتے ہوئے اپنے سامنے میز پر رکھے سفید اسکیچنگ پیپر کو دیکھا۔ جس پر رنگ بکھرے تھے۔ یہ رنگ اس نے بے دھیانی میں بکھیرے تھے، جن سے نہ تو کسی چیز کا عکس ابھرتا نظر آرہا تھا، نہ ہی کسی شبیہہ کے خدوخال تھے۔

"تمہارے تصور کے بغیر میرے لیے زندگی اتنی ہی بے معنی ہے جتنے کاغذ پر بکھرے یہ رنگ۔" اس نے اسکیچنگ پیپر کو ہاتھ میں پکڑ کر مٹھی بند کرکے مروڑ دیا۔

"اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب سے تم گئے ہو، میرا دل بیٹھا جارہا ہے اور میں بے معنی سی حرکتیں کرنے میں مصروف ہوں۔ جیسے ایسا کرنے سے تمہارے جانے کا خیال دل سے دور ہوجائے گا۔" اس نے دکھ سے سر ہلاتے ہوئے سوچا۔

"وہ تم سے کیا بات کررہا تھا۔ تمہیں کیا سمجھا رہا تھا بھلا؟" سیمی آنٹی نے کچن سے نکل کر اس کے سامنے آکر کہا۔

"وہ کچھ ایسے اکاؤنٹس کے بارے میں بتا رہا تھا، جن کے اے ٹی ایم اور کریڈٹ کارڈز وہ مجھے کوریر کے ذریعے بھیجے گا۔ تاکہ میں اکاؤنٹس سے رقم حاصل کرسکوں۔" سارہ نے جواب دیا۔

"اس نے ایسا کیوں کہا؟" سیمی آنٹی نے ٹھٹکتے ہوئے پوچھا۔ "پہلے تو وہ میرے والے اکاؤنٹ ہی میں رقم ٹرانسفر کیا کرتا تھا۔"

"میں نہیں جانتی، اس نے ایسا کیوں کیا۔ میں نے اس سے پوچھا تھا۔ مگر اس نے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔"

"ہوں...!" سیمی نے دونوں ہاتھ کولہوں پر ٹکاتے ہوئے معاملے پر غور کرتے ہوئے کہا۔ "اس کا مطلب ہے واقعی کچھ غیر معمولی ہوا ہے یا ہونے والا ہے۔"

"ذرا ٹرائی کرکے دیکھو۔ کیا ابھی بھی اس کا فون بند ہے۔" اچانک سیمی آنٹی کو خیال آیا۔ ان کے خیال دلانے پر

سارہ نے میز پر رکھا فون اٹھا کر سرعت سے سعد کا نمبر ملایا۔ اس کی حیرت کو انتہا پر پہنچانے کے لیے دوسری طرف فون پر بیل جانے کی آواز واضح سنائی دے رہی تھی۔

☼ ☼ ☼
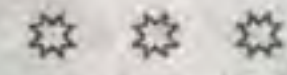
"تم نے اپنے لیے ایک مشکل فیصلہ کرلیا ہے ماہ نور!" فاطمہ نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"پوری زندگی اتنی آسانیوں میں بھی تو گزاری ہے فاطمہ خالہ!" ماہ نور کے چہرے پر ایک بے بس سی مسکراہٹ تھی۔

"میں نہیں جانتی تھی کہ تم سعد کے لیے اتنی سنجیدہ ہو، ورنہ میں اس سے یہ بات ضرور کرتی، مجھے اندازہ تو ہوجاتا کہ وہ تمہارے لیے سوچتا ہے؟"

"آپ نے اچھا کیا کہ اس سے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ کیونکہ میں خود بھی نہیں جانتی کہ میں اس کے لیے کس وجہ سے سنجیدہ ہوں۔ میں اس کے معاملے میں خود کو اتنا انوالو کیوں پاتی ہوں۔" ماہ نور نے کہا۔

"جہاں تک مجھے علم ہے، جو بے قراری میں تم میں دیکھتی ہوں، اسے محبت کہتے ہیں۔" فاطمہ نے صاف گوئی سے کام لیا۔

"محبت تو ایک لفظ ہے فاطمہ خالہ! اور یہ تو کسی کو کسی سے بھی ہوسکتی ہے۔ ماں، باپ کو اولاد سے، مرد کو عورت سے، انسان کو جانور سے، محبت تو ایک کامن ناؤن (اسم نکرہ) ہے۔ جسے کوئی بھی، کہیں بھی اپنے جذبے کی وضاحت کے لیے استعمال کرسکتا ہے۔" ماہ نور کی بات فاطمہ کو حیران کرنے کے لیے کافی تھی۔ وہ ماہ نور سے اتنی گہری بات کی کبھی بھی توقع نہیں کرسکتی تھیں۔

"تو پھر یہ محبت سے بھی آگے کا کوئی جذبہ ہوگا۔" انہوں نے بے ساختہ کہا تھا۔ "ایک پراپر ناؤن (اسم خصوصی) مثلاً "عشق وغیرہ۔""

"عشق!" ماہ نور نے اس لفظ کو دل میں دہرایا اور اسے جیسے ایک دھکا سا لگا۔ آواز میں سوز کا رانہ... عشق اسے یاد آیا۔ عشق آتش لائی ہے... اوکھے پینڈے لمیاں نیں راہواں عشق دیاں... یہ پراپر ناؤن، اس کے اور سعد کے تعلق کے دوران کتنی بار آیا۔ کتنی بار دہرایا گیا تھا۔ شاید یہ اس تعلق کا حاکم لفظ تھا۔ جس کے عنوان کے تحت اس تعلق کے باقی تمام مندرجات رقم ہوئے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی۔

"یہ لفظ اگر مناسب بھی ہو تو کیا فائدہ فاطمہ خالہ! جو جذبہ ہو ہی یکطرفہ، اس کا مستقبل کیا ہوسکتا ہے؟"

اس نے پہلی بار کسی کے سامنے سچے دل سے اقرار کرتے ہوئے کہا۔ اسے اپنے دل کی کیفیت کو روشنی دینے کے لیے ایک روزن درکار تھا، جو اسے فاطمہ کی شکل میں اچانک دستیاب ہوا تھا۔

"جب ہی تو کہہ رہی ہوں۔ تم نے اپنے لیے ایک مشکل فیصلہ کرلیا ہے۔" فاطمہ نے ماہ نور کے منہ سے وہ بات سننے کے بعد جو وہ پہلے ہی سمجھ چکی تھیں، کہا۔ "وہ اچانک یوں غائب ہوجاتا ہے کہ اپنا نام و نشاں تک نہیں چھوڑتا۔ وہ تمہارے قریب موجود ہوتے ہوئے بھی کسی ان دیکھی ہستی کی تلاش میں رہتا ہے۔ اس ہستی کو پالینے کے لیے بہروپ بدلتا ہے۔ عجیب و غریب جگہوں پر پایا جاتا ہے۔ کسی بھی انوکھی کہانی کو سن کر اسے گمان ہونے لگتا ہے کہ ضرور اس قصے میں ہی اس ہستی تک پہنچنے کا سراغ مل جائے گا۔ جو اپنے باپ سے بدگمان بھی ہے اور اس سے بہت مانوس بھی ہے اور سب سے بڑھ کر جس نے ایک بار بھی تمہیں کوئی حوصلہ افزا جملہ نہیں کہا۔ اس کے لیے شہر بدر ہونا۔ مجھے کہہ لینے دو ماہ نور! تم خود کو مشکل میں ڈال رہی ہو۔" فاطمہ کے چہرے پر باوجود کوشش کے پریشانی عیاں ہورہی تھی۔

"میں وہاں کلاسز لینے جارہی ہوں فاطمہ خالہ! آپ میرے اس ارادے کو سعد سے کیوں جوڑنا چاہ رہی ہیں" ماہ نور نے انہیں تسلی دینے کی ایک کمزور سی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تم کلاسز کا صرف بہانہ کررہی ہو ماہ نور!" فاطمہ نے سرہلایا۔ "دراصل تم اسے تلاش کرنا چاہتی ہو اور اسے بتانا چاہتی ہو کہ وہ اپنی تلاش کا سرا کہاں سے پکڑے اور ایسا تم محض اس لیے نہیں کرنا چاہتیں کہ تم کسی انسان کی مدد کرنا چاہتی ہو۔ بلکہ ایسا تم اس لیے کرنے جارہی ہو کہ وہ انسان سعد ہے۔"

فاطمہ ایک دم اس کی کیفیت کا ظالمانہ تجزیہ کرنے پر تل گئیں۔

"فاطمہ خالہ! آپ کا کیا خیال ہے۔ آپ کی کزن جن کو گلے پر چھری پھیر کر قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان کا سعد کی ممی سے کوئی تعلق ہوسکتا ہے؟" ماہ نور نے اچانک موضوع بدلنے کی خاطر سوال کیا۔ وہ ہر صورت فاطمہ کے کڑوے سچ سے فرار حاصل کرنا چاہتی تھی۔

"اللہ جانے۔" فاطمہ نے سرہلایا۔ "سعد ایک بڑے بزنس مین کا بیٹا ہے۔ تمہارے بقول اور شہناز کوئی ایسی نامور گلوکارہ تو تھی نہیں کہ اس کے حلقہ احباب میں ایسی کوئی خاتون پائے جانے کا امکان ہوتا جس سے سعد کے والد تعلق بنانا پسند کرتے۔"

"سعد کے بقول سعد کے والد اس کی ممی کو میراثن کا لقب دیتے ہیں۔" ماہ نور نے کہا۔

"شہناز کا ذوق اتنا گیا گزرا بھی نہیں تھا کہ وہ کسی میراثن کی صحبت میں بیٹھ جاتی۔ وہ بے چارہ بس ماں کو ڈھونڈنے کے چکر میں میری تیری سب کی سنائی داستانوں میں اپنی ماں تلاش کرنے لگتا ہے۔" فاطمہ نے ماہ نور کی بات کی نفی کرتے ہوئے کہا۔

"چلیں پھر جو بھی ہے ہمیں کیا۔" ماہ نور نے صوفے کے کناروں پر ہاتھ رکھ کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "قصہ یہ ہے کہ سعد گیا اس کا کسی سے کوئی رابطہ نہیں۔ اب وہ جانے اور اس کی تلاش جانے۔"

اس نے بے نیازی سے سر جھٹکا۔ فاطمہ اس کی اس کوشش پر نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرادیں۔

☼ ☼ ☼

سیدھے سادے' سادہ لوح کھاری پر بڑا کڑا وقت پڑا تھا۔ اس کی آسان اور بے نیاز سی زندگی طوفان کی زد میں تھی۔ زندگی بے انت سوالوں کے ساتھ اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی اور اسے صاف محسوس ہوتا تھا کہ ان بے انت سوالوں میں سے اسے ایک کا بھی جواب نہیں آتا تھا۔

اس روز وہ سعدیہ کو بھین جی کے گھر چھوڑنے کے بعد واپسی پر کتنی ہی دیر چاچے رفیق کے کھیتوں کے کنارے اکیلا بیٹھا رہا تھا۔ کھیتوں میں دھان کی فصل سر اٹھائے کھڑی تھی۔ دھان کی سرسبز فصل تاحد نظر پھیلی تھی اور اس میں کھڑے پانی پر سورج کی براہ راست پڑتی حدت زمین سے ایک عجیب سی دم گھٹنے والی بھڑاس اٹھا رہی تھی۔ سر پر چمکتا سورج پسینہ چوٹی سے ایڑی تک بہا رہا تھا۔ لیکن ایسی فضا میں جہاں کوئی بھی ذی روح اس کی شدت سے بھاگ کھڑا ہو' وہ اس کی سختی کے احساس سے بے نیاز کب سے وہاں بیٹھا تھا۔

"مجھے نہیں پتا کہ میں کون ہوں۔ نہ مجھے پتا میرا آنے والا وقت کیسا ہے۔ اوپر سے سعدیہ اور بھین جی کے دل کی باتوں کا بوجھ بھی میرے کندھوں پر آپڑا۔"

وہ کھیتوں میں ٹھہرے پانی پر نظریں جمائے سوچ رہا تھا۔ "مجھے کیا خبر تھی کہ بھین جی اور مولوی جی جیسے سادے سیدھے بندوں کے آگے پیچھے اتنے گنجل (گرہیں) ہوتے ہیں کہ ہاتھ تھک جائیں گنجل نہ کھلیں۔"

اس نے افسوس کے اظہار کے طور پر سر جھٹکا۔

"بے چاری سعدیہ کا بھی کیا قصور ہے۔ اسے ایک ناؤ سے اتار دوسری میں چڑھا۔ بھین جی کے کنفیوژن)

کنفیوژن) اس کی ناؤ ہی بدلتے رہے ساری عمر۔ پھر بے چاری کو میرے ساتھ نکاح کی کشتی میں بٹھا دیا۔ بتاؤ بھلا لڑکی کو ڈاکٹر بنانے کے خواب دکھا دکھا کر مجھ جیسے جاہل' بے حقیقت بندے کے پلے باندھ دیا۔ سعدیہ کی بھی ساری غلط فہمی دور ہوگئی ہوگی میرے ساتھ نکاح کرکے۔ اس نے جو کسی تخت پر بیٹھنے کا سوچا ہوگا' چوہدری سردار کی محبت' پیار اپنی جگہ' فارم ہاؤس کے کامے (ملازم) اور راکھے کی بیگم بن کر کون سے تخت پر چڑھ بیٹھنا تھا اس نے۔ سچی بات ہے یہ جو بڑے لوگوں والے کنفیوژن ہوتے ہیں' غریب بندے کو بھاری ہی پڑتے ہیں اور میرے جیسے عقل سے پیدل بندے تو ان میں پھنس کر اپنے ہاسے ہی بھول جاتے ہیں۔"

اس نے چہرے پر چمکتے پسینے کو شانے پر رکھے رومال سے پونچھتے ہوئے سوچا۔

"چلو میں تو سب کو پتا ہے کہ گواچا (گمشدہ) بندہ ہوں۔ ان کو دیکھو سعد باؤ صاحب کو۔ وہ اتنے امیر ہو کر بھی مجھ سے بھی زیادہ گواچے (گمشدہ) ہیں۔ ان کو خبر ہی نہیں کہ ان کی ماں جو انہوں نے کبھی دیکھی ہی نہیں' اس کے ساتھ کیا ہوا۔ بے چاری نے کیسی زندگی گزاری۔ اب پتا نہیں انہوں نے کبھی اپنی ماں کے بارے میں سوچا بھی کہ نہیں۔ لیکن اگر سوچا ہو تو کیا سوچتے ہوں گے۔ شاید سمجھتے ہوں کہ ماں میری کب کی مرگئی۔ عید' شب برات پر اس کے لیے فاتحہ دعا کرتے ہوں گے۔ جو ان کو پتا چلے کہ ماں بے چاری کے ساتھ کیا' کیا گزری تو کبھی سکون کی نیند نہ سوئیں رب سوہنڑے کی قسم۔" اس نے یقین انداز میں سرہلایا۔

"سچی بات تو یہ ہے کہ جب سے بھین جی کی بات سنی ہے اور جب سے سعدیہ کی بات سنی ہے' مجھے بھی دن رات ساری باتوں کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی آتا ہے کہ میری بھی تو کوئی ماں ہوگی۔ میں کوئی آسمان سے نہیں گرا ہوں گا۔ اللہ جانے میری ماں زندہ بھی ہوگی یا نہیں۔ وہ کیسی ہوگی' کہاں رہتی ہوگی۔ میں اس سے کدھر اور کیسے گم ہوگیا ہوں گا۔ جب گم ہوا ہوں گا تو اس نے کدھر کدھر مجھے نہ ڈھونڈا ہوگا۔ میرے اور بھی کوئی بہن' بھائی ہوں شاید۔ وہ تو اکٹھے رل مل (مل جل) کر رہتے ہوں گے۔ کوئی ابا بھی ہو شاید کہیں۔" اس کی کھلی آنکھیں ایک خاندان کو تصور میں دیکھنے لگیں۔

"سچی بات ہے۔" کچھ دیر بعد اس نے سر جھٹکا۔ "کنفیوژن ہی کنفیوژن ہے۔ میں تو اپنے ہاسے مذاق ہی بھول گیا۔ ان میں پھنس کر۔ بابے منگو کا میلہ بھی گزر گیا۔ کیا اچھا وقت تھا' پچھلے سال جب مہ نور باجی اور میں بابے منگو کے میلے پر گئے تھے۔ وہاں سائیں بھی ملا تھا۔" اس کے چہرے پر لحہ بھر کو مسکراہٹ بکھری۔

"سائیں اور سعد باؤ صاحب۔ عجیب ہی رولا ہے ہر بات میں۔ آدمی امیر ہو یا غریب' کنفیوژن اب عام سی بات ہوگئی ہے سب کے لیے۔ جیسے اب میں کنفیوژ ہوں۔" اس کا چہرہ پھر سے اداس ہوا۔

"ایک ایسی جگہ پر بندہ کھڑا ہو جہاں سے شمال' جنوب' مشرق اور مغرب چاروں طرف راستے نکلتے ہوں۔ ایسے چوک میں کھڑے ہوئے بندے کو کیسے پتا چلے کہ وہ کدھر جائے۔ کس راستے پر چلے۔" اس نے ایک بار پھر سر جھٹکا۔

"اوئے کون ہے اوئے۔ ادھر کیوں بیٹھا ہے۔ شکر دوپہرے" (بھری دوپہر میں)

قریب سے آتی آواز اس کے کان میں پڑی۔ اس نے چونک کر آتی آواز کی سمت دیکھا۔

"اوئے کھاری' اوئے شدائیا!" چاچا رفیق سر پر سفید ململ کا کپڑا باندھتا اس کی طرف چلا آرہا تھا۔

"جھلا ہوگیا ہے جو اس ہسڑ (حبس) میں بیٹھا ہے۔ سر کو چڑھ گیا نا ہسڑ تو مہینہ بھر بستر پر پڑا رہے گا۔" چاچے رفیق نے اس کے قریب آکر اپنی بات مکمل کی۔

"سر کو صرف ہسڑ ہی نہیں چڑھتا چاچا!" کھاری نے پگڈنڈی کے کنارے پر گیلی مٹی میں ہاتھ میں پکڑا تنکا پھیرتے ہوئے کہا۔ "سر کو تو باہر کی شیویں (چیزیں) بھی چڑھ جاتی ہیں۔ پھر بھی تو بندہ شدائی ہوجاتا ہے نا۔"

"اوئے چل اوئے اٹھ ادھر سے۔" چاچا رفیق نے اس کی بات پر دھیان نہ دیتے ہوئے اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔ "تو بستر پر پڑ گیا تو چوہدری سردار کی ساری بھینسیں تریجھ (دودھ دینا چھوڑ دیں گی) جائیں گی 'وہ تو تیرے ہاتھ پڑی ہیں نا۔"

"ہاں سب کو اور 'اور چیزوں کی فکر پڑ جاتی ہے۔ کھاری غریب کی کسی کو کوئی فکر نہیں۔" اس نے اٹھنے کے لیے چاچے رفیق کے بڑھے ہوئے ہاتھ کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔

"تیری فکر تیری گھر والی کو ہوگی نا جھلیا۔" چاچا رفیق ہنسا۔ "اب تو تو گھر والی والا ہو گیا ہے۔ اب شیدائیوں کی طرح ادھر ادھر بیٹھنا چھوڑ دے۔"

"بندے کا کوئی گھر ہو تو ہی گھر والی بھی گھر والی بنتی ہے چاچا!" اس نے زبردستی دانت نکوستے ہوئے بظاہر مذاق میں کہا لیکن یہ راز صرف وہ جانتا تھا کہ اس کی بات میں آنے والے وقت کے خوف 'اندیشے اور فکریں کیسے لرز رہی تھیں۔

"کھاری وے کھاری!" وہ چاچا رفیق کے ساتھ اس کے ڈیرے کی طرف جا رہا تھا۔ جب پیچھے سے اسے ماسٹر کمال کی آواز سنائی دی۔

"اوئے تو ادھر گھوم پھر رہا ہے۔" اس نے مڑ کر دیکھا ماسٹر کمال موٹر سائیکل پر بیٹھا اس سے مخاطب تھا۔ "ادھر شہر سے تیرے مہمان فارم ہاؤس آکر بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"میرے مہمان؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"ہاں اور میں تجھے ڈھونڈ ڈھونڈ کر پھاوا (خوار) ہو گیا ہوں۔" ماسٹر کمال نے ناراضی سے کہا۔ "اپنا فون بھی تو نے اپنی گھر والی کو پکڑا رکھا ہے۔ اس سے پوچھو تو وہ بھی کہتی ہے پتا نہیں افتخار کدھر ہے۔" ماسٹر کمال نے لفظ 'افتخار' پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"او ہو کون آگیا؟" کھاری نے چاچا رفیق کی طرف یوں دیکھا جیسے اسے پتا ہو کہ کون آیا تھا۔

"چلو پھر جلدی سے میرے پیچھے بیٹھ جاؤ۔ پروہنا انتظار کرتا ہوگا۔" ماسٹر کمال نے کہا اور کھاری چاچا رفیق سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوتا ماسٹر کمال کے پیچھے موٹر سائیکل پر بیٹھ گیا۔

☼ ☼ ☼

انہوں نے اپنے سامنے بیٹھی سعدیہ کی طرف دیکھا جو گھٹنے موڑے ٹانگوں کو بازوؤں کے ہالے میں لیے یوں گم صم بیٹھی تھی جیسے شکست کھائی فوج کا کوئی سپاہی شکست کے بعد اپنی ہار کے اسباب پر غور کر رہا ہو۔ "اس کے حوالے مجھ سے شاید سب کچھ غلط ہو گیا۔" انہوں نے افسوس سے سوچا تھا۔ "سہیلیوں 'ساتھ والیوں اور اسکول سے گھر تک راستے میں نظر آنے والے لوگوں کو دیکھ کر اگر جو اسے بھی اپنی حالت سنوارنے کا خیال آگیا تھا۔ ایک چھوٹی سی خواہش نے مجھے اتنا خوف زدہ کر دیا کہ میں نے آؤ دیکھا 'نہ تاؤ' اس کے سارے خوابوں پر پانی پھیرتے ہوئے اسے ایک بے شناخت 'ان پڑھ لڑکے کے پلے باندھ دیا۔"

وہ سعدیہ کے سامنے نظریں جھکانے پر خود کو مجبور محسوس کرنے لگیں۔

"لاکھ نیک دل 'معصوم اور شریف ہے کھاری 'مگر یہ بھی تو حقیقت ہے کہ اس کا نہ کوئی آگا ہے 'نا پیچھا 'نہ ہی کوئی ڈھنگ کا کام کرتا ہے۔ نہ سلیقے کی کمائی ہے۔ چوہدری سردار کی مرضی ہو تو اسے چار پیسے پکڑا دے ورنہ پتر جی سب کچھ تمہارا ہے۔ رج کے عیش کرو 'کھاؤ پیو 'مزے کرو جیسے جملوں پر ٹرخا دیا۔"

اس روز وہ صرف اور صرف سعدیہ کی ماں بن کر سوچ رہی تھیں۔

"میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اماں اپنے دل میں اتنے بڑے بڑے راز چھپا کر بیٹھی ہیں۔ وہ ایسے وحشت ناک حالات سے گزر کر مجھے گود میں اٹھائے شہر در شہر چھپتی چھپاتی یہاں تک پہنچیں اور توفیق بھر مجھے پالتی رہیں۔" رابعہ آپا کے سامنے بیٹھی سعدیہ خلا میں گھورتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

"میں تو یہاں آنے سے پہلے اس چھوٹے شہر کے پرانے گندے 'چھوٹے سے محلے کی مسجد کے اس چوبارے کو ہی یاد کرتی رہی 'جس میں ہم رہتے تھے اور جہاں میری دلچسپیوں کا جہان آباد تھا۔ اماں اور ابا جی کو وہاں سے اٹھ کر اس گاؤں تک کیوں آنا پڑا 'مجھے کیا خبر تھی کہ اس نقل مکانی کے پیچھے اپنی اور میری جان بچانے کا ارادہ چھپا ہوا تھا۔ مجھے یہاں آنے پر اعتراض 'کسی رشتہ دار 'عزیز کے نہ ہونے پر اعتراض 'اس طرز زندگی پر اعتراض 'اس مفلوک الحالی پر اعتراض 'زندگی میں شکر کا کلمہ تو شاید ہی میں نے کبھی پڑھا ہو اور میرے ماں 'باپ۔۔۔"

اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے چہرہ دوسری طرف موڑا اور ایک بار پھر خلا میں کچھ دیکھنے لگی۔

"دونوں کتنے بڑے دل والے ہیں۔ ابا جی ایک وقت اچھا کھانا مل جانے پر اگلا پورا ہفتہ اسی کا شکر ادا کرتے رہیں اور اماں 'مکے مدینے سے آئی چار کھجوروں کا تحفہ مل جانے پر شکر گزاری کی کیفیت سے سرشار جھوم جھوم جائیں۔ ہائے! میں نے کبھی ان دونوں کی ان عادتوں پر تو غور ہی نہیں کیا۔"

اس کے دل میں دکھن کا احساس جاگا۔

"میں گلے ہی کرتی رہ گئی ساری عمر۔ نہ ہونے کے رونے ہی روتی رہی۔ جو تھا اور مل رہا تھا 'اس پر کبھی دھیان ہی نہیں کیا 'لاکھ اماں توجہ دلاتی رہیں۔"

اس نے مضطرب ہوتے ہوئے سر کو نفی میں ہلایا۔ "آج جب اپنی اوقات اور حیثیت کا انکشاف ہوا ہے تو پچھلی پوری زندگی پر شرمندگی محسوس ہونے لگی ہے۔"

"اور اب جو اس کو میں نے آگے پیچھے کی ساری داستان سنا دی ہے تو یہ نہ جانے اپنے بارے میں کیا فیصلہ کرے۔ کھاری کا کیا ہوگا اس سارے میں؟" آپا رابعہ نے اپنے خیالات سے نجات حاصل کرنے کے لیے وہاں سے اٹھتے ہوئے سوچا۔

"اماں کی باتیں سن کر مجھے کیا 'کیا خیال نہیں آرہے۔ مگر میرے سر پر اماں اور ابا جی تو ہیں نا 'میں بے شناخت تو نہیں ہوں۔ کیا ہوا جو میں میراثیوں کے کسی سرپنچ کی نواسی ہوں اور میرے باپ کو اس کی ماں غربت کے ہاتھوں تنگ آکر یتیم خانے میں چھوڑ گئی تھی۔ میرے بے نشان منزل کے مسافر ماں 'باپ کو اللہ نے زمانے کی تمام ٹھوکریں کھلانے اور تجربے کے سارے رنگ دکھانے کے بعد اپنے راستے پر تو چلا دیا نا۔ ابا جی خود سے بنا کریا کہیں سے پڑھ پڑھ کر لوگوں کو جو دین اسلام کی باتیں سناتے ہیں 'ان کے پیچھے مقصد تو فلاح ہے اور اصلاح بھی۔ ابا جی جیسے مولوی جو انجام اور آخرت کی خوفناک لفظی تصویریں نہ دکھائیں تو یہ عام دیہاتی لوگ تو بالکل ہی بے راہ رو ہو جائیں۔ ان ہی کا دم ہے 'جو ان ان پڑھ لوگوں کو اللہ کی 'نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی 'رسولوں 'پیغمبروں 'آسمانی کتابوں 'الہاموں اور دوسرے مذاہب کی باتیں سنا کر کم از کم ان کے کانوں کو ان سب سے روشناس تو کراتے ہیں۔ بے راہ اور بدگمان تو نہیں کرتے۔ باقی رہی انسانی فطرت اور جبلت تو اس پر کسی کا اختیار نہیں 'غربت کے مارے تنگ آکر یتیم خانے میں جمع کروانے والی ماں کا بیٹا صدیوں اور نسلوں کی بھوک ہی تو مٹا تا رہے گا۔ جب بھی دستر خوان پر بیٹھے گا۔"

اس نے ابا جی کو جبلت کا مارجن دیتے ہوئے سوچا۔

"اور اماں! ان کی قسمت تو جیسے کھل ہی گئی۔ تاجے میراثی کی بیٹی تمام عمر بدھائیاں اور دعائیں نہ دیتی رہتی تو اور کیا کرتی۔ لیکن اپنی سہیلی کے گھر اتفاقاً "پہنچ جانے اور اس کی خدمت گزاری میں دن گزار دینے نے اماں کو کیسے

کیسے اسباق پڑھا دیے۔ اماں کی سہیلی بھی کیا نصیب لے کر پیدا ہوئی ہوگی۔ عزت دار گھرانے کی مال 'جائیداد کی وارث 'اتنی پڑھی لکھی لڑکی اور قسمت دیکھو' ساری عمر پرانے محلے کے تین کمروں کے مکان میں گزار دی۔ زندگی کی تمام تلخیاں دیکھیں اور سہیں اور ان کو سہتے سہتے توکل 'تمنا' فقر اور صبر کے درس پڑھ ڈالے۔ نہ صرف خود پڑھے 'بلکہ اماں کو بھی پڑھا دیے۔ اماں کی قسمت 'بے سمت مسافر کو کیسی سمت مل گئی سہیلی کے طفیل 'مگر کھاری؟"

اس کا دھیان پھر سے کھاری کی طرف چلا گیا۔ "اس بے چارے کو تو یہ بھی پتا نہیں چلا کہ زندگی کا جو سفر وہ طے کر رہا ہے 'وہ سفر ہے 'جس میں جب بھی وہ مڑ کر پیچھے دیکھے گا 'اسے کوئی اپنا نظر نہیں آئے گا۔" اسے جھرجھری سی آگئی۔

"دیکھو 'اب اس کے اور کھاری کے رشتے کا بنتا کیا ہے۔" ہینڈ پمپ چلا کر شفاف پانی سے وضو کرتی رابعہ آپا سوچ رہی تھیں۔

"اماں نے جو سبق پڑھا۔ اگر میں آج سے اس کی الف 'ب کی گردان سیکھنا شروع کروں تو کتنا وقت لگے گا پوری تختی سیکھنے میں۔" مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے مولوی سراج سرفراز کی اذان دیتی آواز سن کر دوپٹا سر پر اوڑھتے ہوئے سعدیہ نے سوچا۔

"تختی پڑھ لوں تو کھاری کی زندگی سنورے 'نہ پڑھوں تو اپنی من مرضی کرتی پھروں 'نہ اس صورت روک ٹوک 'نہ اس صورت۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ہینڈ پمپ کے قریب رکھی نیچی چوکی پر چپل اتار کر بیٹھ گئی۔ پمپ کی ہتھی چلانے پر پمپ کے منہ نے ٹھنڈا میٹھا صاف پانی اگلا۔

"اشھدان لاالہ الا اللہ واشھدان محمد الرسول اللہ۔"

سعدیہ کلثوم اس ٹھنڈے صاف میٹھے پانی سے وضو کرنے کے بعد زیر لب اقرار کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"بے ایمانی تمہارے دل کی پکی مکین بن چکی ہے ابراہیم! اور جھوٹ تیری گھٹی کا حصہ ہے۔" سعد دانت پیستے ہوئے ابراہیم کی طرف مڑا۔

"وزڈم میرے یار وزڈم!" ابراہیم نے کنپٹی پر انگلی بجاتے ہوئے جواب دیا۔ "میرا وزڈم وہاں شروع ہوتا ہے جہاں تیرا ختم ہو جاتا ہے۔ اگرچہ میں مرغن اور چربیلے کھابے کھانے والوں کی اولاد ہوں۔"

"میں تمہاری وزڈم کا آملیٹ بنا کر نہ کھا گیا تو میرا نام بدل دینا۔" سعد نے بلند آواز میں کہا اور ڈرائیو وے پر پیدل ہی تیز قدموں سے چلنے لگا۔ وہ گھر کے مین گیٹ سے باہر جا رہا تھا۔

"تھینک یو ابراہیم! میرا خیال تھا کہ تم ایک وفادار اور بااعتماد دوست ہو۔" اس کے تیز قدموں کے راستے میں آنے والے شخص نے ابراہیم کو اتنی ہی بلند آواز میں مخاطب کیا۔ سعد نے بے بسی سے اپنے سامنے اور پھر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس کے سامنے اس کا باپ اور پیچھے جگری دوست تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار بلال سلطان کے ہاتھ چوہے کی طرح پکڑا گیا تھا۔

"کہاں اور کس سے فرار چاہیے تھا برخوردار!" بلال سلطان نے اسے دونوں شانوں سے تھامتے ہوئے مخاطب کیا۔

"مجھے آرام کی ضرورت ہے۔" اس نے ان کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔ ایسا جواب جو ان کے سوال سے بالکل بھی میل نہیں کھاتا تھا۔

"ہاں ضرور۔۔۔" انہوں نے سر ہلایا۔ "تمہارا کمرا تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ادھر ہی جا رہا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ مجھے بالکل بھی ڈسٹرب نہیں کیا جائے گا۔" اس نے رک کر ایک دو لمحے سوچنے کے بعد صلح جو انداز میں کہا۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" بلال نے خوش دلی سے کہا۔ کتنے دن کے بعد انہیں محسوس ہوا تھا کہ ان کے بے جان جسم میں خون دوڑ رہا تھا اور سانس کا معمول نارمل ہونے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میں آپ سے سخت شرمندہ ہوں میم! اپنے وعدے کے مطابق نہ خود اب تک آپ کے پاس واپس پہنچا 'نہ ہی آپ کی گاڑی آپ کو واپس پہنچا سکا۔"

"مجھے گاڑی کی اس وقت تک فکر نہیں ہے جب تک یہ اطمینان ہے کہ تمہارا تعلق گاڑی چوروں کے ٹولے سے نہیں ہے۔ لیکن تمہارے لیے میں یقیناً" فکر مند ہوں۔ تمہارے زخمی ہاتھ کے لیے اس سے بھی زیادہ۔ اور یہ تم واپس اپنے فون نمبر تک کیسے پہنچ گئے۔"

"میں تو وہیں پہنچ گیا 'جہاں سے چلا تھا فلزا میم!"

"ثابت ہوا دنیا گول ہے۔" ہنسی کی آواز۔

"دنیا صرف گول نہیں گول مٹول ہے۔ میرے گول مٹول ہم زاد نے اس بار میری عقل پر اعتماد کا پردہ ڈال کر مجھے واپس اغوا کر لیا۔"

"یعنی سر اٹھانے سے پہلے ہی سر کچل دیا گیا۔"

"ابھی کچلا نہیں گیا۔ جال میں جکڑا گیا ہے۔ کچلنے کا فیصلہ شاید بعد میں کیا جائے۔"

"ارے کسی دوست چوہے کو ڈھونڈو سعد بلال! کیا تم نے ایسے موقع کے لیے کسی چوہے سے دوستی نہیں کر رکھی تھی 'جو اس جال کو کتر سکے۔"

"جس چوہے کو اس منظر میں کودنا تھا 'اتفاق سے وہ چوہا میں خود ہی ہوں۔ ایک ایسا چوہا جو جال پھینکنے والے پر الٹانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ الحمد اللہ۔ ویسے آپ نے پھر مجھے سعد بلال کہہ دیا۔ یاد رکھیے گا لکیر پیٹنے کی صلاحیت رکھنے سے انکاری بھی ہیں اور بخوبی پیٹ بھی لیتی ہیں۔"

"یادداشت کا قصور ہے۔ جو کمزور ہوئے جاتی ہے۔ میری حقیر سی میزبانی کے عوض امریکن باداموں کا ایک پیکٹ دلوا دو تو مشکور ہوں گی۔"

"معوضانہ مانگ رہی ہیں۔ یہ بھی یاد رکھیے گا اور بے فکر رہیے گا۔ میں آپ کو امریکن نہیں 'دیسی باداموں کا تحفہ پہنچاؤں گا۔ وہ زیادہ طاقت کے حامل ہوتے ہیں۔ اگرچہ پستہ قامت اور ناقابل اعتنا ہوتے ہیں دیکھنے میں۔"

"تم صرف باتیں کر سکتے ہو 'عمل وغیرہ کچھ نہیں۔"

"عمل ہی تو کرنے جا رہا ہوں۔ ایسا عمل جس کے بعد آپ چھوڑ بڑے بڑے فرعون مجھے اس صدی کا سب سے بڑا عامل بابا ماننے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

"دیکھتے ہیں۔"

"ہاں انتظار کیجیے اور دیکھیے کی پالیسی اپنا لیجیے آپ۔"

"ٹھیک ہے۔"

"ویسے یہ بتائیے گاڑی آپ کے نام رجسٹرڈ ہے کیا؟"

"میرا میرے علاوہ اور ہے کون 'جس کے نام رجسٹر کراؤں گی۔"

"آپ کا' آپ کے علاوہ جو ہے' میرا عمل اسی کو تو آپ کے سامنے لانے والا ہے۔ بس ایک چلّہ کاٹ لینے دیجیے مجھے۔ اس کے بعد اس سنیاسی باوے کا کمال دیکھیے گا۔"
"واہ بھئی بڑے پر عزم لگ رہے ہو آج تو۔"
"انسان جب جال میں پھنس جائے تو عقل کے داؤ پیچ زیادہ لڑائے جاتے ہیں۔ ارتکاز کی بات ہے۔"
"ہاں یہ تو ہے۔"
"لیجیے۔ پھر میں رخصت لیتا ہوں۔ آپ کی گاڑی کچھ دیر بعد پہنچ جائے گی۔ آپ تک۔"
"اور تم؟"
"میری چھوڑیے' مجھے جال پر دانت آزمانے ہیں اور چلّہ بھی کاٹنا ہے۔"
"مطلب اگلی بار میری ملاقات ایک جٹادار جوگی سے ہوگی۔"
"آپ کی ملاقات جلد ہی دل کے سکون اور آنکھ کی ٹھنڈک سے ہوگی' انتظار کیجیے اور دیکھیے بس۔"
"معما بن رہے ہو تم تو۔"
"معما حل کر رہا ہوں' دعا کیجیے گا میری اس کوشش کے دوران سیاہ بادبانوں والے جہاز ساحل سے نہ آ لگیں ورنہ چٹان سے کود کر خودکشی کرنے والے بادشاہوں کی کل تعداد دو ہو جائے گی۔"
"یہ ادب سے لیا یا تاریخ سے؟"
"آدھا' آدھا دونوں سے۔"
"میں شاید تمہیں سمجھ نہیں پائی۔"
"لیکن میں آپ کو خوب سمجھ گیا۔ آپ کو بھی اور آپ کی ڈنائٹ ان ہیون کو بھی۔"
"ڈرا رہے ہو؟"
"نوید دے رہا ہوں۔"
"چلو دیکھتے ہیں۔"
"ہاں دیکھیے۔"
"گڈ بائے سعد ب... سعد سلطان۔"
"گڈ بائے فلزا میم۔"

☼ ☼ ☼

اس کی نظروں کے سامنے پیغام تھے' بلکہ پیغامات ان گنت پیغامات' اور وہ ایک کے بعد ایک پیغام پڑھ رہا تھا۔ وہ پیغام تھے جنہیں وصول کرنے اور پڑھنے سے پہلے ہی وہ جانتا تھا کہ اسے کیسے اور کن الفاظ میں پیغام بھیجے جا رہے ہوں گے۔ اپنا فون بند کرنے کے بعد اس نے سر پیچھے کر کے آنکھیں بند کر لیں۔

"کچھ پچونیشنز ایسی ہوتی ہیں جن سے نظریں ملانا مشکل ہی نہیں' ناممکن بھی ہوتا ہے۔" اس نے سوچا اور اٹھ کر اپنے وارڈ روب کی طرف چل دیا۔ صبح ہونے سے قبل اسے بہت سے کام نمٹانے تھے۔ اس نے وارڈ روب کے دروازوں اور چند خفیہ خانوں سے کچھ کاغذات نکالے اور انہیں لیے کھڑکی کے قریب رکھی اسٹڈی ٹیبل کی طرف آ گیا۔ کھڑکی کے پردے اس کے شیشوں سے ہٹے ہوئے تھے۔ شیشوں کے پار سارے میں رات کا اندھیرا تھا اور اندھیرے میں چمکتی کچھ بڑی سولر روشنیاں' اس نے گھر کے وسیع لان میں لگے لیمپ پوسٹس کے اندر سر جھکائے روشنیوں کے ان منبعوں کو دیکھا اور پھر سامنے دیکھنے لگا۔ روشنی کے بعد اندھیرا' رات کی سیاہی۔

وہ اس پوری کائنات میں جلاوطنی کی غالباً" آخری رات تھی۔

☼ ☼ ☼

"تمہارے پروفیشنل رویے سے مجھے یہ توقع نہ تھی۔" بلال سلطان نے ٹوسٹ پر جیم لگاتے ہوئے کہا۔
"آپ کی توقع کا قصور ہی کہہ سکتا ہوں اسے۔" سعد نے اپنی پلیٹ میں دھرے ٹوسٹ کا ٹکڑا ہاتھ سے توڑ کر آملیٹ کا ایک چھوٹا ٹکڑا اس میں سمیٹا۔ وہ دونوں کتنے دن بعد اکٹھے ناشتا کر رہے تھے' اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔
"ہاں شاید میں بوڑھا ہو رہا ہوں۔" بلال نے سر ہلایا۔
"پاپا! آپ جیسا جوان ہمت بوڑھا میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے۔"
"شہ مات کا غصہ نکال رہے ہو کیا یوں ہنس کر۔"
"غصہ تو نہیں نکال رہا' کامپلیمنٹ (تحسین آمیز الفاظ) دے رہا ہوں۔" اس نے ٹوسٹ کا دوسرا ٹکڑا توڑا۔
"چلو یونہی سہی۔" وہ مسکرا کر بولے۔ "شاید تم بھول گئے' میں تمہارا بھی باپ ہوں۔"
"میں یہ کبھی نہیں بھولا کہ آپ میرے بھی باپ ہیں' بھول صرف یہ سوچنے میں ہوئی کہ آپ صرف میرے ہی باپ ہیں۔" اس نے جملہ مکمل کرنے کے بعد دانستہ ایک نظر ان پر ڈالی۔ وہ ان کا رد عمل دیکھنا چاہتا تھا۔
"میں بھول جانا چاہتا ہوں کہ تم اتنے دن مجھے بتائے بغیر کہیں غائب رہے" وہ اس کی بات سمجھ نہیں پائے یا دانستہ گول کر گئے' اسے سمجھ نہیں آیا۔ "لیکن تمہارے انداز مجھے بار بار یاد دلا رہے ہیں کہ تم اتنے دن نجانے کہاں اور کن لوگوں میں رہے۔"
"میرے انداز۔" وہ ہاتھ روک کر بولا۔ اس کا انداز سوالیہ تھا۔
"ہاں!" انہوں نے جس ہاتھ میں چھری پکڑی تھی' اس سے اس کی طرف اشارہ کیا۔
"تم مسلسل ہاتھ سے ٹوسٹ توڑ کر کھا رہے ہو' چھری کانٹے کا استعمال بھول گئے غالباً۔"
"اوہ!" وہ ان کی بات سمجھتے ہوئے سر ہلا کر بولا۔ "چھری کانٹا۔" اس نے ان کے الفاظ دہرائے اور مسکرا کر ان کی طرف دیکھا۔ "دراصل مجھے چھری کے استعمال سے ڈر لگنے لگا ہے۔ خاصا خطرناک اوزار ہے یہ۔ ضرورت پڑنے پر ہتھیار بننے میں دیر نہیں لگاتی یہ چھری' ٹوسٹ' بن' پھل' سبزیاں ہی نہیں کبھی کبھی لوگوں کے گلے کاٹنے کے کام بھی آ جاتی ہے۔" اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔
"ارے آپ کا ہاتھ کیوں کانپ گیا۔" اگلے لمحے وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا تھا۔ "لیجیے میں اپنا کامپلیمنٹ واپس لیتا ہوں۔ آپ جواں ہمت نہیں بڑھاپے کی طرف گامزن بوڑھے ہیں۔ ہیں نا" وہ ان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا "جب ہی چھری کانٹے چلاتے ہاتھ کانپنے لگے ہیں آپ کے۔"
"اوہ بہت لیٹ ہو گئے۔" انہوں نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔ سعد نے دل میں ان کے خود پر قابو پانے کی صلاحیت کی داد دی۔
"میں اب چلتا ہوں۔" وہ تیزی سے اٹھتے ہوئے بولے۔ "میں آج آفس میں منتظر رہوں گا۔ مجھے منتظر رہنا چاہیے نا۔" قریب رکھا فون اور ایک فائل اٹھاتے ہوئے انہوں نے سوال کیا۔
"ظاہر ہے۔" وہ اپنے کپ سے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بولا۔ "مجھے یاد ہے آج جعفری اینڈ جعفری والوں سے لنچ پر میٹنگ شیڈولڈ ہے۔"
"زبردست" وہ بے ساختہ بولے "گویا ہم وہیں سے دوبارہ آغاز کر رہے ہیں' جہاں رک گئے تھے۔"
"ہم چلتے چلتے رک گئے اور رک کر ٹھٹک گئے' زمین قدم چھوڑتی ہے یا نہیں' لیٹس سی!" وہ مسکرایا۔
"لگتا ہے کسی شاعر کی مصاحبت میں وقت گزار کر آئے ہو۔"

"شاعر نہیں فنکار کہیں۔" وہ مزید مسکرایا۔
"تمہارا نہیں جینز کا قصور ہے۔" وہ جاتے جاتے رکے۔
"جینز برانڈڈ ہے یا لنڈے کی میں نہیں جانتا کیونکہ یہ قصور آپ کا ہے۔" اس نے برجستہ جواب دیا۔
"بلیم گیم۔" انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔ "کھیلنا ہے تو چھپ کر مت کھیلو بساط پر آؤ۔"
"بساط بھی آپ کی مہرے بھی آپ کے شاہ بھی آپ شاہ مات بھی آپ کی میں تو تماشائی ہوں' تالیاں پیٹتا ہوں اور سر دھنتا ہوں۔"
"آداب عرض ہے۔" وہ دایاں ہاتھ ماتھے تک لے جاتے ہوئے بولے۔
"اعلا ظرفی ہے بندہ پروری کی۔" اس نے اپنی پلیٹ کھسکائی۔
"آج ابراہیم کو میں نے ڈنر پر انوائیٹ کیا ہے' ضوفی کو اس کی پسند کے متعلق بتا دینا۔ میں اس کا تعاون سیلیبریٹ کرنا چاہتا ہوں اس کے ساتھ۔"
"کرنا چاہیے وہ ڈیزرو کرتا ہے یہ سیلیبریشن میں ابھی ضوفی کو بریف کرتا ہوں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ "ایک پیالہ ہیملاک (Hemlock) کی قیمت کیا چل رہی ہے آج کل مارکیٹ میں' کچھ آئیڈیا ہے آپ کو۔" اس نے ان کی طرف دیکھا۔
"ضوفی کو آئیڈیا ہوگا۔ اس سے پوچھ لینا۔ اور اسے بتا دینا کہ مشروبات میں بھی شامل ہوگا کیونکہ ڈنر کا مینیو سرو کرنے سے پہلے چکھنے اور انہیں فٹ ٹوایٹ سرٹیفکیٹ دینے کی ذمہ داری بھی اس کی ہے۔" اس کی بات سے حظ اٹھاتے ہوئے بولے۔
"فکر مت کیجیے ہنٹ ٹوایٹ سرٹیفکیٹ میں اس سے چکھنے سے پہلے ہی سائن کروالوں گا۔" وہ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بولا۔ بلال نے اسے جاتے ہوئے دیکھا اور مسکرادیے۔
"آفس آنے سے پہلے سرجن ڈاکٹر عبدالطیف سے ملنا ہوگا تمہیں' میں ان سے اپائنٹمنٹ حاصل کرچکا ہوں' اپنا ہاتھ کا زخم چیک کراؤ فوراً"۔
انہوں نے پیچھے سے بلند آواز میں کہا اور مسکراتے ہوئے باہر کی طرف چل دیے۔ ان کی توقع کے عین مطابق سعد گھر واپس آچکا تھا۔ سرخوشی کے اس عالم میں وہ چند دن تک کوئی اور بات سوچنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ سوائے اس کی واپسی کی خوشی منانے کے۔

☼ ☼ ☼

"صرف ایک شرط پر میں تمہیں جانے کی اجازت دے رہی ہوں یاد رکھنا۔" فائزہ نے ڈائیوو کے ٹرمینل پر اپنی گاڑی پارک کرتے ہوئے گاڑی سے باہر نکلنے سے پہلے ایک بار پھر ماہ نور سے کہا۔
"مجھے آپ کی شرط ازبر ہوچکی ہے ممی! اور یقین رکھیے میں اگلا سمسٹر شروع ہونے سے پہلے لوٹ آؤں گی۔" ماہ نور نے بے چارگی سے کہا۔
"کیا تم سمجھتی ہو کہ میں تمہاری دشمن ہوں جو اتنی بے زاری سے جواب دے رہی ہو۔" فائزہ اس کے لہجے پر چونکتے ہوئے بولیں۔
"نہیں ممی پلیز! آپ ایسا مت سمجھیے۔ میں آپ کی تسلی کے لیے کہہ رہی تھی۔" اس نے بیگ پکڑ کر گاڑی سے باہر لاتے ہوئے کہا۔
"اور فرقان ماموں کے ہاں ڈھنگ سے رہنا ہوگا تمہیں۔ تم جانتی ہو نا تمہاری ممانی کی طبیعت کیا ہے؟" فائزہ

نے ڈگی سے اس کا دوسرا بیگ نکال کر اس کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اسے اس کے پہیوں پر اپنے پیچھے دوڑاتے ہوئے یاد دلایا۔
"سب جانتی ہوں ممی! آپ فکر مت کریں پلیز۔" وہ نیچی آواز میں بولی تھی۔ اس کی بس نکلنے میں پانچ سات منٹ ہی باقی تھے۔ وہ تیز قدموں سے چلتی بس کی طرف جارہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"طیفے لاٹر کو نکاح کا علم ہوچکا ہے اور سنا ہے وہ سخت غضب ناک ہورہا ہے۔"
"ہونے دو اس کی غضب ناکی خلاف توقع تو نہیں۔"
"تمہیں ڈر نہیں لگتا' جبکہ وہ جس سے تم نے نکاح کرلیا کچھ اتنا باہمت نہیں لگتا' ویسے بھی حسن پرست ہمن پرست' فنکار پرست شخص کو بازو آزمانے سے کیا مطلب۔"
"بڑے بڑے لفظ زیادہ ہی نہیں بولنے لگیں تم؟"
"تمہارے ساتھ کا کمال ہے۔"
"چلو اچھا ہے کچھ تو زبان شستہ ہوئی تمہاری۔"
"تمہیں زبان کی شستگی کی پڑی ہے ادھر طیفا لاٹروں دیہاڑے محلے بھر کے مکانوں کی چھتوں پر دندناتا پھررہا ہے۔ رات کے اندھیروں کی تو کیا ہی بات ہے۔"
"فکر مت کرو' کچھ نہیں بگاڑ پائے گا وہ ہمارا۔ یہ جو بڑے بڑے سورما بنتے ہیں نا مچھر سنگھ قسم کے' یہ صرف باتوں کے شیر ہوتے ہیں' دل ان کا چوہے کا سا ہوا کرتا ہے۔"
"تم تو شاید عشق کی طاقت کے سر پر شیر ہو لیکن میرا تو سچ پوچھو دن' رات دل ہولتا رہتا ہے' ہمارے پاس تو اپنی حفاظت کو پستول' چھوڑ پستول کی گولی بھی نہیں اور شوہر نامدار تمہارا پندرہ پندرہ دن کے وقفے سے ادھر کا چکر لگاتا ہے۔"
"اوہو میری چوہیا! جب جگر والوں کی محبت اختیار کی ہے تو حوصلہ بھی بلند کرنا ہوں گے۔ اچھا اب وحشت ناک شکل بنا کر مجھے بھی اپنے ساتھ مت ہولاؤ۔ اتنا ہی تم کو ڈر لگا ہے نا تو مولوانوں کے ہاں پڑ رہنے والے کو بولو' رات ہماری چھت پر آکر سوجایا کرے' چوکیدارن کے سو دو سو روپے ماہوار دے دیا کریں گے اسے اس چوکیداری کا۔"
"واہ کیا بندہ ڈھونڈا ہے چوکیداری کرنے کو۔ نرا جثہ ہی جثہ ہے کم بخت کا' اندر سے خالی ہے منحوس ڈھنڈار۔"
"بری بات اس طرح دوسروں کو منحوس نہیں کہتے' کیا پتا کل کو یہ ہی منحوس ہم سے مانوس ہوجائے۔"
"خیر کا کلمہ پڑھو' کوئی خیر کا کلمہ' منحوس کو مانوس کراتے دس بار سوچنا چاہیے۔"
"تم مجھے منٹ دو منٹ بعد طیفے لاٹر سے ڈراؤ اور میں تمہارے لیے خیر کا کلمہ پڑھوں' بہت خوب۔"
"اچھا چلو خیر مذاق برطرف' دیکھو دروازے پر دستک ہورہی ہے' یقیناً" بڑی لمبی عمر ہے اس سراج سرفراز کی' اس تک میرا پیغام پہنچادو' بلکہ بہتر ہے میں خود ہی ڈیوڑھی میں جاکر چق کے پیچھے سے اس سے بات کرلیتی ہوں۔"
"تم نے کون سا میری مان لینی ہے' جو دل میں ٹھان لیتی ہو کر کے رہتی ہو' جبکہ اس موٹے نے وقت پڑنے پر ایک ڈنڈا بھی چلالیا تو پھر کہنا۔"
"اچھا اچھا یہ بحث بعد میں کرلینا۔ ابھی تو دروازہ کھولو اور اسے بولو رکے میں آرہی ہوں۔"

☼ ☼ ☼

ماواں دھیاں دل مل بیٹھیاں
تے چرخے دی کوک مک گئی
(ماں بیٹی جب اکٹھی بیٹھتی ہیں تو اپنی باتیں کرنے کو کہتی ہیں کہ کام کاج سب بھول جاتی ہیں)

آپا رابعہ نے اپنے گھٹنے پر سر رکھ کر بیٹھی سعدیہ کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ عصر کی نماز کے بعد سے مغرب کی اذان تک ان دونوں نے دل کی اتنی باتیں ایک دوسرے سے کہہ سن لی تھیں کہ دونوں کو ایک بار بھی کسی دوسرے کام کا دھیان نہیں آیا تھا۔ مولوی سراج سرفراز نے مسجد کے منبر پر کھڑے ہو کر مغرب کی اذان دینا شروع کی تو دونوں ایک دم چونکیں۔

"مغرب کا وقت ہو گیا اور تمہارے اباجی کے لیے ہانڈی نہیں چڑھائی میں نے۔" آپا رابعہ نے کہا۔

"ایک ہی تو شوق ہے اباجی کا اماں! اس کا خیال رکھا کریں۔" سعدیہ نے عرصہ بعد باپ کے لیے کوئی بات دل سے اتنی محبت کے ساتھ کی۔

"تم جانتی ہو کہ ان کے لیے کسی دوسری بات کا تو خیال ہی نہیں آتا مجھے۔"

"کھاری سبزیاں، گھی، دودھ اور مکھن لانا چھوڑ گیا نا اماں؟" سعدیہ نے پوچھا۔

"تمہارے لیے کوئی محفوظ راستہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے کھاری خود کہیں گم ہو گیا ہے شاید۔"

آپا رابعہ نے افسوس کے ساتھ سر ہلایا۔

"آپ فکر نہ کریں اماں! میں کھاری کو گم نہیں ہونے دوں گی، بلکہ اس کے ساتھ مل کر اسے ڈھونڈنے کی کوشش کروں گی، اس کے دکھ کی طرف تو میرا کبھی دھیان ہی نہیں گیا تھا، آج اس طرف دھیان گیا ہے تو اپنے تمام خود ساختہ غم ہیچ لگنے لگے ہیں، اتنی شرمندگی محسوس ہو رہی ہے دل میں کہ لگتا ہے، اس سے کبھی نظریں نہ ملا پاؤں گی۔ بڑے اور عظیم لوگ جب عاجزی کی گدڑی پہن لیں تو کتنی مشکل ہو جاتی ہے نا انہیں پہچاننے میں اماں!" سعدیہ نے سوالیہ انداز میں آپا رابعہ کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ کھاری کی ذات میں چھپے عظیم انسان کو پہچاننا واقعی بہت مشکل ہے۔ دیر سے سہی تم نے پہچان لیا، سمجھو پہلا سبق ازبر ہو گیا۔" آپا رابعہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

"وضو کر لو، نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے۔" انہوں نے قمیص کی آستینیں کہنیوں تک موڑتے ہوئے کہا۔

☼ ☼ ☼

اس کے ہاتھ تیزی سے مصروف تھے۔ اسے گھر سے نکلنے سے پہلے اپنے سارے کام مکمل کرنے تھے۔

"ہاں رحیم! جو جو کام میں نے تمہارے سپرد کیے تھے، مکمل ہو گئے کیا؟" اس نے فون پر ایک نمبر ملانے کے بعد کال ریسیو کر لیے جانے پر تیزی سے سوال کیا تھا۔

"ایک لفظ۔ سیکرٹ یاد ہے نا؟" دوسری طرف سے اثبات میں جواب ملنے پر اس نے پوچھا۔

"اس لفظ کو دن رات دل میں دہراتے رہنا۔ آج اور آج کے بعد آئندہ آنے والے دنوں میں بھی۔ ٹھیک ہے۔"

"او کے پھر، ملتے ہیں وہیں، جہاں ملنا طے ہے۔" اس نے فون بند کرنے سے پہلے کہا اور اپنا آفس بیگ اٹھایا۔

اس کے فون کی بیل اس کے کمرے سے نکلنے سے ذرا دیر پہلے ہی بجی تھی۔ اس نے رک کر میز پر سے فون اٹھا کر دیکھا اور کال کرنے والے کا نام پڑھ کر نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا۔

"میں معذرت خواہ ہوں، اب میں تمہاری کوئی کال ریسیو نہیں کر سکتا۔" اس نے زیر لب کہتے ہوئے کال ڈس

بند ہونے پر فون بند کر دیا اور سم نکال کر میز کی دراز میں رکھے براؤن رنگ کے لفافے میں رکھ دی۔ بھورے کاغذ کا یہ لفافہ اپنے اندر کئی اور چیزیں بھی سمائے ہوئے تھا۔ اس کی پھولی ہوئی ظاہری حالت اس میں موجود چیزوں کا اندازہ لگانے کے لیے کافی تھی۔

کمرے سے نکلنے سے پہلے اس نے آگے بڑھ کر کمرے کی کھڑکی کو اپنے ہاتھوں سے بند کیا تھا اور اس کے پردے برابر کر دیے تھے۔

"ہیلو سر! آپ کے بتائے ڈنر مینو کے تمام لوازمات منگوا لیے گئے ہیں، لیکن یہ اہتمام کس لیے؟" سیڑھیاں اتر کر نیچے آنے پر اس کا سامنا ضوفی سے ہوا جو آخری لفظ ادا کرنے کے بعد سر کھجا رہی تھی۔

"بھئی۔ اس کا انتظام کرنا تو بہت ضروری ہے۔" وہ مسکرا کر بولا تھا۔ "ڈیڈی اور ابراہیم اس کے پیالے پر تو اپنا جشن فتح منا سکیں گے۔"

"لیکن سر" ضوفی نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

"او کے بھئی بائے، مجھے دیر ہو رہی ہے۔ ڈیڈی میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔" وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا اور رہائشی عمارت سے باہر آ گیا۔

"لیکن سر! صاحب نے سختی سے منع کیا تھا۔ آپ کو گاڑی ڈرائیو نہیں کرنے دی جائے، آپ کا ہاتھ زخمی ہے۔ آپ کو ڈاکٹر عبداللطیف کے پاس بھی رکنا ہے راستے میں۔" سجاد نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"اوہو بھئی۔ ڈیڈی کی چھوڑو۔" اس نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر بیگ اس میں رکھتے ہوئے کہا۔ "میں ڈرائیو کر سکتا ہوں اور آفس تک کا فاصلہ ہی کتنا ہے۔" وہ ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آتے ہوئے بولا اور سجاد کی کوئی بھی مزید بات سنے بغیر گاڑی اسٹارٹ کر کے گیٹ تک لے آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آئی ایم سوری ماہ نور! مصروفیت میں تمہیں بتانا بھول گیا، سعد کو نہ صرف میں نے ڈھونڈ لیا ہے، بلکہ اب وہ اپنے گھر میں موجود محفوظ ہے۔ اس کا نمبر آن ہو چکا ہے، تم اسے کال کر سکتی ہو۔"

راولپنڈی ٹرمینل پہنچنے سے صرف دس منٹ پہلے ماہ نور کو ابراہیم کا وہ جاں فزا پیغام وصول ہوا تھا۔ اس کا دل ایک انجانی خوشی کے زیر اثر بری طرح دھڑک اٹھا تھا، دھک دھک کرتے دل پر قابو پاتے ہوئے اس نے تیزی سے سعد کا نمبر ملایا تھا۔

"ہم معذرت خواہ ہیں، آپ کا مطلوبہ نمبر فی الوقت بند ہے۔" کئی ہفتوں سے جو آواز اور الفاظ وہ بارہا سن چکی تھی، ایک بار پھر اس کے کانوں سے ٹکرائے تھے، ایک عجیب سی گھبراہٹ کے عالم میں اس نے بار بار وہ نمبر ری ڈائل کیا اور جتنی بار ملایا، اتنی ہی بار وہ پیغام اسے دوبارہ سننے کو ملا تھا۔

ماہ نور کی بس آہستہ رفتار سے چلتی اپنی منزل پر پہنچ کر مخصوص مقام پر رک رہی تھی۔ عین اسی وقت اسلام آباد ایئرپورٹ سے دبئی جانے والی ایک پرواز اپنے دیگر مسافروں کے ساتھ ساتھ سعد سلطان کو بھی ایک نئی منزل کی طرف لے اڑی تھی۔

باقی ان شاءاللہ آئندہ ماہ

طاہرہ نیازی

"ایک ہی بہت ہے ہمارے لیے۔ وہی ہمارے ہاتھوں سے نکلی جارہی ہے۔ تم لوگوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگ رہی ہے۔ کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے تم لوگوں کو آگے پڑھانے کی۔"

وہ ابھی ابھی کالج سے آئی تھی۔ بیگ رکھ کر کچن میں آئی ہی تھی کہ ماں کی آواز سن کر رک گئی۔ وہ مسکراتے ہوئے ماں کے مقابل آن کھڑی ہوئی۔ جو اس کی چھوٹی بہنوں پر بگڑ رہی تھیں۔

"لگتا ہے آج پھر کوئی آپ کی سسرال سے آیا ہے۔ چاچا' چاچی ہی آئے ہوں گے یقیناً" ۔ ہے نا؟"

"مریم! یہ جو تمہارے باپ نے تمہیں شہ دے رکھی ہے نا' باز آجاؤ انہیں یہ نہیں پتا کوئی عقل کا اندھا ہی ہوگا جو تمہیں بیاہنے آئے گا۔"

"یعنی آپ چاچا' چاچی کو عقل کا اندھا کہہ رہی ہیں۔ اگلی بار آئیں تو میں بتاؤں گی۔ میری کتنی سمجھ دار چاچی کو آپ نے عقل کا اندھا کہہ دیا ہے۔"

"آہستہ بولو۔ وہ ابھی گھر پہ ہی ہیں۔ گئے نہیں اور خبردار! جو ان کے سامنے کوئی اول فول بکا۔" رابعہ خاتون نے غصے سے تنبیہہ کی۔

"اوہ۔ یہ تو بہت اچھا ہوا۔ اس بہانے آج آپ میری جھوٹی موٹی تعریف تو کریں گی۔ کھانا کھالوں' پھر سلام عرض کرنے چلتی ہوں۔"

اس نے ماں کے غصے کی پروا کیے بغیر کہا۔ ثمو اور حمنہ تو موقع غنیمت جان کر پہلے ہی کھسک گئی تھیں۔

"پتا نہیں وہ کون سی خوش نصیب مائیں ہوتی ہیں جن کی اولاد آنکھیں بند کرکے ان کے کہے پر عمل کر[illegible] ہے۔" انہوں نے ایک دفعہ پھر بات کا رخ اسی طر[illegible] موڑا۔

"کم از کم آپ تو ان میں سے نہیں ہیں۔ یق[illegible] کرلیں میں تو ایسی تابع داری کی مثال بن کے نہیں [illegible] سکتی۔ مجھے کھانا کھانے دیں۔ آپ جائیں اپنی دیور[illegible] کی خوشامد کریں۔" اس نے آگے بڑھ کر پتیلی کا ڈھ[illegible] اٹھایا۔

"کان کھول کے سن لو! اس بار میں ان کو خالی ا[illegible] لوٹاؤں گی۔ وہ جو اتنے اصرار سے کہہ رہے ہیں' ہت[illegible] کا چھالا بنا کر رکھیں گے۔ اتنا خوب صورت' لا[illegible] فائق ان کا بیٹا ہے۔ ایسے رشتے کی تو لڑکیاں آرزو کر[illegible] ہیں۔" رابعہ خاتون نے مسلسل اس کی لاپروائی پر [illegible] کر کہا۔

"تو وہ ڈھونڈ لیں نا اسی کے جیسی لائق فائق' میر[illegible] جان چھوڑ دیں۔" وہ تنک کر بولی۔

"جب اپنے گھر میں رشتے موجود ہوں تو دو سر[illegible] کے گھروں میں تانکا جھانکی کی عادت نہیں ہے [illegible] ہمارے خاندان میں۔" انہوں نے بھی تڑنت لتاڑا۔

"امی پلیز! یہ ٹاپک بند کردیں۔ جب مجھے نہیں کر[illegible] وہاں شادی تو آپ ان کو کیوں آس دلاتی ہیں۔" [illegible] کے بار وہ خاصی سنجیدگی سے کہہ کر ٹیبل پر بیٹھ گئی ا[illegible] سکون سے کھانا کھانے لگی۔ انہوں نے غصے سے [illegible] جھٹکا اور کچن سے نکل گئیں۔ کھانا کھاتے ہی اس [illegible] امی کے کمرے کی طرف رخ کیا۔ جہاں چاچی اور [illegible] قریب بیٹھی جانے کیا راز و نیاز کررہی تھیں۔

"میری مریم بیٹی آئی ہے۔ بسم اللہ! کیسا سوہنا مکھڑا ہے میری دھی کا۔"

حسب معمول اور حسب عادت چاچی اس کی تعریف میں رطب اللسان ہوگئیں اور وہ ان کی منافقت پر کھول کر رہ گئی۔ یہی زبان جب گھر میں موجود ان کی دو بہوؤں کے لیے استعمال ہوتی تو اس میں کیسی کڑواہٹ ہوتی' یہ مریم خوب جانتی تھی۔

"مجھے پتا ہے آپ دونوں مل کر میری دادی کی برائی کررہی ہیں۔" اس نے بے تکلفی سے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے خاصی بے تکی بات کی۔ مقصد چاچی کو تپانا تھا اور وہ حسب عادت تپ بھی گئیں۔

"بھابھی! تمہاری بیٹی کس قدر بدگمان ہے۔ میں بھلا کیوں ان کی برائی کروں گی۔ تمہاری بھی تو وہ ساس ہیں۔ کیا تم جانتی نہیں ہو ان کو پہلے سے۔" وہ شاکی لہجے میں بولیں۔

"چھوڑو صغریٰ! اس کی عادت ہے مذاق کرنے کی۔" انہوں نے چاچی کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی' پھر اسے گھور کر دیکھا۔

"مریم! بندہ سلام کے بعد حال احوال پوچھ لیتا ہے۔ یہ کیا طریقہ ہے کہ آتے ہی فضول مذاق۔" انہوں نے سخت نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اچھا چاچی! بتائیں میری دادی کیسی ہیں۔ بھابھی عشرت اور سکینہ کیسی ہیں۔" وہ چاچی کی طرف متوجہ ہوئی۔

"سب ٹھیک ہیں اور تمہیں دادی سے اتنا پیار ہے تو ہم تمہیں ہمیشہ کے لیے وہیں لے جاتے ہیں۔"

چاچی اپنے پسندیدہ موضوع پر شروع ہوگئیں۔ ہر کسی سے ذرا' ذرا سی بات پر الجھنے والی چاچی اس کی ہر بات کو کیوں برداشت کرتی تھیں' وہ نہیں جانتی تھی۔ چار بیٹوں کی ماں زمین پر اس طرح اکڑ کے رہتیں' جیسے اس دنیا کی چاروں سمتوں پر ان ہی کی حکومت ہو۔

"چاچی! پتا ہے امی آپ کو کتنا سمجھ دار سمجھتی ہیں۔ ابھی میں کالج سے آئی تو آپ کی تعریف کررہی

تھیں۔" اور رابعہ خاتون نے سر پکڑ لیا۔ جانتی تھیں، اس کو روکنا محال ہے۔

"امی کہہ رہی تھیں کہ تمہاری چاچی اتنی سمجھ دار ہیں۔ پھر بھی ایک بھی بہو عقلمند سلیکٹ نہیں کی۔ پتا نہیں ان کو ان لڑکیوں میں کیا نظر آتا ہے۔ جو وہ اپنے بیٹوں کے لیے پسند کر لیتی ہیں۔ حالانکہ آپ کتنی معاملہ فہم ہیں۔"

"بس بیٹی! یہ سب تمہاری دادی اور چاچے کے کمالات ہیں۔ لاکھ کہتی رہی، اپنے دوستوں میں رشتہ نہ جوڑو۔ غیر ہیں۔ مگر میری ایک نہیں سنی۔ میرے اپنے میکے میں تو گویا لڑکیوں کا قحط ہے ورنہ میں تو کبھی کہیں اور نہ کرتی۔" چاچی نے طویل جواب دے کر آہ بھری۔

"تو چاچی! کیا ایک لڑکی بھی نہیں ہے آپ کے خاندان میں۔ آپ کے ارمان تو دل میں رہ جائیں گے۔ چلو مہران بھائی اور عمیر کی تو ہو گئیں مگر اب آپ کے پاس شاہ میر ہی ہے۔ جس کی دلہن آپ اپنی مرضی سے اپنے خاندان سے لا سکتی ہیں۔ ورنہ شہروز تو اپنی پسند سے کرے گا، مجھ سے لکھوا لیں۔" اس کی بات پر چاچی اور امی سمجھ کر مسکرا دیں۔

"پتر! تو جو مرضی کر لے۔ اپنے شاہ میر کے لیے تو میں اسی گھر سے لڑکی لے کر جاؤں گی۔" چاچی نے اپنے مصمم ارادے سے آگاہ کیا۔ رابعہ خاتون البتہ اسے وہاں سے اٹھنے اور چپ رہنے کے لیے آنکھوں ہی آنکھوں میں کتنے اشارے کر چکی تھیں، جس کا اس پہ رتی برابر اثر نہ ہوا۔ وہ کھسک کر اور چاچی کے قریب آ بیٹھی۔ معلوم نہیں چاچی کو اپنی سسرال میں جتنا پیار اپنے دیور کی اس بیٹی سے تھا اور کسی سے کیوں نہیں تھا۔ مگر اللہ جانے مریم کو ان میں کیا منافقت نظر آتی تھی۔

"کتنے اصرار سے مانگتی ہے صغریٰ۔ کتنے خوب صورت اور لائق بیٹے ہیں اس کے، مگر میری یہ نا ہنجار اولاد۔" امی نے سوچا اور اسے وہاں سے ہٹانے کا ان کو ایک ہی طریقہ سمجھ میں آیا۔

"چلو مریم! چاچی کی ٹانگیں دباؤ۔ جوڑوں کے درد کی مریضہ ہیں۔ کتنا لمبا سفر کر کے آئی ہیں۔" جانتی تھیں وہ یہ کام مر کے بھی نہیں کرے گی۔

"میں ابھی اچھی سی چائے بنا کر لاتی ہوں چاچی کے لیے۔ سارے درد دور ہو جائیں گے۔" پیار سے کہتے ہوئے وہ تیزی سے وہاں سے اٹھ گئی۔

☼ ☼ ☼
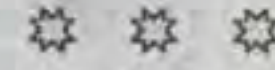
شاہ میر خوب صورت آنکھوں والا قدرے فربہی مائل جسامت، مگر لمبے قد کاٹھ کا دلکش نوجوان تھا۔ حال ہی میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم ایس سی کر کے آیا تھا مگر جاب کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ کاروبار کرنا چاہتا تھا۔ مزاج قدرے غصیلا اور لیے دیے رہنے کا انداز اس کو کسی کے قریب نہ ہونے دیتا۔ مریم سے ڈھائی سال بڑا تھا۔

چاچی اس بار بھی نامراد واپس چلی گئیں۔ ضیا خان نے اس دفعہ بھی بہت شائستگی سے انہیں ٹال دیا۔ البتہ رابعہ خاتون کا غصہ برقرار رہا۔ انہیں بہت ارمان تھا کہ ان کی بیٹیاں اپنوں میں جائیں۔ خاص طور پر مریم جو اپنی تیز زبان اور من موجی طبیعت کی بنا پر کسی کو رتی برابر اہمیت نہ دیتی تھی۔ بھلا کوئی غیر کہاں تک اس کے مزاج کے ساتھ گزارہ کر پائے گا۔ اپنے تو سو عیبوں پر پردہ ڈالتے ہیں۔ آئینہ کی طرح ان کے چہرے ایک دوسرے کے لیے شفاف ہوتے ہیں۔ گرم سرد موسموں میں اپنے ہی اپنوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ ایسے خیالات سے وہ مریم کو اکثر آگاہ کرتی رہتی تھیں مگر اس کا ہنوز وہی جواب۔

"امی! میں کبھی اپنوں میں شادی نہیں کروں گی۔ اگر آپ کو بہت ارمان ہیں تو حمنہ اور ثمو ہیں نا۔" دو ٹوک کہتی اور رابعہ خاتون اس کے پیچھے ہلکان ہوتی رہتیں۔

ان ہی سلسلوں کے ساتھ کتنے موسم آ کر بدل گئے اور اس نے اپنا ماسٹرز مکمل کر لیا۔ موسموں کی تبدیلی نے اس پر کوئی اثر نہ کیا۔ ضیا خان کبھی بھی بچوں پر اپنی مرضی تھوپنے کے حق میں نہ تھے۔ ان کا خیال تھا مریم وقت کے ساتھ اپنا فیصلہ تبدیل کر لے گی مگر ان کا یہ خیال محض خیال ہی ثابت ہوا۔ وہ تینوں بیٹیوں میں ضیا خان کی سب سے لاڈلی طرح دار بیٹی تھی۔ اپنے زمانے کی دوسری لڑکیوں کے برعکس ظاہری نمود و نمائش سے کوسوں دور، موسموں اور قدرت کی رنگینیوں سے البتہ بھرپور دلچسپی رکھتی۔ اس کے لباس میں قدرتی طور پر ایک خاص قسم کا وقار ہوتا۔ قدرے گلابی مائل گوری رنگت درمیانہ قد اور خوب صورت جسامت اوپر سے پہننے اوڑھنے کا ڈھنگ اسے بہت سی لڑکیوں میں ممتاز کرتا۔

"امی! میں جاب کرنا چاہ رہی ہوں۔ اب تو میرا رزلٹ بھی آ چکا ہے۔ حمزہ کا اسکول بہت اچھا ہے اور ہمارے گھر کے قریب بھی۔" اس نے رابعہ خاتون کا موڈ اچھا دیکھ کر بات کی۔

"یہ تمہیں کس نے کہہ دیا کہ تمہارا باپ تمہیں اس کی اجازت دے گا۔ پڑھائی کی بات اور تھی۔ ویسے بھی اب ہم تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں۔ تمہارے ابو کے جاننے والے کچھ لوگ ہیں جو اس سلسلے میں آنا چاہ رہے ہیں۔ بہت کر لی تم نے اپنی من مانی۔ معقول گھرانہ ہے۔ لڑکا بھی پڑھا لکھا برسر روزگار ہے۔ بس تمہاری پڑھائی مکمل ہونے کا انتظار تھا۔" رابعہ خاتون نے اس کی بات کا الٹ اور مفصل جواب دیا۔

"امی! مگر زمیندار قسم کے لوگوں میں، میں بالکل شادی نہیں کروں گی۔ آپ جانتی ہیں نا۔"

"ہاں جانتی ہوں تمہاری یہ ناقص سوچ اور تمہارے باپ کو بھی بتا دی ہے کہ بیٹی کی کیا ڈیمانڈ ہے۔ غضب خدا کا اتنی عامیانہ سوچ ہے تمہاری۔ تمہارا باپ بھی تو زمیندار ہے۔ کبھی کوئی برائی دیکھی ان میں تم نے۔ تمہارے چاچا۔ ان کے بیٹے کس قدر باحیا اور باکردار ہیں۔ پتا نہیں تمہارے ذہن میں ایسا کیا ہے جو تم اتنی ناشکری ہو رہی ہو۔" رابعہ خاتون نے غصے سے جھڑکا۔

"امی! بس مجھے نہیں کرنی نا کسی زمیندار بیک گراؤنڈ رکھنے والے بندے سے۔ چاہے جتنا مرضی قابل ہو۔" وہ نروٹھے انداز میں بولی۔

"دیکھو مریم! قسمت بار بار دستک نہیں دیتی، جو اس دستک کو سمجھ نہیں پاتے اور اپنے دروازے بند کر لیتے ہیں۔ قسمت پلٹ کر ان کے در پر دوبارہ نہیں آتی۔" اب کے رابعہ خاتون نے اس کو نرمی سے سمجھایا۔

"ابھی بھی وقت ہے بیٹا! سمجھ جاؤ، شاہ میر بہت اچھا لڑکا ہے اور پھر تمہارا کزن بھی ہے۔ ایسے رشتے قسمت والوں کو ملا کرتے ہیں۔ تم نے بلاوجہ کی ضد بنا لی ہے۔"

"امی! یہ ضد نہیں ہے۔ حقیقت ہے کہ مجھے شاہ میر کبھی بھی اچھا نہیں لگا۔"

"بیٹا! جب رشتہ جڑتا ہے تو خود بخود دل سے ناتا بن جاتا ہے۔"

"امی پلیز! میں نہیں کرنا چاہتی اور ابو بھی میری بات مانتے ہیں تو آپ بار بار کیوں اصرار کرتی ہیں؟" اب اس نے زچ ہو کر کہا۔

"کہتی ہوں تمہارے ابو سے اور کچھ پتا کریں نہ کریں یہ ضرور دیکھ لیں کہ لڑکے کا بیک گراؤنڈ کسی دیہات سے نہ ہو۔ کوئی گندم کی طرح کھڑے بالوں والا، ہاتھ میں رنگ برنگی چوڑیاں، کڑے پہننے والا اور بدرنگی جینز پہننے والا کوئی بھی لوفر آپ کی بیٹی کے معیار پر آسانی سے پورا اتر جائے گا۔" رابعہ خاتون بری طرح تپ گئیں۔

"توبہ ہے امی! آپ ایسا سمجھتی ہیں مجھے۔ میں نے ایسا کب کہا۔" اس نے ناراضی سے ماں کو دیکھا۔

"ہاں تو ایسے ہی لڑکوں کا زمیندارانہ بیک گراؤنڈ نہیں ہوتا۔ باقی تو اچھے، اونچے عہدوں پر فائز لوگ پیچھے سے زمیندار ضرور ہوتے ہیں۔"

"آپ کا مطلب ہے، جو محنت پیشہ طبقہ ہے۔ جو صبح

سے شام تک اپنے گھر کی دال روٹی چلانے کے لیے اپنا پسینہ بہاتے ہیں مگر زمیندار نہیں ہوتے وہ شریف اور اچھے لوگ نہیں ہوتے؟ حد ہے امی!" اس نے افسوس سے کہا۔

"جو بھی ہے اب میں اس معاملے میں نہیں بولوں گی۔ تمہارا باپ جو فیصلہ کرے گا' تمہیں ماننا پڑے گا۔" رابعہ خاتون نے گفتگو سمیٹتے ہوئے کہا۔ "اور یہ جاب کا خناس بھی دماغ سے نکال دو' کرنا اپنے محنت مشقت کرنے والے شوہر کے ساتھ مل کر' جب یہاں سے چلی جاؤ گی تو۔" رابعہ خاتون اٹھ گئیں۔

"اف! اب اپنی شادی تک امی سے تعلقات ایسے ہی رہیں گے۔ ان کے اتنے سخت رویے کو برداشت کرنا پڑے گا۔" اس نے اپنا سر ہاتھوں پہ گرالیا۔

☼ ☼ ☼

اس نے کہیں پڑھا تھا کہ ہم غفلت اور بے حسی کے اس دور میں داخل ہو چکے ہیں جس میں انسان اللہ کے خوف جیسی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے اور وہ پتھر ہی تو نہیں بننا چاہتی تھی۔ اس کا مقصد شادی کر کے زندگی کی رنگینیوں سے محض لطف اندوز ہونا ہی نہیں تھا۔ اس کے پاس تو چھوٹا سا ایک مقصد تھا۔ جس کے تحت اس معاشرے کو بہت سے مقاصد حاصل ہو جاتے اور وہ مقصد دنیا کی نوے فیصد عورتوں کی طرح بہترین گھر' اولاد اور معاشرے میں اسٹیٹس بنانے کا نہیں تھا۔ بلکہ مستقبل کے معماروں کی صحیح خطوط پر تربیت کر کے انہیں معاشرے کا فعال رکن بنانا تھا۔ تاکہ ملک و قوم ترقی کرے۔

گھر والوں کی طرف سے بہترین سے بہترین رشتوں کو مسترد کرتے ہوئے اس نے حماد خان کو اپنی زندگی کا ساتھی بنانا قبول کرلیا۔ اس نے نہ تو اس کی تصویر دیکھی' نہ ہی پوچھا کہ اس کے پاس کیا ہے۔ باتوں باتوں میں اس کو لڑکے کی بہن سے اتنا پتا چل گیا تھا کہ حماد نے ایک بہت اچھے ادارے میں بہت اچھی جاب صرف اس بات پر ٹھکرا دی تھی کہ وہاں بہت آسانی سے لوگ چور دروازے سے پیسہ بنا رہے تھے مگر اس نے نہ صرف ان کا ساتھی بننے سے انکار کردیا۔ بلکہ سخت مذمت کرتے ہوئے اس کی روک تھام کے لیے بھی کوشش کی اور یہی چیز اس کے لیے وبال جان بن گئی اور مجبوراً" اس کو وہ جاب چھوڑنی پڑی۔ اس پر خاندان بھر میں اس پر وہ ملامت ہوئی کہ کچھ عرصہ بعد دلبرداشتہ ہو کر اس نے لاہور میں ایک ہوٹل میں منیجر کے طور پر ملازمت اختیار کرلی اور گھر چھوڑ دیا۔ وہ گھر کیسے آیا اور اب جو جاب کر رہا ہے اس پر کیسے مانا۔ مریم کو اس میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس نے خوشی خوشی اس رشتے پر رضامندی دے دی۔

بعد کے مراحل اتنی آسانی سے طے نہ ہوئے۔ چاچا اور چاچی ضیا خان سے سخت ناراض ہو گئے اور شادی میں بھی نہیں آئے۔ ان کے چاروں بیٹوں اور دونوں بہوؤں نے البتہ خوشی سے شرکت کی۔ اس کی شادی بخیر و خوبی ہو گئی۔ اس پر دلہناپے کا روپ خوب چڑھا تھا۔ خوب صورت کام دار سرخ رنگ کے لہنگے میں آسمان سے اتری کوئی حور لگ رہی تھی۔ یہ اس کے اندر کی خوب صورتی تھی کہ اس کا جگ مگ کرتا روپ جو دیکھتا بے اختیار ہو کر ماشاء اللہ کہہ دیتا مگر شادی کی پہلی رات ہی اسے معلوم ہو گیا کہ حماد کو سمجھنا آسان کام نہیں ہے۔ اپنے اپنے مقاصد رکھنے والے دو انسان کیسے تعاون کرتے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ۔ یہ سمجھنا دشوار تھا۔ نہ کوئی عہد و پیماں ہوئے اور نہ کوئی ایسی بات جو آنے والے دنوں کے لیے ایک خوشگوار یاد ثابت ہوتی' شادی کا دن ختم ہوا۔

"امی! میں کسی قسم کی فارملٹی میں نہیں پڑوں گا۔ اب یہ دوسرا دن ہے' تیسرا ہے' ساتواں ہے' یہاں جانا ہے' یہ کرنا ہے' وہ کرنا ہے' مجھ سے کسی قسم کی امید نہ رکھیے گا۔"

حماد نے دوسرے دن ہی اس کے سامنے اپنی ماں کو باور کرایا اور آرام سے ناشتا کرتے ہوئے بولا۔ مریم نے کچھ کھایا ہے یا نہیں' یہ دیکھے بغیر چائے کا کپ ہاتھ

میں لیے ٹیرس پر جا کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے اندر کچھ ٹوٹتا ہوا محسوس کیا مگر دوسرے لمحے سر جھٹک کر ناشتا کرنے لگی۔

ان کے گھر میں میکے کی طرف سے ناشتا لانے جیسی کوئی رسم نہ تھی۔ سو وہ ہلکی پھلکی تیاری کے ساتھ ناشتا کرتے ہی اخبار لے کر لاؤنج میں جا بیٹھی۔ خود اعتماد تو وہ بلا کی تھی۔ ساتھ ساتھ حالات حاضرہ پر دیور اور ساس کے تبصروں پر رائے بھی دیتی رہی۔

"اگر حماد نے بے مروتی دکھائی ہے تو یہ اس سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔" ساس نے سوچا اور مسکرا دیں۔

"بیٹا! تیار ہو جاؤ' ابھی تمہاری امی تمہیں لینے آئیں گی۔" مریم کی ساس نے نرمی سے اسے کہا اور وہ ایک دم اداس ہو گئی۔ اس کا دل چاہا جلدی سے امی آئیں اور وہ ان سے لپٹ جائے اور ان کی ساری ناراضی دور ہو جائے۔ ایک دم سے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ پاس بیٹھے حماد نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"یہاں کوئی قید نہیں ہو تم۔ انہیں کہہ دیتیں۔ کل ہی چلی گئی ہوتیں۔" اس نے بدلحاظی سے کہا۔

"مجھے کوئی قید کر بھی نہیں سکتا اور نہ ہی میں آنے جانے کے لیے کسی کی پابند ہوں۔" مریم نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ساس نے ناگواری سے مریم کو دیکھا۔ جواباً" اس نے موبائل اور چابی اٹھائی اور گھر سے نکل گیا۔

رابعہ خاتون حمزہ کے ساتھ آئیں۔ حماد انہیں گیٹ پر ہی مل گیا۔ سلام کر کے وہ اپنی گاڑی آگے بڑھا کر لے گیا۔ رکنے کی زحمت نہ کی۔ رابعہ خاتون کو اس کا یہ انداز اچھا نہ لگا۔

وہ اندر آئیں تو مریم جیسے صدیوں کی بچھڑی ہوئی تھی۔ ایسے مل کر روئی کہ سب حیران رہ گئے کہ شادی کے دن تو ایک آنسو بھی کسی نے شاید اس کی آنکھ سے بہتے نہ دیکھا تھا۔ رابعہ خاتون پریشان ہو گئیں۔ اسے خود سے الگ کیا اور بغور دیکھنے لگیں۔

"مریم! کیا بات ہے بیٹا! میرا دل ہول رہا ہے۔ تمہیں غیروں میں دے کے تو پہلے سے میرا دل خدشات کا شکار ہے۔"

"اف امی! مجھے کیوں کچھ ہونے لگا۔ یہ تو آپ سے دوری کا اثر تھا۔ ورنہ میں اسے اپنے ہینڈسم ہزبینڈ کے ساتھ بہت خوش ہوں۔" وہ اٹھلا کر بولی۔

☼ ☼ ☼

اپنے گھر میں اگر وہ بڑی بیٹی تھی تو یہاں بڑی بہو تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ حماد سے چھوٹے دو بھائی اور ایک بہن تھی۔ سب کے سب اپنے اپنے مشاغل میں مصروف' ساس روایتی ساسوں کی طرح اکثر اس پہ روک ٹوک کرنے لگیں' انداز مگر دوسری بہت سی ساسوں سے مختلف ہوتا۔

ایک دن اس نے حماد سے اپنی جاب کے لیے کہا تو وہ بھتے سے ہی اکھڑ گیا۔

"امی گھر میں اکیلی ہوتی ہیں۔ ثانیہ پڑھائی میں مصروف ہوتی ہے۔ تم اگر ہاتھ بٹا دیا کرو تو کون سی قیامت آجائے گی اور میرا ناشتا تو کم از کم خود بنا دیا کرو۔ یہ تو اب تمہاری ذمہ داری ہے۔"

"آپ نے اب تک اپنی کون سی ذمہ داری پوری کی ہے جو میں ذمہ داریوں کو سمجھوں۔"

وہی دوبدو جواب دینے کی عادت' مگر یہ نہ جتایا کہ وہ گھر میں دن بھر کتنے کاموں میں ساس کی مدد کرتی ہے۔ اگرچہ کام والی بھی آتی اور ایک نوکر بھی ہمہ وقت گھر میں موجود ہوتا مدد کے لیے۔ مگر دنیا کی تقریباً" ساری ساسوں کی طرح حماد کی ماں کی بھی وہی عادت کہ بیٹے سے کہنا ضروری تھا۔

"تمہاری ضروریات پوری نہیں ہوتیں اس گھر میں' جو جاب کرنا ضروری ہے۔"

اس کا دل چاہا وہ حماد کو بتادے کہ وہ جاب کیوں کرنا چاہ رہی ہے مگر وہی عادت سے مجبور۔ کہا تو صرف اتنا۔

"میں ہر وقت آپ کے آگے ہاتھ نہیں پھیلا سکتی۔ مجھے بس جاب کرنی ہے۔"
"کیا کرلوگی چند ہزار کی نوکری کر کے۔" حماد کا لہجہ طنزیہ ہوگیا تھا۔

☼ ☼ ☼
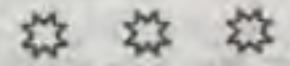
پھر دادی کی وفات کی خبر آگئی۔ وہ گاؤں گئی تو پہلی دفعہ حماد بھی اس کے ساتھ تھا۔ وہ دو دن وہاں رہی۔ حیرت انگیز بات تھی کہ حماد بھی رک گیا تھا۔ مریم کو چاچی کا اپنی بہوؤں کے ساتھ رویہ پہلی دفعہ بہت اچھا لگا۔ بات یہ نہیں تھی کہ چاچی اچھی ہوگئی تھیں۔ بات اتنی سی تھی کہ مریم کے سوچنے کا انداز بدل گیا تھا۔ اس کی نسل در نسل شہری خصوصیات کی حامل ماڈرن اور مہذب ساس کے اندر کتنی منافقت تھی یہ وہ جان گئی تھی۔ سیدھی سادھی چاچی جو دل میں ہوتا وہی کہتیں۔ انہیں موقع کی مناسبت سے انداز اور لہجہ بدلنا نہیں آتا تھا۔

آج سب اکٹھے تھے اور ایک دوسرے سے دادی کی بہت سی یادیں بانٹ رہے تھے۔ چاچی نے حماد کو مردانے سے گھر کے اندر بلا بھیجا کہ وہ اس گھر کی بیٹی کا شوہر ہے۔ پہلی دفعہ آیا ہے۔ اس کا ناشتا کھانا گھر میں لگوایا جائے۔ اب وہ چاچی کے دونوں چھوٹے بیٹوں شاہ میر اور شہروز کے ساتھ محو گفتگو تھا۔

مریم نے دیکھا شاہ میر کا انداز اب بھی نہ بدلا تھا۔ حماد سے گفتگو کے دوران اس نے کئی بار محسوس کیا کہ جیسے اسے حماد کی کوئی بات ناگوار گزری ہو۔

باتوں باتوں میں اس کو پتا چلا شاہ میر نے یہاں قریب ہی گرلز اسکول بنوایا ہے۔ اور جو غریب عورتیں دن بھر مال مویشیوں کے لیے چارہ ادھر ادھر سے خودرو گھاس کو اکٹھا کر کے جمع کرتیں۔ ان کے لیے عرصے سے ویران پڑی زمین کو ہموار کر کے ٹیوب ویل لگوا کر مویشیوں کے چارے کا بندوبست کروا دیا تھا۔ اسے آج پتا چلا' یا اس نے سمجھنے کی کوشش اب کی تھی کہ شاہ میر نے کوئی سرکاری جاب کرنے کے بجائے کسی بزنس کی بات کیوں کی تھی۔

"تمہارے کزنز کتنے بے وقوف ہیں۔ ان کی کتنی زمینیں ہیں' اس سے وہ بہت سا پرافٹ کما سکتے ہیں مگر لاتعلق ہیں۔"

واپسی پہ حماد نے اس سے کہا اور اس کے لیے آگہی کا ایک در کھول دیا۔

"وہ بے وقوف نہیں ہیں حماد! اپنی خاندانی اقدار کے پابند ہیں۔ انہیں مزید کی ہوس نہیں ہے۔ انہیں صرف نیک نامی عزیز ہے۔" اس نے رسانیت سے جواب دیا اور تمام راستہ آگہی کے درد سے گزرتی رہی۔

انسان بہت سی باتیں وقت کے ساتھ سیکھتا ہے اور سمجھتا ہے۔ اس کی طرح بہت سے لوگ خود کو عقل مند اور سب سے اچھا سمجھنے کے چکر میں بہت کچھ نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ضروری نہیں ہے ہر مہذب سوسائٹی میں پرورش پانے والا بہت مہذب بھی ہو' مگر یہ بھی ممکن ہے کہ زمیندارانہ سسٹم میں بہت سی پابندیوں کے ساتھ بہت خوب صورت اقدار بھی پرورش پا سکتی ہیں۔

آج وہ لمحہ لمحہ بکھر رہی تھی۔ حماد کی عامیانہ سوچ پر یا اپنے لیے غلط انتخاب پہ۔ اسے سمجھ میں نہ آیا۔

وہ جبر کو صبر سے کبھی بھی برداشت کرنے کی قائل نہ رہی تھی اور اب تو یہ اور بھی مشکل ہو گیا اس کے لیے۔ اس نے جس حماد کا انتخاب کیا تھا وہ کوئی اور تھا یا یہی حماد۔ بات یہ نہیں تھی۔ بس اس نے اس کو خسارے کا سودا ثابت نہیں کرنا تھا۔

گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی اور اس کی یادوں کا سفر تمام ہوا۔ مگر عملی سفر کا آغاز ہو گیا تھا۔

نعیمہ ناز سلطان

"ارے سچ کہتی ہوں نفیسہ! ایسی ہیرا لڑکی ہے ڈھونڈے سے بھی نہ ملے' جو چراغ لے کر بھی ڈھونڈو۔" ہاجرہ بوا لڑکی کی تعریف میں رطب اللسان تھیں۔

"ہمارا بیٹا لاکھوں میں ایک ہے ماشاء اللہ۔ صورت دیکھو تو چندے آفتاب' چندے ماہتاب' عادت اخلاق دیکھو تو مانو' جہاں بیٹھتا ہے' محفل لوٹ لیتا ہے۔ شان دار نوکری' شان دار تنخواہ۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔ میرا بچہ تو سو ہیروں پر ایک ہیرا ہے۔" نفیسہ بیگم کے لہجے میں بیٹے کے لیے فخر ہی فخر تھا۔

"بڑی ہنر والی بچی ہے۔ کیا طریقہ' کیا سلیقہ بس سمجھو' اس پر ختم ہے۔ ہاتھ میں وہ ذائقہ کہ انگلیاں چاٹتے رہ جاؤ۔ پیٹ بھر جائے پر نیت نہ بھرے۔ سلائی ایسی عمدہ کرتی ہے کہ درزیوں کو بھی مات دے دے۔ شکل میں' عقل میں' سیرت میں اپنی مثال آپ درجنوں کے حساب سے تو کور سز کر رکھے ہیں۔ پھول بنانے سے' سجانے کے' گھر کی آرائش کے' سجاوٹ کا سامان اور نہ جانے کیا کیا۔ میں تو اتنے نام جانتی بھی نہیں۔ ہاں یہ ضرور جانتی ہوں کہ لڑکی جس گھر میں جائے گی' جنت بنا دے گی۔" بولتے بولتے ہاجرہ بوا کا گلا خشک ہوگیا۔ جسے انہوں نے سامنے رکھے شربت کے گلاس سے تر کیا۔

"اے ہاں! سب یہی کہتے ہیں۔" نفیسہ بیگم نے بے نیازی سے ہاتھ ہلایا۔

"اپنے دہی کو کھٹا کون کہتا ہے۔ شادی سے پہلے تو ایسی ہی تعریفیں ہوتی ہیں کہ یوں اور ووں۔ بعد میں بندہ اداس ہوں۔"

"یہ بھی خوب کہی تم نے۔ تمہیں تو میری عادت کا اچھی طرح معلوم ہے۔ میں کسی کی جھوٹی سچی تعریف میں زمین' آسمان کے قلابے تو ملاتی نہیں۔ مگر بھئی! اچھی بات ہے کہ اس بچی کو دیکھ کر طبیعت خوش ہوگئی۔ مجھے فوراً" اپنے عامر میاں کا خیال آیا۔ میں بھاگی بھاگی چلی آئی۔ اس سے پہلے کہ کوئی اور اس ہیرے کو لے اڑے۔ تم چل کے ایک نظر دیکھ لو۔ سمجھ میں آئے تو

بسم اللہ۔ نہ آئے تو کوئی بات نہیں۔ ویسے اس کے رشتے آرہے ہیں دھڑا دھڑ۔"

"پڑھی ہوئی کتنا ہے؟"

"سولہ جماعتیں پڑھی ہیں' یونی ورسٹی سے۔ پھر کمپیوٹر بھی جانتی ہے۔"

"وہ تو آج کل کا بچہ بچہ جانتا ہے۔"

"ہاں! مگر اس نے جو سولہ جماعتیں پاس کی ہیں۔ وہ کمپیوٹر میں ہی کی ہیں۔" ہاجرہ بوا نے ہمت نہیں ہاری تھی۔ سوچ سوچ کر بتانے لگیں۔

"بوا کا مطلب ہے کہ لڑکی نے کمپیوٹر سائنس میں ماسٹرز کیا ہے۔ عامر بھائی کی طرح۔" قریب بیٹھی سمیرا نے لقمہ دیا۔

"ہاں ہاں! وہی پڑھائی ہے اس کی بھی' عامر میاں والی۔ تب ہی تو کہہ رہی تھی میں۔" بوا جلدی سے بولیں۔

"پھر کب چلوگی؟ اس اتوار کا بول دوں؟"

"تم کہتی ہو تو دیکھ آتے ہیں اسے بھی۔" نفیسہ بیگم نے نیم رضامندی کا اظہار کیا۔

پچھلے دو سال سے بیٹے کے لیے دلہن تلاش کر رہی تھیں۔ بقول شخصے کنویں میں بانس ڈلوا دیئے تھے۔ مگر ہنوز ناکامی کا منہ دیکھنا پڑ رہا تھا۔ لائق فائق' اسمارٹ' برسرروزگار' خوشحال گھرانے کے بیٹے کے لیے دلہن تلاش کرنا کوئی آسان کام تھا بھلا۔ لوہے کے چنے چبانے آسان تھے مگر ان کے معیار کے مطابق بہو تلاش کرنا نہایت کٹھن کتنوں سے کہہ سن رکھا تھا۔ کئی دیکھیں۔ مگر کہیں دل نہ ٹکا۔ دو چار لڑکیاں تو ہاجرہ بوا نے بھی دکھائی تھیں۔ مگر اس لڑکی کے لیے ان کی زبان گویا شہد بن گئی تھی۔ سب کچھ اچھا اچھا میٹھا میٹھا۔

☼ ☼ ☼

پروگرام کے مطابق اگلے اتوار کو نفیسہ بیگم اپنے بڑے بیٹے بہو اور دو بیٹیوں کے ہمراہ' ہاجرہ بوا کی معیت میں وہاں جا پہنچیں اور وہاں پہنچ کر سچ مچ ہی ان کا دل خوش ہو گیا۔ ہاجرہ بوا کی تعریفیں بڑی حد تک ٹھیک ہی نکلیں۔ تہذیب' طریقہ اور سلیقہ اس گھرانے سے صاف چھلک رہا تھا۔ بناوٹ اور تصنع سے دور۔ لڑکی خوب صورت ہی نہیں' خوب سیرت بھی لگ رہی تھی۔ دھیمے سے انداز میں شائستہ گفتگو۔ نفیسہ بیگم کا دل فوراً لٹو ہو گیا۔ ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں۔ وہ دل و جان سے راضی تو گھر کے کسی اور فرد کی کیا مجال کہ چوں چراں کرتا۔ پھر جہاں تک بیٹے کا سوال تھا۔ وہ فقط ان کا لاڈلا ہی نہیں' فرماں بردار' تابعدار بھی تھا۔ جو بڑوں کی مرضی' وہ اس کی مرضی۔

بڑی دھوم دھام اور ارمانوں کے ساتھ شادی بھی ہو گئی۔ شادی کے بعد تصویر کا دوسرا رخ سامنے آیا۔ جو سب کی خوش قسمتی سے روشن ہی تھا۔ حرا کو سسرال والوں کے دل میں گھر کرنے میں کوئی خاص دقت نہیں ہوئی۔ یوں بھی یہ کوئی روایتی سسرال نہیں تھی۔ جہاں بہو کی ایک ایک جنبش اور قدم پر نگاہ رکھی جاتی ہو۔ افراد خانہ خوش مزاج اور ملنسار تھے۔ پھر حرا کی تعریف و توصیف میں اور قدر دانی میں کسی نے بخل سے کام نہیں لیا۔ حرا نے بھی اپنے طرز عمل سے سب کا مان بڑھایا ہوا تھا۔ شوہر صاحب تو شروع دن سے ہی بیگم کے دیوانے ہو گئے تھے۔ اپنی امی اور گھر والوں کو بہو سے خوش دیکھتے تو بیگم پر اور فدا ہو جاتے۔

بڑے پرسکون اور مگن انداز میں گاڑی چل رہی تھی۔ گھر کی شادی کو تیسرا مہینہ لگا تھا۔ جب سسرال کے پرانے محلے کے ایک گھر سے شادی کا بلاوا آیا۔ جس تاریخ کی شادی تھی۔ عین اسی دن عائشہ بھابھی کے کزن کا ولیمہ تھا۔ انہیں تو اپنی فیملی سمیت وہاں جانا تھا۔ سارہ کے امتحانات تھے۔ پھر طے یہ ہوا کہ امی حرا اور عامر شادی میں چلے جائیں گے۔

اس دن صبح عامر آفس جانے کے لیے اٹھا تو سر میں ہلکا ہلکا درد تھا۔ ایک تو لوڈ شیڈنگ نے زندگی عذاب کر رکھی تھی۔ دن میں کئی کئی گھنٹے بجلی غائب رہنے کے بعد اب آدھی رات میں روزانہ ایک ڈیڑھ گھنٹے کے لیے بجلی غائب۔ اچھی بھلی نیند خراب ہو کر رہ جاتی۔ بے شک یو پی ایس کی سہولت تھی۔ مگر اسے لگانے ۔

ہٹانے کا دھیان رکھنا۔ جب تک بجلی نہ آجاتی' عامر جاگتا ہی رہتا۔ پھر دن میں ٹھیک سے چارج نہ ہونے کی وجہ سے اس کی بیٹری بھی اکثر جواب دے جاتی۔ دن بھر کی تھکن' رات میں یہ ٹینشن' نہ ڈھنگ سے آرام نہ سکون کی نیند۔ سر درد نہ ہوتا تو کیا ہوتا۔ شام ہوتے ہوتے اس کے درد نے شدت اختیار کر لی۔ گھر آکر ہلکا پھلکا سا کھا کر اس نے ٹیبلٹ لی اور لیٹ گیا۔ حرا بہت دیر تک سر دباتی رہی اور فکر مندی سے اسے دیکھتی رہی۔ بیگم کے نرم نرم ہاتھوں کے محبت بھرے لمس نے جادو کا سا کام کیا۔ عامر کو نیند آگئی۔

"ایک دو گھنٹے بعد اٹھا دینا' جب تیار ہو جاؤ تو۔" اس نے غنودگی میں جاتے ہوئے بیگم کو ہدایت کی۔

"ارے چھوڑو' بچے کے سر میں درد ہے۔ اب ذرا سویا ہے۔ سونے دو اسے۔ ویسے ہی رات کو نیند پوری نہیں ہوتی۔ ہم دونوں چلتے ہیں شادی میں۔ عاشر چھوڑ آئے گا۔ زیادہ دور تھوڑی ہے ہال۔ پھر یہ لوگ چلے جائیں گے اپنی تقریب میں۔ واپسی پر ہمیں لے لیں گے نہیں کیوں؟" نفیسہ بیگم کی ممتا نے جوش مارا۔ انہوں نے پل بھر میں پلان بھی ترتیب دے کر جملہ حاضرین کے سامنے رکھا۔

"ٹھیک ہے امی! عاشر پک اینڈ ڈراپ کر لیں گے آپ دونوں کو۔ ہم لوگ بھی ولیمہ سے جلدی فارغ ہو جائیں گے۔ زیادہ دیر نہیں ہوگی۔" بڑی بہو بیگم نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔ وہ بھی بڑی اچھی طبیعت کی ملنسار قسم کی خاتون تھیں۔

پروگرام تو بن گیا۔ مگر حرا کا دل کچھ اداس ہو گیا۔ نئے نئے دن تھے شادی کے بن سنور کر شوہر کے ہمراہ کہیں بھی جانا بڑا اچھا لگتا تھا۔ مگر اب مجبوری تھی۔

"خیر! پھر سہی" اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر خود کو تسلی دی۔

پیازی رنگ کا شیفون جارجٹ کا بڑی خوب صورت کڑھائی والا سوٹ تھا۔ پھر ہم رنگ جیولری' مناسب میک اپ۔ وہ دل میں اتر جانے کی حد تک دلکش لگ رہی تھی۔ تیار ہو کر نیچے آئی تو امی نے اسے دیکھا۔

"کوئی ساڑھی وغیرہ پہن لیتیں۔ اللہ رکھے! یہی دن ہیں پہننے اوڑھنے کے۔ پھر بچوں کے جھمیلوں میں کہاں یہ سب پہنا جاتا ہے۔"

"امی جان! گرمی بہت ہو رہی ہے۔ بھاری بھاری ساڑھیاں ہیں۔ جیولری اور میک اپ بھی بیوی۔ دم ہی نکل جاتا۔" حرا ساس کے سامنے منمنائی۔

"ہاں! گرمی تو واقعی بہت ہے۔ بھاری بھاری کپڑے کہاں پہنے جاتے ہیں۔" انہوں نے فوراً بہو کی بات سے اتفاق کیا اور اپنی رائے گویا واپس لے لی۔

عامر بدستور سو رہا تھا۔ گھر پر سارہ تھی۔ عاشر نے ان دونوں کو مطلوبہ میرج ہال میں ڈراپ کر دیا۔ دونوں ساس بہو ایک ٹیبل پر اپنی اپنی کرسی سنبھال کر بیٹھ گئیں۔ بارات ابھی نہیں آئی تھی۔ سنا تھا کہ چل پڑی ہے۔ راستے میں ہیں۔ نفیسہ بیگم کے پرانے محلے دار اور کچھ اور جان پہچان کے لوگ تھے۔ باری باری سب سے ملاقات اور علیک سلیک ہو رہی تھی۔ جن لوگوں نے ان کی بہو کو پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اب دیکھ لیا تھا۔ کچھ وقت باتوں' ملاقاتوں میں ہی کٹ گیا۔ بارات آنے کا غلغلہ مچا۔ خیر مقدمی دروازے پر لڑکیاں بالیاں اور خواتین اپنی اپنی جگہوں پر ہار پھول لیے کھڑی تھیں حسب مراتب باراتیوں کا استقبال ہوا۔ سب اندر آگئے۔ ہال یکایک ہی بھر گیا۔

"گیارہ بجے تو بارات آئی ہے۔ اب نکاح ہوگا۔ پھر کہیں جاکر کھانا لگے گا۔" ان کے سامنے بیٹھی خاتون اپنی برابر والی سے تبصرہ کر رہی تھیں۔

"ہاں! اتنی دیر لگا دیتے ہیں لوگ۔ بڑے تو چلو بھوک برداشت کر لیتے ہیں۔ بچوں کو کیسے بہلائیں؟" فیروزی کامدار سوٹ میں ملبوس وہ گوری چٹی خاتون فکر مندی سے بول رہی تھیں۔ جبکہ وہ خود ابھی دس منٹ پہلے ہی ہال میں تشریف لائی تھیں۔

"میں تو اسی لیے ٹائم پر آئی ہوں۔ پتا تھا مجھے کہ گیارہ بارہ بجے سے پہلے تو بارات کو آنا نہیں ہے۔" انہوں نے دوبارہ شاید اپنی صفائی پیش کی۔

حرا پہلے دلچسپی کے ساتھ اور اب کچھ بوریت کے ساتھ جائزہ لے رہی تھی۔ مہنگے سستے، ہلکے بھاری لباس اور میک اپ سے آراستہ، زیورات میں لدی پھندی خواتین اور لڑکیاں، بھاگتے دوڑتے بچے، تقریباً سب بچوں کے ہاتھوں میں پاپ کورن، چپس کے پیکٹ یا کھانے پینے کی دوسری چیزیں نظر آرہی تھیں۔ بارہ بجنے کو تھے۔ نکاح کے چھوارے بٹ رہے تھے۔ کھانے کا ابھی کچھ اتا پتا نہیں تھا۔

"کھانا کب کھلے گا؟" نفیسہ بیگم نے پہلو بدلا۔

حرا کو بھی بھوک لگ رہی تھی۔ دوپہر میں تھوڑا سا کھانا کھایا تھا۔ شام میں جوس کا گلاس لیا تھا۔ خدا خدا کر کے چھوہارے بانٹنے کا سلسلہ ختم ہوا۔ بھوک سے بے تاب اکثریت نے انہی تھیلیوں کو کھول کر جملہ اشیا پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔ دو چھوہارے، ایک خوبانی، ایک سونف سپاری، ایک بادام اور ٹافی کچھ تو اشک شوئی ہو ہی جاتی۔ معمولی ہی سی سہی۔

بارے خدا خدا کر کے ٹن ٹناٹن ڈشوں کے ڈھکن بجے اور ساری خلقت میزوں پر سے اٹھ کر کھانے کی طرف بھاگی۔

"جاؤ! کھانا لے آؤ۔" نفیسہ بیگم نے تذبذب میں بیٹھی بہو کو دیکھا۔

"رش ذرا چھٹ جائے۔" حرا کھانے کے ارد گرد رش دیکھ رہی تھی، جو آن کی آن میں جمع ہو گیا تھا۔

"جب تک رش چھٹے گا۔ کھانا بھی ختم ہو جائے گا۔ اللہ کا نام لو اور اس بھیڑ میں گھس جاؤ۔"

برابر والی کرسی پر بیٹھی خاتون نے مفت مشورہ کچھ اس انداز میں دیا۔ جیسے محاذ جنگ پر جانے کا مشورہ دے رہی ہوں۔ مگر حرا جب کھانا لینے پہنچی تو اندازہ ہوا کہ واقعی یہ مرحلہ بھی کسی معرکے سے کم نہیں۔ سب سے پہلے تو پلیٹ لینے کا مرحلہ۔ کل دو پلیٹیں وہاں بچی تھیں۔ حرا کے ہاتھ بڑھاتے بڑھاتے جلدی سے ایک پلیٹ کسی نے اٹھالی۔ حرا نے وہ آخری پلیٹ جلدی سے اپنے قبضے میں کی۔

خواتین کھانا نکال نکال کر لے جا رہی تھیں۔ خوش قسمتی سے حرا کو ڈشوں کے قریب جگہ تو مل گئی۔ مگر چمچہ ہاتھ نہیں آرہا تھا جہاں کوئی خاتون اپنا کھانا نکال کر فارغ ہوتیں، دسیوں ہاتھ چمچے کی طرف یوں لپکتے کہ اکثر ایک ہی چمچہ تین خواتین پکڑ لیتیں پھر ان میں پنجہ آزمائی شروع ہو جاتی۔ حرا نے ڈشوں کا جائزہ لیا۔ ایک میں فرائڈ چکن کے ٹکڑے تھے۔ جو بس پلک جھپکتے میں یوں غائب ہو گئے۔ جیسے آئے ہی نہیں تھے۔ ایک ڈش میں سموسے، کچوریاں وغیرہ تھیں۔ مگر وہ ڈش اب خالی ہو چکی تھی۔ اب چکن قورمہ اور بریانی کی ڈشیں تھیں جن کے طلب گار دھاوا بولنے کو تیار تھے۔

ویٹر بے چارے کھانا پلٹ کر جاتے اور آن کی آن میں ڈش خالی۔ ایک ڈش میں میٹھے دہی بڑے تھے۔ اس میں ویٹر دوبارہ ڈال کر گیا۔ مگر جس کے ہاتھ میں چمچہ جاتا، اس کا قبضہ ہو جاتا۔ منہ تک پلیٹیں یوں بھری جا رہی تھیں۔ جیسے پہلی بار چل رہا ہے یا آخری بار۔

ایک لڑکی سے صبر نہیں ہوا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا کھانے کا چمچہ ڈش میں ڈال کر دہی بڑے نکالنے شروع کر دیے۔ بار بار نکالنے کی زحمت تو ہوئی۔ مگر بالآخر پلیٹ بھر ہی گئی۔ اس کی دیکھا دیکھی کئی ہاتھ اور بڑھے۔ سب نے اپنے اپنے چمچے ڈش میں ڈال کر دہی بھلے نکالنے شروع کر دیئے۔ آن کی آن میں وہ ڈش بھی خالی ہو گئی۔ دہی بھلے نکالنے کا بڑا چمچہ ایک نے لے کر اس سے بریانی نکالنے کا طریقہ ایجاد کیا۔ خوش قسمتی سے آلو بخارے کی چٹنی کی ڈش میں تھوڑی سی چٹنی باقی تھی۔ حرا نے موقع غنیمت جان کر وہ تھوڑی سی چٹنی اپنی پلیٹ میں نکال لی اور اچھا ہی ہوا کہ چٹنی نکال لی۔ کیونکہ فوراً ہی ایک اور ضرورت مند نے چٹنی کے چمچے سے سالن نکالنا شروع کر دیا تھا۔

ساری ڈش خالی پڑی تھیں۔ ویٹر غائب اور کھانے کے امیدوار خالی پلیٹیں ہاتھ میں پکڑے کھڑے انتظار کر رہے تھے کھانا آنے کا۔ حرا کچھ دیر تو کھڑی رہی۔ پھر مایوس ہو کر اپنی سیٹ پر چلی گئی۔

"کیا ہوا؟ کھانا نہیں لائیں؟"

"موقع ہی نہیں مل رہا تھا کچھ لینے کا۔ پھر اب ساری ڈشز ہی خالی ہو گئیں۔" بے بسی سے چٹنی کی پلیٹ میز پر رکھی۔

"نہیں بھی ملی ہے۔"

"وہ دیکھو! ویٹر آرہا ہے۔" برابر بیٹھی خاتون نے ازراہ ہمدردی مدد کرتے ہوئے سامنے اشارہ کیا۔

"جاؤ! جلدی سے لے آؤ۔" امی نے حرا کو دوڑایا۔

وہ کھانے کی میز کے بالکل قریب کھڑی تھی۔ خوش قسمتی سے چاول نکالنے کا چمچہ بھی ہاتھ آگیا۔ مگر یہ کیا؟ ویٹر ڈش لے کر جیسے ہی قریب آیا۔ عورتوں نے ڈش پلٹنے کی مہلت ہی نہیں دی اور وہیں دھاوا بول دیا۔ ڈائریکٹ پلیٹوں سے ہی چاول نکالے جا رہے تھے۔

"اے بھائی! پہلے ہمیں دے دو۔ اتنی دیر سے انتظار کر رہے ہیں۔ بچے بھوکے بیٹھے ہیں۔" ایک خاتون پلیٹ سے چاول نکالتے ہوئے بولتی بھی جا رہی تھیں۔

ویٹر بے چارہ۔ "باجی! سنیں تو۔ رکیں تو۔" کہہ کر بلکہ منمنا کر التجائیں کر رہا تھا۔ مگر اتنی خواتین کے سامنے بھلا کس کی چلنی تھی۔ حرا حق دق یہ منظر دیکھ رہی تھی۔

"ارے! یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیا بدتمیزی ہے؟ ایسے لیا جاتا ہے کھانا اور تم بیچ میں کیوں کھڑے ہو گئے؟ ڈش میں ڈالو چاول۔" ایک خاتون لپک کر ادھر آئیں اور ویٹر کو سنانے لگیں۔ دلہن کی بڑی بہن تھیں شاید۔

"میں کیا کرتا باجی! سب کی سب گھیرا ڈال کر کھڑی ہو گئی تھیں۔" اس نے بچے کھچے چاول ڈش میں پلٹے اور چلا گیا۔ پھر جلدی جلدی بریانی بھی آگئی، قورمہ بھی آگیا۔ حرا بالآخر کامیاب، شاداں و فرحاں ساس کے پاس آئی۔

"سلاد، رائتہ بھی تو تھا۔" امی نے دزدیدہ نظروں سے میز کرسیوں پہ براجمان دوسری خواتین کو دیکھا۔ جو ایکسٹرا پلیٹیں بھی تمام لوازمات اور کھانوں سے یوں بھر لائی تھیں کہ پورے محلے کو کافی ہو۔

بار بار کون اٹھے اور جا کر کھانا لائے۔ ایک ہی بار میز پہ لا کر سب کچھ ڈھیر کر دو۔

"آپ تو روٹی سالن کھائیں گی نا؟ یہ لیں۔" حرا نے خود کو مزید شرمندگی سے بچاتے ہوئے قورمے کی پلیٹ ان کی طرف کھسکائی۔

"ہاں! میں تو خیر چاول نہیں کھاؤں گی۔ تمہارے لیے کہہ رہی تھی۔"

"میں ایسے ہی کھا لوں گی۔ شکر ہے، یہ بھی مل گئے۔" حرا نے منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر بریانی کی پلیٹ اپنے آگے کھسکائی۔

"ارے لو دیکھو۔ ویٹر کچھ لا رہا ہے۔ دہی بھلے یا فرائڈ چکن ہوں تو لے آؤ۔ تم تو کچھ لائی ہی نہیں۔" برابر بیٹھی خاتون کو اس سے بہت ہمدردی ہو رہی تھی۔ حرا ناچار اٹھ گئی۔ خاتون کا اندازہ درست تھا۔ اس نے فرائڈ چکن کے دو پیس اٹھا کر پلیٹ میں رکھے تھے کہ خواتین پھر چیل کی طرح جھپٹیں اور ڈش پھر خالی۔

"بس دو ٹکڑے ہی لیے؟ چار چھ لے لیتیں۔ شادی میں آئی ہو۔ پیٹ بھر کے، جی بھر کے کھاؤ۔" وہ خاتون امی کی پرانی محلے دار تھیں کوئی۔

"ایک پیس امی لے لیں گی۔ ایک میں لے لوں گی۔ اتنا کہاں کھایا جائے گا۔" حرا نے رسان سے انہیں جواب دیا اور بریانی کھانے میں مشغول ہو گئی۔ شکر ہے کہ کولڈ ڈرنک ٹیبل پر ہی سرو ہو گئی تھی۔

اچانک ایک بار پھر خواتین اٹھ اٹھ کر کھانے کی میز کی طرف بھاگیں۔

"جاؤ! جلدی سے جا کر سوئیٹ ڈش لے آؤ۔ ورنہ ختم ہو جائے گی۔" امی نے اسے دوڑایا۔

حرا آتو گئی۔ مگر لب شیریں کی اکلوتی ڈش اور امیدوار بہت۔ وہ تو بھیڑ میں اندر جھانک بھی نہ سکی کہ میٹھے کی شکل کیسی تھی۔ ویٹر کا دور دور تک کہیں اتا پتا نہیں تھا کہ دوبارہ میٹھا آئے گا بھی یا نہیں۔ ناچار وہ ناکام واپس آگئی۔

"اے لو، اب میٹھا بھی نہیں لائیں۔" ساس نے خالی ہاتھ منہ لٹکائے دیکھا تو ٹوک ہی بیٹھیں۔ ہر قسم کا

میٹھا وہ بڑے شوق سے کھاتی تھیں۔

"دوبارہ آئے گا تو لے آؤں گی۔"

"مشکل ہی ہے اب دوبارہ آئے۔ اسی بھیڑ میں گھس کر ایک پلیٹ لے آئیں۔" ایک آنٹی نے دخل در معقولات کی۔

"دیکھ لیتے ہیں۔ کیا پتا آجائے دوبارہ۔" حرا نے امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ مگر یہ اس کی خام خیالی ہی رہی۔ میٹھے کی ڈش دوبارہ نہیں آئی۔

"بڑا کھینچ کھینچ کر کھانا لگایا ہے۔ کنجوس کہیں کے۔" ٹیبل پر موجود ایک آنٹی نے باآواز بلند ڈکار لیتے ہوئے تبصرہ کیا۔ ان کے سامنے پلیٹوں میں بچا ہوا کھانا اتنا تھا کہ دو تین افراد پیٹ بھر کر کھانا کھالیں۔

"کھانا کھالیا بڑی اماں؟" ایک پرانی ملنے والی نفیسہ بیگم سے مخاطب ہوئیں۔

"ہاں! بس کھا ہی لیا۔ میٹھا تو ملا ہی نہیں۔ دوسری چیزیں بھی بس۔" نفیسہ بیگم نے ایک لمبی سانس کھینچی۔

"نہ ہوئی میری عائشہ یہاں۔ منٹوں میں یہاں سے وہاں تک میز بھر دیتی۔ یوں فٹافٹ پلیٹیں بھر بھر کر لاتی ہے کہ مانو کھانے کی میز پر اور کوئی ہے ہی نہیں۔ بڑے سے بڑا رش ہو وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی۔"

نفیسہ بیگم کو بڑی بہو کی یاد نے ایک دم ستایا۔ صحیح معنوں میں تو نہیں آج بڑی بہو کی قدر ہوئی تھی۔

حرا بے چاری شرمندہ سی بیٹھی ہوئی تھی۔ اب وہ بھی کیا کرتی۔ شادی سے پہلے جب بھی کبھی تقریبات میں جانا ہوا، فیملی کے ساتھ ہی گئی۔ وہ آرام سے بیٹھی رہتی۔ کھانا کوئی بھی لے آتا۔ کبھی بھابھی، کبھی چھوٹی بہن۔ کبھی اندازہ ہی نہیں ہوا کہ یہ کتنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ کتنی فنکاری اور ہنرمندی چاہیے تقاریب میں کھانا نکالنے کے لیے۔

تقریب ختم ہوگئی۔ گھر واپس آگئے۔ پھر شادی کا آنکھوں دیکھا حال کھانے کی میزوں پر ہونے والا معرکہ، امی نے اپنے انداز سے بیان کیا۔ حرا نے اپنی صفائی پیش کی۔

"ہاں تو تقاریب میں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ کرنا ہی نہیں چاہیے۔ بس اللہ کا نام لے کر گھس جو ہاتھ بڑھا کے اٹھالے، جام اسی کا ہے۔" بھابھی نے اپنے طویل تجربے کی روشنی میں مشورے سے نوازا۔

کہنیاں مار مار کر، دھکے دے کر اپنے لیے جگہ، دوسرے کے ہاتھ سے چمچے چھیننا، فٹافٹ پلیٹوں میں کھانوں کے پہاڑ کھڑے کرنا۔ حرا نے تصور کی آنکھ سے خود کو اس منظر کا حصہ دیکھا تو اسے ایک دم ہنسی آگئی۔ وہ چاہتی بھی تو شاید یہ سب نہ کرسکتی تھی۔

دو چار روز بعد عامر کی پھوپھی آئیں۔ ان کا آنا کم ہی ہوتا تھا۔ کیونکہ اکثر بیمار ہی رہتی تھیں۔ شادی کے بعد اب تیسری بار آئی تھیں شاید۔ خوش مزاج زندہ دل خاتون تھیں۔ حرا نے رات کا کھانا بڑا دل لگا کر پکایا۔ پھوپھی اماں کو بھی گاہے گاہے کمپنی دیتی رہی۔ دونوں نند بھاوج اپنے نئے پرانے قصوں میں مصروف تھیں۔ کھانے کے بعد وہ لاؤنج میں آن بیٹھیں۔

"بھئی! آج تو مزا آگیا نفیسہ! ماشاء اللہ بہو نے کھانا بڑا اچھا پکایا۔ بہت ذائقہ ہے اس کے ہاتھ میں۔ یہ سجاوٹ کی چیزیں بھی خوب بنائی ہیں۔" حرا کے ہاتھوں کے بنے آرائشی فن پارے سجے ہوئے تھے۔ پھوپھی اماں نے سب چیزوں کا جائزہ لے لیا تھا۔ اب کھلے دل سے تعریف کررہی تھیں۔

"ماشاء اللہ بڑی ہنرمند بچی ہے۔ دل خوش ہوگیا بھئی۔"

"لے ہے کیا خاک ہنرمند ہے۔ شادیوں میں کھانا تک تو نکالنا آتا نہیں۔ نکمی کہیں کی۔" نفیسہ بیگم تازہ تازہ بیتی واردات پر جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے لگیں۔

ان کے لیے چائے لاتی حرا بات سن کر پہلے تو رنجیدہ ہوئی۔ پھر کچھ سوچ کر مسکرادی۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھیں وہ۔ یہ بھی تو ایک فن ہے، جو ہر ایک کو نہیں آتا۔ جو اس میں کورا ہو، وہ کورا ہی ہوا نا۔"

فاخرہ ارشد

لینڈ کروزر تیز رفتاری سے اپنی منزل کی جانب کولتار کی پتلی سڑک کو روندتی کچلتی بھاگ رہی تھی۔ سڑک کے دونوں اطراف کے درختوں کو دیوانہ وار اپنے ساتھ بھاگتے دیکھ کر اسے چکر آنے لگے اس نے زور سے آنکھیں میچ لیں۔ خوف کے عفریت کا ہنکارا ابھرا اور اس کے نوک دار تیز پنجے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں گڑ گئے۔ ہڈیوں میں خوف کی سرد لہر شریانوں میں دوڑتے تیز لہو کو جمانے لگی۔

وہ چھ سال کی بچی ایک گھنٹہ پہلے اپنے ابے کو جرگے کے لوگوں کے سامنے ہاتھ باندھے، روتے گڑگڑاتے دیکھ، کچھ نہ سمجھتے ہوئے کچی مٹی سے بنی چھپری کے پیچھے بیٹھ کر دھواں دھار زار و قطار رو رہی تھی۔ جب کسی نے پشت سے آکر اس کو دبوچ لیا۔ ان سیاہ بڑے بڑے ہاتھوں کی ہر انگلی میں پڑی انگوٹھیوں کے موٹے بھدے نگ کسی ناگ کی مانند اس کے نازک سراپے میں گڑ گئے اور وہ بلبلاتے ہوئے اپنا آپ اس سے چھڑانے کے لیے انگوٹھیوں والے ہاتھوں کو اپنے ناخنوں سے لہولہان کر چکی تھی۔

چند فرلانگ پہ کھڑی گاڑی کی سیٹ پہ اسے دھکا دے کر شیشوں والے دروازے زور سے بند کر دیے گئے۔ وہ شیشوں سے ناک چپکائے "ابا ابا" پکارتی رہی۔ چند لوگ اسی گاڑی کے آگے کھڑی گاڑی میں بھر گئے تو ان کے ہٹنے سے اسے ابا کا چہرہ نظر آیا۔ وہ ایک بار پھر زور لگا کے چیخی۔ "ابا"

اسے یقین تھا کہ وہ آئے گا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا مگر اس کے قدم زمین کے سینے پہ سختی سے جمے تھے آنکھوں میں ٹھنڈی، مردہ چپ تھی۔ بہت سارے اجنبی مردوں میں ایک اور اجنبی کا اضافہ ہو چکا تھا۔ بے یقینی کے عالم میں جب تک نظر آیا۔ اس کو تکتی رہی مگر۔۔۔ آواز نہ دی۔

☼ ☼ ☼

"میرے اتنے گبھرو جواں شیر بیٹے کے خوں بہا کی یہ قیمت لگائی آپ نے شاہ جی! یہ بالشت بھر گندگی کا ڈھیر؟"

بڑے سے چکنے فرش اور اونچی چھت والے کمرے کے دربار میں وہی انگوٹھیوں والا شخص اسے ایک طرف کھڑا کر کے باہر نکل گیا۔ اس "بالشت بھر گندگی" پہ ایک دم نفرت برساتی کئی آنکھیں اس پر جم گئیں۔ چھ سالہ بچی کسی بہت بڑے "وارداتیے" مجرم کی طرح دربار میں کھڑی کانپ رہی تھی۔

جس عورت نے چیختے ہوئے کہا تھا۔ وہ اب اس کی طرف تیز تیز قدموں سے آ رہی تھی۔ اس نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔ بالکل ایسے ہی جیسے بلی کو دیکھ کر کبوتر آنکھیں بند کر کے یہ سمجھتا ہے کہ وہ بلی کا شکار بننے سے بچ گیا۔ مگر نہیں۔۔۔ آنکھیں بند ہوں یا کھلی شکاری اپنے شکار پہ جھپٹتا ہے۔ اس نے بھی سانسوں کی غراہٹ سنی۔ بالکل اپنے قریب اور اگلے ہی لمحے

اس کے ننھے سے پھولے ہوئے گالوں پہ تھپڑوں کی بارش ہونے لگی۔

باہر بادل زور سے گرجے تھے یا اس کے کانوں میں سونے کے بھاری کنگنوں کی آوازیں بادل کی کڑک دار آواز میں تبدیل ہو گئی تھیں۔ اسے تو ان دو آوازوں کا فرق کرنے کی ویسے ہی سمجھ نہ تھی۔ سمجھنے کی عمر ہی نہ تھی۔ بس اتنا پتا چلتا تھا۔ کسی نے اس کے بالوں سے پکڑ کر اسے زمین پہ گھسیٹنا شروع کر دیا تھا اور وہ لاتوں اور مکوں کی زد میں چھوٹا سا وجود ادھر سے ادھر لڑھک رہا تھا۔

اس کو مارنے والی اکیلی وہی عورت تھی یا کوئی اور بھی۔ اب اسے آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں۔ مگر اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کا ماتھا اور بال گیلے ہو گئے تھے اور بد رنگ پھول دار فراک کے نیچے پہنی چھوٹی سی ٹخنوں سے اوپر چڑھی شلوار بھی اس نے لبوں کے ساتھ آنکھوں کو بھی میچ رکھا تھا۔

پھر ایک لات اس کے پیٹ یا سینے پہ لگی تھی شاید اور مہربان اندھیرے نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔

وقت کی سوئیاں اپنی رفتار سے چلتی ہیں۔ یہ ایسے

ہی مدتوں سے چل رہی ہیں اور جانے کب تک چلتی رہیں گی۔ تب بھی۔۔۔ جب ہم نہیں تھے اور تب بھی جب ہم نہیں ہوں گے۔ لمحوں کا کھیل گھنٹوں اور پھر مہینوں سالوں پہ محیط رہتا ہے۔ وقت کے چکر کے ساتھ ایک اور چکر کا پہیہ گھومتا رہتا ہے۔۔۔ قسمت کا۔ آپ اسے روکنا چاہیں تو وہ رکتا نہیں اس کو تیز چلانا چاہیں تو تیز نہیں ہوتا۔ قسمت کے چکر "طے کرنے والے" نے سب کچھ طے کر کے لکھ دیا۔ کوئی روئے، کوئی ہنسے اس پہیے کو "طے شدہ فیصلوں" میں گھومتے جانا ہے۔

انسان وقت کو دوش دیتے "قسمت پہ نازاں ہوتے یا اس کو کوستے" زندگی اور موت کے بیچ کا فاصلہ طے کرتا جاتا ہے۔ اس کا تو اپنا اختیار خود پہ نہیں اور وہ کیسے وقت اور قسمت کا اختیار دیوانوں کی طرح جھپٹنا چاہتا ہے۔

☼ ☼ ☼

"چھوٹے شاہ جی!

ہمیشہ کی طرح جانتی ہوں کہ میرے خط کا جواب نہیں آئے گا۔ مگر اب میں اس کی عادی ہو گئی ہوں۔ پچھلے پانچ سالوں میں، (جب سے میں نے خط لکھنا سیکھا) جب سے میں چھٹے درجے میں پہنچی تب سے اب تک آپ کو جانے کتنے ہی خطوط لکھ ڈالے۔ جانے وہ کیسے نامے ہوتے ہیں جن کے جواب آتے ہیں۔ بس منشی جی سے گاہے بگاہے علم ہوتا رہتا ہے کہ چھوٹے شاہ جی کی ڈاک کا بنڈل ان تک پہنچا دیا جاتا ہے بنا کسی اور کو خبر کیے۔

منشی جی کو آپ بھولا بھولا نہ سمجھیں۔ (جیسے وہ اپنے حلیے سے دکھتے ہیں) اب سوچیں بھلا یہ لکھنے کی کیا ضرورت تھی کہ "بنا کسی کو خبر کیے" حالانکہ بقول اماں جنداں کے وہ تو بڑے شاہ جی کی "اطلاعی گھنٹی" ہیں اور ہر قسم کی سن گن لے کے بڑی شاہنی جی تک پہنچانے والا یہ اپنا ڈرائیور مندری (جس کی انگوٹھیوں سے جانے مجھے کیوں بہت خوف آتا ہے۔)

خیر! میں کیا غیبت کرنے بیٹھ گئی۔ اللہ توبہ۔ کل میں نے غیبت کے متعلق بڑی خوفناک سزائیں پڑھیں اور آج ہی میں نے سب بھلا کے پھر شروع کر دیں۔ مگر آپ سے میں کسی کی غیبتیں تھوڑا ہی کرتی ہوں۔ آپ سے تو میں باتیں کرتی ہوں۔ (اخلاقیات پڑھانے والی ٹیچر سن لے نا تو وہ کہے کہ دیکھا نفس کتنی حجتیں ڈھونڈھ کے لاتا ہے اپنے حق میں)

بہرحال آپ کی بھیجی ہوئی کتابیں مل گئی تھیں۔ بھئی اب مجھے بچوں والی کہانیوں کی کتابیں نہ بھیجا کریں۔ یہاں ہاسٹل میں سدرہ میری روم میٹ ہے۔ آپ کو پتا ہے کہ مجھ کو اس سال اولیول کا امتحان دینا ہے۔ وقت کا پنچھی کتنی تیزی سے پر لگا کے اڑ گیا۔ ابھی کل کی بات لگتی ہے جب اماں جنداں مجھے یہاں داخل کروانے آئی تھیں منشی جی کے ساتھ۔ ان کی واپسی پہ جب میں نے ساتھ جانے کی ضد کی تو مجھے کتنے پیار سے سمجھایا۔

"دیکھ شاہری پتر! چھوٹے شاہ جی نے بڑی منتیں اور ضدیں کر کے وڈے شاہ کو منایا اور وڈی شاہنی سے تو باقاعدہ جھگڑا کیا۔ تب وہ لوگ راضی ہوئے، تمہیں پڑھانے کے لیے۔ اب چھوٹے شاہ جی۔ کی عزت رکھنا۔ خوب سارا پڑھنا دل لگا کے۔

اور یہ بات میں کبھی نہ بھول پائی۔ میں حیدر آباد تھل (بھکر روڈ پہ) کے صحراؤں میں پلنے والی اتنے بڑے بڑے اداروں میں پڑھنے لگی۔ (صرف ایک آپ کے رحم دل ہونے کی وجہ سے)

اور میں گاؤں کی شاہری سے شہرزاد ہو گئی۔

اچھا چھوڑیں! یہ واقعات تو کم و بیش ہر خط میں میں دہراتی رہی ہوں اور آگے بھی تیار رہیں۔ (ذرا حوصلہ جما کے، ہاہاہا) اب نیند آ رہی ہے، اجازت دیں، خدا حافظ۔ والسلام شہرزاد۔"

☼ ☼ ☼

"چھوٹے شاہ جی!

آج مجھے منشی جی نے بتایا، میرا ابا اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ تھوڑی دیر مجھے سمجھ ہی نہ آ سکی کہ مجھے آگے سے کیا کہنا ہے اور کیا مجھے رونا چاہیے یا نہیں۔ سچ بتاؤں چھوٹے شاہ جی! اصل میں مجھے ابے کی شکل ہی یاد نہیں رہی۔ مجھے اخلاقاً بھی رونا نہیں آیا۔ مگر طبیعت پہ غبار چھایا رہا اس روز منہ دھوتے ہوئے جانے کہاں سے اتنے آنسو نکل آئے۔ سچ کہوں؟ میں ابے کو نہیں روئی، میں خود کو روتی رہی۔ ماں تو پیدا ہوتے ہی مر گئی اور ابے کا اور میرا بھی کتنا ساتھ تھا بھلا۔ نہ بہن، نہ بھائی، پھپھی نے پالا۔ میں کتنی اکیلی تنہا، مگر ہمیشہ مجھے ایک آواز آتی ہے کہ "میں ہوں نا!"

اور تب میں روتے روتے ہنس پڑتی ہوں۔

آپ نے روتے روتے ہنس دینے والی آنکھیں دیکھی ہیں کبھی؟

والسلام۔۔۔ شہرزاد"

☼ ☼ ☼

"ظل حیدر جی۔۔۔

آپ کو ایک بات بتاؤں؟ آج حویلی سے واپس آتے ہی ہاسٹل میں میرے لیے ایک بڑی اچھی خبر میری منتظر تھی۔ شہرزاد نے کیا کبھی اچھا کیا؟ ہاں کیا نا۔ میں نے اسکالر شپ لی ہے۔ اب مجھ پہ آپ کو تھوڑا سا کم خرچنا پڑے گا۔ (شاباش تو دیں۔)

اے لیول کے فوراً بعد میں لندن یا امریکا یا کسی یورپ کے اعلا تعلیمی ادارے میں پڑھنے جاؤں گی۔ ابھی تو پورا ڈیڑھ سال باقی ہے۔ آپ مجھے جانے دیں گے نا۔ کالج کا نام بھی سوچ لیں ابھی سے۔

چھوٹے شاہ جی! میں کوئی بہت کامیاب لڑکی تو نہیں۔ نہ تو شیرل سینڈ برگ (فیس بک کی چیف کو آپریٹنگ آفیسر) ہوں نہ ہی آئی ایم ایف کی مینجنگ ڈائریکٹر کرسٹین لگارڈ۔ مگر میں آپ کو اپنی تعلیم کے حوالے سے مایوس نہیں کروں گی۔ میں ان سے زیادہ کامیاب لڑکی بنوں گی۔

میں نے اگر زندگی میں خود کو کسی بات پہ سراہا تو خود کو یہ ایوارڈ دوں گی کہ میں نے اتنے ڈھیر سارے لاتعداد خوب صورت خطوط ایک ایسے شخص کو لکھے جس نے مجھے کبھی جوابی سندیسہ نہ بھیجا۔ اتنی خاموشی۔۔۔ چہ معنی دارد؟

نہ دیں جواب۔ بنے رہیں بے نیاز، میں شرمندہ کرتی رہوں گی۔

اس بار ویک اینڈ پہ گھومنے جانا ہے۔ بھلا کہاں؟ ارے چڑیا گھر اور کہاں؟ اوہو ہنسیں تو نہیں۔ سچ میں، میں نے چڑیا گھر آج تک نہیں دیکھا۔ سرپرائزڈ؟ ہوتی ہے نا ایسی چیزوں پہ حیرت۔ میں نے جب سدرہ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو وہ بھی اتنی ہی حیران ہوئی اور مجھے یوں دیکھا جیسے اسے مجھ سے امید ہو کہ میں ابھی ہنس کے کہوں گی۔ "او نئیں یار میں تو مذاق کر رہی تھی۔"

اور وہ یہ سننے کے لیے بار بار کہہ رہی تھی۔ "او نے تو سیریس کہہ رہی ہے نا؟"

اب کوئی نہیں کرتا یقین، تو نہ کرے، مگر ہے یہی سچ کہ میں نے چڑیا گھر نہیں دیکھا۔

بہرحال! حویلی میں ہمیشہ کی طرح دن گزارے۔ اماں جنداں کا سرونٹ کوارٹر زندہ باد۔ آپ کب لندن سے واپس آئیں گے؟ بتانا تو آپ نے ہے نہیں۔ کوئی بات نہیں، منشی جی کس مرض کی دوا ہیں۔ اس دفعہ آئے تو پوچھ لوں گی۔ مجھے دیکھتے ہی ان کی باچھیں کھل جاتی ہیں۔ ہنسی امڈ امڈ رہی ہوتی ہے۔ بھئی آخر اتنی ولولہ انگیزیاں کس بات پر؟

خیر خوش رہیں، میرا کیا نقصان کرتے ہیں۔ ہنستے رہیں۔

اور ہاں ایک نئی ٹیچر آئی ہیں مس آنسہ نشاط۔ بڑی دلچسپ شخصیت ہیں۔ اگلے خط میں تفصیل لکھوں گی۔ تھک گئی ہوں۔ اجازت چاہتی ہوں۔

ہاں ہاں آپ تو شکر کا کلمہ ہی پڑھیں گے۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

شہرزاد"

☼ ☼ ☼

"ظل شاہ جی!

لمبے عرصے یعنی تین ماہ کے بعد حاضر ہوں۔ بہت مصروفیت رہی۔ غیر نصابی سرگرمیوں نے کافی مصروف رکھا۔

آج آخری روز ایک کھیل پیش کیا۔ کالج کے ڈرامینک کلب نے۔ جس کی میں سیکریٹری ہوں۔ بہت دلچسپ کھیل تھا۔ میں نے جو لکھا تھا۔

"Fairies Wear Boots" ملکی حالات و واقعات وسیاست پہ طنز ومزاح سے بھرپور ڈرامہ۔ اجو کا تھیٹر کی نامور شخصیات مہمان خصوصی تھیں۔ انہوں نے مجھے اجو کا کے لیے ڈرامہ لکھنے کی آفر کی ہے۔ (سبحان اللہ) آپ نہ مانیں۔ مگر سچی میں کافی ٹھیک ٹھاک لکھ لیتی ہوں۔

ہر بار خط لکھتے ہوئے مجھے خیال آتا ہے کہ جانے آپ پڑھتے بھی ہیں کہ نہیں۔ دل اداس ہو گیا۔

منشی جی سے پوچھا تو مسکرا کر بولے۔

"فائلیں۔۔۔ بی بی جی فائلیں بھری پڑی ہیں۔ ایک لڑکا صرف ان فائلوں کو مین ٹین کرنے کے لیے رکھا ہے چھوٹے شاہ جی نے۔"

"ہائیں؟ واقعی میں؟" مجھے ہواؤں میں غوطے لینے کے لیے کافی اونچا اڑنا پڑا۔ تیز تیز چباتی چیونگم کا پٹاخہ۔۔۔ ہاہاہا۔

منشی جی نے ہمدردی سے میری ناک اور آدھے منہ پہ چپٹی چیونگم کو دیکھا۔ ہی ہی ہی۔۔۔

میرے خطوط پہ ایک کتاب کیوں نہیں چھپوا لیتے۔ میں بھی صاحب کتاب ہو جاؤں گی اور آپ کو فائلوں کی حفاظت بھی نہیں کرنا پڑے گی اور انتساب اس شخص کے نام لکھے گا جس نے کبھی جواب نہیں بھیجا۔

سدرہ کہہ رہی تھی "موبائل کے دور میں کون پاگل ہے جو اتنے لمبے لمبے خط لکھ کے مغز ماری کرے۔ اب تو ریڈی میڈ میسجز آتے ہیں۔ کہیں بھی بھیج دو۔ رعب کا رعب، ٹائم کی بچت ہی بچت۔"

کہتی تو وہ ٹھیک ہی ہے۔ مگر میرا "تصوراتی سحر" موبائل میسجز میں بن ہی نہیں پاتا۔

اور ہاں کچھ خیال ہے؟ میری سالگرہ پہ اس دفعہ کیا بھیجنے والے ہیں آپ؟ جلدی بھیجیں، تجسس نہیں برداشت ہوتا۔

اس دفعہ بچت اسکیم کے تحت میں، سدرہ، صبا اور نگین کل مارکیٹ سے کپڑے خریدنے گئے تھے۔ آج واپس کرنے کہ لوڈشیڈنگ کی وجہ سے جو رنگ خریدے وہ دن کی روشنی میں پہنے جانے کے قابل نہیں تھے۔ بچت اسکیم۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔ وہ تو واپس کیا ہوتے تھے۔ ایک ایک اور خرید لائے۔ (اللہ اللہ)

تھل کی شاہزی کی برانڈڈ کاسمیٹکس اور ملبوسات، قسمت کی بات ہے نا۔

اللہ حافظ۔

شہرزاد"

☼ ☼ ☼

"چھوٹے شاہ جی۔

میں وہ چھوٹی سی پیاری سی لڑکی ہوں۔ (پیاری سی بچی) جو خط سے نکل کے ٹافیاں کھانے چلی جائے۔ کاش کہ واپسی پہ آپ اس کو ڈانٹو اور خط کے لفافے میں دھکیل دو۔ مجھے اس چھوٹی سی دنیا سے باہر نہ آنے دیں۔ میں گم ہو جاؤں گی۔ پھر ڈھونڈتے پھرے گا۔ ہم جیسے نایاب نہیں ملنے والے۔ (شرط لگالیں، ہارنا ہی ہے آپ نے)

آج صبا کہہ رہی تھی "ہر دوسرے روز تم نئی نوٹ بک خریدتی ہو۔ کیا کاغذ کھاتی ہو؟"

سدرہ بولی "نہیں، یہ خطوط لکھنے کا ریکارڈ قائم کر رہی ہے۔ عنقریب گینیز بک میں اس کا نام پڑھ لینا۔"

نگین نے لقمہ دیا "چپ۔۔۔ چپ۔۔۔ گلے میں اونی مفلر لپیٹے خوشبو لگائے۔ (یاد آیا، پرفیوم بھیجنے کا شکریہ۔) شیمپو سے بال مہکائے۔ برانڈڈ شرٹس پہنے، یہ شہرزاد اگر باہر کی دنیا میں کسی کو مل جائے تو براہ مہربانی اس کو بے رنگ لفافے میں ڈال کے بغیر ٹکٹ چسپاں کیے چھوٹے شاہ جی کے ایڈریس پہ بھیج دیں۔ ورنہ نتائج کے آپ خود ذمہ دار ہوں گے۔

مطلب حد ہوتی ہے خبط کی بھی۔"

سب ناراض۔۔۔

میری حالت پہ پریشان۔۔۔ اب انہیں کیا بتاؤں، میں تو آپ کو کچھ نہیں سمجھا پائی۔ اس فیری (پری) نے بھی جوتے پہن لیے اور انہونی کے سفر پہ چل پڑی ہے۔ دعا دیں جی ہمیں۔۔۔ ہمیں تو تتلیوں کے، جگنوؤں کے دیس جانا ہے۔

میں نے پچھلے کسی خط میں مس آنسہ نشاط کا تذکرہ کیا تھا۔ ایک چیز ہیں یہ بھی۔ بھلا کیوں؟

ایک ہی گانا کم از کم اٹھارہ، بیس بار تو سننا بنتا ہے۔ کبھی بہت شوخ اور رومانوی، کبھی اداس سہگل اور مکیش، کبھی غزلیں، کبھی ٹھمری اور تو اور کبھی پنجابی بھی۔ بڑی دل والی خاتون واقع ہوئی ہیں۔ اس وقت پینتالیس سے زیادہ کی ہیں۔ مگر چاق و چوبند، ہنستی گاتی، یعنی پچاس کے قریب کی الٹرا دوشیزہ۔ (ہی ہی ہی) دل والی ہیں تو دل کا لگنا تو لازم تھا۔ ٹوٹ کے محبت کی، چوٹ کھائی، مگر محبت، محبت کہنے سے باز نہیں آئیں۔ آج کہنے لگیں۔

"ابھی میں زندہ ہوں تو میری محبت کیسے مر سکتی ہے۔"

لٹریچر پڑھاتی ہیں اور کیا خوب تشریح کرتی ہیں اللہ۔۔۔ لفظوں میں جان ڈال دیتی ہیں۔ جیسے وہ اپنے محبوب کو مجسم پاکر اسی سے باتیں کر رہی ہوں۔ اظہار کے سارے لوازمات، سحر انگیز زبان و بیاں۔ مجھے تو سکتہ ہو جاتا ہے ان کی اس حالت کو دیکھ کر۔ ان کا کہنا ہے جو عورت یا مرد محبت کی مسند پہ بیٹھنا یا بٹھانا نہیں جانتا وہ ساری عمر "تخت اور تختے" میں فرق نہیں کر پاتا۔

کہتی ہیں جس کے جذبات سرد پڑ گئے۔ وہ تو لاش بن گیا۔

سدرہ نے کہا۔ "یار۔۔۔ ایسی خوب صورت دل والی عورت ہیں جو محبوب کی وفا میں سانس لیتی ہیں۔ نہ کہ بے وفائی میں۔"

چھوٹے شاہ جی! کیا محبت واقعی سب کچھ بھلا دیتی ہے۔ ایک شخص کے سوا؟

والسلام

شہرزاد"

☼ ☼ ☼

اے لیول کے امتحانات سے فارغ ہو کر وہ حویلی آ گئی۔ اماں جنداں کے چھوٹے سے مگر صاف ستھرے کوارٹر میں۔ یہاں آ کے پہلی بار اسے بے چینی تھی۔ شخصیت کو غیر متوازن اور ناہموار کر دینے والی بے چینی۔ وہ بڑی شاہنی اور بڑے شاہ جی کے سامنے آنے سے حتی الوسع گریز کرتی تھی۔ اس کئی کنال کے رقبے میں پھیلے وسیع و عریض عالی شان محل میں اس کا ہمیشہ ہی دم گھٹتا تھا۔

یہاں اس کا معصوم، بے گناہ بچپن قتل ہوا تھا۔ اماں جنداں کے ساتھ وہ کچن تک ہی محدود رہتی یا پھر کوارٹر میں۔ اماں جنداں، چھوٹے شاہ جی، منشی جی یا پھر ڈرائیور مندری سے وہ واقف تھی۔ باقی سب چہرے اس کے لیے اجنبی تھے۔ چاہے وہ مالک تھے یا نوکر۔ بس ایک فرق تھا نوکروں کی آنکھوں میں اس کے لیے ہمدردی کے رنگ ہوتے جبکہ مالکوں کی آنکھوں میں نفرت۔

ہر وقت کوئی نہ کوئی رشتے دار گھر میں آیا رہتا۔ چار، پانچ کوٹھیاں تو رشتے داروں کی اسی بلاک میں ہی تھیں۔ کچن میں اس کی موجودگی کا سب کو فوراً "علم" ہو جاتا۔ کیونکہ جہاں چار، چار لڑکیاں کام کرتیں۔ وہاں وہ اماں جنداں کے ساتھ اکیلی سارے کھانے تیار کرتی۔ وقت نے زخموں پہ کھرنڈ کی تہہ تو جما دی تھی۔ مگر زخم ابھی بھی باقی تھے۔ خاص طور پہ شاہنی جی اور بڑے شاہ جی کے۔

اس نے آخری بار چھوٹے شاہ جی کو چھ، سات سال پہلے دیکھا تھا۔ وہ ان کے سامنے جانے سے گریز کرتی۔ وہ خود بھی حیران ہوتی کہ کیا یہ وہی شہرزاد ہے جو چھوٹے شاہ جی سے ہر روز خط کے ذریعے ڈھیروں باتیں کرتی ہے۔ وہ خود بھی کبھی جان بوجھ کر سامنے نہیں آتے تھے اور اس بار تو چھوٹے شاہ جی کی موجودگی

کے احساس نے ہی اس پہ کپکپاہٹ طاری کردی تھی۔
بچپن اور لڑکپن کو چھوڑ کر جوانی اپنے دھیمے دھیمے قدم جمارہی تھی۔ احساسات کا اس بار رنگ ہی الگ تھا۔ یہ تو صد شکر کہ چھوٹے شاہ جی کچن میں نہیں آتے تھے اور وہ لاؤنج میں یا ان کے کمروں میں نہیں جاتی تھی۔ پہلے وہ اماں جنداں کو ہدایات دے دیتے تھے اور وہ اس تک پہنچادیتیں۔
وقت کچھ غیر منصفانہ چال چلنے کا عادی ہو چلا تھا اور اس کے لیے اتنا ہی بہت تھا کہ چھوٹے شاہ جی کی وجہ سے وہ یہاں سے قدم باہر رکھتے ہی وقت کی ساری چالیں مٹھی میں کرلیتی تھی۔ اس نے ان تیرہ سالوں میں جتنی تلخ حقیقت کے کڑوے گھونٹ حویلی میں رہ کے بھرے تھے۔ وہ حویلی سے باہر قدم رکھتے ہی گویا خوابوں کی سرزمین پہ قدم دھر دیتی۔ ہر قدم پہ چھوٹے شاہ جی کا خاموش مہربان سایہ اس کی پشت پناہی کرتا اور وہ کمزور سی دبو لڑکی باہر نکل کے چھوٹے شاہ کی طاقت کے بل بوتے پہ طاقت ور ہوجاتی۔
Power Structure تو اس کی سمجھ میں بہت دیر بعد آیا۔ ابھی تو اسے کمزور اور طاقت ور شہزادو کے بیچ جھولا جھولنا تھا۔ مگر پھر اچانک احساس کی دنیا نے کسی ان دیکھی اور انجانی دنیا میں قدم رکھ دیے۔ جب ایک روز رات کو مائی جنداں نے بتایا کہ چھوٹے شاہ جی سے سرپرستوں کی موجودگی اور آمادگی پہ نکاح کرکے اس چھ سالہ معصوم بچی کو یہاں بھیجا گیا تھا۔
اوہ۔۔۔ ایک دم احساسات کو رستہ مل گیا۔ تو کیا وہ واقعی چھوٹے شاہ جی کے نکاح میں ہے؟
پھلجھڑیاں، تارے، چاند، چاندنی، سب کچھ رستوں پہ اتر آیا تھا اور وہ خوب صوب صورت وجاہت سے بھرپور شہزادے کا ہاتھ تھامے چلنے لگی۔
وہ تھل کی شاہری، وہ چھوٹے سے بدرنگ فراک اور زرد ٹخنوں سے اونچی چھوٹی سی گھیر دار۔ شلوار والی، مٹی سے اٹے بالوں اور پاؤں میں اڑسے دو رنگ کے چپلوں والی شاہری جو شکار پہ جانے والے ایک گروہ میں سے بڑے شاہ جی کے بیٹوں کو سانپ کے کرتب دکھاتا وہ غریب مداری۔ جس کے سانپ نے بڑے شاہ جی کے ایک بیٹے کی جان لے لی۔ اسی کے خون بہا میں آنے والی "بالشت بھر گندگی کا ڈھیر" شاہری آج اونچی لمبی خوب صورت جوانی کی دہلیز پہ قدم رکھتی برانڈڈ ملبوسات اور کاسمیٹکس استعمال کرنے والی فر فر انگریزی بولتی شہزادی بن چکی تھی۔
قسمت کے پھیر کو کون روکے؟
مگر قسمت کس طے شدہ فیصلے کے تحت چلنے والی تھی۔ وہ کب جانتی تھی؟

☼ ☼ ☼

اسے لگنے لگا کہ سانپ کی طرح کینچلی بدل کے وہ اندر سے نئی نکور نکل آئی ہے۔ نکھری، تازہ، شگفتہ، ادھ کھلی کلی سے پوری کھلی کلی کی جانب گامزن، کوئی وسوسہ اور کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی چھوٹے شاہ جی اس کے ساتھ ہیں تو سارے مسئلوں کے حل بھی وہ خود نکالنے والے ہیں۔
کتنا یقین تھا اسے چھوٹے شاہ جی پر۔ اپنے سے بھی زیادہ اور یہ یقین ہواؤں میں نہیں تھا۔ اس کے پیچھے اس عمر کا ایک حصہ تھا۔ بچپن سے لے کر جوانی کی اولین دہلیز تک۔
اور آج پہلی بار اس کے اندر چھوٹے شاہ جی کو دیکھنے کی خواہش نے بڑی شدت سے سر اٹھایا۔
کیسے دیکھے کیا کرے؟
"اماں جنداں۔۔۔ چھوٹے شاہ جی کو تو بلا لا۔ مجھے اپنی پڑھائی کی بات کرنی ہے۔"
وہ بے اختیار، مگر اماں جنداں محتاط۔
"تو لکھ کر دے دے۔ میں ان کو اکیلے میں پکڑا دوں گی۔ سب کو پتا ہے کہ ادھر تو آئی ہے۔ کسی نے چھوٹے شاہ کو ادھر دیکھ لیا تو مشکل ہوجائے گی اور وہ شاید خود بھی نہ آئیں۔"
"وہ اماں جنداں۔۔۔ تو تو بڑی ڈرپوک ہے۔" وہ بے بسی سے بولی "اور بھلا وہ کیوں نہیں آئیں گے۔"
"اچھا چل۔۔۔ آج دوپہر کا کھانا نہیں بنانا؟" وہ جتنی بے چین تھی۔ ایک جھلک دیکھنے کو۔ اماں جنداں اتنا ہی محتاط قدم اٹھا رہی تھی۔
"ٹھہر جا دھیمے۔ پہلے مجھے ایک چکر لگا آنے دے۔"
وہ پاؤں میں چپل گھسیٹتی باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

"تو بڑی وڈی غلطی کر بیٹھا ہے۔ اس کو اتنا پڑھا کر۔ یہ تو پاؤں کی جوتی ہے۔ جس کو تو اپنے سر پہ مار رہا ہے۔ جانے تیری عقل کو کیا ہوگیا ہے اور اب اسے ملک سے باہر پڑھنے کے لیے بھجوا رہا ہے۔ تیرے ہوش تو ٹھکانے پر ہیں۔" بڑے شاہ جی دھاڑ رہے تھے۔
"اوئے وہ تیرے نکاح میں ہے۔ اس کی کیا جرأت کہ وہ تیرے کہے میں نہ آئے۔ کوئی ایک بات بھی تجھ میں ہے مردوں والی۔ ادھر سر اٹھا کے میرے سے بات کر۔"
بڑے شاہ جی کی غصے سے بھری آواز لاؤنج میں گونج رہی تھی۔
"بابا سائیں! میں نے کئی سالوں سے اماں کے کانوں میں یہ بات ڈال دی ہے کہ میں ایسے نکاح کو نہیں مانتا جس میں لڑکی کی مرضی شامل نہ ہو اور پھر میری اور اس کی عمر میں پورے اٹھارہ سال کا فرق ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ سلسلہ زبردستی چلایا جائے۔"
ظل حیدر شاہ کی دھیمی آواز آئی۔
اس کے اندر بے چینی بھر گئی۔ "یہ کیا کہہ رہے ہیں چھوٹے شاہ جی۔ اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔ اٹھارہ سال بڑے ہیں تو ہوا کریں۔ کوئی بات نہیں نا۔"
"ارے کوئی اس کو بہو کا درجہ دے تو تب ہے نا۔ یہ تو بے چاری خدمت گار نیں ہیں۔ تیری شادی کے لیے میں نے بھرا جی سے فضا کو مانگ لیا ہے۔ اعلا حسب نسب کی۔ اپنے جیسی اور پھر سوہنی بھی بڑی ہے۔ میرے پتر کی نسل اپنے خاندان سے ہی ہوگی۔"
بڑی شاہنی جی کی آواز تھی کہ پگھلا ہوا سیسہ۔ جو اس کے ہوش و حواس چھین لے گیا۔
"اماں سائیں! میں آپ سے پہلے بھی کئی بار کہہ چکا ہوں کہ میں شادی نہیں کروں گا، پھر آپ کس لیے رشتہ پکا کر آئیں۔" ظل حیدر کی بپھری ہوئی اس کے کانوں تک پہنچیں۔
"ارے میں پچھلے بارہ سالوں سے یہی سن رہی ہوں۔ زینت کا رشتہ ہاتھ سے گیا۔ مگر میں چپ رہی۔ مگر آخر کب تک۔ اب تو بڈھا ہو گیا ہے اور لڑکیوں کی طرح نہ نہ کر رہا ہے۔ تو اپنی زندگی ادھر گزر یا باہر، مگر مجھے حسبی نسبی نسل چاہیے اور فضا سے بڑھ کے کوئی لڑکی تیرے لائق نہیں۔ تبھی میں نے فیصلہ سنا دیا ہے۔ میں کل بھرا جی سے تاریخ لینے جاؤں گی۔ میری وجہ سے بھرا جی نے دس سال سے فضا کو بٹھا رکھا ہے۔ اب ان کے ساتھ میں زیادتی کیوں کروں۔"
بڑی شاہنی جی نے دو ٹوک الفاظ میں کہا۔
"مگر اماں سائیں! جب میں نے آپ کو صاف لفظوں میں بتا دیا تھا تو آپ نے ایسی زیادتی اس کے ساتھ خود کی۔ اب بھگتیں اس کو۔ مجھ سے کوئی امید نہ رکھیں۔" ظل حیدر صاف گوئی سے بولا۔
"دیکھ پتر! تو نے اکلوتے ہونے کے بڑے فائدے اٹھائے اور ہم بھی تیری ہر بات پہ مہر لگاتے گئے۔ سجاد حیدر قتل نہ ہوا ہوتا تو ہم تجھے تیرے حال پہ چھوڑ دیتے۔ ہماری نسل تو چلتی رہتی۔ ہم نے تیری ہر بات مانی تو صرف اس لیے کہ تو ہماری نسل کا اکیلا وارث ہے اور تیری نسل سے ہمارا نام چلے گا۔ تو نے اس ڈائن کی پڑھائی کے لیے کہا۔ ہم نے کڑوا گھونٹ بھر کے تجھے من مانی کرنے دی۔ ورنہ جتنی تھو تھو ہم نے لوگوں کی سہی، تو کیا جانے، میرے منہ پہ لوگ کہتے تھے یہ کیا نئی نئی رسمیں نکال رہے ہو۔ قاتلوں کی کڑی کو سر پہ تاج کی طرح سجا رہے ہو۔ میں نے بڑی شرمندگیاں جھولی میں ڈالی ہیں۔ ایک صرف تیرے لیے ظل سوہنا! اور بدلے میں تو ہمیں کیا دے رہا ہے۔ ابھی بھی تو ہمارا صبر آزما رہا ہے۔ سجاد حیدر ہوتا تو وہ ماں

کو ایسے نہ رلاتا۔ ہائے میرا اسجاد!"

بڑی شاہنی جی نے اب دوپٹا منہ پر رکھ کے رونا شروع کردیا۔ ظل حیدر ایک دم اٹھا اور باہر نکل گیا۔

اس نے برآمدے سے ظل حیدر کو گاڑی کی طرف جاتے دیکھا۔

"یہ میرے ساتھ کیا، کیا چھوٹے شاہ جی!"

وہ بے آواز آنسوؤں سے رونے لگی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ظل حیدر کی نگاہ برآمدے میں ستون کی آڑ میں کھڑی شہرزاد پہ پڑی اور شہرزاد کو لگا جیسے اس کی رگوں کا خون ہی اسی نگاہ سے چلتا ہو۔ اس کی آنکھیں مرچوں سے بھر گئیں۔

"آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کرسکتے ہیں چھوٹے شاہ جی۔ آپ نے تو میرے ساتھ جڑے اس رشتے کو کبھی مانا ہی نہیں۔ کیا میں اتنی بری ہوں۔ اب میں کیسے آپ کو بتاؤں؟"

اور تب اس نے پہلی بار محسوس کیا کہ وہ شخص جو ہمیشہ اسے اپنی ذات کے قریب محسوس ہوتا تھا وہ تو اس سے بہت طویل فاصلوں پہ کھڑا تھا۔

"اور پھر شادی کوئی چھوٹا سا مطالبہ تو نہیں کہ وہ میری فرمائش سمجھ کے پورا کردیں۔

تو پھر انہوں نے اب تک شادی کیوں نہ کی۔ کیا کہیں اور؟" اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

☼ ☼ ☼

"چھوٹے شاہ جی!

آئیڈیلزم ایسا مضبوط تصور ہوتا ہے۔ جو بہت خوب صورت احساس کی طرف جانے والے بادلوں کے ساتھ تیرتا ہے۔ میں نے اپنی عمر کا ایک حصہ ان ہی بادلوں کے ساتھ اڑتے گزارا۔ مجھے لگتا کہ سب کچھ کس قدر دلکش ہے۔ یہ خوب صورت احساس، ایک غیر مرئی نقطے سے شروع ہوا اور جانے کتنے تصورات اکٹھے ہوئے کہ اس نقطے نے ایک طوفان کی شکل اختیار کرلی۔ آپ میرے آئیڈیلزم کے تصورات کی دلکشی اور رنگینی کو حقیقت کا روپ دیتے گئے تو مجھے لگا ہر خواہش کا پورا ہونا میری ٹپس پہ ہے۔ ادھر میں خواہش کا اظہار کروں گی۔ ادھر فٹ سے خواہش حقیقت کے روپ میں پوری۔ مگر یہ ایک لامحدود فریب نظر ثابت ہوا۔

میں نے آئیڈیلزم کی ایک اپنی دنیا بنالی۔ جس میں، میں بادلوں کے ساتھ تیرتی تھی اور یہ تصور میرے پاؤں زمین پہ نہیں پڑنے دیتا تھا۔ اس دنیا کی میں خود ہی شاہزادی تھی۔ یہ کوئی میرے اندر رقص کرتا جنون تھا جو مجھے سمندروں کے اوپر چلنے والی ہواؤں کے سنگ اڑائے لیے جاتا۔

سمندروں کے اوپر پاگل ہوا کا ناچ کبھی دیکھا ہے آپ نے؟ میں نے دیکھا ہے۔

اٹکھیلیاں کرتا ہوا، دیوانہ وار، بے سمت، لہراتا تھرکتا، جنون۔

مجھے لگتا خواب اچھے ہوتے ہیں۔ امید قائم رکھتے ہیں۔ اور مجھے یہ بھی لگتا کہ ان کے رستے کبھی بند گلی کی طرف نہیں جاتے۔ کیسے خوش کن خیالات تھے میرے۔ کیسی خوبصورت دنیا تھی میری۔ جس میں قدیم منطقی دلائل کے بجائے دلکش خواب رہتے تھے روشنیوں سے بھرے جگمگ جگمگ، خوشبوؤں سے مہکتے ہوئے۔ سرپھرے طوفانوں جیسے کہ جس میں ایک شدت ہوتی ہے جو درختوں کو جڑوں سے اکھاڑنے جتنے طاقتور ہوتے ہیں۔ میں اپنے خوابوں کی بگھی میں بیٹھی گھنے جنگلوں کی سیر کرتی۔ ٹھنڈے سبز تازہ مہک والے قدیم جنگل۔ مجھے ان لوگوں پہ افسوس ہوتا ہے جو ہر وقت مسابقت، رقابت، جلن اور حسد جیسے جذبوں میں صرف اپنی ہی نہیں، دوسروں کی زندگیوں سے بھی کھیلنے سے باز نہیں آتے۔

دوسروں کی خوشیوں کے اور خوابوں کے تاج محل میں گھس کر سازشیں کرنے والے۔ مجھے خوف آتا۔ اور میں نے بہت چھوٹی عمر میں ہی اس تصوراتی دنیا میں پناہ لے لی۔ اور پھر میں سچ مچ خوش رہنے لگی۔

ہر تصور کے ساتھ میرے اندر ایک جوش ولولہ اور طاقت پیدا ہوجاتی اور میں ان بنا آواز، بنا شور کے ابدی سکوت والے تصورات کے سکون میں کھو جاتی۔ اس دنیا میں کوئی کسی پر ظلم نہیں کرتا تھا۔ کوئی کسی کو بے گناہ مارتا نہیں تھا۔ میں خوش تھی۔ مگن تھی اور پھر آپ نے میرے تصورات کو حقیقت کا رنگ دے دیا۔ مجھے وہ تصوراتی دنیا اس دنیا سے الگ نہ لگتی۔ سب کچھ چٹکی بجاتے پورا۔ چٹکی میں مسئلے حل۔

یہ پڑھنا ہے۔ جواب ملتا، ٹھیک ہے۔

یہ کھانا ہے، جواب ملتا، کیوں نہیں۔

یہ پہننا ہے، جواب آتا، اس سے بھی اچھا پہنو۔

کوئی بھی چیز نا ممکن نہ رہی۔

مجھے تصورات کی دنیا میں رہنے پر کوئی پچھتاوا نہیں۔ لڑکیاں تو ویسے بھی ان تصورات کی چادر میں چھپ کر اپنے وقتی غموں سے نجات حاصل کرتی ہیں۔ بڑی سیانی ہوتی ہیں ایسی Strategies بناتی ہیں کہ نہ سپنے ختم ہوں نہ حقیقت سے نگاہ دور ہو۔

کسی لڑکی کو تنہا کمرے میں بند کردو وہ اپنے خوابوں میں کھو کر سارا نہیں تو آدھا وقت تو خوش خوش گزار لے گی۔

مجھے اگر کوئی دکھ ہے تو یہ کہ آپ نے میری حقیقت کو خواب جیسا بنادیا۔ مجھے راستہ بھلادیا۔

لڑکیاں بہت مضبوط اعصاب والی ہوتی ہیں۔ حقیقت پہ گہری نظر رکھنے والی۔ یہ خواب ہی اس کی شخصیت میں جاذبیت پیدا کرتے ہیں اسے لچک دار بناتے ہیں اسے پھلوں سے جھکی نرم ٹہنی بناتے ہیں۔ یہ خواب اس کے جذبات کو زندہ رکھتے ہیں اور جس کے جذبات زندہ ہوں وہ اپنے کسی رشتے، کسی ناطے کو ٹوٹنے نہیں دیتی سینت سینت کے رکھتی ہے۔

مگر میرے ساتھ ___؟

میں نے ساری ذلتیں ساری تکلیفیں بھلا کے اپنے اور کڑوے احساس کی تلخی کم کرنے کے لیے خوابوں کی دنیا سجالی اور آپ نے میری دنیا کو ہی خواب بناڈالا۔ آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کرسکتے ہیں؟

چھوٹے شاہ جی! مجھے اس گرداب سے نکال لیں۔ مجھے ان تلخ حقیقتوں میں جینا نہیں آتا۔ مجھ سے میرے خواب نہ چھینیں۔ میں نے تو اپنی پیاس انہی خوابوں کی ریت سے پانی نچوڑ کے قطرہ قطرہ بجھائی ہے۔ میرے لیے آپ کیا ہیں میں آپ کو کیسے بتاؤں؟___ مجھے خود سے جدا نہ کریں۔ مجھے میرے خوابوں سے الگ نہ کریں۔ میں پھر میں نہیں رہوں گی۔

آپ کی شہرزاد"

اس نے لفافہ بیڈ کی سائیڈ دراز پر ڈال دیا۔ اسے خبر تھی کہ یہ خط ان خطوط میں سے تھا جو کبھی پوسٹ نہیں ہوتے۔

☼ ☼ ☼

اور پھر اس نے تصورات کی دنیا سے پہلا قدم تلخ حقائق کی سنگلاخ زمینوں پر اس وقت رکھا جب اس نے چھوٹے شاہ جی کی مہندی کی رات، جی بھر کے گیت گائے اور رقص کیا ساری حسب نسب والیاں گردنوں میں سریا لیے مغرور اور تیکھی نگاہوں سے اپنا تخت و تاج سنبھالے اسے دیکھتی طنزیہ مسکراہٹیں پھینکتی رہیں۔

"اب آئی ہے اپنی اوقات پہ۔ ورنہ ہمیں تو ظل حیدر کے اس کے ساتھ سلوک نے ڈرا ہی دیا تھا۔ اوپر سے اس کی اٹھان تو دیکھو توبہ توبہ، دیگیں چڑھائیں بھرجائی جی۔" اس نے تالیوں کے شور میں چھوٹے شاہ جی کی پھوپھی کی زہریلی بات سنی۔

"شکر کریں بلا سر سے ٹلی۔"

"جتنا مرضی اونچا اڑ لیتی میں جانتی تھی یہ منہ زور قدموں میں ہی آئے گی۔ ہم نے اس کو ظل شاہ کی "ضد" نہیں بننے دیا۔ سیانپ (سیانہ پن) سے کام لیا۔ ظل نے جو کہا وہ ہم نے اس کو کرنے دیا۔ بس میں نے دو باتیں پتر کو بھلانے نہ دیں۔

ایک تو یہ کہ وہ اس سے اٹھارہ سال بڑا ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ خدمت گار نہیں ہیں، نسلیں چلانے والی نہیں۔"

بڑی شاہنی جی کی متکبرانہ کھلکھلاہٹ نے اس کے پاؤں کی تھرتھراہٹ کو تیز کردیا۔

"طاقت کا یہ اصول ہے کہ یہ اپنے جیسوں کو منتقل کر کے مزید طاقت حاصل کی جاتی ہے۔" مس نشاط کی آواز جانے وقت کے کون سے لمحوں سے نکل کر اس کے قسمت کے چکر میں نیزے کی طرح آن گڑی تھی۔ "طاقت کو سمجھنے کے لیے اس کی ہیئت کو سمجھنا ضروری ہے۔" ایک اور نیزہ۔

"مگر طاقت صرف اللہ کے لیے ہے۔ ہم سب کمزور بندے ہیں۔" اس نے کلاس میں احتجاجاً کھڑے ہو کر مزاحمتی انداز میں کہا تھا۔

"ایسا کہنا اور بات ہے شہزاد۔ حقائق اس پاور اسٹرکچر کی تھیوری کے ہی ارد گرد پھرتے ہیں۔"

مس نشاط نے اس کی بات کو نظر انداز کر کے اپنا لیکچر جاری رکھا تھا۔

خواب۔۔۔ حقیقت کے ناگ۔۔۔

طاقت۔۔۔ طاقت۔۔۔ اعلا حسب نسب۔۔۔ خدمت گارنیں۔۔۔ نکاح۔۔۔ طاقت۔۔۔ محبت۔۔۔ بے بسی۔۔۔

اس کے اندر شور مچا تھا جانے کب اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا۔ کب ناچتے ناچتے گری۔ کس نے اٹھا کے کوارٹر میں اس کے ہر طرح کی آرائش و آسائش سے مزین اس کے کمرے میں پہنچایا جو کہ کوارٹر کا ہی حصہ تھا مگر ظل حیدر نے یہاں بھی اس کی حقیقتوں میں خواب بھر دیے تھے۔

ان دنوں وہ اکثر سوچتی تھی کیا ایسے کمرے سرونٹ کوارٹرز میں بھی ہوتے ہیں؟ اسے ہوش آیا تو کوثر اس کی ہتھیلیوں کو مسل رہی تھی اور اماں جنداں پاؤں کے تلوے۔

"چھوڑیں۔" وہ ایکدم اٹھ کے بیٹھ گئی۔ "بس ذرا سا چکر کیا آیا، آپ ڈر ہی گئیں۔" وہ ایسی کھوکھلی ہنسی ہنسی کہ اماں جنداں اس کو دیکھتے ہوئے واقعی ڈر گئیں۔

"اماں جنداں۔" چھوٹے شاہ جی کی آواز تھی۔

کوثر تو باہر بھاگ گئی۔ اماں جنداں کانپنے لگیں چھوٹے شاہ جی نے اتنی اونچی آواز میں انہیں کبھی نہیں پکارا تھا اور نہ ہی شہزاد کی موجودگی میں وہ کبھی ان کے کوارٹر میں آئے تھے۔

"یا اللہ خیر۔" وہ باہر بھاگیں۔

☼ ☼ ☼

"اور طاقت کو صرف طاقت سے زیر کیا جا سکتا ہے۔ سپورٹ سسٹم۔" مس نشاط کی پیچھا کرتی آواز۔

وہ اسی گلابی لباس میں گھبرائی اور کانپتی ہوئی زندگی میں پہلی بار چھوٹے شاہ سائیں کے بیڈ پر سہمی ہوئی سی بیٹھی تھی۔ وہ اس کو وہاں بٹھا کے خود باہر نکل گئے تھے اس کی نگاہوں میں وہ قیامت خیز مناظر فلیش بیک کی مانند چلتے جا رہے تھے۔ آدھا گھنٹہ پہلے ظل حیدر نے جب اس کے کمرے میں آ کر بازو سے کھینچتے ہوئے مہمانوں سے کھچا کھچ بھرے لاؤنج میں آ کے زور سے کہا تھا۔

"ماہی یہ میری پہلی بیوی ہے۔ اگر اس کی خدمت گارن بنا کے اپنی بیٹی کو بھیج سکتی ہیں تو بسم اللہ۔"

بڑی گہری مسکراہٹ تھی اس کے چہرے پہ وہ اپنا بازو چھڑا رہی تھی مگر اس نے گویا اس کی نبض بھی اپنے بس میں کر لی تھیں۔ اتنی مضبوط گرفت۔ وہ بے بسی سے ظل حیدر کے روشن جگمگاتے چہرے کو دیکھنے لگی جو صبح تک پژمردہ تھا۔ پھر اچانک آخر کیا ہوا۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

بڑی شاہنی جی کے ہاتھ سے شربت بھرا کانچ کا گلاس قالین پہ جا گرا۔ ماہی جی کی آنکھیں گویا باہر ابلنے کو تھیں۔ بڑے شاہ جی دم بخود' رشتے دار اور در و دیوار ساکت۔

"تو ہوش میں تو ہے۔" بڑے شاہ جی کی گرج سنائی دی۔

"میں تو ہوش میں ہوں شاید وہ لوگ کوئی خواب دیکھ رہے ہیں جنہیں یہ خبر بھی ہے کہ میری ایک عدد بیوی پہلے سے میری زندگی اور اس گھر میں موجود ہے' وہ پھر بھی اپنی بیٹی کو سوکن پہ دینے تلے ہیں۔" عجیب سا ٹھہراؤ تھا ظل حیدر کی آواز میں مگر لہجے میں طوفانوں کی آہٹ تھی۔

سب مجسمے دم بخود۔

"تو کیا کہہ رہا ہے پتر!" بڑی شاہنی کی گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں اماں سائیں! کیا کوئی بھی ایسا شخص یہاں پہ موجود ہے کہ جس کو یہ نہ خبر ہو کہ میرا نکاح اس لڑکی سے ہو چکا ہے اور کیا کوئی نہیں جانتا تھا کہ میں اس رشتے کو کتنی اہمیت دیتا ہوں۔ اس لڑکی کو میں نے اب تک پھولوں کی طرح رکھا تو کیا اب کانٹوں کے حوالے کر دوں گا؟"

"مگر پتر! ہم نے کب اس سے انکار کیا یہ تو صرف خدمت گارن۔۔۔"

بڑی شاہنی جی نے نرمی سے معاملہ سنبھالنے کی کوشش کی مگر اس نے ٹوک دیا۔

"نسل میری چلنی ہے تو میں تو قنبر شاہ کا پوتا اور اکبر شاہ کا بیٹا ظل حیدر شاہ ہی ہوں۔"

"سچ کہہ رہا ہے تو مگر تیری اولاد نجیب الطرفین تو نہیں ہو گی نا۔" بڑی شاہنی جی نے پھر لقمہ دیا۔

"اماں سائیں! میری بیوی مسلمان ہے اور بس ہم جن کی اولاد ہونے کو باعث فخر سمجھتے ہیں کیا یہ باتیں اس اخلاق پر پورا اترتی ہیں جو انہوں نے ہمیں دیا؟ موروثی اعتبار سے آپ کے اندر وہ اخلاق کیوں نظر نہیں آتا۔" وہ نخوت سے بولا۔

"مگر مہمان گھر پہ ہیں فضہ کو ٹھکرانے کا مطلب جانتے ہو؟" بڑی شاہنی جی زیادہ دیر غصے پر قابو نہ پا سکیں۔ ان کا بس نہ چلتا تھا اس لڑکی کو اٹھا کر باہر پھینکیں یا جان سے مار دیں۔ مگر آج وہ اکیلی نہ تھی ان کا بیٹا اس کی ڈھال بن کے کھڑا تھا۔

"اماں سائیں! میں نے انکار تو نہیں کیا۔"

یہ کیسی چال چل رہا تھا ظل حیدر۔ بڑے شاہ جی نے اس کی ذہانت سے بھرپور مسکراہٹ دیکھی۔

"ارے تو کیا میری بیٹی اتنی گری پڑی ہے کہ وہ سوتن پر آئے۔" ماہی سمیت تمام ہونے والی سسرالی عورتیں چادریں سمیٹتی' پاؤں پٹختی غصے سے باہر نکل گئیں۔

"تمہاری تو کوئی عزت ہی نہیں۔" وہ بولتی جا رہی تھیں۔

"تمہاری بیٹی کوئی گری پڑی ہے میں آج ہی اس کا نکاح اپنے بیٹے سے کر کے اسے گھر لے جاؤں گا۔ چل بھرجائی۔" بڑے ماموں طغرل شاہ کی بڑے موقع پر آمد ہوئی تھی۔

ماہی اور چھوٹے ماموں پھنکارتے ہوئے گاڑیوں کی طرف لپکے۔ وہ اسے اوپر اپنے کمرے میں چھوڑ کے دوبارہ نیچے چلا گیا تھا۔

جانے ابھی تک نیچے کیا چل رہا تھا وہ تو ابھی تک سکتے کی حالت میں وہیں بیٹھی تھی جہاں وہ اسے بٹھا کے گیا تھا۔ ہاتھ سرد تھے اور جسم ابھی تک کانپ رہا تھا وہ سارے حالات کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی جب ظل حیدر اندر آیا۔

"تم کیا سمجھتی تھیں تمہارا آخری خط مجھ تک نہیں پہنچے گا؟" وہ مسکراتی نگاہوں سے دلچسپی سے اس کی حیرت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ وہ ہونق بنی ظل حیدر کو دیکھے گئی۔

"جذبے سچے ہوں تو جو خط پوسٹ نہ ہو سکیں۔ بندہ خود اس خط تک پہنچ جاتا ہے۔" اب اس کی سمجھ میں سارا قصہ آ گیا تھا۔

"مگر آپ نے تو سب کے سامنے اس روز کہا تھا کہ آپ اس نکاح کو نہیں مانتے۔" وہ ابھی شاکی تھی۔

"ہاں! کیونکہ میں سمجھتا تھا کہیں تمہارے ساتھ زیادتی نہ ہو۔ سرپرستوں کے کروائے نکاح کی ایک عاقل بالغ لڑکی کے انکار کے سامنے کوئی حقیقت نہیں۔ مگر جب عاقل بالغ لڑکی نے خود اقرار کر لیا تو نکاح بھی پکا ہو گیا۔"

وہ اس کے سرد ہاتھوں کو اپنے حد سے زیادہ گرم ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولا تو شہزاد کو لگا جیسے وہ اپنے خوابوں کی دنیا میں لوٹ آئی ہو۔

بس اس بار وہ بگھی میں اکیلی نہ تھی اس کے ساتھ وہ شخص بھی تھا جو ہمیشہ اس کے لیے مہربان رہا۔

☼

مکمل ناول

ثمرہ شکور

نارسائی سی نارسائی

مجھے اس سے محبت کبھی تھی ہی نہیں ۔۔۔؟
یا یوں سمجھ لیں کہ میں نے اس سے محبت کرنا کبھی چاہی تھی ہی نہیں۔ میرے دل میں ایسا کوئی انوکھا احساس جاگا ہی نہیں یہ کام مجھے بہت فضول لگتا تھا' بے حد فضول۔ کیونکہ مجھے کبھی یہ لگا ہی نہیں کہ میں مصعب عطا کھر محبت کرنے کے لیے پیدا ہوا ہوں۔

محبت میں تو بہت امتحان آتے ہیں جنہیں پاس کرنا ضروری ہوتا ہے۔ بہت آزمائشیں آتی ہیں' جن سے تپ کر انسان کندن بن جاتا ہے۔ مگر مجھے کندن بننے کا کوئی شوق نہیں تھا جس سے پہلے آگ میں تپنا پڑے میں تو صرف چاہے جانے کے لیے پیدا ہوا تھا۔

کھر انڈسٹریز کا اکلوتا وارث' جو شادی کے سات سال بعد منتوں مرادوں سے پیدا ہوا ہو۔ کیا اس کا حق نہیں کہ اسے چاہا جائے؟ بے تحاشا محبت دی جائے؟

تو اگر میں ایسا چاہتا تھا تو اس میں حیرت کی تو کوئی بات نہیں اور ویسے بھی اگر یہ سب ایسا نہ ہوتا۔ تب بھی مصعب عطا کھر ایسا ہی ہوتا۔ محبت کرنے کے قابل۔ سراہے جانے کے لائق۔ مگر وہ کون ہے۔ جس کی میں بات کر رہا ہوں۔ وہ ہے علینہ حیدر

پانچ فٹ سات انچ کے قد کے ساتھ خوب صورت سراپے والی پیاری سی لڑکی' جس کی آنکھیں اتنی خوب صورت تھیں کہ دیکھنے والا ایسا مبہوت ہو جائے کہ آس پاس کا کوئی دھیان نہ رہے۔ رنگت ایسی کہ بقول زرمین گویا شیشے کے نازک سے گلاس میں دودھ کے اندر چیریز رکھ دی جائیں اور میں نے ہمیشہ دل سے تسلیم کیا کہ ایسا ہی ہے۔

وہ دنیا کی ان چند بے حد خوب صورت خواتین میں سے ایک تھی۔ جسے اللہ نے بہت فرصت سے بنایا

تھا۔
ایسے خوب صورت لوگ تو صرف چاہے جانے کے لائق ہوتے ہیں نا!
مگر اس کے ساتھ کیا ہوا... اس کی بے پناہ خوب صورتی نے اسے کیا دیا... میں بتاتا ہوں۔ مجھے سب یاد ہے۔ میں کچھ بھی نہیں بھولا۔

☼ ☼ ☼

اے لیولز کی کلاسز شروع ہو چکی تھیں۔ آج کلاس کا پہلا دن تھا۔ کیمسٹری کا پہلا پیریڈ شروع ہو گیا تھا۔ مگر پہلا دن تو کلاس اور ٹیچرز کا تعارف ہی ہوتا ہے۔ میں درمیانی قطار میں بیٹھا حسن سے باتیں کر رہا تھا۔ میں نے اور میرے کچھ دوستوں نے اسی ادارے سے او لیولز کیا تھا۔ اس لیے ہم لوگ تمام ٹیچرز اور پرانے اسٹوڈنٹس سے واقف تھے۔ کلاس میں کچھ نئے چہرے بھی تھے۔ مگر میں نے کسی کی طرف توجہ نہیں دی۔ ان نئے چہروں میں سے تقریباً" سب ہی نے مجھ سے تعارف حاصل کر لیا تھا۔ اب مصعب خود سے تو پہل نہیں کر سکتا تھا نا۔
میڈم علینہ بیگ کلاس میں آچکی تھیں۔ باری باری سب نے ہی تعارف کا مرحلہ نبٹایا۔ جب اچانک ایک بہت ہی خوب صورت آواز نے مجھے پیچھے مڑ کر دیکھنے پر مجبور کر دیا۔
"علینہ حیدر" اپنا نام بتانے کے بعد وہ اپنا مختصر تعارف کروانے لگی۔ اس کے والد ریٹائرڈ بریگیڈیئر تھے اور وہ آرمی اسکول سے مائیگریٹ ہو کر یہاں آئی تھی۔ آواز اور نام کے ساتھ وہ خود بھی بہت پیاری تھی۔ کالی کالی گہری آنکھیں، ستواں ناک، بھرے بھرے مگر پتلے گلابی ہونٹ اور نازک سراپے کے ساتھ وہ سفید یونیفارم میں پرستان سے آئی ہوئی پری ہی لگ رہی تھی۔ کندھوں سے نیچے آتے بالوں کی پونی ٹیل بنا رکھی تھی۔ اپنا تعارف کروا کے وہ واپس اپنی جگہ پہ بیٹھ گئی۔ میں نے بھی اپنا چہرہ سامنے میڈم کی طرف موڑا تو پتا چلا کہ اور بھی کئی گردنیں پیچھے مڑی ہوئی تھیں۔
تمہاری خوب صورتی تمہارے لفظوں سے زیادہ بولتی ہے
تمہاری خوب صورتی میرے تصورات سے بڑھ کر ہے
تمہاری خوب صورتی تک چاند کو بھی دسترس نہیں
تمہاری خوب صورتی میری برداشت سے بھی زیادہ ہے
حسن نے میرے سامنے اپنی فائل رکھی۔ جان مون کی نظم اس نے علینہ حیدر کو سراہنے کے لیے لکھی تھی شاید۔ اس کے انتخاب پہ میرے لبوں پہ مسکراہٹ رینگ گئی۔
علینہ حیدر میری زندگی میں اب تک دیکھی گئی تمام لڑکیوں میں سب سے زیادہ خوب صورت لڑکی تھی

یہ میرا علینہ حیدر سے پہلا تعارف تھا۔

☼ ☼ ☼

علینہ حیدر کو ہمیں جوائن کیے ہوئے دو ماہ گزر چکے تھے۔ مگر ہم دونوں کے بیچ کبھی بھی کوئی رسمی یا غیر رسمی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔
مصعب کھر کے ساتھ ایسا پہلی بار ہوا تھا۔ لیکن مجھے زیادہ حیرت نہیں ہوئی۔ کیونکہ علینہ حیدر اپنی طرز کا شاہکار تھی اور شاید میری طرح خود پسند بھی۔ یہ میری غلط فہمی تھی کہ وہ صرف بے انتہا خوب صورت لڑکی ہے، وہ بے انتہا ذہین بھی تھی اور مجھے تو خوب صورتی اور ذہانت ویسے ہی اپنی طرف بہت کھینچتی تھیں۔ مگر پھر بھی میں علینہ سے اتنا زیادہ متاثر نہ تھا۔ شاید یہ میرے اندر کی انا پرستی اور خود پسندی تھی یا پھر میری منگیتر مناہل نیازی کی بے پناہ محبت۔ جس نے مجھے کبھی کسی اور لڑکی کی طرف مائل ہونے ہی نہ دیا۔
ہم لوگوں کے مڈ ٹرم ایگزام ہو چکے تھے اور رزلٹ بھی آچکا تھا۔ علینہ نے کلاس کے ٹاپرز کو پیچھے چھوڑ دیا تھا اور مجھ سے صرف چند پوائنٹس سے پیچھے رہ گئی تھی۔ مگر اس پر بھی وہ بہت خوش اور مطمئن تھی۔ اس دن ہم سب بریک ٹائم میں کینٹین میں بیٹھے تھے جب وہ آگئی۔ میں نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔ مگر وہ میری طرف متوجہ نہیں تھی۔ میں شاید بتانا بھول گیا کہ وہ بہت لیے دیے رہنے والی لڑکی تھی۔ رباب فاطمہ کے علاوہ میں نے اسے کبھی کسی اور کے ساتھ ہنستے ہوئے عام گفتگو کرتے نہیں دیکھا تھا۔
"ایکسکیوزمی مناہل!" اس نے ہمارے پاس آ کر نرم آواز سے کہا تو مناہل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
"اگر میرے نوٹس تم نے کاپی کروا لیے ہوں تو مجھے دے دو۔ مجھے ان سے تیاری کرنی ہے۔" ٹیبل کے گرد بیٹھے سب افراد خاموشی سے علینہ حیدر کو تکنے لگے۔
"کون سے نوٹس؟" مناہل نے بھنویں اچکا کے کچھ حیرت سے پوچھا۔
"آرگینک کیمسٹری کے نوٹس۔ جو دو دن پہلے تم نے مجھ سے لیے تھے۔" اس نے پھر رسانیت سے کہا۔
"لسن گائز!" اس نے اپنے ساتھیوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ "مناہل نیازی پہ اتنا برا وقت آچکا ہے۔ جو اسے علینہ حیدر کے نوٹس کی ضرورت پڑ گئی۔" اس نے چڑانے والی مسکراہٹ سے علینہ کی طرف دیکھا۔
"یہ کیا ڈراما ہے علینہ حیدر! میرے یا مصعب کے نوٹس چاہیے تھے تو تم ہم سے ڈائریکٹ مانگ لیتیں۔ اس طرح بات گھمانے کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔" اس نے رائے لینے کے لیے ہم سب کی طرف دیکھا تو ہم نے اس کی بات پر اثبات میں سر ہلایا۔
"کیا کہہ رہی ہو مناہل! میں نے خود تمہیں وہ نوٹس ...."
"اوہ! تو تم نے خود مجھے نوٹس دیے۔ مگر ان نوٹس کے شاید پاؤں تھے، جو وہ کہیں اور چلے گئے۔" مناہل نے اس کی بات کاٹ کر مذاق اڑایا۔
"علینہ! آپ کو شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ مناہل آپ سے نوٹس لیتی تو اب تک واپس کر چکی ہوتی۔" اب کے حسن بولا۔ مجھے خود اچھا نہ لگا کہ وہ میری منگیتر پہ الزام لگا رہی تھی۔
"آپ کے نوٹس رکھ کر اسے کیا فائدہ ہوگا؟ مناہل نے وہ نوٹس لیے ہوتے تو وہ فوٹو کاپی کروا کے آپ کو دے دیتی۔" حسن پھر بولا۔
"اسٹاپ اٹ حسن! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں ایک عام سی اور ایوریج اسٹوڈنٹ کے نوٹس کیوں لوں گی بھلا۔ جبکہ میرے اپنے نوٹس میڈم ریحانہ کو فرسٹ کلاس لگتے ہیں۔" مناہل نے ابرو اچکا کر کہا۔
"بات صرف اتنی ہے کہ علینہ حیدر! ہم سے

تعارف حاصل کر کے ہمارے نزدیک ہونا چاہتی ہیں۔ لیکن اس کے لیے ایسی غلط بات کی تو کوئی ضرورت نہیں تھی علینہ! تم دوستی کا ہاتھ بڑھاتیں تو کیا ہم تمہیں ویلکم نہ کہتے؟" مناہل کے چہرے پر مستقل طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

"یا پھر تم کسی کو امپریس کرنا چاہ رہی تھیں۔" ملک کے معروف صنعت کار کی اکھڑ اور مغرور بیٹی اپنے انداز میں بات کر رہی تھی۔ اس کی بات پہ علینہ کی نظریں فوراً" مجھ سے ملیں اور جس طرح اس نے میری طرف دیکھا' اس سے مجھے مناہل کی بات کا سو فیصد یقین ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

مجھے یاد ہے' اس دن صبح سے ہی بہت تیز بارش ہو رہی تھی۔ جس کی وجہ سے ہر طرف جل تھل سا ہو گیا تھا۔ اگست کے آخر میں ایسی بارش کراچی والوں کے لیے کسی نعمت سے کم نہیں تھی۔ موسم بے انتہا خوب صورت ہو گیا تھا۔ کراچی کے مختلف ضلعوں میں واقع ہمارے کالج کی تمام برانچز کے مابین ڈراما کمپٹیشن تھا۔ ہمارا بیج بھی ایک ڈراما تیار کر رہا تھا۔ شیکسپیئر کا ڈرامہ اوتھیلو (Othello) ہم لوگوں نے خود منتخب کیا تھا۔ کیونکہ اس میں حاضرین کو بتانے اور سمجھانے کے لیے ایک سبق بھی تھا اور ججز کو متاثر کرنے کے لیے اداکاری کا موقع بھی ــــ مناہل ہیروئن' محسن ولن جبکہ ہمارا ایک کلاس فیلو جو تھا بھی حبشی' وہ ہیرو کا رول ادا کر رہا تھا۔ اس نے ہمارے ڈرامے میں گویا جان ڈال دی تھی۔ میں اس ڈرامے کو ڈائریکٹ کر رہا تھا۔ کلاسز ختم ہونے کے بعد ہم شام تک ریہرسل کرتے رہتے۔ پورے کالج میں گویا رونق سی لگی رہتی۔ اس دن بارش اور خوب صورت موسم کی وجہ سے ہم نے کام تھوڑا اور موسم کو انجوائے زیادہ کیا تھا۔

میری گاڑی کل سے ورک شاپ پر تھی۔ صبح ڈرائیور مجھے ڈیڈی کی گاڑی میں چھوڑ کے گیا تھا۔ ابھی مجھے اسے فون کرنا تھا وہ پانچ سے دس منٹ میں مجھ تک پہنچ جاتا۔ اسی وجہ سے میں اسکول کے گیٹ کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ میرا بیگ قریبی بینچ پر رکھا تھا۔ سفید رنگ کی شرٹ کے کف میں نے کھول کر کہنیوں تک فولڈ کر لیے تھے۔ پاس سے گزرتی بہت سی اسٹوڈنٹس نے مجھے ایک نظر دیکھا۔ کسی نے ترچھی نگاہ سے' کسی نے مسکراتی نظروں سے اور کسی نے جذبے لٹاتی نظروں سے۔ میں خود پہ پڑنے والی ہر نگاہ بخوبی پہچانتا تھا۔ میں ایک عام سے اسکول کا عام سا لڑکا نہیں تھا' جو شرما جاتا۔ میں اونچی فیملی کا فرزند اور پاکستان کے ہائی اسٹینڈرڈ کالج کا پراعتماد اسٹوڈنٹ تھا۔

"ہیلو۔" میں ڈرائیور کو فون کر ہی رہا تھا کہ مناہل کی آواز پر چونکا۔

"تم ابھی تک یہیں ہو؟ میں نے تمہیں وہاں کھڑے دیکھا' اس نے ہاتھ سے دور آڈیٹوریم کی طرف اشارہ کیا۔ پھر بازو پہ لپٹے بینڈ کو اتارا اور اپنے گھنے بالوں کو سمیٹ کر اوپر پونی ٹیل کی شکل دے دی۔ مجھے مناہل کے لمبے' گھنے بال بہت اچھے لگتے تھے' کالے سیاہ اور چمکدار بال۔

"میری گاڑی ورکشاپ پہ کھڑی ہے۔ میں ڈرائیور کو ہی فون کر رہا تھا۔" میں نے جواب دیا۔ درحقیقت آج میں بہت تھک چکا تھا۔ اس موسم کو انجوائے تو بہت کیا تھا۔ مگر ابھی میں ریسٹ کرنا چاہ رہا تھا۔

"تو ڈرائیور کو فون کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میرے ساتھ چلو۔" اس نے پیش کش کی۔ جسے میں مسترد کر دینا چاہتا تھا۔ کیونکہ مناہل کا روٹ مجھ سے مختلف تھا اور میں اسے زحمت نہیں دینا چاہتا تھا۔

"مجھے آج نائلہ آنٹی کے گھر جانا ہے۔ ان کے گھر پارٹی ہے۔ ابھی تم مجھے ڈراپ کر کے چلے جانا۔ کل آتے ہوئے مجھے وہیں سے پک کر لینا۔ کل تک امید ہے کہ تمہاری گاڑی ٹھیک ہو جائے گی۔" اس نے جھٹ پروگرام ترتیب دے ڈالا تو میں مان گیا۔

مناہل کی آنٹی کا گھر آیا تو وہ بائے کہہ کر اتر گئی۔ اب میں سکون سے ڈرائیو کرنے لگا۔ موسم خوب صورت تھا میں نے سی ڈی پلیئر آن کیا۔ عاطف اسلم کی آواز میں گانا شروع ہو گیا۔ میرے ہونٹوں پہ مسکراہٹ آ گئی عاطف اسلم مناہل کا پسندیدہ گلوکار تھا۔

"اوہ۔" اسپیڈ بریکر نے تیزی سے چلتی گاڑی کو جھٹکے سے اچھالا' تو سامنے ڈیش بورڈ پہ پڑے کچھ نوٹس اور ایک بک نیچے آ گری۔ میں نے ایک نظر انہیں دیکھا اور توجہ دوبارہ ڈرائیونگ پر مرکوز کر دی۔ گھر میں داخل ہو کر میں نے گاڑی گیراج میں کھڑی کی اور باہر نکلنے سے پہلے مناہل کے نوٹس اٹھانے کو جھکا تو خوب صورت سی رائٹنگ میں "علینہ حیدر" کے نام نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کروا لی مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ نوٹس کے معاملے میں ہونے والی مناہل اور علینہ کی بحث ابھی کچھ دن پہلے ہی ہوئی تھی اور میرا حافظہ اتنا کمزور تو نہیں تھا کہ میں اس واقعے کو بھول جاتا۔ میں نے وہ نوٹس اٹھائے اور باقی سب وہیں رکھ دیے۔

یہ اس سے اگلا دن تھا۔ کیفے میں بیٹھے تھے۔ کیفے میں ہماری کلاس کے کچھ دوسرے اسٹوڈنٹس بھی موجود تھے۔ علینہ اور رباب ہماری ٹیبل کے ساتھ جڑی ٹیبل پر بیٹھی تھیں۔ اس طرح علینہ بالکل میری نظروں کے سامنے تھی۔ ہمیشہ کی طرح پونی ٹیل بنائے اور سارے بال کندھے کے ایک طرف ڈالے وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ مناہل' محسن' زرمین اور فواد کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے مجھے کئی بار اپنے چہرے پر کسی کی نظروں کا احساس ہوتا رہا۔ پہلے میں سمجھ نہ سکا۔ لیکن کچھ لمحوں کے اس کھیل کے بعد میں نے اس کی چوری پکڑ لی۔

"مناہل!" میں اچانک بولا۔ تب مجھے خود بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ میں نے اسے کیا کہنے کے لیے پکارا ہے۔ وہ ہمہ تن گوش ہوئی۔

"کیا آج کل تمہاری نیند پوری نہیں ہو رہی؟" میں پرسکون سا ہو کر بولا۔ اب میں سمجھ گیا تھا کہ مجھے کیا کہنا ہے۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں' میں بھرپور نیند لے رہی ہوں' کیوں مصعب! تمہیں ایسے کیوں لگا۔" بیوٹی کانشس مناہل چونک گئی۔

"پھر یوگا کرنا تو نہیں چھوڑ رکھا؟" میں نے اس کی حالت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

"کم آن مصعب! کیا پہیلیاں بجھوا رہے ہو۔ سیدھی طرح بتاؤ نا' کیا ہوا۔" اپنی کلائی سامنے کر کے اس نے گھڑی کے ڈائل میں اپنا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی۔

کیا تم جانتی ہو کہ ہم اپنی میموری کو کیسے شارپ کر سکتے ہیں یا اپنی برین پاورز کو کیسے بوسٹ (Boost) کر سکتے ہیں؟" اب کے میں نے مسکراتے ہوئے ٹیبل پہ دونوں کہنیاں ٹکاتے ہوئے کہا۔ میری مبہم باتوں نے حسن' فواد اور زرمین کو بھی ہماری طرف متوجہ کر دیا۔ کوئی بھی میری بات سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اس صورت حال کو میں دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"اٹس ٹو مچ مصعب! تم یہ سب مجھ سے کیوں کہہ رہے ہو؟" مناہل اب کے زچ سی ہو گئی۔

"میں یہ سب تم سے اس لیے کہہ رہا ہوں۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں' تمہیں اپنی میموری کو شارپ کرنے کی ضرورت ہے۔" میں نے اب کے سنجیدہ ہو کر کہا درحقیقت مجھے مناہل کی یہ حرکت بہت عجیب لگی تھی۔

مناہل نے میری بات پر مجھے یوں دیکھا۔ جیسے اسے میری ہی یادداشت پر کوئی شک ہو گیا ہو۔

"ابھی کچھ دن پہلے ہی تو تم کہہ رہی تھیں کہ تم نے علینہ سے کوئی نوٹس نہیں لیے؟" میں نے بات کرتے ہوئے سامنے نظر کی تو علینہ بھی اپنے نام پر چونک کے ادھر ہی دیکھنے لگی۔ کیونکہ میں بہرحال آہستہ آواز میں بات نہیں کر رہا تھا۔

"ہاں تو؟" مناہل نے ابرو چکاتے ہوئے کہا۔ مگر اس کے چہرے پہ لہرا جانے والا سایہ میری نظروں سے اوجھل نہ رہ سکا۔

"تو پھر یہ کیا ہے؟" میں نے ہاتھ میں رول کیے گئے نوٹس کھول کر سامنے ٹیبل پر رکھ دیے۔ مناہل کے سوا

سب ہی ان پر جھک گئے۔ ہر کوئی حیرت سے گنگ تھا۔ کسی کو بھی مناہل سے اس حرکت کی توقع نہیں تھی۔
"یہ ---- یہ تمہیں کہاں سے ملے؟" اس نے جھپٹ کے نوٹس اپنے ہاتھوں میں دبوچ لیے۔
"میرا مطلب ہے، تمہارے پاس کہاں سے آئے؟"
"کل تمہاری گاڑی سے مجھے ملے تھے تو میں نے سوچا شاید تم بھول رہی ہو تو میں تمہیں یاد کرادوں۔ گو مجھے یقین نہیں آیا کہ ایک شارپ مائنڈڈ لڑکی یہ بات بھول سکتی ہے۔"
"ہاں! میں واقعی بھول گئی تھی اور میں تو انہیں دیکھنا بھی بھول گئی۔ مگر خیر! انو پر ابلم میں اسے یہ واپس کردوں گی۔" مناہل نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ مجھے پتا تھا کہ وہ بہت غصے میں ہے۔ مگر وہ ایک چالاک لڑکی تھی وہ جانتی تھی اس وقت مزید ایک بہانہ کرکے وہ اپنے دوستوں کی نظروں میں گر جائے گی۔ اسی لیے اس نے اپنی بات کو کوئی ٹرننگ پوائنٹ نہیں دیا۔ مگر اسے وہیں روک دیا۔
میری نظر علینہ سے ملی۔ اس نے مسکرا کے گویا میرا شکریہ ادا کیا تھا۔ میں محض کندھے اچکا کے رہ گیا۔ میں نے یہ سب علینہ کی خاطر یا اسے متاثر کرنے کے لیے نہیں کیا تھا۔ نہ ہی میرا مقصد مناہل کو شرمندہ کرنا تھا، وہ بھی علینہ کے سامنے۔ لیکن میرے لیے یہ ایک غلط اور انتہائی عجیب بات تھی۔ ناقابل یقین اور ناقابل فہم۔ میں نے آج تک کبھی کسی سے کسی قسم کی مدد حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ مجھے اپنی مدد آپ کرنے کی عادت تھی اور میرے سب دوست یہ بات جانتے تھے لیکن میں خود اپنے دوستوں کی مدد کرنے کے لیے خاص طور پر پڑھائی کے سلسلے میں ہر وقت تیار رہتا تھا۔ مناہل کے میری منگیتر ہوتے ہوئے کسی اور سے مدد مانگنے سے مجھ جیسے انا پرست کی انا کو چوٹ لگی تھی۔ آخر علینہ کے نوٹس میں ایسی کیا خاص بات تھی کہ مناہل کو یہ فاؤل گیم کھیلنا پڑا۔ میں نے مناہل کا بھانڈا پھوڑ کر بالواسطہ اپنے دل میں محسوس کی جانے والی بے عزتی کا بدلہ لیا۔

☼ ☼ ☼

یہ اسی روز کا واقعہ تھا۔ شام کو میں اسنوکر کلب سے واپس آیا تھا۔ نہا کر تازہ دم ہو کر میں پڑھنا چاہتا تھا۔ لیکن اس سے پہلے ہی راشد دروازے پر کھڑا تھا۔
"آپ سے ملنے کوئی دوست آیا ہے۔" راشد میرا خاص ملازم تھا۔ میرے کمرے میں راشد کے علاوہ کسی اور ملازم کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔
"تم اسے بٹھاؤ میں ابھی آتا ہوں۔" ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے ہٹ کر میں صوفے پر بیٹھ کے بھرے جوگرز پہننے لگا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ حسن اور فواد کے علاوہ اس وقت اور کوئی ہو نہیں سکتا تھا اور اگر وہ اس وقت آئے ہیں تو یقیناً انہوں نے کوئی خاص پروگرام بنایا ہوگا۔ پانچ منٹ کے بعد میں ڈرائنگ روم کے سامنے تھا اور وہاں کھڑی شخصیت کو دیکھ کے مجھے حیرت کا جھٹکا لگا۔
"ہیلو!" مجھے دیکھ کے وہ صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی اور مسکراتے ہوئے بولی۔ وہ علینہ حیدر تھی۔
"ہیلو۔" میں آج پہلی بار اسے یونیفارم کے علاوہ کسی اور حلیے میں دیکھ رہا تھا۔ اس نے گلابی رنگ کا گھٹنوں سے کچھ اوپر آتا فراک اور اسی رنگ کا تنگ سا ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔ لیکن ہر بار کی طرح اس بار بھی اس کے بال اونچی پونی میں بندھے تھے جنہیں وہ عادتاً بہت جھلاتی تھی اور بلاشبہ بہت اچھی لگتی تھی۔
میں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ کچھ کنفیوز لگ رہی تھی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ میرے سامنے اسی طرح روبرو بیٹھنے کی وجہ سے آرام وہ محسوس نہیں کر رہی ہے۔
"آپ کا گھر بہت اچھا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے پورے ڈرائنگ روم کا طائرانہ جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "میں نے جواباً" مسکرانے پہ اکتفا کیا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ بات کرنے کے لیے تمہید باندھ رہی ہے اور فی الوقت اس سے بہتر تمہید اور کوئی نہیں ہو

سکتی تھی۔

"میں ایکچوئیلی ـــــ" وہ گلا کھنکھار کے کہنے لگی۔ مگر اس سے پہلے ملازم جوس لے کر آ گیا۔ وہ ملازم کے رہنے تک خاموش رہی۔ جب وہ چلا گیا تو پھر بولی۔

"میں آپ کو تھینکس کہنے کے لیے آئی تھی۔"

"تھینکس فار واٹ؟" میں بولا نہیں۔ مگر میرے چہرے کے تاثرات یہ واضح انداز میں کہہ رہے تھے۔

"کل آپ نے مناہل اور اپنے دوستوں کے سامنے میری پوزیشن کلیئر کر کے نہ صرف ان کی نظر میں۔ بلکہ میری اپنی نظروں میں بھی میرا جھکا ہوا سر اٹھا دیا ہے۔ میں اس دن سے بہت پریشان تھی۔ نوٹس نہ ملنے کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ مناہل کے واضح طور پہ انکار کرنے کی وجہ سے ـــــ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ مناہل ایسا کر سکتی ہے۔ اس سے مناہل کو بے شک کوئی فرق نہ پڑا ہو۔ مگر میری نظروں میں انہوں نے اپنا اعتبار کھو دیا ہے اور میں ـــــ"

"اور مناہل کو اس چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ کی نظروں میں اور دل میں اس کے لیے اعتبار ہے یا نہیں۔ ان فیکٹ اُسے آپ سے کوئی لینا دینا نہیں اس لیے آپ کو بھی چاہیے کہ اس طرف سے پریشان ہونے کی زحمت نہ کریں۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر مناہل کا دفاع کیا۔ اس کے چہرے پہ ایک سایہ سا لہرایا۔

"اور اس سے میرا مقصد نہ تو آپ کی نظروں میں اونچا مقام حاصل کرنا تھا۔ نہ ہی میرا مقصد تھا کہ میں مناہل کی بے عزتی کر کے اسے اسی کی نظروں میں گراتا۔ بلکہ میرا کوئی اور مقصد تھا جو کہ پورا ہو چکا ہے اور اس کے لیے میں کسی کو کوئی وضاحت نہیں دے سکتا۔ ہاں! اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میں نے صرف اپنے دل کی تسلی کے لیے ایسا کیا۔ کیونکہ مجھے مناہل کی یہ حرکت اچھی نہیں لگی تھی۔"

میری باتیں سن کے وہ بالکل گم صم سی ہو گئی۔ پہلی نظر دیکھنے پر اس کے چہرے پر جو چمک میں نے محسوس کی تھی، وہ عجیب سی تاریکی میں بدل گئی۔ میں نے دل میں ہلکی سی شرمندگی محسوس کی۔

"میں تو صرف آپ کو تھینکس کہنے آئی تھی۔ آپ کا مقصد چاہے کوئی بھی ہو۔ لیکن میری سیلف ریسپیکٹ بحال ہو گئی۔ یہ میرے لیے بہت بڑی بات تھی۔" وہ بہت مدھم آواز میں کہتے ہوئے اٹھ گئی۔ میں بھی صوفے سے اٹھ گیا۔

"میں آپ کا شکریہ قبول کرتا ہوں علینہ!" میری شرمندگی تھی جو میں نے نرم آواز میں اسے جواب دیا۔ مگر اس نے میری بات جیسے سنی ہی نہیں۔

"اوکے! اللہ حافظ۔" کہتی ہوئی وہ چلی گئی۔ اس نے جوس کے گلاس کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ میں گہری سانس لے کر پھر وہیں بیٹھ گیا۔

کچھ عجیب سا تھا، جو مجھے محسوس ہو رہا تھا۔ اندر ہی اندر کوئی پچھتاوا سا تھا۔ مگر مناہل میری منگیتر تھی اور علینہ صرف کلاس فیلو۔ ظاہر سی بات ہے۔ میری ہمدردی یا توجہ مناہل کے لیے ہی ہوتی۔ گو کہ میں جانتا تھا میں نے اس کے ساتھ بھی کوئی ہمدردی نہیں کی۔ "دل کے بہلانے کو غالب خیال اچھا ہے۔" کے تحت میں نے بھی خود کو تسلی دے لی اور ویسے بھی مصعب عطا اپنے اندر کیفیات کی کوئی جگہ نہیں رکھتا تھا۔

☼ ☼ ☼

اگلا دن بے حد مصروفیت کا تھا۔ اسکول میں آخری دن تھا آج اور پھر ایک ہفتے بعد ایگزامز شروع ہونے والے تھے۔ میں اور حسن لائبریری سے نکل رہے تھے کہ علینہ، رباب کے ساتھ آتی دکھائی دی۔

"یار مصعب! ایسی بیوٹی میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ کیا اس قدر خوب صورت اور مکمل حسن بھی کہیں ہوتا ہے۔"

حسن کی آواز میری سماعتوں سے مسکرائی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ٹکٹکی باندھے علینہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مجھے لگا وہ کسی اور جہان میں چلا گیا

ہے۔ میں نے اس کے سامنے چٹکی بجائی۔

"یار! سوچ رہا ہوں علینہ جیسی لڑکی کی محبت میں تو ہر کوئی، ہر وقت گرفتار ہو سکتا ہے نا۔"

"کسی اور کا تو مجھے پتا نہیں۔ مگر ابھی تمہیں دیکھ کے لگ رہا ہے کہ غالباً "اس "ہر کسی میں" آپ کا بھی شمار ہو چکا ہے۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا تو حسن گڑبڑایا اور پھر فوراً" مسکرا دیا۔

"نہیں! میں اپنی بات نہیں کر رہا۔ میں علینہ کی خوب صورتی کا قائل ضرور ہوں۔ مگر کبھی اس نظر سے دیکھا نہیں۔"

حسن کی بات کا میں نے یقین کر لیا۔ کیونکہ میں جانتا تھا۔ وہ میری ہی کلاس سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر بہت شریف لڑکا تھا۔ اس کی تربیت میں اس کے صوفی نانا کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔

لیکن تم سنبھل کے رہنا۔ آکٹوپس تمہیں ہی نہ جکڑ لے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مائی فٹ! میں ـــــ اور کسی کے ساتھ محبت کر بیٹھوں، ہنو وے۔ محبت تو مجھے مناہل سے بھی نہیں ہوئی۔ جس کے پاپا کا بزنس انڈسٹری میں اتنا بڑا نام ہے اور جو میری منگیتر ہے اور ہر وقت میری توجہ حاصل کرنے کے درپے ہوتی ہے ـــــ تو پھر علینہ کی کیا حیثیت ہے؟"

میں نے اس قدر حقارت سے کہا کہ حسن میرے چہرے کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

"لگتا ہے، آپ لوگوں کا یہاں سے ہٹنے کا آج کوئی ارادہ نہیں۔"

رباب نے ہمارے پاس آتے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہا۔ حسن اسے جواب دینے لگا۔ مگر میں نے ان کی طرف توجہ نہیں دی۔ چند لمحے مجھے خود پہ کسی کی جمی نگاہوں کا احساس ہوتا رہا۔ میں نے سرسری سی نظر علینہ پر ڈالی۔ اس کی آنکھوں میں لگتا تھا، سات رنگوں کا پانی جمع ہو گیا ہے۔ جس سے لگتا تھا اس کی آنکھیں عام لوگوں کی طرح کی نہیں ہیں۔ بہت خاص ہیں۔

وہ میری طرف ایسے دیکھ رہی تھی کہ جیسے اسے ساتھ کھڑی رباب اور حسن کی موجودگی کا احساس ہی نہیں تھا۔ میں نے حیرت سے اسے دیکھا تو اس نے نظریں جھکا لیں۔

اور جب کچھ لمحوں کے بعد اس نے نظریں اٹھائیں تو ان میں پانی کے بنے موتی اٹکے تھے۔ اس نے رباب کا ہاتھ پکڑا تو رباب نے بھی گفتگو سمیٹ لی اور دونوں لائبریری کے اندر چلی گئیں۔ میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں کندھے اچکا دیے۔

☼ ☼ ☼

علینہ حیدر بہت جلد ہماری کلاس کے تمام سیکشنز میں مقبول ہو گئی۔ وجہ اس کی بے پناہ ذہانت اور مسحور کن خوب صورتی ہی تھی۔ ورنہ اس کی دوستی تو صرف رباب سے ہی تھی۔ اس نے ہر ایک سے دوستی نہیں کی۔ جس کی دو وجوہات ہو سکتی تھیں ـــــ یا تو وہ بہت مغرور ہو گی، جو ہر کسی کو شرف دوستی نہیں بخشتی یا پھر کم گو اور اپنے آپ میں رہنے والی۔ میرے سب دوستوں کا دوسری رائے پر اتفاق تھا سوائے مناہل کے۔ وہ سمجھتی تھی کہ علینہ ایک مغرور اور خود پسند لڑکی ہے، جو ہر کسی کے ساتھ فری ہو جانا برا سمجھتی ہے۔ میری رائے محفوظ تھی۔ میں نے علینہ حیدر کو نہ کبھی اتنا ڈسکس کیا تھا۔ نہ اس کا اتنا ڈسکس کیا جانا مجھے اچھا لگتا تھا۔

اس دن ہم لوگ نزدیکی ریسٹورنٹ آئے تھے۔ کالج کے آخری دن چل رہے تھے۔ گو ہم سب امتحانات کے نزدیک اپنا وقت ضائع کرنا جرم سمجھتے تھے۔ لیکن یہ پروگرام مناہل نے زبردستی بنایا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ہم سب لوگوں کو کچھ دیر کے لیے ٹینشن فری ہونے کی ضرورت ہے۔ اپنے دماغ کو کچھ ریسٹ دینے کے لیے ہمیں پڑھائی کے ماحول سے چند لمحوں کے لیے باہر نکلنے کی ضرورت ہے اور اسی وجہ سے ہم لوگ دو گھنٹوں کے لیے یہاں موجود تھے۔

ویٹر ہمیں فریش جوس پیش کر کے جاچکا تھا۔ مناہل اور زرمین نے مینو طے کر کے آرڈر نوٹ کروادیا تھا۔
"مری کے ٹرپ کے حوالے سے میں ایک بات سوچ رہی ہوں۔" زرمین بولی۔ ہم سب نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
"وہ یہ کہ ہمیں اس بار اپنے گروپ میں دو اور ممبرز کو بھی ساتھ لے لینا چاہیے۔ تمہارا کیا خیال ہے مصعب؟" اس نے سب سے پہلے میری رائے لی۔
یہ بڑی غیر متوقع بات تھی۔ ہم سب ہی حیران ہوئے۔ پچھلے دو سال سے ہم لوگ امتحانات سے فارغ ہو کر کہیں نہ کہیں گھومنے پھرنے جایا کرتے تھے۔ اور اس دفعہ یہ ٹرپ ہم لوگوں نے مری اور اسلام آباد کے لیے رکھا تھا۔ چونکہ ٹرپ ہم لوگ خاص صرف اپنے لیے ہی ارینج کرتے تھے۔ لہٰذا کسی اور کو ساتھ لے جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے ہم سب کا رویّہ حیران کن تھا۔
"کن کی بات کر رہی ہو زرمین؟" میں نے پوچھا۔
"علینہ اور رباب کی۔" اس نے ہلکے سے کہا۔
"مائی فٹ۔" مناہل جیسے چیخ سی گئی۔
"تمہارا مطلب ہے کہ علینہ اور رباب اس بار مری کے ٹرپ پر ہمیں جوائن کریں؟" اس نے اسی لہجے میں زرمین سے پوچھا۔
"ہاں میں ایسا چاہتی ہوں۔" وہ سب کے رویّے سے خائف سی ہو گئی۔ حسن کن اکھیوں سے کبھی مناہل کو اور کبھی مجھے دیکھ رہا تھا۔
"کیوں، تم ایسا کیوں چاہتی ہو؟ جبکہ تم جانتی ہو کہ ہمارے گروپ میں نہ کوئی ممبر آسکتا ہے۔ نہ جاسکتا ہے پھر دو بندوں کو تم اچانک اس گروپ میں کیوں گھسیٹ رہی ہو؟ تم یہ بھی جانتی ہو کہ یہ رولز......"
"یہ رولز ہم نے اسٹامپ پیپر پر تو نہیں لکھوا رکھے مناہل! اور نہ ہی میں ان دونوں کو پرایلی شامل کرنے کی بات کر رہی ہوں۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ اس دفعہ ہمیں ان دونوں کو بھی ساتھ شامل کر لینا چاہیے۔ وہ بہت فرینڈلی ہیں۔ ہمیں مزا آئے گا اکٹھے۔"
"کلاس میں اور بھی تو بہت سی لڑکیاں اور لڑکے فرینڈلی ہیں۔ تمہیں ان میں سے تو کسی کا کبھی پہلے خیال نہیں آیا۔ پھر علینہ اور رباب ہی کیوں؟" مناہل نے حسن اور زرمین کو باری باری گھورتے ہوئے تفتیشی لہجے میں پوچھا۔
"آخر تمہیں ان دونوں سے اتنی چڑ کیوں ہے یار!" میں نے اکتا کر پوچھا۔ مناہل ویسے ہی ہر غیر متوقع بات پر اسی طرح ری ایکٹ کرتی تھی اور یہ پچھلے کچھ دنوں سے ہماری چوتھی لڑائی تھی۔ جس کی وجہ علینہ تھی۔ مناہل کو علینہ کا وجود کھٹکتا تھا۔ رباب تو خوامخواہ پس رہی تھی۔
"میں کیوں چڑنے لگی ان سے۔ بس مجھے اچھا نہیں لگتا۔ تو نہیں لگتا۔ اب میں اس کے لیے تم لوگوں کو کوئی جسٹی فکیشن نہیں دے سکتی۔"
"میرے خیال میں یہ جیلسی کی وجہ سے۔" فواد نے پہلی بار زبان کھولی۔
"وہ دونوں ہیں بھی تو بہت اچھی اور علینہ تو خوب صورت بھی بہت ہے۔" اس نے اپنی بات مکمل کی۔ مناہل اس کی بات پہ سیخ پا ہو گئی اس کی سفید رنگت اور آنکھیں بہت سرخ ہو گئی تھیں کہ میں نے ہاتھ اٹھا کر سیز فائر کر دیا۔
"ابھی بہت ٹائم ہے ٹرپ میں..... یہ سب قبل از وقت باتیں ہیں۔ سو ان پر ٹائم ضائع مت کرو اور جس کام کے لیے یہاں اکٹھے ہوئے ہو وہی کرو۔ اب اس ٹاپک پہ کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ مناہل اور زرمین! اپنے موڈ ٹھیک کرو اور ایک دوسرے کو اسمائل دو۔"
میرے کہنے پر وہ دونوں زبردستی مسکرائیں۔

☆ ☆ ☆

ایگزامز سے ہم لوگ فارغ ہو چکے تھے اور آج کل مری جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ لیکن اس دفعہ ہم لوگوں کا ارادہ صرف پانچ دن کے قیام کا تھا۔ وجہ انٹری ٹیسٹ کی تیاریاں تھیں۔ سب کی طرح مجھے بھی Nust کی تیاری کرنی تھی۔ مجھے اسلام آباد میں موجود

Nust کے ہیڈ کوارٹر سے کچھ ضروری معلومات لینی تھیں۔ میرا ارادہ تھا کہ واپسی پہ لوں گا۔ مری ٹرپ کی شاپنگ کے سلسلے میں میں اور حسن آج کلفٹن کے ایک شاپنگ مال آپہنچے تھے۔ یہاں سے ہم نے گرم کوٹ جینز اور کچھ دوسری چیزیں لیں۔ اس مال کا فوڈ کورٹ مجھے پسند نہیں تھا۔ لہٰذا ہم نے کہیں سے برگر کھانے کا ارادہ کیا اور باہر آگئے۔
"ایکسکیوز می!" حسن گاڑی کا لاک کھول رہا تھا جب ہم نے یہ آواز سنی۔
"ہیلو!" علینہ کہتی ہمارے قریب آئی۔ سرخ رنگ کی لمبی قمیص کے ساتھ چوڑی دار پائجامہ پہن کر وہ میرے سامنے آئی تو میں کچھ پل اس کے حسین اور جگمگاتے چہرے سے نظریں نہ ہٹا سکا۔ اس کے چمکتے دمکتے حسن نے مجھے مبہوت کر دیا تھا۔ اس کے بال پہلے سے زیادہ گھنے اور چمکدار لگ رہے تھے۔ میرے ذہن میں پہلے دن والی پونی جھلاتی علینہ آگئی۔ میں نے ہمیشہ اسے پونی ٹیل میں ہی دیکھا تھا۔ اس وقت بھی پونی میں بندھے اس کے لمبے بال اس کی کمر پر کسی آبشار کی طرح گر رہے تھے۔
میں اس پہ کوئی کمزوری نہیں ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا نظریں اِدھر اُدھر آتے جاتے لوگوں پہ مرکوز کر دیں وہ دونوں باتیں کرنے لگے۔
"کب جا رہے ہیں آپ لوگ اپنے ٹرپ پر؟"
"بس ایک دو دن تک فائنل ہو جائے گا۔" حسن نے جواب دیا۔ "آپ لوگ کیا کر رہی ہیں آج کل۔" حسن نے پوچھا۔
"میں تو انٹری ٹیسٹ کی تیاری کے لیے اکیڈمی جا رہی ہوں آج کل۔"
"اور رباب؟" حسن کی بے چین آواز نے مجھے فوراً اس طرف متوجہ کیا۔
"رباب بھی میرے ساتھ ہی ہوتی ہے۔" علینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
تب ہی اس کی نظریں مجھ سے ملیں اور ہر بار کی طرح اس بار بھی اس کی کالی گہری آنکھیں مجھے خود سے کچھ کہتی محسوس ہوئیں۔
"آپ چاہیں تو ٹرپ کے لیے ہمیں جوائن کر سکتی ہیں۔" چند لمحوں بعد اچانک میرے منہ سے نکلا اور حسن تو حسن میں خود بھی اپنے الفاظ سے چونک گیا۔ مگر اپنے رویّے سے اس کا اظہار نہ ہونے دیا۔ بلکہ پُراعتماد ہی رہا۔
"تو تھینک یو مصعب! آپ لوگ اپنا ٹرپ انجوائے کریں۔" وہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔ مگر مجھے لگا اس کا چہرہ خوشی کی حدت سے تمتما اٹھا ہے۔
اسی تمتماتے چہرے کے ساتھ اس نے ہم سے اجازت لی اور وہاں سے چلی گئی۔ ہم دونوں بھی اپنے سفر پہ گامزن ہوئے۔ لیکن میں نے حسن سے کچھ نہیں پوچھا۔ کسی کے معاملات میں دخل اندازی مجھے بہت بری لگتی تھی۔ ضروری نہیں کہ انسان ہر بات شیئر کرنا چاہتا ہو۔ بہت سی خوش آئند باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو انسان چاہتا ہے کہ صرف اس کے دل میں پھلتی پھولتی رہیں۔ کسی اور کو اس کی کچھ خبر نہ ہو۔

☆ ☆ ☆

اس دن ایک بہت ہی عجیب بات ہوئی۔
میں رات کے کھانے سے فارغ ہو کر کچھ دیر باہر بیٹھا رہا اور ابھی کمرے میں واپس آیا ہی تھا کہ میرے کانوں میں اونچی اونچی آوازیں گونجنے لگیں۔
"ہمارے گھر میں اتنی اونچی آواز میں کون بول سکتا ہے؟"
پریشان ہونے کے بجائے میں حیران ہوا تھا۔ کیونکہ ہمارے گھر کا اصول تھا جو میرے ڈیڈی نے خود ترتیب دیا تھا کہ اتنی آواز میں بات نہ کرو کہ ملازموں کے کانوں میں جائے۔ میں انہی پیروں واپس پلٹا۔ اپنے کمرے سے باہر آکر میں نے ریلنگ سے جھک کر دیکھا۔ لاؤنج کا منظر بہت ہی غیر متوقع تھا۔ پاپا صوفے پہ..... دونوں ہاتھوں میں سر تھامے بیٹھے تھے۔ پہلی نظر اور پہلا لمحہ ہی شاکڈ تھا۔
دوسرے صوفے پر انکل نیازی یعنی مناہل کے پاپا

بہت کروفر سے بیٹھے تھے۔ لیکن ان کی نظریں کسی غیر مرئی نکتے پر جمی تھیں۔ ممی لاؤنج کے درمیان کھڑی اونچی آواز میں کسی کو ڈانٹ رہی تھیں اور جس کو ڈانٹ رہی تھیں وہ سر جھکائے کھڑی تھی وہ لمبے قد کی چھبیس ستائیس سالہ لڑکی تھی اور میں نے اسے کہیں دیکھا ہے۔ کہاں دیکھا تھا فی الحال یہ یاد نہیں آرہا تھا۔

"تمہاری یہ ہمت کہ تم مجھ سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرو۔" اس لڑکی کے کچھ کہنے پر ممی نے غراتے ہوئے کہا۔ "آنکھیں نیچی رکھو۔"

"تم نے سنا نہیں میں تم سے کیا کہہ رہی ہوں؟" ممی کے دوبارہ کہنے پر اس نے نظریں جھکالیں۔

"کاش! یہ سب میں پہلے جان جاتی۔" وہ تاسف سے ہاتھ ملنے لگیں۔ "بہرحال ابھی بھی وقت نہیں گزرا۔"

"عطا!" انہوں نے ڈیڈی کو آواز دی۔ "ابھی اور اسی وقت اس عورت کو میرے گھر سے باہر نکالیں۔"

"یہ گھر صرف تمہارا نہیں نرمین کا بھی ہے۔" انکل نیازی نے کھڑے ہو کر ممی سے جتانے والے انداز میں کہا۔ "عطا نے اس سے نکاح کیا ہے۔ کوئی اغوا نہیں کیا کہ وہ چوری چھپے رات کے اندھیرے میں یہاں سے غائب ہو جائے۔" انہوں نے پھر کہا تو میرے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

"نکاح — او مائی گاڈ! یہ ڈیڈی نے کیا کیا۔"

اور ایک دم ہی مجھے یاد آگیا کہ اس لڑکی کو میں نے بہت بار مناہل کے گھر دیکھا تھا۔ یہ ان کے گھر سپروائزر تھی اور بہت سمجھ دار اور خود دار لڑکی لگتی تھی۔ مگر ڈیڈی نے —

"بہت خوب نیازی بھائی! اگر کوئی ہمدردی جاگ اٹھی تھی آپ کے دل میں تو خود اپنا نکاح پڑھوا لیتے۔ میرے شوہر کو تختہ دار پہ کیوں لٹکایا؟"

ممی نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا تو جواباً نیازی انکل کے چہرے کے زاویے اس طرح کے تھے، جیسے کہہ رہے ہوں کہ تمہارا شوہر اپنی خوشی سے چڑھا ہے تختہ دار پر۔

"اور آپ کو شرم نہیں آئی ایک ملازمہ کو میرے برابر لاتے ہوئے۔ ایک نوکرانی کو فائزہ عطاء الرحمٰن کے برابر کا درجہ دیتے ہوئے؟ آپ نے ایک لمحے کو بھی نہیں سوچا کہ ہیرے کے ہار میں آپ چاندی کا موتی لٹکائیں گے تو ہار کتنا اندھا اور بدنما لگنے لگے گا؟" ممی کی آواز میں دکھ تھا۔

ناقابل یقین بات۔ وہ کراچی کا سب سے بڑا بیوٹی سیلون اور اسنوکر کلب چلا رہی تھیں۔ پاکستان کی سب سے بڑی این جی او کی بانی تھیں۔ ایسے میں ان کا شوہر کسی ملازمہ کو ان کی سوکن بنا ڈالے تو ان پر کیا گزرے گی۔

ڈیڈی اسی طرح صوفے پر بیٹھے تھے۔ میرے والدین کے تعلقات مثالی تھے۔ ان کے درمیان محبت بے شک نہ رہی ہو۔ مگر اتفاق ضرور تھا اور آج اس اتفاق میں دراڑ پڑ گئی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا نرمین کیسی لڑکی ہے۔ اچھی یا بری میری لیے اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ مجھے ڈیڈی پر بھی اتنا غصہ نہیں تھا۔

مجھے غصہ تھا تو مناہل کے باپ پر۔ کیا سوچ کر اس نے میری اتنی ہائی کوالیفائیڈ اور ویل مینرڈ ماں کے برابر اس لڑکی کو جگہ دلوانے کی کوشش کی۔ یہ تک نہ سوچا کہ میری ممی کو کل کو ان کی بیٹی کی ساس بننا ہے۔

مجھے اپنی ممی سے پیار بھی تھا اور سوسائٹی میں ان کے اعلا شخصیت ہونے پر فخر بھی۔ پھر ان کی یہ بے عزتی میں کیسے بھلاتا جو انہیں ڈیڈی اور انکل نیازی نے مل کر بخشی تھی۔

☼ ☼ ☼

بارہ بج رہے تھے، جب میں سو کر اٹھا۔ رات کا تمام واقعہ میری آنکھوں کے سامنے کسی فلم کی طرح چل پڑا۔ بے عزتی کا ایک احساس تھا، جو مجھے پورے رگ و پے میں سرایت کرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ افیرز چلانا اور بہت آگے بڑھ کر ایک دوسرے کو چھوڑ دینا، صرف اور صرف اپنے مفاد کی خاطر دوسروں کو روند کر آگے بڑھ جانا، چہروں پہ مسکراہٹ اور دلوں میں نفرت اور

کدورت رکھ کر ملنا تو ہماری کلاس میں بہت عام تھا۔ لیکن حق مہر میں کروڑوں کی جائیدادیں لکھوانے کے بعد میاں بیوی ایک دوسرے کے پابند ہو جاتے تھے۔ ایسے میں ایک اور عورت کو جائیداد میں برابر کا حصہ دلوانے کے لیے اور معاشرے میں پہلی بیوی کے سنگ کھڑا کرنا بہت بے عزتی سمجھا جاتا تھا۔

سیکریٹریز اور دوسری ملازم خواتین کے ساتھ وقت تو بہت رنگین کیا جاتا تھا۔ مگر بیوی کبھی کوئی نہیں بناتا تھا نہیں جانتا تھا اس سب کے پیچھے ماسٹر مائنڈ انکل نیازی تھے۔ گو ڈیڈی ہر لحاظ سے اور ہر معاملے میں خود مختار تھے۔ لیکن بعض معاملات ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں کسی کی ہلکی سی سپورٹ پہاڑ اور چٹان کھودنے کی ہمت پیدا کر دیتی ہے اور یہی کچھ ڈیڈی کے کیس میں بھی ہوا تھا۔

آج میں جاگنگ کے لیے بھی نہیں جا پایا۔ روٹین ڈسٹرب ہو گئی تھی۔ میں فریش ہو کے نیچے آیا۔ ڈائننگ ٹیبل پر ممی پریشان حال بیٹھی تھیں۔ ہر دم لش پش کرنے والی ممی اس وقت بہت سوگوار لگ رہی تھیں۔ ان کے سامنے نیوز پیپر کھلا پڑا تھا۔ مگر ان کا ارتکاز کہیں اور تھا۔ ان کے پیچھے کھڑے میں نے ہلکا سا سر کو جھکا کر پیپر پر موجود خبروں کا جائزہ لیا۔

میری توقع کے عین مطابق وہاں کھر اینڈ سٹریز کے اونر کی شادی کی خبر نمایاں تصویر کے ساتھ چھپی تھی۔ دلہن بنی نرمین، دولہا کے روپ میں ڈیڈی، قریبی دوست کے روپ میں انکل نیازی اور دو مزید افراد کھڑے تھے۔ میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"مائی فٹ!" میں نے ممی کے آگے پڑے اخبار کو جھپٹتے ہوئے کہا۔

میری اس حرکت پر وہ چونک کے پیچھے مڑیں اور مجھے دیکھ کے گہری سانس بھری۔

"مصعب! ادھر آ کے بیٹھو اور میری بات سنو۔" وہ دھیمی آواز میں بولیں۔

"یس ممی!" میں فوراً ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

"رات جو کچھ ہوا اسے ایک نارمل یا غیر اہم معاملہ سمجھ کے بھلا دو۔ آج کے بعد میں تمہارے رویے میں کسی قسم کا کوئی منفی رد عمل نہ دیکھوں۔ یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ جس کلاس سے ہم بلونگ کرتے ہیں اس کے رولز بھی ہمیں یاد رکھنے چاہئیں۔"

ممی جو کچھ سمجھانا چاہ رہی تھیں میں وہ کبھی بھی سمجھنا نہیں چاہتا تھا۔

"اپنے لائف اسٹائل کو بہتر بنانے اور آگے جانے کے لیے ہمیں بہت سی باتوں کو اگنور کرنا پڑتا ہے۔ بہت سے کمپرومائزز کرنے پڑتے ہیں۔ کمپرومائزز کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لینے سے زندگی آسان ہو جاتی ہے اور بہت سے مسائل کم ہو جاتے ہیں۔"

گھر میں نوکروں کی ریل پیل ہونے کے باوجود ممی نے کبھی مجھ سے لاپروائی برتتے ہوئے مجھے ملازموں کے رحم و کرم پہ نہیں چھوڑا تھا۔ اس لیے اس وقت بھی وہ مجھے جذباتی طور پر تنہا چھوڑنا چاہتی تھیں۔ مگر اس بار میں دماغ کے بجائے دل کی سن اور سمجھ رہا تھا اور وہی کرنا چاہ رہا تھا۔

خود پسندی میری فطرت میں تھی — اونچی سیڑھی سے ایک قدم بھی نیچے آنا مجھے بالکل پسند نہیں تھا۔ میں فی الحال چپ تھا۔ کیونکہ ڈائریکٹ انکل نیازی یا مناہل سے جواب دہی کرنا آسان تو بہت تھا۔ مگر اس کے لیے بھی ایک زینہ نیچے کی طرف اترنا پڑتا۔ جو مجھے منظور نہیں تھا۔ ممی کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ میں نے دوبارہ دھیان ان کی طرف لگایا۔

"تمہیں ابھی بہت آگے جانا ہے۔ بہت نام کمانا ہے۔ اس لیے کسی طرف دھیان دینے کی ضرورت نہیں۔ ایروناٹیکل انجینئرنگ کرنا تمہارا خواب ہے۔ ہر ماں کی طرح میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ اپنے فیوچر کی طرف نظر رکھنا۔ ماضی کی طرف مڑ مڑ کر مت دیکھنا۔" ماں کے طور پر انہوں نے اپنا فرض نبھا دیا تھا۔ سوائے سر ہلانے کے میں نے کچھ نہ کہا اور سامنے رکھا جوس پینے لگا۔

☼ ☼ ☼

دن کے تین بج رہے تھے، جب حسن میری طرف

آیا۔

"بزی تو نہیں تھے؟" میں ڈرائنگ روم میں آیا تو حسن بیٹھا جوس سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"نہیں! بزی تو نہیں تھا۔ کتنے دن سے میلز چیک نہیں کر سکا تھا۔ تو بس ابھی وہی کر رہا تھا۔" میں نے اس کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"چلو! پھر باہر چلتے ہیں۔ بھوک لگ رہی تھی تو میں تمہاری طرف آ گیا کہ اکٹھے لنچ کرتے ہیں۔"

"ہاں! تو گھر میں ہی کر لیتے ہیں۔ رکو! میں راشد سے پوچھتا ہوں کہ لنچ میں کیا ہے۔" میں اٹھنے لگا تو اس نے مجھے روک دیا۔

"گھر میں نہیں۔ میں باہر جانا چاہتا ہوں۔" مجھے وہ کچھ پریشان اور الجھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

"اٹھو! پھر چلتے ہیں۔"

ہم دونوں حسن کی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ گاڑی ابھی گیٹ سے نکالی ہی تھی کہ سامنے سے ایک اور نئے ماڈل کی گاڑی تیزی سے گھر کے اندر داخل ہوئی۔ ڈیڈی اور نرمین کو ایک ساتھ دیکھ کے مجھے بہت عجیب سا لگا۔ شاید اس لیے کہ وہ ان کی سیکنڈ وائف تھی۔ اگر وہ کوئی فرینڈ ہوتی تو میں بالکل برا محسوس نہ کرتا۔

حسن نے چونک کے میری طرف دیکھا۔ یہ سمجھنا تو فضول ہوتا کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔ کیونکہ مناہل کی فیملی اس میں انوالو تھی اور مناہل اور حسن کی مائیں فرسٹ کزنز تھیں۔ چہرہ ونڈ اسکرین کی طرف موڑ کر میں نے گویا اپنا بچاؤ کیا تھا۔

"کہاں چلیں؟" اس نے پوچھا۔

"چائنیز ریسٹورنٹ چلو" میں نے جھٹ جگہ کا نام بھی بتایا۔ تاکہ وہ یہ نہ سمجھے کہ میں کسی قسم کی گھریلو الجھن میں ہوں۔ پندرہ منٹ کی ڈرائیونگ کے بعد ہم دونوں چائنیز ریسٹورنٹ کی خوب صورت عمارت کے باہر کھڑے تھے۔

ٹیبل پہ بیٹھتے ہی حسن نے ادھر ادھر کی باتیں چھیڑ دیں۔ جب کچھ ہی لمحوں بعد میرے سوال نے حسن کو حیران کر دیا۔

"علینہ کے پیرنٹس کیا کرتے ہیں؟" وہ حیران میری شکل دیکھنے لگا۔ میں ہنس دیا۔ میں نے پہلی بار اس طرح سے علینہ کا خود سے ذکر کیا تھا۔ سو وہ بے حد حیران ہوا۔

"اس کے فادر بریگیڈیئر ہیں اور مدر یونیورسٹی میں آئی ٹی ڈپارٹمنٹ کی ہیڈ ہیں۔ ایک ہی بھائی ہے۔ سافٹ ویئر انجینئر ہے اور ملٹی نیشنل کمپنی میں بڑی اچھی پوسٹ پر ہے۔" حسن بڑی دلچسپی سے تعارف کروا رہا تھا۔ اس کے انداز پہ مجھے پھر ایک دم سے بڑے زور سے ہنسی آئی۔ مگر خاموش رہا بالکل چپ۔

"گڈ۔" میں نے چاؤمن اپنی پلیٹ میں نکالتے ہوئے کہا۔ "اب بتاؤ! مری جانے کا تمہارا موڈ کیوں نہیں ہو رہا۔"

"بس یوں ہی۔" وہ کچھ لمحے رکا۔

"ایکچوئلی" مجھے مناہل کا رویہ پسند نہیں آیا۔ ہر وقت ہر بندے کے خلاف اس کا دل بھرا رہتا ہے۔ آئی ڈونٹ انڈر اسٹینڈ کہ ایسی فیلنگز کے ساتھ وہ اپنی لائف کس طرح گزارے گی؟"

"تمہیں اپنے حال کی فکر ہو رہی ہے یا مناہل کے مستقبل کی؟"

"مناہل کے مستقبل کی مجھے کیوں فکر ہونے لگی ۔۔۔ آف کورس! مجھے تو میری اپنی فکر ہے اور۔۔۔" وہ رکا۔

"کیا تم یہ رباب کی خاطر کر رہے ہو؟" میں نے سکون سے پوچھا۔

"واٹ" اسے جیسے کرنٹ لگا وہ حیران ہوا کہ میں نے اس کے دل میں کیسے جھانک لیا اور اپنی جگہ وہ ٹھیک تھا۔ کم از کم اپنی کسی کمزوری کو اس نے تو ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔

"ہاں۔" اس نے جھجکتے ہوئے اعتراف کیا۔

"بس تو تمہیں صرف رباب کے فیوچر کی فکر ہونی چاہیے۔ کیونکہ مجھے لگ رہا ہے کہ تم فیوچر میں بھی اسے اپنے ساتھ دیکھنا چاہتے ہو۔ اور میرا خیال ہے کہ مجھے بھی اس ٹرپ سے جان چھڑا لینی چاہیے۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہاری جان چھوٹ گئی تو باقی سب کی بھی چھوٹ جائے گی۔ ظاہر ہے جب مصعب ہی نہیں جائے گا تو مناہل جا کے کیا کرے گی۔" حسن نے کہا تو ہم دونوں قہقہہ لگا کے ہنس دیے۔

☼ ☼ ☼

آپ نے اکثر اس بات کا مشاہدہ کیا ہو گا کہ جب ہم کوئی اچھا کام کرنا چاہتے ہوں تو ہمیں اس کے مواقع بہت کم اور بہت دیر سے ملتے ہیں۔ لیکن ہم کوئی غلط کام کرنا چاہیں تو نہ صرف اس کے مواقع ہمیں جلد از جلد ملنا شروع ہو جاتے ہیں۔ بلکہ وہ کام بھی فٹافٹ ہو جاتا ہے۔ یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ برائی ہمیشہ خوشنما شکل لیے آگے پیچھے ڈولتی پھرتی ہے اور اچھائی پردے میں چھپی ہمارا انتظار کر رہی ہوتی ہے کہ ہم جائیں اور اسے بے نقاب کر کے اپنا لیں۔

میرے کیس میں بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا، مگر میں اتنا برا نہیں تھا اور نہ ہی کچھ بہت برا کرنے کی خواہش رکھتا تھا۔ بس ذرا سا فلرٹ۔ صرف مناہل کو تپانے کی خاطر۔ اس کی نظروں کے عین سامنے اس لڑکی کے سامنے گھومتا پھرتا۔ جس سے شاید وہ اس دنیا میں سب سے زیادہ نفرت کرتی تھی۔ مناہل تڑپتی تو اس کے والدین اور چار جوان بھائی بھی تڑپتے اور میں یہی کچھ کرنا اور دیکھنا چاہتا تھا۔ آخر ان سب لوگوں نے مل کر میری مما کو تڑپایا تھا۔

آج کا دن بہت زیادہ خوشگوار گزرا تھا۔ شام کے وقت حسن نے مجھے فون کیا کہ اس وقت وہ تینوں یعنی وہ رباب اور علینہ سی ویو پر ہیں تو میں نے بھی ان کو جوائن کرنے کا سوچا۔ جس وقت میں ان کے پاس پہنچا شام ڈھلنے میں ابھی کچھ وقت تھا۔ مجھے دیکھ کے وہ بہت خوش ہوئے۔ علینہ بھی خوش تھی۔ میں آج سوچوں تو مجھے یاد آتا ہے کہ مجھے دیکھتے ہی ہر بار اس کے چہرے پہ گلابی کیا ۔۔۔ چھا جاتی تھی۔ میرے اگنور کرنے پر اس کی آنکھوں میں ہلکی سی سرخی اور نمکین پانی ٹھہر جاتا تھا۔ پتا نہیں کیوں؟

"مصعب! آپ نے آ کر بہت اچھا کیا۔" رباب نے مجھے خوش ہو کر ویلکم کیا۔

"حسن کا تو دھیان ہی آپ میں اٹکا تھا۔ ہے نا علینہ" اس نے علینہ کی طرف تائید بھری نظروں سے دیکھا تو وہ جلدی سے سر ہلا گئی۔

اس وقت وہ مجھے بہت پیاری لگی۔ لیکن شاید وہ تھی ہی بہت خوب صورت آج دوسری بار مجھے یہ احساس ہوا تھا۔ میں نے بہت سا وقت ان لوگوں کے ساتھ گزارا رباب کے ساتھ بھی تھوڑی بہت گفتگو ہوئی۔ وہ واقعی ایک اچھی لڑکی تھی۔ علینہ سے میں نے زبان سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ بس دو چار دفعہ بہت گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ وہ اور گلابی ہو جاتی۔ یہ مجھے بہت اچھا لگا اور اسے جاری رکھنے کا میں نے فیصلہ کر لیا۔

☼ ☼ ☼

میں گہری نیند میں تھا، جب موبائل بجا تھا۔

"ہیلو۔"

"گڈ مارننگ۔" دوسری طرف حسن تھا۔ اس کے چہکتے لہجے میں واضح خوشی کا تاثر تھا۔

"گڈ مارننگ! خیریت؟ اتنی صبح فون کیوں کیا؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"صبح نہیں یار! ٹائم دیکھو۔ بارہ بجنے والے ہیں۔"

"تو ایسی کون سی قیامت آ گئی یار؟" میں ابھی اٹھنے کے موڈ میں بالکل نہیں تھا اس لیے کوفت محسوس کر رہا تھا۔

"میرے پاس ایک بہت بڑی گڈ نیوز ہے۔ سنو گے تو چند لمحے تو خوشی سے جھوم جاؤ گے۔" وہ اسی طرح پرجوش سی آواز میں بولا۔

"اچھا۔" میں فوراً سیدھا ہو بیٹھا۔ ساری سستی سسپنس نے ختم کر دی۔ "وہ کیا یار۔"

"تم نیچے آؤ گے تو پتا چلے گا۔"

"نیچے۔ ہمطلب تم میرے گھر میں ہو؟"

"ہاں! بالکل تمہارے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوں۔ تم جلدی سے آجاؤ۔"

"اوکے! میں پانچ منٹ میں آیا۔" میں نے موبائل بند کر کے وہیں سائیڈ ٹیبل پہ رکھا اور فوراً شاور لینے کے لیے۔ سات' آٹھ منٹ بعد میں ڈرائنگ روم میں حسن کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں گلاب کے پھولوں کا بکے تھا۔

"آج میرا برتھ ڈے تو نہیں۔" بکے دیکھ کے میں چونکا۔ "اب بتا بھی دو یار! کیا سسپنس کری ایٹ کیے جا رہے ہو۔"

کالج آف ایروناٹیکل انجینئرنگ کے ایرو اسپیس انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ میں آپ کا سلیکشن ہو چکا ہے۔" اس نے جھکتے ہوئے مجھے بکے پیش کیا۔

"رئیلی! گریٹ یار! رزلٹ کب آیا اور تمہارا کیا بنا؟" میں نے خوشی سے اسے گلے لگا لیا۔

"صبح دس بجے آگیا تھا اور میں بھی سلیکٹ ہو گیا ہوں۔"

"تمہیں بھی بہت مبارک ہو یار۔"

"نہیں! ایسا ہی بکے تم میرے لیے بھی لے کر آؤ گے تو مجھے پتا چلے گا کہ میں نے کتنا بڑا معرکہ سر انجام دیا ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا تو میں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

CAE کو جوائن کرنا شروع سے ہی ہم دونوں کی خواہش تھی اور اس کے لیے ہمیں ایرو اسپیس انجینئرنگ ڈپارٹ کو ہی منتخب کرنا ضروری تھا۔ جن فیملیز سے ہمارا تعلق تھا۔ ان کے لیے ہمارے ملک میں ہر جگہ اور ہر وقت با آسانی سیٹس میسر تھیں' لیکن میرٹ پہ آنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ ہمارا شمار ملک کے بہترین اسکولز کے بہترین اسٹوڈنٹس میں ہوتا تھا۔ سو اپنی کامیابی کا سو فیصد یقین بھی دل میں تھا۔

"مناہل اور علینہ AMC کے لیے سلیکٹ ہو گئی ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے رباب کچھ پوائنٹس سے پیچھے رہ گئی۔"

"اوہ۔ سو سوری فار ہر۔ پریشان ہو گی وہ تو ..."

"ہاں! اسے یہ بھی ٹینشن ہو رہی ہے کہ اب علینہ الگ الگ ہو جائیں گی۔" حسن نے کہا۔

"حالانکہ اسے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ علینہ کی بیسٹ فرینڈ تو اس کے ساتھ ہی ہے ..." نے کہا تو میں سمجھ گیا کہ وہ مناہل کی بات کر رہا ... حسن ہنسا تو اس کا ساتھ دینے کے لیے میں بھی ... سی ہنسی ہنس دیا۔ میرا ذہن کہیں اور گھوم رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

میں شاپنگ مال سے باہر نکل ہی رہا تھا کہ ... سے علینہ آتی دکھائی دی۔ رسٹ کلر کی گھٹنو... چھوتی فراک اور ہم رنگ دوپٹا اس کے کندھو... سلیقے سے جما تھا۔ ایک ڈیسنٹ سی خاتون اس ... ساتھ تھیں۔ شاید اس کی والدہ تھیں اور انہیں ... کے مجھے اندازہ ہوا کہ علینہ اتنی خوب صورت کی... تھی۔

"السلام علیکم آنٹی!" وہ جیسے ہی میرے قریب ... آئیں میں نے سلام کر دیا۔

"وعلیکم السلام! کیسے ہیں بیٹا؟ سوری میں نے آ... کو پہچانا نہیں؟"

وہ کنفیوز ہو گئیں اور کنفیوز تو علینہ بھی ہو گئی تھی۔ اس کی گلابی رنگت مزید گلابی ہو گئی۔ یقیناً "... بالکل امید نہیں تھی کہ میں یوں سر راہ ان سے بات ... چیت کروں گا۔

"اٹس اوکے! ایکچوئلی آپ مجھ سے پہلی دفعہ مل رہی ہیں۔ اسی لیے نہیں پہچان پائیں۔ میں علینہ کا کلاس فیلو اور فرینڈ ہوں۔ مصعب عطا کھر۔" میں نے سوچ سمجھ کے الفاظ ادا کیے۔ علینہ حیرت سے میری طرف دیکھنے لگی۔ آنٹی مجھ سے باتیں کرنے لگیں۔

"علینہ کا بھی ایڈمیشن ہو گیا ہے اور اگلے ہفتے اس کی کلاسز اسٹارٹ ہو جائیں گی۔ اسی سلسلے میں خریداری کرنے آئے ہیں۔" انہوں نے آ...

مقصد بتایا۔

"بہت اچھا کیا آپ نے اور بہت مبارک ہو آپ کو علینہ۔" میں نے پہلی دفعہ اسے براہ راست مخاطب کیا۔

"تھینکس۔" اس نے ہلکا سا مسکراتے ہوئے کہا اور تب ہی میں نے آنٹی کے ساتھ الوداعی کلمات ادا کیے اور وہاں سے چل پڑا۔ چلنے سے پہلے میں نے ایک نظر علینہ کی طرف دیکھا۔ خوب صورت سی مسکراہٹ اس کے چہرے پہ جمی تھی۔ مجھ سے نظریں ملنے پر وہ مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

دوسری طرف ہوتی بیل میں سکون سے سن رہا تھا۔ چوتھی بیل پر کسی نے فون اٹھا لیا۔ میں نے علینہ کو بلانے کا کہا۔ وہ جو کوئی بھی تھا' مجھ سے کوئی بھی سوال کیے بغیر فون ہولڈ پہ رکھ کے چلا گیا۔

"ہیلو۔" چند لمحوں بعد علینہ کی نرم سی آواز ایئر پیس سے سنائی دی۔

"ہیلو! کیسی ہو علینہ۔" میں نے بھی مدھم آواز میں پوچھا۔ درحقیقت میں کچھ کنفیوز سا ہو گیا تھا اور یہ بالکل فطری تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے جواب دیا۔

"آپ کیسے ہیں؟"

اس کے پوچھنے پر مجھے حیرت ہوئی۔ میرے خیال کے مطابق اس کا اگلا سوال کچھ ایسا ہونا چاہیے تھا۔

"سوری! میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" لیکن اس نے پوچھا تو کچھ اور۔

"بالکل ٹھیک۔ آپ نے پوچھا نہیں کہ میں کون ہوں۔ آئی مین! آپ پہلی دفعہ فون پہ میری آواز سن رہی ہیں تو ...؟"

"کچھ آوازیں ایسی ہوتی ہیں کہ ہر وقت آپ کے اردگرد' اندر باہر ان کا اتنا شور ہوتا ہے کہ آپ ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع میں بھی وہ آواز پہچان لیتے ہیں۔ اس لیے یہ کوئی اتنی عجیب بات تو نہیں۔" اس کی بات سن کے میں چپ سا رہ گیا۔

"کیا میری آواز بہت خاص ہے آپ کے لیے؟" چند لمحوں کی خاموشی ہمارے درمیان آگئی۔

"میں نے ایسا تو نہیں کہا۔" وہ میرے اس طرح صاف پوچھنے پر گڑبڑا گئی۔

"مطلب تو یہی ہے نا آپ کی بات کا۔" میں محظوظ ہوا۔

"میں یہ نہیں جان پائی کہ آپ نے مجھے فون کیوں کیا؟" اس نے سکون سے بات بدلی۔

"میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے فوراً" کہا جواباً" وہ بالکل خاموش ہو گئی۔

"ہیلو۔" میں نے کچھ لمحوں بعد کہا۔ مجھے لگا شاید کال منقطع ہو گئی ہے۔

"کب؟" اس کی یہ بات بھی پہلی بات کی طرح مجھے حیران کر گئی۔ علینہ حیدر اتنے کچے دل اور دماغ کی نکلی کہ عام سی لڑکیوں کی طرح میری ایک آواز پہ لبیک کہہ گئی۔ مجھے اچھا نہیں لگا تھا۔ حالانکہ میں یہی چاہتا تھا۔ لیکن پھر بھی مجھے برا لگا تھا۔

میں نے اسے وقت اور جگہ بتا کر فون بند کر دیا۔

☼ ☼ ☼

رات کے دس بج کر دس منٹ تھے' جب میں گھر میں داخل ہوا۔ گیراج میں تین اور گاڑیاں کھڑی تھیں۔ جن میں سے ایک مناہل کے والد کی تھی اور باقی دو کس کی تھیں' مجھے پتا نہیں چل سکا۔ اس لیے سیدھا اپنے کمرے کی طرف جانے کے بجائے میں ڈرائنگ روم کی طرف جانا چاہتا تھا۔ مگر سب لوگ مجھے لاؤنج میں ہی مل گئے۔ ڈیڈی' مناہل کے والد اور ڈیڈی کی دوسری بیوی کے ساتھ چوتھے صاحب کو میں پہچان نہیں پایا۔ وہ تیس بتیس سال کا خوب صورت سا آدمی تھا۔

"عطا صاحب! آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میں ایک کمزور اور ناتواں عورت ہوں؟ کچھ نہیں ہے میرے پاس؟

بے آسرا مت سمجھیں مجھے۔ بہت مضبوط عورت ہوں میں۔ بہت کچھ ہے میرے ہاتھ میں اور بہت لمبے ہاتھ ہیں میرے۔" میری انتہائی گریس فل مما اس وقت سرخ انگارہ آنکھیں لیے ڈیڈی پر برس رہی تھیں۔ وہ گھر جو شاید اس علاقے کا سب سے پرسکون گہوارہ تھا' اس وقت بپھرا ہوا طوفان لگ رہا تھا۔ اپنے مما اور ڈیڈی کو اس طرح گرجتے برستے دیکھ کر میرا دل بہت برا ہوا۔

"مت بھولو فائزہ! کہ یہ میں ہوں' جس کے بل بوتے پر آج تم ایک مضبوط عورت ہو اور تمہارے ہاتھ اتنے لمبے ہیں۔" ڈیڈی نے بازو کو اور لمبا کرتے ہوئے مما کی بات کا جواب دیا۔

"آپ کے بل بوتے پر؟ کیا مطلب ہے آپ کی اس بات کا۔ ہاں؟" وہ غصے سے بپھری ہوئی ڈیڈی کے سامنے آئیں۔

"آپ نے جو کچھ کیا' شوہر ہونے کے ناتے کیا۔ لیکن میرا بیک گراؤنڈ بہت مضبوط ہے۔ اس ملک کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت ہے میرے خاندان کی۔ آپ نے اگر دو چار فیکٹریاں میرے نام کر دیں تو ایسی کوئی بڑی بات نہیں ہے۔"

"دو' چار فیکٹریاں کسی کے نام کر دینا کوئی بڑی بات نہیں۔ ایک آدھ اگر اس کے نام ہو جائے گی تو میرا خیال ہے' تمہاری مضبوط ساکھ کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" ڈیڈی نے "مضبوط" پر زور دیتے ہوئے کہا۔

آپ نے کبھی کسی چیل کو دیکھا' جو بہت غرور و اکڑ سے آسمان کا سینہ چیرنے میں مصروف رہتی ہے۔ لیکن جیسے ہی کوئی شکاری اس کا شکار کرنے کے لیے اپنی رائفل کی گولیاں اس پہ کھولتا ہے' وہ ٹوٹے ہوئے پتے کی طرح سیکنڈ کے پانچویں حصے میں زمین پہ آ پڑتی ہے۔

بے آبرو' بے اماں!

مجھے اپنا آشیانہ بھی اسی چیل کی مانند لگ رہا تھا۔ چیل کے ٹوٹتے ہوئے پروں کی طرح وہ ریزہ ریزہ ہو کے بکھر رہا تھا' ٹوٹ رہا تھا۔ آسمان سے فوراً" زمین پہ پٹخ دیا گیا تھا۔ عورت تو کبھی بھی شراکت برداشت نہیں کرتی۔ لیکن مرد کو تو مصالحت سے کام لینا چاہیے۔

میں جانتا تھا کہ مما کو دھن دولت سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ انہیں ڈیڈی کے وجود کی شراکت برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ شاید انہیں ڈیڈی سے محبت تھی۔ مگر ڈیڈی کو کس سے محبت تھی' مما سے' نرمین سے یا دھن دولت سے؟ مجھے لگا کہ وہ ان میں سے کسی سے بھی محبت نہیں کرتے۔

"بھابھی! نرمین عطا کی بیوی ہے۔ اسے گھر میں بھی حصہ چاہیے اور جائیداد میں سے بھی۔ آپ کے اتنا بھڑکنے کی تو کوئی وجہ ہی نہیں ہے۔"

شیطان کا روپ دھارے انکل نیازی نے سکون سے ندی میں پتھر پھینک دیے۔ اس سے پہلے کہ مما یا ڈیڈی میں اس بات کو لے کر مزید جھڑپ شروع ہوتی۔ صوفے پہ بیٹھا وہ مرد ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

"سر! میرے لیے کیا آرڈر ہے؟ ابھی یہیں رہوں یا فی الحال چلا جاؤں؟" اس نے اٹھ کر چند کالی جلد والی فائلز سامنے میز پہ رکھ دیں تو میں سمجھا کہ یہ وکیل ہے۔ میری کنپٹیاں سلگ اٹھیں۔ میں غصے سے اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ نرمین خاموش تماشائی بنی بیٹھی رہی۔ یوں جیسے یہ سارا مقدمہ اس کے لیے نہیں' کسی تیسرے آدمی کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

میں چاہتا تو ڈیڈی سے بات کر سکتا تھا۔ مگر میری تربیت مجھے ڈیڈی کے سامنے سر اٹھانے سے منع کرتی تھی۔ میں ہمیشہ ان سے فاصلے پہ ہی رہا تھا گو وہ مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔ مقدور بھر کوشش بھی کرتے تھے کہ مجھے اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ وقت دیں۔ لیکن پھر بھی ہر جگہ صرف یہ پیار تو کام نہیں آ سکتا۔

☼ ☼ ☼

ہمیشہ کی طرح آج بھی گھر بہت پرسکون تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ لیکن دلوں کے اندر آندھیاں اور جھکڑ چل رہے تھے۔ ڈیڈی نے وہ انگلش اسنوکر کلب جو پچھلے آٹھ سال سے مما بہت کامیابی سے چلا رہی تھیں' ان سے چھین لیا تھا۔ ہاں! اسے چھیننا ہی تو کہیں گے۔ ایک چیز آپ کے پاس ہو۔ آپ دن رات اس کی حفاظت کریں۔ ہر موسم کی سختی سے بچائیں۔ اس کو دن دگنی' رات چوگنی ترقی دینے کے لیے اپنا آپ تیاگ دیں اور کوئی دوسرا آ کر آپ کی وہ چیز مختلف دلائل دے کر آپ سے واپس لے لے۔ چاہے اس میں آپ کی مرضی بھی شامل ہو یا نہ ہو۔ تو اسے چھیننا ہی کہیں گے۔

انکل نیازی کا اس سب میں اہم کردار تھا بلکہ ان کا بڑا بیٹا ارسلان جو بزنس میں ان کا رائٹ ہینڈ تھا۔ اس نے تو پوری کوشش کر ڈالی کہ مما کا سیلون بھی ان سے چھین لے۔ مگر خوش قسمتی سے وہ زمین اور سیلون مما کے نام تھا۔ میں کسی وقت تو کنفیوز ہو جاتا تھا۔ سمجھ نہیں پاتا تھا کہ انکل نیازی اور ان کی فیملی کو نرمین سے ہمدردی تھی یا ہم سے نفرت۔

"مصعب!" کسی نے میرے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ میں چونک کے خیالات سے باہر نکلا۔ مناہل تھی۔ بغیر آستینوں کی لمبی قمیص اور جینز کے ساتھ بغیر دوپٹے کے وہ میرے سامنے تھی۔

"کیسے ہو یار! اور کدھر ہوتے ہو آج کل؟" میرے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ کر وہ تشویش سے پوچھنے لگی۔

"کہیں نہیں۔ ادھر ہی ہوتا ہوں۔ تم کیسی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"فائن۔" اس نے کندھے اچکائے۔ "تم ٹھیک تو ہو مصعب!" میرے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر اس نے کہا۔

"ہاں! بالکل ٹھیک ہوں۔" میں نے ہاتھ چھڑا لیا۔

"تمہیں تو ٹمپریچر ہو رہا ہے۔ ہسپتال کیوں نہیں جاتے تم؟" اس نے پوچھا۔

"ہر غم کا علاج ڈاکٹرز کے پاس تو نہیں ہوتا۔" میں نے خود کو ڈھیلا چھوڑ کر سر صوفے پہ رکھ دیا۔

"او مائی گاڈ! یہ تم کہہ رہے ہو مصعب۔" وہ زور سے ہنسنے لگی۔

"تمہیں کیا غم لگ گیا ہے۔ اور آج کل میں تو تمہارے گھر میں فنکشن بھی ہونے والا ہے۔ آئی تھنک انکل کی شادی سیلیبریٹ کرنے کے سلسلے میں۔" وہ طنز نہیں کر رہی تھی۔ مگر مجھے ایسا ہی لگا۔

"تم اگر چپ ہو سکتی ہو تو پلیز چپ ہو جاؤ۔ ورنہ یہاں سے جانا بھی تمہارے لیے آسان ہی ہو گا۔" میں غصے سے بولا۔ حالانکہ میں بہت ٹھنڈے دماغ کا بندہ تھا۔ وہ حیرت سے میری طرف دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تمہیں پانی چاہیے۔ ایک منٹ رکو۔" وہ راشد کو آواز دینے لگی۔

"اٹس اوکے مناہل! تم بیٹھو۔ میں ٹھیک ہوں اب۔" چند لمحے مجھے خاموشی سے تکتے رہنے کے بعد وہ دوبارہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

"کب جا رہی ہو تم راولپنڈی؟"

"سنڈے ایوننگ میں۔"

"اوکے۔" علینہ بھی تمہارے ساتھ ہی ہے۔ تمہیں پتا ہے؟"

میری بات سن کر اس نے نخوت سے اس نے ناک سکیڑی۔

"ایک بات تو بتاؤ مناہل! تمہیں اتنی نفرت کیوں ہے علینہ سے؟ میں اسے نفرت ہی کہوں گا۔ خوامخواہ تو ایک انجان بندہ اتنا برا نہیں لگ سکتا۔" میں نے انجان اس لیے کہا تھا کہ مناہل کی علینہ کے لیے یہ نفرت پہلے دن سے تھی۔

"وہ میرے لیے انجان نہیں۔ میں بہت اچھے طریقے سے اسے اور اس کی فیملی کو جانتی ہوں۔"

مناہل کی اس بات پر میں شاکڈ رہ گیا۔

"رابعہ کو تو تم جانتے ہو گے؟ وہی' ارسلان مر رہا تھا جس سے شادی کے لیے۔ جس کی وجہ سے کتنا عرصہ ہم

لوگ اذیت میں رہے۔ ارسلان تو ابھی تک اسے بھول نہیں پایا۔ علینہ کے بھائی نے اس سے شادی کر لی ہے۔ ان فیکٹ وہ دونوں ایک دوسرے میں انٹرسٹڈ تھے۔"

"تو اس سب میں علینہ کا کیا قصور؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"قصور تو ہے۔ وہ ارسلان کے دشمن کی بہن ہے۔ سو مجھے بھی اس سے خود بخود دشمنی سی ہو گئی ہے۔ آئی جسٹ ہیٹ... پر وہ بھی پتا نہیں خود کو کیا سمجھتی ہے۔"

"سمجھنا تو اسے چاہیے بھی... اتنی خوب صورت جو ہے۔" میں نے آنکھیں موندتے ہوئے کہا۔ چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔

"تم نے پہلے تو کبھی کسی کے بارے میں اس طرح سے نہیں کہا۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔

"پہلے کبھی کوئی اتنا خوب صورت بھی تو نہیں لگا۔" میں نے سکون سے نظریں اس کے چہرے پہ جماتے ہوئے کہا۔

"دماغ سے علینہ کا بھوت اتار دو۔ تم جانتے ہو میں اس سے کتنی نفرت کرتی ہوں۔" اتنا کہہ کر وہ ایڑیوں گھومتی چلی گئی۔ اس کی بات نے میرے چہرے پہ مسکراہٹ بکھیر دی۔

"تمہاری نفرت کی ہی تو پروا ہے مجھے منال نیازی!"

☼ ☼ ☼

آسمان پہ ہلکے بادل ہر سو چھائے تھے۔ موسم کی خوب صورتی نے اندر کے موسم کو بھی خوشگوار بنا دیا تھا۔ مجھے علینہ سے ملنے جانا تھا اور میں بالکل تیار تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اپنی گاڑی میں ہی اسے پک کرلوں۔ لیکن اس نے کہا تھا کہ وہ خود آجائے گی۔ پانچ بج گئے تھے۔ میں گھر سے نکل پڑا۔ میں نے علینہ کو ساڑھے پانچ بجے کا وقت دیا تھا۔ راستے سے میں نے سرخ گلابوں کا چھوٹا سا بکے بھی لے لیا۔ یہ منال کے علاوہ کسی بھی لڑکی سے میری پہلی ملاقات تھی سو فطری طور پر میں کچھ گھبرایا ہوا تھا۔

مقررہ وقت سے تین منٹ کم تھے جب شیشے کا دروازہ دھکیلتی ایک لڑکی نظر آئی۔ مجھے لگا میں نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھ رکھا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں یاد کرنے لگتا کہ اسے پہلے کہاں دیکھا ہے کہ اپنے مخصوص ہمنوا اسٹائل میں اس کے ساتھ کھڑی علینہ پر میری نظر پڑی۔

"السلام علیکم!" وہ لڑکی مجھ سے مخاطب ہوئی۔

"تو کیا علینہ اس باڈی گارڈ کو اپنے ساتھ لائی ہے۔" مجھے سخت کوفت محسوس ہوئی۔ اب میں اس کے سامنے کیا اظہار کرسکتا تھا۔

"وعلیکم السلام!" میں اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور سامنے کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "بیٹھیں پلیز۔"

وہ دونوں اپنی اپنی کرسی دھکیل کر بیٹھ گئیں۔

"میں رابعہ ہوں، علینہ کی بھابھی۔" اس نے مسکراتے ہوئے اپنا تعارف کروایا تو جواب میں میں نے بھی مختصر الفاظ میں اپنا تعارف کروا دیا اور ساتھ ہی مجھے یاد آگیا کہ میں نے اسے کہاں دیکھ رکھا ہے۔

"علینہ بہت کنفیوز تھی کہ جانے آپ اس سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔ سو یہ مجھے بھی ساتھ لے آئی۔" اس نے مسکراتے ہوئے اپنی آمد کی وجہ بتائی۔

"اتنی کنفیوز تھی تو ملنے کی ہامی نہ بھرتی" میں نے زہرخند سوچ کو خوب صورت مسکراہٹ کے پردے میں بیان کرتے ہوئے علینہ کی طرف دیکھا اس کے چہرے پہ اتنی چمک تھی کہ میں لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا۔

"ڈونٹ وری! میں کباب میں ہڈی بننا پسند نہیں کروں گی۔" رابعہ مسکرائی "میں سامنے مارکیٹ میں ہوں۔ علینہ! تم فری ہو کے مجھے کال کرلینا۔ اوکے بیسٹ آف لک۔" اپنا ہینڈ بیگ میز سے اٹھاتے ہوئے اس نے الوداعی مسکراہٹ سے نوازا اور چل دی۔

علینہ کے چہرے سے چمک ختم ہو گئی اور اس کی جگہ گھبراہٹ نے لے لی۔

"[illegible] زحمت ہوں۔ میں زیادہ وقت نہیں لوں گا آپ کا۔" میں نے اسے تسلی دینا ضروری سمجھا۔ وہ واقعی بہت پریشان لگ رہی تھی۔

"دو لائم جوس۔" ویٹر کو پاس آتے دیکھ کر میں نے اس سے کہا۔ وہ چلا گیا تو میں نے اپنی اس گفتگو کا آغاز کیا، جس کے لیے میں نے علینہ کو یہاں بلایا تھا۔

"میں یہ نہیں کہوں گا کہ آپ مجھے پہلی نظر میں ہی اچھی لگیں۔ لیکن مختلف ضرور لگی تھیں... اور کچھ خاص بھی۔ اسی چیز نے مجھے آپ کے نزدیک کر دیا۔ آپ بہت اچھی ہیں۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ ٹھیک ہو گا کہ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ میں نے آج تک کسی کی طرف خود سے دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھایا... اور یہ کہنے میں مجھے کوئی قباحت نہیں کہ علینہ حیدر وہ واحد لڑکی ہے جس کی طرف **مصعب عطا کھر** خود سے بڑھا ہے۔"

میں چپ ہو گیا۔ پل پل اس کے چہرے نے رنگ بدلے تھے اور ہر رنگ پہلے سے انوکھا اور مختلف تھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی تھی اور گلنار چہرے پہ خوب صورت سی مسکراہٹ۔ مجھے کوئی جواب دیے بغیر وہ سر جھکا گئی۔

"مجھے نہیں پتا کہ محبت کو کیسے پہچانا جاتا ہے۔ اس لیے میں محبت کا اظہار نہیں کروں گا۔ مے بی میرے اندر کی فیلنگز۔ جو آپ کے لیے بہت مختلف سی ہیں، وہ محبت ہی ہو... یا پھر وہ بس امپریشن ہو۔ ابھی میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ لیکن مجھے لگتا ہے کہ میں بہت جلد اپنے جذبے کی شناخت کرلوں گا۔"

وہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھی رہی۔ وہ کس قدر معصوم تھی اور میرے ایک چھوٹے سے کھیل سے اس پر کیا بیت جانے والا تھا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں ہو گا۔

"میری بات کا کیا جواب دیں گی؟" میں نے لائم جوس کا سٹرا ہونٹوں میں دباتے ہوئے پوچھا۔

"آئی ایم ٹوٹلی بلینک۔ میرا ذہن کچھ نہیں سوچ پا رہا۔ ان فیکٹ میں کچھ سمجھ ہی نہیں پا رہی۔ یہ سب ناقابل یقین سا لگ رہا ہے۔"

"کوئی بات نہیں... لیکن میں آپ کی کال کا انتظار کروں گا۔" ٹھہر ٹھہر کر کہتے ہوئے میں نے پین نکالا اور سامنے پڑے ٹشو پیپر پر اپنا موبائل نمبر لکھ کے اس کے سامنے رکھ دیا۔

کانپتے ہاتھوں سے اس نے ٹشو پیپر پکڑ لیا۔

☼ ☼ ☼

ہم لوگ اس وقت خیبر پختونخواہ کے شہر رسالپور میں تھے۔ مما اور ڈیڈی دونوں میرے آنے سے اداس لیکن میری خوشی میں راضی تھے۔ گو ڈیڈی مجھے ہائر اسٹڈیز کے لیے ملک سے باہر بھجوانا چاہتے تھے۔ مگر میری خوشی کے سامنے وہ چپ تھے۔

حسن کے ساتھ بھی کم و بیش ایسا ہی مسئلہ تھا۔ لیکن اس کے بڑے بھائی نے اس کے C.A.E جوائن کرنے کی کافی مزاحمت کی تھی۔ وہ بزنس کا سارا بوجھ اپنے کندھوں پہ اکیلے اٹھانا نہیں چاہتے تھے۔

اگلے چند دنوں میں ہمیں سمسٹر سسٹم کی بھی ساری سمجھ بوجھ آگئی۔ یہاں امریکن سمسٹر سسٹم کو فالو کیا جاتا تھا۔

کالج کے اندر رہنے کے لیے کم سے کم 200 کا جی پی اے لانا ضروری تھا۔ اگر اس سے بھی کم ہو تو پچھلے سمسٹر میں بھیج دیا جاتا تھا اور اگر کارگزاری پھر بھی بہتر نہ ہو تو کالج سے نکال دیا جاتا تھا۔ بہت کم اسٹوڈنٹ کو A گریڈ دیا جاتا تھا مجھے ان A گریڈ لینے والوں میں آنا تھا ہر صورت۔

☼ ☼ ☼

شام کے چھ بج رہے تھے۔ ہم لوگ ٹیبل ٹینس کھیل کے واپس آئے تھے۔ حسن اور میں فی الحال روم شیئر کر رہے تھے اور اگر مستقبل میں کوئی مسئلہ ہو جاتا تو ہم لوگوں نے علیحدہ روم لینے کے بارے میں سوچ رکھا تھا۔ میں شاور لے کے باہر آیا تو حسن واش روم

میں چلا گیا۔ اتنی دیر میں میرا موبائل بجنے لگا۔ سائیڈ ٹیبل پہ پڑا فون اٹھایا تو کوئی غیر ملکی نمبر تھا۔ میں نے فون آن کر کے کان سے لگا لیا۔

"کیسے ہو بیٹا؟" ڈیڈی آن کال تھے۔

"آپ ملک سے باہر ہیں ڈیڈی؟" میں حیران ہوا۔

"ہاں! میں زمین کو لے کر لندن آیا ہوں۔ چار دنوں کا ٹرپ تھا۔ میں نے سوچا' زمین کو شاپنگ کروا دوں اچھی سی۔ وہاں پاکستان میں تو آپ کی مما..... پتا ہی ہے آپ کو ان کا کہ وہ ان کے گھومنے پھرنے پر کتنا اعتراض کرتیں۔" انہوں نے مجھے تفصیلی جواب دیا۔

کچھ لوگوں کے اسٹینڈرڈز ڈبل ہوتے ہیں۔ اپنے لیے کچھ اور طرح سے سیٹ کیے ہوتے ہیں اور دوسروں کے لیے کچھ اور طرح کے۔ یہی ڈیڈی تھے جنہیں دھوکا دہی سے نفرت تھی۔ چاہے وہ گھر کے کچن میں ہونے والی معمولی سی چوری ہوتی یا بزنس ڈیلنگز میں ہونے والا لاکھوں کا فراڈ۔ یہی ڈیڈی تھے جنہوں نے اپنے آفس کے منیجر کو صرف اس لیے نکال دیا تھا کہ اس نے تین بیٹیوں اور بیوی کو گھر سے نکال دیا تھا اور خود بیٹے کی خاطر دوسری شادی کر لی تھی۔ تب ان کا کہنا تھا کہ "جو شخص اپنے گھر کے انتہائی پوشیدہ معاملات میں ڈنڈی مار سکتا ہے۔ وہ کسی کے فائدے نقصان کی خاطر کیسے خود کی جان جوکھوں میں ڈالے گا۔"

اور اب وہی ڈیڈی مما کے ڈر سے اپنی سیکنڈ وائف کے ساتھ لندن بھاگ گئے تھے۔

"ہاؤ فنی۔" اپنی سوچ پہ مجھے خود ہی ہنسی آ گئی۔ تب ہی موبائل پہ میسج ٹون بجی۔ فون میرے ہاتھ میں ہی تھا۔ دوبارہ کسی انجان نمبر سے میسج آیا۔ میں موبائل ایسے ہی ایک سائیڈ پہ رکھ دینا چاہتا تھا۔ لیکن کسی سوچ نے مجھے ایسا نہ کرنے دیا اور میں میسج پڑھنے لگا۔

میرے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ خوب صورت سے انداز میں کیا گیا اظہار اچھا تھا اور مختلف بھی۔ علینہ نے میرا کام بہت آسان کر دیا تھا۔ مجھے زیادہ تگ ودو نہیں کرنی پڑی اور نہ ہی زیادہ لمبے عرصے کا میرا کوئی پروگرام تھا۔

میں نے فوراً علینہ کو کال ملائی۔ چوتھی بیل پہ اس نے کال ریسیو کر لی۔

"تھینکس علینہ۔" میں نے اس کی ہیلو کے جواب میں کہا۔ وہ حسب توقع بالکل خاموش ہو گئی۔ پھر میں کافی دیر اس سے بات کرتا رہا۔ اس کی پسند ناپسند پوچھتا رہا۔ اسے کیا اچھا لگتا ہے' کیا برا لگتا ہے۔ کہاں آنا جانا' کیسے گھومنا پھرنا پسند ہے۔

وہ بہت اچھی نیچر کی سادہ اور معصوم سی لڑکی تھی۔ میں یہ اس پہلی تفصیلی گفتگو ہی میں جان گیا اور مجھے خود پہ فخر محسوس ہو رہا تھا کہ **مصعب** فلرٹ کرنے کے لیے بھی اپنے معیار سے پیچھے نہیں ہٹا تھا۔ نہ ہی تفریح کی خاطر نیچے والی سیڑھی پہ قدم رکھنا پڑا تھا۔ میں کمرے میں آیا تو حسن ابھی بھی لیپ ٹاپ سامنے رکھے کسی کام میں مصروف تھا۔

"تم علینہ سے بات کر رہے تھے؟" اس نے میری طرف دیکھا۔

"ہاں!" میں نے بھی اپنے سامنے پڑا لیپ ٹاپ کھول کے آن کر لیا۔

"کیوں؟"

"کیا مطلب اس کیوں کا؟" میں نے بھنویں اچکائیں۔

"فرینڈ ہے..... سو بات کرنے میں کوئی حرج نہیں۔" میری بات سنتے ہی حسن کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ فوراً میرے پاس آ کے کھڑا ہو گیا۔

"تمہیں پتا ہے **مصعب**! علینہ تم سے محبت کرتی ہے؟" حسن کی بات نے مجھے حیران کر دیا۔

"رئیلی؟ بڑی انٹرسٹنگ بات بتائی تم نے۔" میں پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"وہ بہت اچھی اور مخلص لڑکی ہے **مصعب**! اور تمہارے بارے میں بہت سیریس ہے۔ رباب اسے پچھلے ڈھائی سالوں سے جانتی ہے۔ جب تم نے اسے دوستی کی آفر کی تو بائے گاڈ! وہ رباب کو بتا کے رو پڑی۔ اس کی بھابھی بھی یہ بات جانتی ہیں..... اس کی محبت کھری ہے **مصعب**! منال کی طرح کھوٹی اور خود

غرض نہیں۔"

میں نے کہا تھا نا کہ حسن کی تربیت میں اس کے صوفی نانا کا بہت ہاتھ تھا۔ اس کے اندر اپر کلاس جیسے جرائم بہت کم تھے۔ اخلاص' محبت' اعتبار' قدر' عزت کی اس کی نظروں میں بہت اہمیت تھی۔ میں جانتا تھا کہ رباب اس کی بہت اچھی دوست تھی اور حسن اس کے ساتھ بہت مخلص تھا اور اب وہ مجھ سے بھی یہی کچھ کرنے کی امید کر رہا تھا۔

"تم اس کی محبت کو کیسے بیان کر سکتے ہو؟ محبت ناقابل فہم جذبہ ہے۔ کوئی بھی لفظوں میں اسے بیان نہیں کر سکتا۔"

"میں جانتا ہوں۔ لیکن ضروری نہیں ہر بات لفظوں میں بیان کی جائے۔ بہت سے جذبات ان کہے رہ کر اپنا آپ منوا جاتے ہیں۔ تم نے کبھی اس کی آنکھوں میں غور سے نہیں دیکھا؟" اس نے مجھ سے پوچھا۔

"میں اس بات سے اتفاق نہیں کرتا۔ جذبات کو لفظوں کے اظہار اور سہارے کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔" میں نے بھی ٹھوس دلیل دی۔

"تو تم اسے کہو کہ تمہیں لفظوں کی آبیاری کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر تمہاری پودوں سے لدی کیاری پر کوئی پھول نہیں کھل سکتا۔"

"مجھے اس سب کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"اوہ ہاں! تمہاری تو منگنی ہو چکی ہے..... تو پھر تم کیا علینہ سے فلرٹ کر رہے ہو؟"

"نہیں۔" میں نے واضح جواب دیا۔ کم از کم اس معاملے میں حسن کو ساتھ ملانا مناسب نہیں تھا۔ مجھے تو ویسے بھی ہر معاملے میں دوستوں کو گھسیٹنا بہت برا لگتا تھا۔ انسان کو اپنے زور بازو پہ اتنا تو بھروسا ہونا چاہیے کہ اپنے راز سنبھال کے رکھ سکے۔ اگر آپ اپنا راز خود نہیں رکھ سکتے تو کسی دوسرے سے اس کی امید کرنا فضول ہے۔

"اوکے!" حسن گویا کندھے کا بوجھ اتار کر پرسکون سا واپس جا کے بیٹھ گیا۔

"اس جیسی لڑکی سے آئی تھنک! کوئی فلرٹ کرنا بھی نہیں چاہے گا۔ بعض لوگ اسی قابل ہوتے ہیں کہ انہیں نرمی اور محبت سے ہینڈل کیا جائے۔" حسن نے کہا اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

علینہ اور مجھے ایک دوسرے کے ساتھ دوستی نبھاتے ہوئے تقریباً سات آٹھ ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا لیکن اس تمام عرصے میں میری اس سے ایک بار بھی ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ نہ ہی کوئی خاطر خواہ نتائج حاصل ہو رہے تھے۔ منال ہمارے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں جانتی تھی۔ سوائے اس کے کہ میرے یعنی **مصعب** کے علینہ کے بارے میں خیالات تبدیل ہو چکے ہیں۔ وہ اکثر مجھ سے فون پہ بات کرتی رہتی تھی۔ لیکن میں نے اسے خود سے کبھی بھی کچھ نہیں بتایا۔ میں اسے ٹھوس ثبوت دینا چاہتا تھا جسے دیکھ کے وہ شاکڈ رہ جائے۔ لیکن اس کا شاید ابھی وقت نہیں آیا تھا علینہ سے بات کرنے کے لیے میں نے مخصوص وقت پہ کال ملائی۔

"بہت دنوں بعد فون کیا آپ نے۔" اس نے چھوٹتے ہی شکوہ کیا۔ "میں پریشان سی ہو گئی تھی کہ پتا نہیں کیا بات ہے' آپ کا فون کیوں نہیں آیا' کہاں غائب ہو جاتے ہیں' ایک دم اچانک ہی اتنے سارے دنوں کے لیے؟" وہ پریشان تھی اور بے چین بھی لگ رہی تھی۔

"صرف چار دنوں کا وقفہ آیا ہے اور تم نے اتنے سارے دن بتا دیے۔ اگر میں ایک مہینے کے لیے ہی غائب ہو جاؤں تو تم کیا کرو گی؟"

"تب تو میں مر ہی جاؤں گی۔" وہ روہانسی ہو گئی۔ وہ اکثر اوقات بلا جھجک ہی اظہار کر دیا کرتی تھی۔ وہ یہ دل سے کرتی تھی۔ اس لیے جھجکتی نہیں تھی۔ میرے دل میں چور تھا جو مجھے اتنے لمبے ڈائیلاگ بولنے نہیں دیتا تھا۔

"پلیز علینہ! بند کرو یہ ڈائیلاگز۔ نفرت سی

محسوس ہوتی ہے مجھے ان ٹپیکل چیپ ڈائیلاگز سے۔" میرے اندر کی فرسٹریشن زبان پر آگئی۔

"سوری مصعب! مجھے اتنا جذباتی نہیں ہونا چاہیے تھا۔ مجھے سمجھنا چاہیے کہ آپ عام مردوں کی طرح نہیں ہیں کہ ہر وقت میرے ساتھ ہی مصروف رہیں۔ آپ کی پڑھائی کا شیڈول بھی بہت سخت ہے۔ مجھے خیال رکھنا چاہیے۔" وہ شرمندہ ہو گئی۔ میں بھی اس حالت سے باہر نکل آیا۔

"میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ کراچی کب جارہی ہو؟"

"اس مہینے تو ناممکن ہے۔ اگلے مہینے جاسکوں گی ایک ہفتے کے لیے۔" اس نے دھیمی سی آواز میں کہا۔ شاید وہ شرما رہی تھی یا پھر سے کنفیوز ہو گئی تھی۔ میں جان نہیں پایا۔

"اوکے! اب میں فون بند کرتا ہوں۔ اپنا خیال رکھنا۔" میں اس وقت زیادہ دیر اس سے بات نہیں کر سکا' جانے کیوں۔

☼ ☼ ☼

اس سے اگلے دن بہت ہی عجیب بات ہوئی۔ اس دن ہمارا آف تھا۔ ہم باہر گھومنے پھرنے چلے گئے۔ واپس آئے تو شام ہو رہی تھی۔ اس سے زیادہ دیر ہم باہر نہیں رہ سکتے تھے۔ اسی وقت مجھے ڈیڈی کی کال آگئی۔ وہ اسلام آباد میں ٹھہرے ہوئے تھے اور چاہتے تھے کہ میں ان سے ملنے آؤں۔ دو دن بعد سنڈے تھا۔ میں ورکنگ ڈیز میں کوئی آف نہیں لینا چاہتا تھا اور سنڈے کو ہی اسلام آباد جانا چاہتا تھا۔ لیکن ڈیڈی ایک دن سے زیادہ وہاں ٹک نہیں سکتے تھے۔ سو مجھے کل ہر صورت ان سے ملنے جانا تھا۔ ایڈمنسٹریٹر سے بات کر کے اور اجازت لے کر میں سو گیا۔ مجھے صبح جلدی اٹھ کر اسلام آباد کے لیے نکلنا تھا۔ صبح گیارہ بجے کا وقت تھا' جب میں ہوٹل میں ڈیڈی سے ملا۔ وہ میرے انتظار میں ہی بیٹھے تھے۔ ہم نے اکٹھے ناشتا کیا۔ وہیں بیٹھے ہوئے انہوں نے وہ بات کر دی۔ جس کے لیے انہوں نے مجھے یہاں بلوایا تھا۔

"تم مناہل کے ساتھ شادی کے لیے تیار ہو؟"

اور میں حیران رہ گیا۔ یہ ڈیڈی کیا کہہ رہے ہیں۔ اتنی بڑی بات اور اتنی اچانک۔

"آپ جانتے ہیں۔ میری اسٹڈیز کتنی ٹف ہیں اور مجھے اپنے پروفیشن کو لے کر بہت آگے جانا ہے ابھی۔"

"تو میں تمہاری اسٹڈیز پہ فل سٹاپ تو نہیں لگا رہا۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم دونوں جلد از جلد شادی کرلو۔"

"اس سے کیا ہوگا؟"

"اس سے یہ ہوگا کہ میں اور نیازی ایک دوسرے کے اور قریب ہو جائیں گے اور اس سے ہمیں بہت فائدے حاصل ہوں گے۔"

"پتھروں کے بجائے انسانوں کو کب سے ترازو کے پلڑے میں رکھ کر تولنا شروع کر دیا آپ نے ڈیڈی؟"

"مصعب!" انہیں میری بات نے غصہ دلا دیا تھا۔ "مجھے اپنے بزنس کو بہت ترقی دینا ہے۔ نہ صرف ایشیا بلکہ یورپی ممالک تک توسیع دینا چاہتا ہوں اور اس طرح کے ٹارگٹس میں ہزاروں لوگوں سے بنا کے رکھنی پڑتی ہے۔"

"میں آپ کی بات سمجھ سکتا ہوں ڈیڈی! لیکن میں معذرت چاہتا ہوں کہ اپنے کیریر کے آغاز میں ہی اس طرح کی مداخلت مجھے قطعی گوارا نہیں۔" میرا لہجہ قطعی تھا۔

میری بات پر وہ سر ہلا کر خاموش ہو گئے۔

☼ ☼ ☼

ایک گھنٹے بعد میں علینہ کے کالج کے مین گیٹ کے سامنے تھا۔ اپنا کارڈ دکھا کے مین انٹرنس سے وزیٹرز روم میں آگیا۔ اگلے بیس منٹ کے انتظار کے بعد اپنے مخصوص یونیفارم میں وہ میرے سامنے تھی۔ نارمل انداز میں اندر داخل ہوتی اس کی نظر جوں ہی مجھ پر پڑی' وہ خوشی سے بے قابو ہو گئی۔

"آپ مجھ سے ملنے آئے ہیں۔"

"کیا میں تم سے ملنے نہیں آسکتا؟"

"نہیں! ضرور آسکتے ہیں۔ لیکن مجھے یقین نہیں آ رہا۔" اس نے آنکھیں بند کیں اور چند سیکنڈز کے بعد کھول دیں اور پھر ہنس دی۔ کھلکھلاتی ہوئی دلکش ہنسی۔

"سوری! میرا خیال ہے کہ میں کچھ بے وقوف لگ رہی ہوں۔" اس کے اس طرح کرنے سے مجھے خود پہ فخر محسوس ہوا۔ میں واقعی صرف چاہے جانے کے لیے اس دنیا میں آیا تھا۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد میں واپس جانے کے لیے باہر نکلا۔ اچانک وہاں مناہل آگئی۔ یہ علینہ کی بدقسمتی تھی یا میری خوش قسمتی۔ میں سمجھ نہیں پایا کہ کیا چیز اسے وہاں لے آئی۔

"مصعب تم!" وہ اڑتی ہوئی مجھ تک پہنچی۔

"تم یہاں؟ او مائی گاڈ! مجھے بالکل یقین نہیں آ رہا۔" اس نے ساتھ کھڑی علینہ کو نہیں دیکھا تھا۔ اسی لیے اپنی خوش قسمتی پہ نازاں ہو رہی تھی۔

"ہاں! میں اسلام آباد آیا تھا۔۔۔ تو سوچا' علینہ سے ملتا جاؤں۔"

"واٹ؟" میری بات سے اس کو اتنے زور سے کرنٹ لگا کہ وہ باقاعدہ دو قدم پیچھے ہٹی۔

"تم یہاں۔۔۔ تم یہاں علینہ سے ملنے آئے ہو؟" مناہل کا چہرہ جذبات کی وجہ سے سرخ ہو گیا۔

"مجھے بتایا تک نہیں تم نے؟" اس کی بات پہ مجھے ہنسی آگئی۔

"کیا مجھے کسی سے ملنے کے لیے تمہاری اجازت کی ضرورت ہے؟"

"میں یہ نہیں کہہ رہی۔ لیکن تم اس سے ملنے آئے ہو۔۔۔ تم جانتے ہو نا مجھے کتنی بری لگتی ہے یہ لڑکی۔"

"فار گاڈ سیک! مجھے تمہاری کسی پسند ناپسند سے کوئی لینا دینا نہیں۔" میں نے گلاسز آنکھوں پہ چڑھائے۔ مناہل کو دکھانے کے لیے کچھ زیادہ پیار سے بائے کیا اور چل پڑا۔ علینہ نظریں زمین پہ گاڑے کھڑی رہی۔ وہ سخت نگاہیں مجھے خود پہ جمی محسوس ہوتی رہیں۔

☼ ☼ ☼

ڈیڈی کی کال میں نے یہی سوچ کر اٹینڈ کی تھی کہ انہوں نے حال چال پوچھنے کے لیے ہی کی ہوگی۔ لیکن وہ اپنی وہی ضد دہرا رہے تھے۔

"آخر شادی کرنے میں تمہیں کیا پرابلم ہے؟"

"ڈیڈی! ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔ اس طرح کے اسٹیٹس کو اپنے ساتھ جوڑنے کی۔۔۔؟ ابھی تو میرا پہلا سال بھی مکمل نہیں ہوا۔ مجھے بہت آگے تک جانا ہے۔ آخر آپ اس بات پر کمپرومائز کیوں نہیں کر لیتے؟"

مجھے بہت غصہ آ رہا تھا ان کی اسی ایک رٹ کی وجہ سے۔ کہاں تو وہ مجھے ایک ٹاپ کلاس ایروناٹیکل انجینئر بنتا دیکھنا چاہتے تھے اور کہاں اب میری فوری شادی پر تل گئے تھے۔

"میں سمجھ سکتا ہوں تمہاری پرابلم۔ لیکن نیازی بہت زور دے رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مناہل کو کچھ شکایات ہیں تم سے۔ جن کی وجہ سے وہ یہ کرنا چاہ رہا ہے۔"

"کیسی شکایات ڈیڈی؟ مناہل اور میرا رشتہ آپ نے اور انکل نیازی نے طے کیا تھا۔ اس کے ساتھ میری کوئی ذاتی کمٹ منٹ نہیں ہے مناہل سے۔ اور جہاں کمٹ منٹس نہ ہوں' وہاں گلے شکووں کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔"

"اوکے! ریلیکس۔۔۔ میں دیکھتا ہوں سب اور ہاں۔۔۔" وہ رکے۔

"اپنی مما سے تو کچھ ڈسکس نہیں کیا؟"

"نہیں۔"

"گڈ! کچھ کہنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔"

میں یہ نہیں کہہ سکا کہ کم از کم میں یہ سب ان کی مرضی کے بغیر تو نہیں کروں گا۔ ہر چیز ان ہی سے شیئر کروں گا۔

☼ ☼ ☼

اس بات کو مزید ڈیڑھ مہینہ گزر چکا تھا۔ جب سمسٹر ختم ہونے پر میں گھر آیا۔ دو ہفتوں کے لیے میں بالکل فری تھا۔ علینہ کی میرے لیے وارفتگی پہلے سے زیادہ ہو چکی تھی۔ لیکن میں اب پیچھے ہٹنا چاہ رہا تھا۔ میں اس سے تنگ نہیں آیا تھا۔ اتنی خوب صورت لڑکی کی کمپنی کسے بری لگ سکتی تھی۔ لیکن کوئی چیز تھی جو مجھے اس سب سے باز رہنے کو کہہ رہی تھی۔ میں سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

مناہل والی بات میں مما سے ڈسکس کرنا چاہتا تھا۔ حقیقتاً" اس شادی کے ایشو سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ ڈیڈی مجھے کسی بھی کام کے لیے فورس نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن بات یہ تھی کہ میں ڈیڈی کی یہ ایکٹیویٹی مما کی نالج میں لانا چاہتا تھا۔

اس سے پہلے کہ میں کوئی بات چھیڑتا' مما نے خود ہی یہ بات کر دی۔ مجھے اچھا لگا کہ وہ میرے کسی بھی اہم معاملے سے لاعلم نہیں ہیں۔

"آپ سے یہ سب ڈیڈی نے کہا؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں! اور تمہارے ڈیڈی کی اپنی بھی یہی خواہش ہے۔" مجھے حیرت ہوئی یہ جان کر کہ ڈیڈی نے خود مما سے یہ بات کی ہے۔ حالانکہ مجھے وہ منع کر چکے تھے۔ کیا پتا موقع غنیمت جان کر کسی وقت انہوں نے یہ ذکر کر دیا ہو مما سے۔

"میں جانتا ہوں ان کی یہ خواہش کیوں ہے۔" میں تلخ ہوا۔

"تو اس میں کوئی غلط بات بھی نہیں۔ اپنا فائدہ نقصان تو ہر کوئی دیکھتا ہے۔۔۔ اور ایک بزنس مین تو ویسے ہی ان معاملات میں بہت طاق ہوتا ہے۔"

"میں آپ کی بات سے اتفاق کرتا ہوں مما! لیکن میری زندگی سے کیوں کھیل رہے ہیں آپ لوگ؟"

"کوئی تمہاری زندگی سے نہیں کھیل رہا۔ یہ سب وہ تمہاری ہی وجہ سے تو کر رہے ہیں۔"

"تمہیں مناہل پسند نہیں یا تم کسی اور میں انٹرسٹڈ ہو؟" مما کے سوال پر میرے ذہن پہ ایک تصویر نمودار ہوئی۔

"دونوں باتیں نہیں ہیں۔" میں الجھا۔

"تو پھر کیا مسئلہ ہے؟ اگر ابھی شادی نہیں کرنا چاہتے تو کوئی بات نہیں۔ یہ قصہ ہم اگلے تین چار سالوں کے لیے ملتوی کر دیتے ہیں۔"

"مما! مجھے ایک بات بتائیں۔ آپ جانتی ہیں کہ ڈیڈی کی سیکنڈ میرج میں نوے فیصد ہاتھ انکل نیازی کا ہے۔ پھر بھی آپ مناہل کو اپنی بہو بنانے میں اتنی انٹرسٹڈ کیوں ہیں؟"

"کیونکہ جو فائدہ نیازی کو اس شادی سے ہو رہا ہے وہی فائدہ ہمیں مناہل سے شادی کر کے ہوگا۔"

"واٹ؟" حقیقتاً" میں نے ایسی کوئی بات سوچی تک نہیں تھی۔ تو اس لیے مما اتنی کول مائنڈڈ ہو رہی تھیں کہ ان کا ماسٹر مائنڈ اس وقت کچھ اور سوچ رہا تھا اور میں کیا کر رہا تھا۔ مناہل کو ڈیپریس کرنے کی خاطر علینہ سے محبت کا ڈراما؟ یہ تو غلط ہو گیا تھا۔ ان فیکٹ علینہ کو تو اس سارے منظر میں ہونا ہی نہیں چاہیے تھا۔ مجھے تو یہ محبت کا ڈرامہ مناہل سے کر کے اس سے فائدے حاصل کرنے تھے۔

لیکن اس کھیل کو اب بھی میں ایک دلچسپ موڑ دے سکتا تھا۔ ورنہ اتنی محنت بے کار ہی جاتی۔ لیکن میں اب جلد ہی ڈراپ سین کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ میری اسٹڈیز متاثر ہو رہی تھیں اس سب سلسلے سے۔

☼ ☼ ☼

لیکن یہ ڈراپ سین اتنی جلدی ہو جائے گا۔ مجھے اندازہ بھی نہیں تھا اور میرے اس کھیل کے نتائج اتنے برے اور بھیانک ہوں گے۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کبھی کبھار میں خود کو کٹہرے میں رکھ کے دیکھتا ہوں تو سارے کا سارا قصور میرا اپنا ہی لگتا ہے اور اس میں کچھ غلط ہے بھی نہیں۔ حالانکہ یہ دنیا کا سب سے مشکل کام ہوتا ہے۔ آئینے میں اپنا اصل چہرہ دیکھنا

تنہائی میں اپنے باطن کو پرکھنا، اندھیری راتوں میں بلکتے اور روتے دل کو مطمئن کرنا بہت مشکل۔ بلکہ ناممکن ہوتا ہے۔

محبت کے نام پہ وقت گزاری اور وقت گزاری کے نام پہ محبت، دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ کوئی فرق نہیں ہوتا دونوں میں۔ مجھے ابھی تک یاد ہے، میرے ایک پروفیسر اکثر ہمیں اخلاقیات کے موضوع پہ لیکچر دیتے ہوئے طنزیہ کہا کرتے تھے۔

"یہ امیر زادوں کے چونچلے۔" اور مجھے ان کی یہ بات بہت چبھتی تھی کہ ایسی کون سی برائی ہے ہم لوگوں میں، جو متوسط طبقوں کے لوگوں میں نہیں۔ لیکن اب میں سمجھ سکتا ہوں کہ ہم میں "احساس، ہمدردی، انسانیت نہیں ہے۔"

اپنی زندگی کے اس المناک واقعے کو میں کبھی بھلا سکتا ہوں۔ نہ ذہن اور دل سے کھرچ سکتا ہوں۔ میں بالکل بیکار ہو گیا ہوں۔ ایک اپاہج معذور بندے کی طرح جس کے ہاتھ پاؤں تو ساتھ ہیں۔ مگر مفلوج ہیں۔ وہ انہیں اپنی مرضی سے کوئی حرکت نہیں دے سکتا۔ درحقیقت میرا دماغ میرا ساتھ نہیں دیتا تھا اور دل تو ہو ہی مردہ گیا تھا۔

میں نے اپنی پڑھائی کا سلسلہ وہیں موقوف کر دیا تھا کہ مصعب عطا کھرنے دل سے بہت بری طرح شکست کھائی تھی۔ بہت بڑا روگ لگا تھا اسے۔ جس کا اب کبھی بھی کوئی بھی مداوا نہیں کر سکتا تھا۔ چار سال گزر چکے تھے اس المناک حادثے کو۔ مگر میری زندگی میں وہ ٹھہر سا گیا تھا۔ تین سال میں نے روتے بلکتے گزارے تھے۔ ہسپتالوں کے چکر لگا کر میرے ماں باپ بھی تھک گئے۔ دنیا کے بہترین سائیکاٹرسٹ میرے لیے ہائر کئے تھے انہوں نے۔ جو مجھے کہتے تھے کہ میں ان کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دوں۔ لیکن میں انہیں کیا بتاتا کہ دل تو میرے پاس ہے ہی نہیں وہ مردہ ہو گیا ہے، ختم ہو گیا ہے۔ لیکن یہ کیسا درد ہے، جو مجھے اندر سے کاٹتا رہتا ہے۔

ہر روز میرے جسم کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ پر روز میری ہر ہر نس سے لہو رستا ہے اور میں اسے رستے ہوں۔ میں اسے روئی کے پھاہے سے دباتا نہیں ہوں لیکن پھر بھی مجھے چین نہیں آتا، مجھے سکون نہیں ملتا میں کسی کی بددعاؤں کے حصار میں ہوں۔ زخمی دل سے نکلی آہ آسمانوں تک سیدھی پہنچتی ہے اور میرے لیے بھی اس ٹوٹے ہارے اور زخمی دل سے بددعائیں نکلی تھیں اور میں تھا بھی اسی قابل۔ ایک معصوم اور بہت پیاری لڑکی کو میں نے روند ڈالا تھا۔ میں اسی قابل ہوں۔ مجھے یہ سزا قدرت کی طرف سے مل رہی ہے اور میں اسے ختم کرنے یا کم کرنے پر قادر نہیں ہوں۔

☼ ☼ ☼

چھٹی والے دن میں اپنے مخصوص وقت پہ جاگا۔ شاور لے کر بیٹھا اور موبائل چیک کیا۔ ڈھیروں فرینڈز نے گریٹنگ بھیجی تھیں۔ مختلف نمبرز سے کالز بھی آئی تھیں۔ جن کا مجھے موبائل سائلنٹ ہونے کی وجہ سے پتا نہیں چل سکا تھا۔ ان میں سے ایک علینہ کا میسج بھی تھا کہ آج وہ مجھے ایک سرپرائز دے رہی ہے۔ مناہل کے میسجز بھی تھے۔ میں نے چند لمحوں میں سب کو جوابی پیغام بھیجا اور تیار ہونے لگا۔ اچھی طرح ڈریس اپ ہو کر میں نیچے آ گیا۔ مما نے مجھے بہت پیار سے وش کیا۔

"ماشاء اللہ میرا بیٹا بہت ہینڈسم ہو گیا ہے۔"

"مطلب ابھی ابھی ہوا ہوں ہینڈسم۔۔۔ پہلے نہیں تھا؟" میں خفا سا ہونے لگا۔

"شروع سے ہی لاکھوں میں ایک تھے۔ لیکن پہلے کچھ امیچور لگتے تھے اب تو ایک سنجیدہ اور پروقار شخصیت لگ رہے ہو۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ مناہل! کتنا اچھا سرپرائز ہے۔" بغیر آستینوں کی کاسنی شرٹ اور بلیک جینز میں اندر داخل ہوتی مناہل کو دیکھ کے میں نے کہا۔

"تم تو کہیں ملتے نہیں۔ سوچا آج رنگے ہاتھوں پکڑ لوں تمہیں جا کر۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ پھر

مجھے وش کر کے گفٹ سامنے پڑی شیشے کی نازک سی میز پہ رکھا اور خود مما سے ملنے لگی۔

"بہت دنوں کے بعد آئیں بیٹا!" مما نے اسے بہت ہی پیار سے خود سے لگاتے ہوئے کہا۔

"آنٹی! آپ تو جانتی ہیں دوسرا سال بھی ختم ہو گیا ہے۔ تیسرے میں آ گئے ہیں۔ پہلے سے کہیں زیادہ ٹف ہو گیا ہے پڑھائی کا۔ لیکن دیکھیں! میں تو پھر بھی ملنے آ گئی ہوں مصعب کو فون بھی کرتی رہتی ہوں۔ لیکن اسے نجانے کیا ہو گیا ہے۔ خود سے یاد کرنے کی زحمت تو بالکل بھی نہیں کرتا۔" اس نے منہ بسورتے ہوئے مما سے گویا میری شکایت لگائی۔

"آپ کی طرح وہ بھی بزی رہتا ہے نا بیٹا! اور ویسے بھی لڑکے تھوڑے اور طرح کے ہوتے ہیں۔ بھلکڑ قسم کے۔ خود سے تو انہیں کھانا پینا بھی یاد نہیں ہوتا۔ انہیں ہر بات یاد کروانی پڑتی ہے۔ ہدایات دینی پڑتی ہیں۔ تب یہ کچھ سیدھی لائن پہ چلنا شروع کرتے ہیں اور تمہیں تو ابھی سے یہ پریکٹس شروع کرنی ہو گی۔ تاکہ اس کے نتائج دیر آید بے شک ہوں۔ لیکن درست آید بھی ہوں۔"

چند لمحے بیٹھ کے مما اندر چلی گئیں تو راشد مجھے ناشتے کے لیے بلانے آ گیا۔ مناہل بھی میرے ساتھ ہی ڈائننگ ٹیبل تک آ گئی۔ آج اس نے میرے لیے اسپیشل ناشتا تیار کیا۔

"آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔ میں نے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے۔"

"یہیں لے آؤ۔" میں نے ٹیبل سے اٹھتے ہوئے صوفے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

"حسن کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔" میں نے سوچا۔

چند لمحوں بعد مجھے اپنے کانوں میں علینہ کی آواز سنائی دی۔ میں نے اور مناہل نے چونک کے اس کی طرف دیکھا۔ ہلکے گلابی رنگ کی ٹخنوں کو چھوتی قمیص اور آتشی گلابی ٹراؤزر کے ساتھ پاؤں میں نازک سی گلابی سینڈل پہنے ہاتھوں میں گفٹ پیک اٹھائے، وہ ہمارے سامنے تھی۔ اپنے لمبے کمر تک آتے بالوں کو اس نے کھول کے دونوں طرف گرایا ہوا تھا۔ میں نے آج سے پہلے کبھی اسے اس طرح سے تیار نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس قدر خوب صورت لگ رہی تھی کہ میں تو میں، مناہل بھی کچھ پل اس کے چہرے سے نظریں نہ ہٹا سکی۔ اس کے چہرے پر حسد کے جذبات صاف دیکھے جا سکتے تھے۔ ہمیں اس طرح شاکڈ دیکھ کے وہ کنفیوز ہو گئی۔

میں کس قدر سنگدل تھا۔ اتنے خوب صورت دل اور اتنے مقدس چہرے کو پہچان نہ پایا۔ مجھے اس سے محبت نہ ہو سکی۔ میرا دل اس کے لیے دھڑک نہ سکا۔ کیا میں اتنا بدنصیب تھا؟

"مجھے لگ رہا ہے میں غلط وقت پہ آ گئی ہوں۔" اس نے طنز نہیں کیا تھا۔ سیدھی سی بات کی تھی۔

"نہیں علینہ! تم بالکل ٹھیک وقت پہ آئی ہو۔" مجھے اسے جواب میں یہ کہنا چاہیے تھا۔ کیونکہ وہ میری برتھ ڈے منانے صرف میری خاطر آئی تھی۔ لیکن میں کچھ نہ بولا اور میری جگہ مناہل اس سے بات کرنے لگی۔

"ہاں! بالکل ٹھیک کہا۔ تم واقعی صرف یہیں نہیں۔ ہر جگہ ہی غلط انٹری دیتی ہو۔" اس نے حیرت سے مناہل کی طرف دیکھا جیسے کہ اسے بالکل امید نہ ہو کہ اسے جواب میں یہ سننا پڑے گا۔ چند سیکنڈز خاموش رہنے کے بعد اس نے مجھ سے کہا۔

"میں نے کہا تھا نا کہ میں آپ کو سرپرائز دوں گی تو۔۔۔"

"اوہ! لگتا ہے بہت زیادہ دوستی ہو چکی ہے تم دونوں میں۔۔۔ جو مس علینہ سرپرائز تک پہنچ چکی ہیں۔" مناہل نے پھر طنز کیا۔

"ہم لوگوں کے تو خیر فیملی ریلیشنز بھی ہیں۔ سو ہم جس وقت چاہیں، ایک دوسرے کے ہاں آ جا سکتے ہیں۔ لیکن تم کس لیے دندناتی ہوئی یہاں آئی ہو؟" مناہل کا لہجہ زہرخند تھا۔

"میں مصعب کو برتھ ڈے گفٹ دینے آئی ہوں۔"

علینہ صفائی دینے لگی حالانکہ اسے اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

"اوہ! تم کس رشتے سے مصعب کو گفٹ دے رہی ہو؟" منااہل کا لہجہ تیکھا تھا۔

"منااہل! بس کرو۔" میری بات سے علینہ کو مورل سپورٹ ملی۔

"میں یہاں آپ کے گھر نہیں آئی منااہل! جو آپ یوں مجھے باتیں سنا رہی ہیں۔ اس وقت میں جس کے گھر میں کھڑی ہوں۔ بہتر ہے کہ مجھے اسی سے بات کرنے دیں۔"

"میرا بھی گھر ہے، سمجھیں!" منااہل نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا۔

"تمہارا گھر؟" علینہ نے استہزائیہ کہا۔ میں خاموش تھا اور ایسا میں جان بوجھ کے کر رہا تھا۔ میں جیسے بھی سہی اب اس سب کا ڈراپ سین چاہتا تھا۔

"ہاں! میرا گھر۔" منااہل مسکرائی۔

"مصعب نے تمہیں بتایا نہیں کہ ہم دونوں کی منگنی ہو چکی ہے اور اب ہونے والی ہے۔ دونوں فیملیز کی رضامندی سے اور ہم دونوں کی خواہش پر۔"

علینہ کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ تب میں وہ کیفیت سمجھ نہیں پایا تھا۔ لیکن آج سوچوں تو سمجھ سکتا ہوں۔ اس وقت علینہ کی کیا کیفیت ہوگی۔ کس طرح سے اس نے یہ خبر اپنے اوپر جھیلی ہوگی۔ وہ تو مجھے اپنا سب کچھ سمجھی تھی۔ اپنا جانتی تھی۔ اتنا اعتبار کرتی تھی۔ وہ تو ٹوٹ گئی ہوگی اندر سے۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو، غلط کہہ رہی ہو میں تمہاری بات نہیں مان سکتی۔" اس نے تیزی سے گالوں پہ لڑھکنے والے آنسوؤں کو ہاتھ کی پشت سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

"مصعب پلیز، ختم کرو اس ڈرامے کو۔ اسے بتاؤ کہ حقیقت کیا ہے۔" منااہل نے مجھ سے کہا۔ منااہل میرے دل کی کسی بات کو نہیں جانتی تھی۔ میں نے کبھی اسے اتنی اہمیت ہی نہیں دی کہ وہ میرے بارے میں کچھ جان سکے لیکن میری خاموشی نے اسے شیر بنا دیا تھا۔

"مصعب! مجھے بتائیں کہ حقیقت کیا ہے؟" گفٹ پیک اس کے ہاتھ سے نیچے گر گیا۔ میرے قریب آ کے، میرے سامنے کھڑی ہو کے وہ مجھ سے پوچھنے لگی، میرا احتساب کرنے لگی۔ مجھ سے اس گھناؤنے کھیل کی وجہ پوچھنے لگی، جو میں نے اس کے ساتھ کھیلا تھا۔ مگر میں چپ تھا۔ بالکل خاموش تھا۔ منااہل کی بات کا اسے بالکل یقین نہیں آ رہا تھا۔

"آپ بولتے کیوں نہیں؟ چپ کیوں ہیں؟" منااہل سچ کہہ رہی ہے کیا؟" وہ رو پڑی۔

"میں آپ کا جواب جانتی ہوں۔ لیکن پھر بھی چاہتی ہوں کہ ایک بار آپ اپنی اس زبان سے اقرار کریں۔ جس سے آپ نے کئی مرتبہ مجھ سے محبت کا اظہار کیا۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ اب تک جھوٹ بول بول کر آج سچ بولتے ہوئے آپ کی زبان لڑکھڑاتی ہے یا نہیں؟ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ آج یہ حقیقت سن کر میرا وجود کس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کے بکھرتا ہے ... کس طرح میرے بے توقیر وجود کے چھینٹے اڑتے ہیں۔ ہاں! میرا وجود بے توقیر ہی ہوا نا۔ جس نے دن رات ایک ہی شخص کو سوچا۔ ایک ہی شخص کی تسبیح پڑھی۔ اپنے دن رات اسی ایک شخص کے نام کر دیے۔ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا اسی کا نام لے کر کیا۔ ایک بندے کی محبت کو اس قدر خود پہ سوار کر لیا کہ میرا اپنا وجود ختم ہو گیا اور وہ دوسرا وجود مجھ پہ چھا گیا۔"

اس کی آنکھیں بہت لال ہو گئیں اور چہرہ اتنا سرخ لگتا تھا، آگ کی چنگاریاں اٹھ رہی ہیں۔ منااہل بالکل خاموش تھی۔ اس پر یہ الفاظ اثر کر رہے تھے یا نہیں۔ میں نہیں جانتا تھا۔ لیکن میرے اندر یہ الفاظ کسی ڈرل مشین کی طرح سوراخ کر رہے تھے۔

"میں نے خود کو فراموش کر دیا تھا اس محبت میں ... صرف خود کو ہی نہیں ... سب کو، بہن بھائیوں کو، ماں باپ کو، دوستوں کو، سب کو بھلا دیا تھا۔ میں نے محبتیں بھلا دیں تھیں اور صرف ایک محبت کو ہی سب پالا پوسا۔ پروان چڑھایا۔ باقی ہر جذبے کو میں نے بھلا دیا تھا۔ غصہ، نفرت، حسد، رشک ہر جذبے کا اپنے ہاتھوں سے گلا گھونٹ کر صرف ایک محبت سے اپنے دل کو بھر دیا تھا۔ کیونکہ وہ ایک محبت مجھے سب جذبوں کے لیے کافی لگتی تھی۔ وہ ایک محبت مجھے ہر محبت پہ حاوی لگتی تھی لیکن ..." وہ روتے روتے بیٹھ گئی۔ اس کا دوپٹا کندھے سے گر کر بازو پہ جھولنے لگا۔ اس کے لمبے بال جو اس نے خاص میرے لیے آج کھلے چھوڑے تھے اس کے گالوں پر اور ماتھے پر چپک گئے تھے۔

"اسی محبت نے مجھے رسوا کر دیا۔ مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا۔ مجھے دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا۔ میرا غرور میرا فخر سب خاک میں ملا دیا۔ میری عزت کو قدموں تلے روند دیا۔ میرے ساتھ محبت کا کھیل کھیل کر آپ نے اچھا نہیں کیا۔ محبت کھیل نہیں ہوتی۔ لیکن آپ نے اسے کھیلا۔ میں نے آپ کی عزت کو اپنی عزت سمجھا تھا۔ لیکن آپ نے میری عزت کو بیچ بازار میں بیچ چھوڑا۔ لیکن یہ بات سمجھنے میں مجھے اتنا وقت لگ گیا کہ اب پاس کچھ بھی نہیں بچا۔ میں کس کس کو جا کے بتاؤں گی کہ میرے ساتھ کیا ہوا؟ کس کس کو جا کے صفائیاں دوں گی کہ میں ایسی نہیں ہوں؟ کس کس کو سمجھاؤں گی کہ میں نے کتنا بڑا دھوکا کھایا ہے؟ کتنی بڑی مات ہوئی ہے مجھے۔"

"علینہ!" میں نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ میں اسے اٹھانا چاہتا تھا اسے بتانا چاہتا تھا کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ "تم غلط سمجھ رہی ہو۔" میں ایک اور جھوٹ بولنا چاہتا تھا۔ لیکن اسے جھوٹ نہیں مصلحت کہنا چاہیے۔ کتنی عجیب بات ہے نا کہ ہر رشتے میں جھوٹ کی پیوند لگا کر ہم اسے مصلحت سے سینے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اس نے میرا ہاتھ جھٹک دیا۔

"مجھے محبت کی ضرورت تھی آپ سے۔ وہ نہیں دے سکے تو ہمدردی بھی مت کریں۔" ٹوٹے ہوئے لہجے میں اس نے مجھ سے کہا۔ اس نے اپنی آنکھیں

خشک کرنے کی کوشش نہیں کی۔ نک سک سے رہنے والی علینہ نے اپنے بکھرے بالوں کو سمیٹنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ اس کی آنکھیں حد سے زیادہ سوج گئی تھیں۔

"محبت بد دعا نہیں دیتی۔ اس لیے میں بد دعا نہیں دوں گی۔ لیکن میرا دل رو رہا ہے اور دل پہ مجھے کوئی اختیار نہیں۔ اگر اس کی کوئی بد دعا آپ کو لگ جائے تو مجھے قصوروار نہ سمجھنا۔" وہ لڑکھڑائی تو میرے اندر کوئی گرہ سی لگ گئی۔ میں نے آگے بڑھ کر پھر اسے سہارا دینے کی کوشش کی۔ لیکن اس نے پھر میرا ہاتھ جھٹک دیا۔

مجھے پتا ہی نہیں چلا کب منال میرے ساتھ آکر کھڑی ہوئی۔ دوسری دفعہ علینہ نے میرا ہاتھ جھٹکا تو اس نے میرا وہ ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ہلکا سا دبایا اور آنکھوں سے کچھ کہا۔ مگر میں سمجھ نہیں سکا۔ الٹے پیروں جاتے وہ مجھے دیکھتی رہی اور میں اسے۔ چند لمحوں بعد مجھے گاڑی گیٹ سے باہر جاتی محسوس ہوئی۔

میں حال میں واپس آگیا۔

منال بھی مجھے الجھی ہوئی لگی۔ لیکن میں اس پہ دھیان نہ دے سکا۔

"مصعب پانی لاؤں تمہارے لیے؟" منال مجھ سے ہمدردی کیوں کر رہی تھی۔ جسے اس کی ہمدردی کی ضرورت تھی۔ وہ تو وہاں سے جا چکی تھی۔ میں تو کسی ہمدردی کے قابل ہی نہیں تھا۔ اچانک میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجی۔

"مجھے اس کے پیچھے جانا چاہیے۔"

میں فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ منال میری طرف متوجہ تھی۔

"راشد' راشد!" میں راشد کو آوازیں دینے لگا۔ مجھے گاڑی کی چابی چاہیے تھی۔ اسے پکار کر میں خود کمرے کی طرف بھاگا لیکن مجھے چابی کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل' ڈریسنگ ٹیبل ان کی درازیں۔ وارڈ روب' لاکر' صوفے کے سامنے پڑی میز۔ غرض میں نے ہر جگہ ڈھونڈا۔ مگر مجھے چابی نہیں ملی۔

اتنی دیر میں راشد کمرے میں آگیا اور اس نے چابی میرے سامنے کی میں جھپٹ کے باہر بھاگا۔ منال میرے انتظار میں گاڑی کے پاس کھڑی تھی۔

خوف سے میری رنگت بھی زرد ہوئی۔ میں سکتے کی سی کیفیت میں تھا۔ جانے مجھے کیا ہو گیا تھا۔ پتا نہیں ہر غلط چیز کا احساس ہمیں وقت گزر جانے کے بعد ہی کیوں ہوتا ہے؟ پہلے خطرے کی گھنٹی کیوں نہیں بجتی؟ پہلے چھٹی حس ہمیں بیدار کیوں نہیں کرتی؟ یہ دونوں چیزیں شاید ہر وقت فعال ہوتی ہیں۔ لیکن ہم انہیں جان بوجھ کر اگنور کرتے ہیں۔ اپنا مطلب حاصل کرنے کے لیے فی الوقت تمام آوازوں کی طرف سے اپنے کان کو بند کر لیتے ہیں۔ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے وقت کے گزر جانے کا انتظار کرتے ہیں نا۔ ہمارا مطلوبہ مقصد ہمیں حاصل ہو جائے۔ اس کے بعد نتائج کیا ہوں گے' یہ بعد میں دیکھا جائے گا اور جب "بعد" کے مسائل درپیش ہوتے ہیں تو ہم کبھی لوگوں کو' کبھی قسمت کو اور کبھی تقدیر کو موردِ الزام ٹھہرانے لگ جاتے ہیں۔

ہم ایک منٹ سے بھی کم وقت میں باہر مین روڈ پر پہنچ گئے تھے۔ وقت کی سوئیاں جیسے بھاگ رہی تھیں۔ ایک دوسرے کے تعاقب میں تیزی سے ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش میں بے تاب۔ وقت بذاتِ خود بہت بڑی آزمائش ہے۔ جب آپ خوشیوں کے لمحات سے گزر رہے ہوں تو یہ دوڑنے لگتا ہے' بھاگنے لگتا ہے' قابو میں نہیں آتا اور جب آپ کسی بھی مصیبت یا تکلیف میں ہوں۔ گزرے وقت کے مرہم کا پھاہا اپنے پھوڑوں پہ رکھنا چاہتے ہوں تو یہ گزرتا نہیں' رک سا جاتا ہے۔ ایک ہی سوئی پہ گویا ٹھہر سا جاتا ہے۔ وقت مرہم بھی ہے اور آزمائش بھی۔

میرا موبائل زور سے بجنے لگا اور اس وقت اس کی رنگ ٹون کی آواز مجھے دنیا کی سب سے خوفناک آواز لگ رہی تھی۔ میں نے موبائل نکال کے سامنے ڈیش بورڈ پہ رکھ دیا۔ منال نے کب اٹھا کے اسے کان سے لگایا۔ مجھے خبر نہ ہوئی۔ خبر تو تب ہوئی جب اس کی سہمی ہوئی آواز میرے کان میں پڑی۔

"مصعب۔" میں نے سوالیہ بے چین نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"حسن کی کال تھی۔" وہ ایک بار پھر چپ ہوئی۔ کوئی انہونی ہوئی تھی۔ میں سمجھ گیا تھا۔

"علینہ کا یونیورسٹی روڈ پر ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے ابھی ابھی۔" گاڑی نے بہت زور سے بریکس لگائی تھیں اور بہت تیزی میں پیچھے سے آتی تین چار گاڑیاں ایک دوسرے سے ٹکرائی تھیں۔ ہائی وے والے مجھے روکتے رہ گئے۔ لیکن میں نہیں رک سکا۔ اندازے سے سیدھا اسی روڈ پہ بنے اسپتال کی طرف گاڑی دوڑا رہا تھا۔

اگلے کچھ منٹوں کے بعد ہم اسپتال کے سامنے تھے۔ حسن علینہ کے بھائی اور رباب کاؤنٹر کے پاس کھڑے مل گئے۔ ہم تیزی سے حسن کی طرف بڑھے' ہمیں دیکھ کے وہ تقریباً" بھاگتا ہوا ہم تک پہنچا۔

"علینہ آئی سی یو میں ہے۔ بلیڈنگ بہت زیادہ ہو گئی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اچانک کیا ہو گیا۔ میں تو فہد کی ممی یہاں ایڈمٹ ہیں' انہیں دیکھنے یہاں آیا تھا۔ جب لوگ علینہ کو اندر لے جا رہے تھے تو میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ علینہ ہو گی۔ میں نے رباب کو کال کیا اس نے علینہ کے گھر والوں کو انفارم کیا۔ پھر وہ لوگ بھی پہنچ گئے۔"

اس نے تفصیل سے ہمیں بتایا۔ میرے پاس کرنے کو کوئی سوال نہیں تھا۔ جس صدمے کی حالت میں وہ نکلی تھی تو یہی سب کچھ ہونا تھا۔ ذہنی تکالیف اور ڈپریشن کے ساتھ ڈرائیونگ کریں تو اس کے یہی اثرات سامنے آتے ہیں۔

اس وقت میں خود کو اس کا مجرم سمجھ رہا تھا۔ میرے اندر کی پشیمانی بہت بڑھ گئی تھی۔ میری محبت میں وہ اس حال میں پہنچی تھی۔ میں خود کو معاف نہیں کر پا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد منال مجھے وہاں سے لے آئی۔ علینہ کہاں ایڈمٹ رہی' کون اس کا علاج کرتا رہا۔ مجھے کچھ پتا نہیں تھا اور نہ میں پوچھ سکتا تھا۔ حسن نے ایک دو دفعہ ذکر کیا۔ پھر وہ بھی خاموش ہو گیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ درحقیقت اس کی وجہ کیا تھی۔ وہ صرف اس لیے مجھ سے چھپاتا تھا کہ شاید میں سن کر اور پریشان ہو جاؤں گا۔

سمسٹر بریک ختم ہوا تو حسن واپس چلا گیا۔ میں نے سمسٹر فریز کروا دیا۔ اس ذہنی حالت کے ساتھ میں نیا سمسٹر اسٹارٹ نہیں کر سکتا تھا۔

اس واقعے کے چار ماہ بعد مجھے معلوم ہوا کہ علینہ اپنے پیرنٹس کے ساتھ مری چلی گئی ہے۔ اس کے بھائی اور بھابھی یہیں کراچی میں ہی تھے۔

اپنے کیے کا احساس مجھے روز ہوتا تھا۔ یہ صرف پشیمانی کا احساس نہیں محبت کا احساس بھی تھا۔ وہ محبت جو مجھے علینہ حیدر سے ہو گئی تھی اور جو دن بدن زور پکڑتی جا رہی تھی۔ تند خو موجوں کی طرح دل کے دروازے توڑ کے اندر آکر بس گئی تھی اور سمندر کی شوریدہ لہروں کی طرح ہر وقت اپنے موجود ہونے کا احساس دلاتی رہتی تھی۔ میں زندگی سے بیزار ہو گیا تھا۔ منال میری نظروں کو' دل اور دماغ کو چبھتی تھی۔ میں اس سے کوسوں دور بھاگتا تھا۔ اس سے مجھے شدید نفرت ہو گئی تھی۔ دکھاوے کی دوستی میں نے اس سے ختم کر دی تھی۔ ہر طرح سے خود کو مجرم ماننے کے باوجود وہ مجھے قصوروار لگتی تھی۔ لیکن دل مردہ ہو گیا تھا اور میں منال کو قصوروار ہونے کے باوجود کوئی سزا نہیں دینا چاہتا تھا۔

میں صرف علینہ کے سامنے جھک کے' اپنی محبت کا اعتراف کر کے سرخرو ہونا چاہتا تھا۔ نہ صرف اس کی نظروں میں۔ بلکہ خود اپنی نظروں میں بھی۔ لیکن میری سزا ابھی بہت لمبی تھی۔ میری سوچ سے بھی زیادہ لمبی۔

☆ ☆ ☆

"میں آپ کو سرپرائز دینا چاہتی ہوں۔" اس نے کہا تھا اور پھر واقعی اس نے مجھے سرپرائز دیا۔ صرف

سرپرائز نہیں شاک بھی۔ اپنی الماری کالاک کھول کر میں نے اندر سے ایک ہاتھ کے سائز جتنا فیروزی رنگ کا پیکٹ نکالا۔ جس کے اوپر فیروزی اور گلابی ربن سے چھوٹا سا پھول دائیں کونے میں بنا تھا۔ خوب صورت سی پیکنگ کھولی تو سب سے پہلے ایک چھوٹا سا ہینڈ میڈ کارڈ باہر نکلا۔

You make me happy when
skies are grey

(تم نے سرمئی آسمانوں میں مجھے خوشی دی) کے خوب صورت الفاظ اس پر کندہ تھے۔

اس کے بعد ایک سفید ٹشو پیپر جس پر میرا موبائل نمبر لکھا تھا۔ جب میں پہلی بار علینہ سے ملا تھا۔ ایک تصویر اے لیولز کی جس میں کلاس کے ٹاپرز کھڑے تھے۔ علینہ میرے دائیں طرف تھی اور ایک ارمانی کا خوب صورت سا پرفیوم۔ اسے پتا تھا کہ میں یہ ہی استعمال کرتا ہوں۔ سب چیزوں کو باہر نکال کر میں نے ہاتھ میں باری باری لے کر سب کو محسوس کیا۔ ان سب میں سے مجھے علینہ کی خوشبو آرہی تھی۔ وہی مخصوص خوشبو۔ جو مجھے اس وقت بھی آتی تھی۔ جب وہ میرے پاس ہوتی تھی اور اس وقت بھی۔ جب وہ مجھ سے فون پہ بات کر رہی ہوتی تھی۔ میرے ذہن کی سلیٹ پر دو دن پہلے کا واقعہ ابھرا جب میں نے علینہ کے بھائی کے گھر فون کیا تھا۔ میں اس کی بھابھی سے بات کرنا چاہتا تھا۔ اچھا رہا کہ فون اسی نے اٹھایا۔ ورنہ میں کسی اور سے بات کرنے والی حالت میں نہیں تھا۔

"میں کسی بھی طرح ایک بار علینہ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن کیوں؟ اب جبکہ ہر بات کھل کے سامنے آگئی ہے۔ سیاہ اور سفید الگ الگ ہو چکے ہیں تو اب دوبارہ سیاہی اور سفیدی کو آپس میں کیوں ملانا چاہتے ہو؟" اس کا لہجہ غصیلا تھا۔ میری ہمت پست کمزور ہوئی۔

"سفیدی اور سیاہی آپس میں کبھی نہیں مل سکتے۔ یہ صرف نظروں کا دھوکا ہوتا ہے۔ آج بھی سارا منظر صاف ہے کہیں کوئی تاریکی نہیں ہے۔" میرا لہجہ [illegible] تھا۔

"اس کی راہوں میں تاریک سرنگیں بچھا کر [illegible] ہو کہ راہ میں کوئی تاریکی نہیں ہے۔" بے ساختہ [illegible] ہونٹ میں نے دانتوں تلے دبا لیا۔

"آپ مجھے ایک موقع تو دیں۔"

"موقع۔" وہ استہزائیہ ہنسی۔ "کسی کی جان گئی۔ آپ کی ادا ٹھہری۔ آپ موقعوں کے انتظار میں ہیں۔ آپ کے خیال میں موقعوں کی سیل لگی ہوئی ہے؟ ایک کام نہ آئے تو دوسرا خرید لیا۔ وہ خراب ہو گیا یا پرانا ہو گیا تو جا کے تیسرا خرید لیا' ساتھ میں ایک فری بھی مل جائے تو کیا ہی بات ہے۔ یہ زندگی ہے اور اس کی اپنی ترجیحات اور روایات ہیں۔ کسی کے کہنے پہ کچھ نہیں بدلتا۔ یہاں ہر چیز وقت کے ساتھ آتی اور جاتی ہے۔ ایک بار وقت گزر جائے تو مڑ کر واپس کبھی نہیں آتا۔ کسی بھی قیمت پر نہیں۔ چمکتا ہوا جگنو رات کے اندھیرے میں ایک ہی بار مٹھی میں آتا ہے۔ ایک موقع گزر جائے تو دوبارہ نہیں آتا۔ اس لیے اس کی آس میں مت رہو۔ اور ویسے بھی" وہ کہتے ہوئے کچھ رکی۔

"کیا؟" آواز نے جیسے میرا ساتھ چھوڑا تھا۔

"ہم اگلے ہفتے کوئی بھی دن فائنل کر کے اس کی شادی کر رہے ہیں۔"

میرے سر پر جیسے بم پھٹا تھا۔ مجھے اس کی تو بالکل بھی امید نہیں تھی۔ علینہ مجھ سے ناراض ہو گی۔ بات کرنا چھوڑ دے گی۔ مجھ سے دور جانے کی کوشش کرے گی۔ لیکن وہ میرے علاوہ کسی اور کا ہو جانے کا سوچے گی ــــــ ایسا تو گمان بھی نہیں گزرا تھا کبھی لیکن ہر کام ویسے ہی ہو جائے۔ جیسا ہم چاہتے ہیں۔ جیسا ہم سوچتے ہیں تو دنیا میں حادثات ختم ہو جائیں۔ کوئی بھی، کبھی بھی غم زدہ نہ رہے۔

"اتنی جلدی؟ آپ لوگ یہ کیوں کر رہے ہیں؟ میں جانتا ہوں اس میں علینہ کی بالکل مرضی نہیں ہو گی وہ ایسا کیسے کر سکتی ہے۔" دکھ سے میرا برا حال تھا۔ مجھے تکلیف ہو رہی تھی۔ اندر کانٹے چبھ رہے تھے۔

"کیوں نہیں کر سکتی وہ ایسا؟ آپ دونوں کے درمیان تو شروع سے ہی فاؤل گیم چل رہا تھا۔ خصوصاً آپ کی طرف سے تو یہ گیم ہی تھا اور وہ بھی فاؤل۔ پھر آپ کیوں پریشان ہو رہے ہیں؟ اور سب سے بڑی بات یہ کہ علینہ نے پڑھائی چھوڑ رکھی ہے فی الحال اور یہ شادی اس کی پسند اور مرضی سے ہو رہی ہے۔ یہ سب قسمت کے کھیل ہیں۔ لیکن میں آپ سے یہ نہیں کہوں گی کہ قسمت آزمالیں۔ کیونکہ قسمتوں کو نہیں آزمانا چاہیے۔ قسمتیں آزمانے کے لیے نہیں ہوتیں۔ جھیلنے کے لیے ہوتی ہیں۔ انسان پرکھنے اور آزمائش کے لیے ہوتے ہیں اور مجھے افسوس ہے کہ آپ اپنی آزمائش میں بری طرح سے ناکام ہوئے ہیں۔ میں فون رکھتی ہوں۔"

فون بند ہو گیا تھا۔ کچھ دیر ٹوں ٹوں کی مخصوص آواز مجھے سنائی دیتی رہی اور پھر میں اپنے حواس کھو گیا۔

☆ ☆ ☆

"بعض مذاہب میں لوگوں نے اپنے اپنے مخصوص خدا بنائے ہوتے ہیں۔ ان کا ہر کام اپنے خداؤں کو خوش کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ ان کا ہر عمل اپنے خدا کو راضی کرنے کے لیے ہوتا ہے اور اگر ان کا خدا ان سے خوش اور راضی رہے تو ان کی قسمت اچھی ہوتی ہے۔ زندگی میں وہ کامیاب و کامران ہوتے ہیں اور عام تاثر یہی ہوتا ہے کہ ان کے خدا بہت اچھے اور محبت کرنے والے ہیں۔"

حسن میرے پاس بیٹھا تھا۔ آج اس نے مجھے بتایا کہ علینہ نے خود سے بڑی عمر کے شخص سے شادی کر لی ہے سو اسے بہت عزت اور پیار سے بیاہ کے لے گیا ہے۔ اس کے پاؤں میں ایکسیڈنٹ کے وجہ سے کچھ نقص ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے اسے چلنے میں ہلکی سی دشواری محسوس ہونے لگی تھی۔ ایسے میں یہ رشتہ ان کے لیے غنیمت تھا۔ اس کے والدین سمجھ دار اور پڑھے لکھے افراد تھے سو رضامندی جان کے فوراً بیٹی بیاہ دی۔ انہیں سکون بھی تھا کہ ان کی بیٹی شادی کے بعد پڑھائی جاری رکھ سکے گی۔ ان کا داماد فوجی ڈاکٹر تھا۔ سو اس رشتے میں کوئی قباحت نہیں تھی۔

"لیکن میں نے اپنے رب کو خوش کرنے کے لیے ایسا کوئی اچھا کام نہیں کیا۔ جس کے نتیجے میں وہ بھی میری قسمت کو میری مرضی کا بناتا۔"

"قسمت ہمارے تابع نہیں۔ ہم اس کے تابع ہوتے ہیں۔" حسن نے کہا۔

"اپنی غلطی تم نے جان لی ہے۔ تو فکر مت کرو۔ تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے اور پرسکون بھی۔" وہ خاموش ہوا۔

"ہاں! لیکن مجھے علینہ کبھی نہیں مل سکتی۔ میں اسے اب کبھی نہیں پا سکتا۔ میں نے اسے ہمیشہ کے لیے کھو دیا ہے۔ کبھی نہ پانے کے لیے اور سب سے بڑے دکھ کی بات یہ ہے کہ میں یہ سب اسے بتا بھی نہیں سکتا۔ شاید بتا سکتا تو دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا۔"

میری دونوں آنکھوں سے آنسو نکلے اور میری شرٹ کے دامن میں جذب ہو گئے۔

☆

غزالہ فرخ

چھوٹی سی آرزو

شیمپو سر پر خوب جھاگ بنا چکا تھا اور میں اپنے جسم پر اور چہرے پر خوب صابن مل چکا تھا کہ یکایک نلکے میں سے پانی آنا بند ہو گیا۔ صابن آنکھوں میں گھس رہا تھا۔ بازوؤں سے آنکھیں مسلیں مگر وہ بھی صابن زدہ۔ مندی آنکھوں سے نیچے دھری بالٹی کے پانی کا معائنہ کیا۔ چند ڈونگے پانی تھا جو صرف چہرہ صاف کر پاتا۔ اب صابن اور شیمپو سے لتھڑے جسم کے ساتھ کیا کرتا۔ کچھ دیر انتظار کیا۔ کمرے میں ایک ننھا سا واٹر کولر تھا وہ بھلا اس پوزیشن میں کیا کام آتا۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق سیڑھیاں اترا اور بیرونی دروازے کے ساتھ ہی بنے دروازے کی کنڈی کھٹکھٹائی، جو نیچے مالک مکان کے صحن میں کھلتا تھا۔ دو دفعہ کھٹکھٹانے کے بعد بھی کوئی آواز نہ آئی مگر تیسری کوشش پر دھیمی سی شیریں سی آواز کانوں سے ٹکرائی۔ اگر میں اس حالت میں نہ ہوتا تو شاید اس آواز کی شیرینی اور ردھم پر غور کرتا۔

"میں آپ کا کرایہ دار ہوں سر... اصل میں نہا رہا تھا کہ پانی چلا گیا۔ موٹر چلا دیں پلیز۔"

"مگر لائٹ تو نہیں ہے۔" شہد گھلی آواز میں تشویش بھی شامل ہو گئی۔ تب ہی ایک عمر رسیدہ خاتون کی آواز آئی۔

"گڑیا! اندر غسل خانے میں جو بالٹی پڑی ہے وہ ہی پکڑا دو۔ جانے لائٹ کب آئے۔ کتنی دیر یونہی رہے گا غریب۔" مشفق سی آواز تھی۔ میں غریب بلکہ اس وقت تو عجیب و غریب خوش ہو گیا۔

"لاؤ میں پکڑا دوں۔"

"چھوڑیں امی! آپ نہیں اٹھا پائیں گی۔"

تب جھٹکے سے دروازہ کھلا، ایک خوب صورت سپید بازو باہر آیا اور بالٹی ڈیوڑھی میں رکھ دی گئی۔

"مہربانی جی۔" میں نے بالٹی تھامی اور تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گیا۔

اصل میں اس گھر میں وارد ہوئے میرا تیسرا روز ہی تھا۔ تعلیم ختم کرنے کے بعد اچھی نوکری کے لیے مجھے زیادہ انتظار تو نہیں کرنا پڑا مگر مسئلہ یہ تھا کہ پوسٹنگ دوسرے شہر میں کر دی گئی تھی۔ ابو تو حیات نہیں تھے ماموں میرے ساتھ لاہور آئے۔ فلیٹس کے کرائے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ کچھ لڑکوں کے ساتھ مل کر رہائش رکھتا تو خرچہ کم ہوتا مگر اس کے لیے میں بالکل تیار نہ تھا۔ مختلف مزاج اور قماش کے ساتھیوں کے ساتھ رہنا... میرے بس سے باہر تھا۔

سب سے بہتر حل مجھے یہی لگا کہ ماموں کی بیگم یعنی ممانی نفیسہ کی منہ بولی بہن کے گھر میں اوپر والا پورشن کرایہ پر لے لیا جائے۔ پورشن تو نام کا ہی تھا۔ ایک خاصا بڑا کمرا تھا اور ایک قدرے چھوٹا۔ چھوٹے کمرے کے ساتھ ایک ملحقہ باتھ روم تھا۔ ممانی نفیسہ کی منہ بولی بہن کے بارے میں یہ ہدایت کی گئی کہ انہیں خالہ جان کہا جائے۔

میری امی اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھیں۔ خالہ تو میری سرے سے تھی ہی نہیں، لہٰذا اپنی مالک مکان کو خالہ جان کہہ کر ہی مخاطب کرتا۔ پہلے روز ممانی نفیسہ کے دیے ہوئے تحائف اور ماموں کا ساتھ لیے میں ان کے گھر پہنچا تھا۔ درمیانی عمر کی ندرسی عورت تھیں لباس اور گفتگو سے رکھ رکھاؤ اور اچھے سبھاؤ کی لگیں۔ چند سوالات انہوں نے بھی کیے جن کے جوابات ماموں دیتے رہے اور تقریباً" آدھا گھنٹہ ان کے صحن میں بچھے تخت پوش پر بیٹھ کر چند رسمی باتیں کرنے کے بعد مجھے اوپر والے پورشن کے لیے کرایہ دار کی حیثیت سے منتخب کر لیا گیا۔ چابی میرے حوالے کر دی گئی اور ماموں مجھے سامان سمیت اوپر شفٹ کر گئے۔

☼ ☼ ☼

نوکری کا پہلا دن اور اس گھر کا کرائے دار بننے کا پہلا دن نارمل سے گزرے۔ کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ کمپنی کی اس شہر کی برانچ میرے شہر کی برانچ سے نسبتاً" بڑی اور ترقی یافتہ تھی۔ اپنے نئے ساتھیوں سے تعارف ہوا۔ اپنی ذمے داری سمجھی اور اپنے گھر آگیا۔ گھر تو اندرون شہر میں تھا مگر تنگ گلیوں والا علاقہ

نہ تھا۔ چھوٹے چھوٹے گھر سر سے سر جوڑے کھڑے تھے۔

دروازے کے سامنے چھوٹی سی ڈیوڑھی تھی۔ بائیں ہاتھ پر ایک دروازہ تھا جو نیچے والے پورشن میں کھلتا تھا۔ البتہ بیرونی دروازے کے سامنے چھوٹی سی ڈیوڑھی کے بعد اوپر جانے والی سیڑھیاں سیدھی میرے عشرت کدے کو جاتی تھیں۔

میں اوپر چلا آیا۔ یکایک بھوک ستائی۔ آفس میں چائے بسکٹ سے تو صبح کی تھی کولیگز نے مگر اب۔۔۔ یکدم امی کی یاد آئی اور ساتھ ہی یونیورسٹی سے آنے کے بعد اپنے لیے تیار کی گئی وہ چائے کی میز۔۔۔ کھانے میں دیر ہوتی تو امی تب تک میرے لیے ضرور کچھ بناتیں۔ پھل وغیرہ کا شوقین نہ تھا اس لیے کبھی برگر کبھی کباب میرے لیے بنے ہوتے۔ نیچے والے حصے سے کھانا پکنے کی اشتہا انگیز خوشبو مزید بے چین کر گئی مگر باہر جا کر کچھ کھانے کی ہمت نہ ہوئی تو سر منہ لپیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

تیسرا دن ہی تھا جب نہاتے ہوئے پانی کا مسئلہ ہوا اور ان مرمریں ہاتھوں نے وہ مسئلہ حل کیا اور یہاں وہ چوتھا روز تھا۔۔۔ جب میں صبح اپنا آفس بیگ چیک کرنے اس ٹیبل کے پاس پڑی کرسی پر بیٹھا پھر جانے کیسے یکدم آسمان کا سارا رنگ اس دھرتی پر اتر آیا۔ سارا ماحول۔۔۔ ساری فضا اس رنگ میں ڈھل گئی۔ میں نے آنکھوں کو مسلا۔۔۔ نہیں بالکل نہیں' وہ کوئی سپنا نہ تھا۔

آسمانی رنگ کے لباس میں وہ دلکش حسینہ میری نظروں کے سامنے تھی۔ اوپر کے پورشن میں نیچے جھانکنے کے لیے کوئی جھروکا کوئی کھڑکی نہ تھی مگر میرے کرسی میز کے سامنے دیوار پر کچھ حصے پر ہارڈ بورڈ جڑ دیا گیا تھا۔ وہیں ایک درز سی رہ گئی تھی اور آسمان سے اتری ہوئی وہ حور میرے سامنے تھی۔ درز تو چھوٹی سی تھی مگر سامنے کا سین اتنا نمایاں تھا کہ جیسے اس کے عین سامنے وہ تخت پوش فٹ کر دیا گیا تھا۔

سفید جھالر اور گلابی پھولوں والا وہ تخت پوش اس وقت اس شہزادی کا تخت لگ رہا تھا۔ جہاں وہ بڑی شان سے براجمان تھی۔ گاؤ تکیے کے ساتھ ٹیک لگا کر جانے کچھ سوچ رہی تھی یا پھر سپنوں میں گم تھی۔ یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے۔ جاگتے ہوئے سپنے دیکھنے میں بڑا مزا آتا ہے۔ کھلی آنکھوں میں کوئی بھی منظر سجا لو اور کسی بھی کردار میں خود کو فٹ کر لو۔ مگر شاید وہ نہ جانتی تھی کہ ان جاگتی آنکھوں اور مسکراتے لبوں کا وار راست اس ناچیز کے دل پر چل چکا ہے۔

دوسرے دن آفس سے واپس آیا تو اپنے لیے بروسٹ کی پلیٹ لے آیا۔ ساتھ ایک منرل واٹر کی بوتل۔ عجیب سا لگ رہا تھا یہ سب کچھ۔ ابو اس دنیا میں نہیں تھے مگر میرے ناز اٹھانے کو دو پیاری بہنیں اور پیاری سی امی تھیں مگر یہاں تو مکمل طور پر سوتیلوں جیسا سلوک کیا جا رہا تھا۔ خالہ جان کو اتنے پیار سے پکارا تھا مگر پہلے روز کے بعد انہوں نے لفٹ نہیں کرائی۔

اگلے روز سارا ماحول گلابی رنگ میں نہا گیا تھا۔ روز کے سامنے نظر آنے والے پودے بھی گلابی تھے اور وہاں رکھا پیڈسٹل فین بھی۔ تخت پہ بچھا کپڑا بھی اور اس پر پڑی پلیٹ میں رکھے جامن بھی۔

وہ پری وش آج گلابی لباس میں تھی۔

عشق کے مارے وجود میں بھوک کا احساس جاگا اور معلوم نہیں میں اس نظارے سے متاثر تھا کہ بھوک جوبن پر تھی۔ جانے کون سے جذبے کے تحت میں آپوں آپ سیڑھیاں اتر کر نیچے جا رہا تھا۔ اور ہاں وہ میں ہی تھا سرد جمال۔۔۔ جو کنڈی کھٹکھٹا کر ملتجی انداز میں کہہ رہا تھا۔

"خالہ جان۔۔۔ چائے کا ایک کپ ملے گا۔ سر میں بہت درد ہے۔"

☼ ☼ ☼

ٹیبل پر صاف ستھری ٹرے میں ایک پلیٹ میں رومال میں لپٹے پھلکے رکھے تھے اور ساتھ رکھی رکابی میں مرغی کا سالن جالی کے چھوٹے سے کپڑے سے ڈھانک دیا گیا تھا۔ ساتھ میں ننھی سی پیالی میں اچار

ٹھنڈے پانی سے بھرا چھوٹا سا واٹر کولر اور۔۔۔ اور۔۔۔ اور بھلا مجھے کیا چاہیے تھا۔ گھر کا پکا مزے دار کھانا' صبح کی وہ فریاد کام دکھا گئی تھی۔ ٹیبل پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ یقین کریں کھانے کے دوران یاد ہی نہیں رہا کہ اس میز کے سامنے کی درز کوئی بھی خوب صورت نظارہ دکھا سکتی ہے مگر کھاتے ہی ذرا بڑھ کر آنکھیں ادھر جما دیں۔ سامنے تخت پوش خالی نہ تھا۔ خالہ جان کروشیے سے کچھ بن رہی تھیں۔ میں ہٹ گیا۔

☼ ☼ ☼

"بیٹا! میں اصل میں بہت شرمندہ ہوں۔ بھلا نفیسہ کیا سوچے گی کہ اس کے بچے کے ساتھ کیسے روکھے نروٹھے ہو گئے ہم۔" خالہ جان شرمندہ سی تھیں۔ میں ڈیوڑھی میں کھڑا تھا' آج صبح ناشتے کے برتن واپس کرنے تھے۔

"ارے نہیں خالہ جان!" میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہوں۔

"جوان بچی کا ساتھ ہے' ویسے بھی مانو پردہ کرتی ہے۔"

(واہ موصوفہ کا نام مانو ہے۔)

"مجھے یوں تمہاری طرف متوجہ ہونا اچھا نہ لگا۔ جوان لڑکی ہے۔ بیوہ عورت ہوں۔ عزت سے اس گھر میں سر چھپا کر بیٹھی ہوں۔ یوں کسی انجان اجنبی لڑکے کو کیسے۔"

"آپ درست کہہ رہی ہیں خالہ جان! لیکن آپ میرے لیے بہت تکلف کرتی ہیں۔ میں باہر سے کھانا کھا لیا کروں گا۔ اگر کبھی کسی شے کی ضرورت ہوئی تو آپ ہی سے کہوں گا۔"

"نہیں بیٹا! اللہ کا کرم ہے۔ ہمیں کسی شے کی کوئی کمی نہیں۔ تمہارے خالو جان کا چھوڑا بہت کچھ ہے۔ جہاں ہم دونوں روکھی سوکھی کھا کر سو رہتے ہیں' تم بھی کھا لیا کرو۔ اپنی پسندیدہ ڈشیں بتا دو۔ تمہاری مرضی کا کھانا بنا لیا کریں گے۔"

یہاں تو یکدم من و سلویٰ اترنے لگا تھا۔ خالہ جان نے یہ ساری گفتگو دروازے کے درمیان کھڑے ہو کر کی۔ وہ پری وش حسینہ یعنی وہ مانو بالکل بھی سامنے نہیں آئی بلکہ آواز تک نہ آئی تھی۔ البتہ واپسی پر میرے ہاتھ میں گرما گرم دھواں اڑاتی کافی کا مگ تھا۔

روز کی فضا نت نئے رنگ بدلتی رہتی تھی۔ چاند چہرہ اور ستارہ آنکھوں والی وہ مانو سامنے تخت پوش پر براجمان سامنے ٹوکری دھرے کبھی گوبھی تو کبھی پالک کاٹ رہی ہوتی مگر آنکھیں جیسے کسی ان دیکھے خیالوں میں محو ہوتیں۔ جانے وہ مستقبل کے خاکے بناتی تھی کہ۔۔۔

☼ ☼ ☼

ماموں اور ممانی نفیسہ صبح ہی آئے تھے۔ میں آفس سے آیا تو عادت کے مطابق کنڈی کھٹکھٹائی۔ جواب میں کھانے کی ٹرے کے بجائے ممانی باہر آ گئیں۔ مجھے گلے سے لگایا۔ خالہ جان ساتھ ہی تھیں۔

"اندر آ جاؤ بیٹا۔" نفیسہ ممانی بولیں مگر میں نے خالہ جان کے چہرے پر ذرا تذبذب کی کیفیت دیکھی۔

"ارے نہیں ممانی! مجھے باتھ روم جانا ہے۔ میں اوپر ہی جاؤں گا۔ آپ بھی اوپر آ جائیں نا۔" ممانی نفیسہ مسکرائیں۔

"تمہارے ماموں کام سے گئے ہیں۔ ابھی آتے ہیں تو پھر آؤں گی۔"

کھانا مجھے اوپر ہی بھیجا گیا۔ ٹیبل پر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا مگر توجہ نیچے ہی تھی۔ سامنے ہی درز تھی اور میرا دل ادھر ہی اٹکا رہا تھا۔ روزانہ اس وقت نیچے والے حصے میں خاموشی کا راج ہوتا مگر آج ممانی کے آنے سے ذرا رونق لگی ہوئی تھی۔ ماموں آ گئے تھے۔ کھانے کی ٹیبل تخت پوش کے سامنے دھری تھی اور جان جاناں ارے نہیں۔۔۔ وہ مانو بی بھی وہیں تھی۔

ماموں اور ممانی کو کھانا پیش کیا جا رہا تھا۔ اس تمام منظر میں میں کہیں نہ تھا۔ میں کافی دنوں سے یہاں تھا

مگر ابھی تک میرے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھا جا رہا تھا۔ اگرچہ بہترین کھانا ملنے لگا تھا مگر یوں تنہا سا ہو گیا تھا شاید امی اور بہنیں یاد آ گئیں۔ میں پریشان سا بیڈ پر لیٹ گیا۔ لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔ اس رات خواب میں بھی میں امی کے محبت بھرے حصار میں رہا۔

ماموں اگلے روز ہی صبح واپس چلے گئے۔ ممانی البتہ چند دنوں کے لیے رک گئی تھیں۔

"اصل میں بیٹا! بڑے شریف اور خاندانی لوگ ہیں۔ جوانی بھی بیوگی میں گزری اور اب بچی بھی جوان ہو گئی ہے۔ ڈرتی ہیں کوئی ان کے یا بچی کے کردار پر انگلی نہ اٹھا دے۔ بچی بھی مکمل پردہ کرتی ہے۔ کسی کو چہرہ تک دیکھنے نہیں دیا انہوں نے۔"

ممانی کی بات پر میری نظر غیر ارادی طور پر اس درز پر گئی اور میں خود ہی نظر چرا کر رہ گیا۔

☼ ☼ ☼
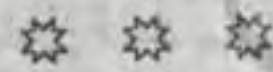
کتنے ہی مہینے یونہی گزر گئے۔ میری کرسی کے سامنے وہ درز وہاں رکنے کے لیے اور وقت گزرنے کا باعث بنی۔ میں نے اپنے پہلے ماہ کے کرایہ کے ساتھ کھانے اور چائے وغیرہ کے لیے ایک رقم بھیجی جو خالہ جان نے بہت برا مانتے ہوئے واپس کر دی۔ میری اس خشک اور بنجر بیابان سی زندگی میں اگر رنگینی تھی تو وہی درز تھی۔ جس کے دوسری طرف میری زندگی تھی اور اس زندگی کا حاصل بھی۔

امی کا فون آیا۔ شہنا کے لیے بڑا اچھا رشتہ آیا تھا۔ امی نے مجھے فوری بلوایا تھا۔ آفس سے چھٹی لے کر اسی ڈیوڑھی میں کھڑے ہو کر میں نے خالہ جان کو چابی تھمائی اور جانے کا بتایا۔ وہ باہر چلی آئیں۔ مجھے ساتھ لگا کر پیار کیا۔

"بیٹا! اپنی امی کو میرا بہت سلام کہنا اور بہنوں کو پیار دینا۔ میرا تمہاری امی سے ملنے کو بہت جی چاہتا ہے کہ انہوں نے اس دور میں بھی تمہاری ایسی پرورش کی۔ جب تمہیں کرائے دار رکھا تو میرا دل ڈر گیا تھا جوان لڑکی کا ساتھ اور اتنا خراب زمانہ۔"

"اجازت دیجیے خالہ جان!" خالہ جان جب ملتیں ان کی گفتگو ہمیشہ اسی پیرائے پر چل پڑتی تھی۔

"ٹھہرو بیٹا! مانو جلدی آؤ ذرا۔"

تھوڑی دیر بعد وہی مرمریں بازو باہر آیا۔ ہاتھ میں ٹفن باکس پکڑا تھا۔ خالہ جان ایک پل کو مڑیں۔

"فی امان اللہ۔" شہد کی شیرینی میں گھلی وہ آواز اور ٹفن باکس میرے ٹرین کے سفر میں زاد راہ بن گئے۔

شہنا اپنے گھر کی ہوئی تو دل کو سکون ہوا۔ اب امی تھیں اور رینا، میری نوکری اچھی تھی، بابا کی پنشن بھی آتی۔ امی ماموں کے گھر میں تھیں۔ امی اور ممانی نفیسہ کے درمیان کبھی کوئی مسئلہ نہ ہوا تھا۔ مجھے بھی تسلی تھی کہ امی اکیلی نہ تھیں۔ خالہ جان کو اپنی مانو کو دنیا کی نظروں سے بچاتے اور اپنے کردار پر لوگوں کی انگلی اٹھنے سے بچانے کے لیے پریشان دیکھا تو سکون پایا کہ امی اور بہنیں ماموں کے گھر میں تھیں۔ شہنا رخصت ہو چکی تھی۔ اب صرف رینا تھی مگر اس سے پہلے ہی میں نے ماموں اور امی کو خالہ جان کے پاس مانو کا خواستگار بنا کر بھیج دیا۔

☼ ☼ ☼
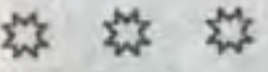
خالہ جان خوش ہوئیں مگر انہیں یکدم تشویش لاحق ہو گئی۔

"اصل میں سرمد بیٹا چند مہینوں سے یہاں رہ رہا ہے۔ اس رشتے کے بارے میں سن کر کوئی ہمارے کردار پر... یقین جانیے بہن! اس تمام عرصے میں میری مانو ایک لمحے کے لیے سرمد بیٹا کے سامنے نہیں آئی۔ اصل میں وہ مکمل پردہ کرتی ہے اور......"

امی نے خالہ جان کو کندھوں سے تھاما اور اپنے گلے لگا لیا۔

"میرا سرمد آپ کی خاندانی نجابت اور خدمت سے متاثر ہوا ہے۔ مانو واقعی چاند کا ٹکڑا ہے مگر سرمد کے لیے اسے دیکھنا یا ملنا بالکل حیثیت نہ رکھتا تھا۔ اصل میں میری تربیت......"

امی اور خالہ جان دونوں اپنی تربیت اور پرورش کے

گن گا رہی تھیں اور میں مسلسل اس ننھی سی درز کے بارے میں سوچ رہا تھا جس نے میری زندگی کا عنوان بدل دیا تھا۔ حسین اور نازک مانو کا دیدار یونہی تو ممکن ہوا تھا۔

پھر ہوا یوں کہ وقت کا پہیہ گھوما اور گھومتا رہا۔ ریتا بھی اپنے گھر کی ہوئی تو امی اور ممانی نے بڑی ہی سادگی سے مانو کو میری دلہن بنا کر اپنے گھر رخصت کروا لیا۔ مانو پر دلہناپے کا ایسا روپ آیا کہ اس کے حسن کی چمک سے نظریں خیرہ ہو گئیں۔

"میں نے اپنی بچی پر میلی نظر نہیں پڑنے دی اس زمانے کی۔"

خالہ جان بہت خوش تھیں۔ ان کی جوان بچی اب اپنے پیا کے سنگ سدھار چکی تھی۔ میری نوکری ہنوز لاہور میں ہی تھی اور پروموشن بھی ہو چکی تھی۔

پھر ایک عجیب سا فیصلہ کیا گیا۔ ہم دونوں واپس اس گھر میں خالہ جان کے پاس ہی آگئے اور... امی بھی ہمارے ساتھ تھیں۔

سوچا تو یہ تھا کہ ہم تینوں اوپر والے پورشن میں رہیں گے۔ میں بدستور خالہ جان کا کرایہ دار رہوں گا مگر ہوا یوں کہ واپس آتے ہی مانو کی طبیعت خراب ہو گئی۔ کھانا ہضم نہ ہوتا اور چہرے پر پیلاہٹ کا راج ہو گیا۔ خالہ جان اور امی کا اندازہ صحیح ثابت ہوا اس کی طبیعت ایک نئے وجود کے آنے کا اعلان کر رہی تھی۔

مانو کا سیڑھیاں چڑھنا اترنا بند کر دیا گیا۔

کبھی تو مجھے قدرت کی اس کرم نوازی پر یقین نہ آتا کہ اس نے میرے لیے اتنی حسین اور دل میں جانے والی شریک حیات رکھی تھی۔

امی اور خالہ جان اسی تخت پوش پر بیٹھ کر اپنے وقتوں کی باتیں یاد کرنے لگتیں۔

"میں نے پہلے روز ہی جب آپ کو دیکھا تو آپ کی شبیہ جیسے میرے دل میں کھب گئی۔"

ہم اپنے کمرے میں تھے۔ آنے والے مہمان کی خوشی اور چمک مانو کے حسن کو مزید خیرہ کر رہی تھی۔

"تم نے مجھے کب دیکھا۔" میں چونکا۔

"پہلے ہی روز۔ جب آپ ہمارے گھر میں اپنے ماموں کے ساتھ اوپر کا پورشن لینے آئے تھے۔"

"تم کہاں تھیں بھئی؟"

"کچن کے اس دروازے کے پیچھے تھی۔ ٹکٹکی باندھے آپ کو تک رہی تھی۔ مزے کی بات بتاؤں امی نے میری چوری پکڑ لی اور مجھ سے یکدم سوال کر ڈالا۔ اچھا لگا یہ لڑکا؟ میں شرما گئی تو کہنے لگیں۔ میں نے ساری زندگی بڑی شرافت اور اس دنیا سے ڈر کر گزار دی ہے نفیسہ سے کیسے کہہ دوں خود سے؟ اور پھر دیکھیں کیسے حالات بدلے کہ آپ نے خود ہی۔"

وہ جیسے کھلی آنکھوں سے گزری زندگی کو دھیرے سے گزرتے دیکھ رہی تھی۔ اس کا انداز بالکل ویسا تھا جیسے وہ اس تخت پوش پر سوئی جاگی سی کیفیت میں نظر آتی تھی۔ تب میں جان ہی نہ پایا کہ ان آنکھوں میں آنے والی سرخوشی اور سرمستی کا باعث میں خود تھا۔

یکایک وہ جیسے خواب سے جاگی۔

"آپ نے میرا رشتہ بھیج دیا مگر کیوں... آپ نے تو مجھے دیکھا ہی نہیں تھا۔ اماں نے تو مجھے سات پردوں میں چھپا کر رکھا اور آپ کو بھی اس دروازے سے اندر آنے کی اجازت نہ تھی۔"

میری نظروں میں یکایک اس ٹیبل کے سامنے لگے ہارڈ بورڈ میں موجود وہ درز لہرائی مگر میں کچھ نہیں بولا۔ بس بازو پھیلائے اور اپنی کائنات کو اس میں سما لیا۔

☼ ☼ ☼

کتنا ہی عرصہ گزر گیا۔ کئی موسم آئے اور گزر گئے مگر میری ذات پر پت جھڑ کا وہ موسم جیسے اپنا بسیرا کر گیا۔ میری امی مجھ سے جدا ہو گئیں۔ ہم تینوں کے فرض ادا کرتے ہی ہمارے ابو کے پاس چل دیں۔ ہم ابھی بھی اس گھر میں تھے۔ میں اس قابل تھا کہ کسی اچھے علاقے میں اچھا سا گھر لے سکوں۔ کراچی والا گھر بھی بیچ دیا تھا مگر اس سے حاصل کردہ مالیت کو میں نے دونوں بہنوں میں بانٹ دیا۔

خالہ جان کی زندگی کی تمام تر یادیں اس گھر سے وابستہ تھیں۔ وہ اسے چھوڑنا نہ چاہتی تھیں۔ تب ہی ہم وہاں تھے جب برانے رشتے نے منہ موڑا تو ایک نیا رشتہ معصوم اور پاکیزہ سی زاعنہ کی شکل میں میرے حصے میں آیا۔ زاعنہ میری اور مانو کی محبت اور پیار کی نشانی... بڑی ہو گئی تھی۔

رنگت اور نقوش ماں کے لیے تھے مگر مانو تو نازک سی گڑیا تھی۔ زاعنہ کا قد کاٹھ میری طرح تھا۔ خوبصورت سیاہ بال اس کی کمر تک احاطہ کر دیتے۔ معصوم سی بچی تھی۔ اپنی بڑھتی ہوئی عمر سے بالکل لاعلم۔ دوپٹا سینے پر پھیلانا تو درکنار اپنے کپڑے بھی نہ سنبھال پاتی۔ خالہ جان اب ضعیف ہو گئی تھیں۔ ان میں طاقت نہ تھی مگر مانو ہر وقت سائے کی طرح اس کے ساتھ رہتی۔

"زاعنی ایسے نہیں ہنستے... ایسے نہیں بولتے۔ آرام سے اٹھتے ہیں۔ پہلے اپنی شرٹ کو کھینچ کرتے ہیں۔"

وہ ہنستی کھلکھلاتی ایک کان سے سنتی اور دوسرے سے اڑا دیتی۔

اور یہ ان ہی دنوں کی بات ہے جب ریتا کا فون آیا۔ اس کی نند کے بیٹے کی شادی لاہور میں تھی۔ ریتا تو اپنی نند کے گھر میں رک گئی مگر اس کے دو غیر شادی شدہ دیور جگہ کی تنگی کی وجہ سے اس گھر میں نہ رہ پائے۔ ریتا چاہتی تھی کہ شادی کی تقاریب کے ایک ہفتہ کے لیے اس کے دیوروں کو اوپر کے پورشن میں جگہ مل جائے۔ میری ریتا کا میکہ، بس میری ذات اور یہی گھر تھا۔ بھلا میں انکار کیوں کرتا۔

وہ دونوں لڑکے ہمارے اوپر کے پورشن میں رہنے آگئے۔ نوجوان لڑکے تھے شوخ طبیعت والے، بڑے اخلاق سے ملے۔

"مسعود بھائی! ہم آج مایوں کی رسم کے بعد رات لوٹ کر آجائیں گے۔ بس چند دن آپ کو تکلیف ہوگی۔"

"ارے نہیں بھئی! تکلیف نہیں تمہارا اپنا گھر ہے۔" میں نے پیار سے کہا۔ وہ چل دیے۔ مانو اوپر کا پورشن صاف کرا آئی تھی۔ میں اپنے کمرے میں بازو سر تلے رکھے یونہی لیٹا تھا کہ ایک دم سے دماغ میں ایک خیال شعلے کی طرح لپکا۔

وہ دونوں نوجوان لڑکے اوپر رہنے آرہے تھے۔ میز کے سامنے وہ ننھی سی درز ابھی بھی موجود تھی۔ اور میں ہی جانتا تھا کہ وہ چھوٹی سی درز کتنی بڑی نقب لگا سکتی ہے۔

میں اپنی الماری سے ٹول بکس لے کر باہر نکلا۔ خالہ جان اپنے بستر پر نہ تھیں۔ شاید ساتھ والے گھر گئی تھیں۔ مانو اور زاعنہ کچن میں تھیں۔ مانو لازما" اسے زبردستی کچھ پکانے کا طریقہ بتا رہی تھی۔

کانچ کی گڑیا سی مانو اور اپنے جسم کے بدلتے زاویوں سے بے خبر میری زاعنہ... مجھے جھرجھری سی آئی اور میں اوپر چل دیا۔ دروازہ کھلا تھا۔ اوپر جانے تک میں ماضی کا وہ تنہا سا سفر بھی طے کر چکا تھا۔ اس کمرے میں آنے کے بعد چوتھے دن اس درز کا میری نظروں میں آنا اور...

میں دروازہ کھول کر اندر آیا، مگر سامنے نظر آنے والا منظر مجھے بے ہوش کرنے کے لیے کافی تھا۔

"جوان بچی کا ساتھ ہے۔ بچی کو پردہ کراتی ہوں۔"

"دنیا کے انگلی اٹھانے سے ڈرتی ہوں۔"

"میری بچی سات پردوں میں رہی ہے میں اس پر کسی کی میلی آنکھ نہ پڑنے دوں گی۔"

"امی نے تو مجھ پر آپ کی نظر بھی نہ پڑنے دی بلکہ اس دروازے سے ہی اندر نہ آنے دیا۔"

"نفیسہ سے خود تیرے رشتے کا کیسے کہہ دوں؟"

یہ اور ایسے کتنے ہی سین 'مکالمے میرے دماغ میں ہتھوڑے برسانے لگے۔ میں ابھی تک خاموش سا کسی طوفان کے زیر اثر کھڑا تھا۔

میرے سامنے خالہ جان اپنی ضعیفی اور علالت کے باوجود میز پر کھڑے ہو کر لکڑی کا ننھا ٹکڑا لے کر ہتھوڑی کے ساتھ کیل لگا رہی تھیں اور...

وہ چھوٹی سی درز اب بھر چکی تھی۔

☼

آسیہ مقصود

میرے آنسوؤں کو خریدو

ناولٹ

سمیر جیسے نوجوان کو رشتوں کی بھلا کیا کمی۔ شریف النفس ہے، کماؤ ہے، دیکھنے بھالنے میں بھی ماشاء اللہ لاکھوں میں ایک ہے۔ میں اپنے بیٹے کے لیے کسی اونچے سے اونچے گھرانے میں بھی رشتہ ڈالوں تو انکار نہ ہو۔" ثریا خاتون نے گردن اکڑاتے ہوئے پر یقین انداز میں کہا۔

"جی باجی جی! بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔" نفیسہ بی بی کے بسکٹ سے بھرے منہ سے بمشکل آواز نکلی تھی اس کا دھیان ثریا خاتون کی بات سے زیادہ اپنے سامنے تپائی پر رکھی بسکٹ سے بھری پلیٹ پر تھا جو اب تک آدھی سے زیادہ خالی ہو چکی تھی۔

"نہ نہ، بہو! یہ بھلا تم نے کیسی بات کہی۔ رشتے اونچے گھرانے نہیں، شرافت دیکھ کر کیے جاتے ہیں۔ اللہ میرے پوتے کا نصیب کسی شریف خاندان سے جوڑے۔"

اصغری بیگم نے ہمیشہ کی طرح ٹھنڈے میٹھے لہجے میں بڑی پتے کی بات کی۔

"اماں بی! آپ تو بس رہنے ہی دیں۔ آپ کے یہ سو سالہ پرانے نسخے آج کے اس جدید دور میں نہیں چلنے والے۔ یہاں تو ہر شخص خوب سے خوب تر کی تلاش میں ہے۔ خاص طور پر جب وہ اس قابل بھی ہو۔" ثریا خاتون نے اس "قابل" پر خاصا زور دیا تھا۔ "پھر میرے کون سے ایسے ویسے مطالبات ہیں۔ چھوٹی چھوٹی سی چند خواہشات ہیں اپنے بیٹے کے مستقبل کے لیے۔"

بات کرتے کرتے انہوں نے تخت پر بیٹھی ساس سے قدرے رخ موڑ لیا تھا تاکہ مزید مداخلت سے محفوظ رہیں۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ نفیسہ بی بی کو چپکے سے ڈرائنگ روم میں لے جاتیں۔ مگر وہ آئی ہی ایسے وقت میں تھی جب اماں بی بڑی فرصت سے برآمدے میں بیٹھی تھیں۔ دونوں ساس، بہو کے درمیان نظریاتی اختلاف کے باوجود مروت تھی اور اس مروت کو قائم رکھنے میں اماں بی کی دھیمی اور صلح جو طبیعت کا بہت ہاتھ تھا۔ ان کی شخصیت کی مثال ایک گھنے سایہ دار درخت کی سی تھی جس نے اس گھر کو اپنی پناہ میں لے

رکھا تھا۔ وہ بہو کی منشا سمجھتے ہوئے خاموشی سے تسبیح پھیرنے لگیں۔

"ہاں جی بالکل۔" نفیسہ بی بی نے ثریا خاتون کی کسی بات کا جواب دیتے ہوئے آخری دو بسکٹ اٹھا کر اکٹھے منہ میں ڈالے اور دوسرے ہاتھ سے چائے کا کپ اٹھالیا۔

"تم نے کیا جی جی کے کلمے پڑھ رکھے ہیں۔ سیدھی طرح بتاؤ کوئی رشتہ لائی ہو یا خالی چکر لگانے پہنچ گئی ہو۔" ان کا غصہ جائز تھا۔ نفیسہ بی بی ہر چکر پر دو تین ہزار بٹور لیتی تھی لیکن اب تک جتنے بھی رشتے دکھائے تھے ثریا خاتون کو ان میں سے کوئی بھی پسند نہیں آیا تھا۔ اب تو وہ اس روز روز کے آنے جانے سے تنگ آ چکی تھیں۔

"کسی لڑکی کا رنگ کم ہوتا تو کسی کا قد چھوٹا۔ کبھی کسی فقیر فقرے کے گھر لے جاتی ہو تو کبھی کسی یتیم کو میرے سر منڈھنے کی کوشش کرتی ہو۔ تمہارے پاس کوئی ڈھنگ کا رشتہ ہے تو بتاؤ ورنہ میں کسی اور کو پکڑوں۔" وہ چڑ کر بولیں۔ اصغری بیگم نے رک کر ایک نظر بہو کی طرف دیکھا اور پھر اپنے وظیفے میں مشغول ہو گئیں۔

"باجی جی! کیسی باتیں کرتی ہیں آپ!" نفیسہ بی بی نے چائے کا ایک بڑا سا گھونٹ بھرا۔

"ابھی پچھلے دنوں تو دکھایا ہے آپ کو وہ کراچی والے سیٹھ کی بیٹی کا رشتہ۔ بہت پیسے والے لوگ ہیں اور بچی بھی اتنی پیاری کہ ہاتھ لگاؤ تو میلی ہو۔ آپ اس بارے میں کوئی جواب دیں تو میں آگے چلوں۔" وہ جتاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ہاں... بچی تو خوب صورت ہے اور گھر بار بھی ٹھیک ٹھاک ہے مگر..." انہوں نے کن اکھیوں سے ساس کی طرف دیکھا جو تاسف بھری نظروں سے انہیں ہی دیکھ رہی تھیں۔

"صاف بات ہے نفیسہ! بڑی دھونس ہے ان لوگوں کے رویے میں۔ ایسے گھروں کی لڑکیاں شوہر کو کاٹھ کا الو بنا کر رکھتی ہیں۔ بھئی میرا تو ایک ہی بیٹا ہے۔

میں اس کے ساتھ یہ ظلم نہیں کر سکتی۔" اصغری بیگم کے سر نے ہلکی سی حرکت کی مگر ہونٹ خاموش تھے۔

"ٹھیک ہے باجی! میں سیٹھ صاحب کو منع کر دیتی ہوں۔" کپ ہاتھ سے رکھتے ہوئے وہ اٹھ گئی۔

"کوئی خرچا پانی؟" اس نے ثریا خاتون کے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔

"چار دن پہلے ہی تو دو ہزار دیے تھے۔ اب نہیں ہیں میرے پاس۔ کوئی ڈھنگ کا رشتہ اب تک دکھایا نہیں اور خرچا پانی روز مانگنے کھڑی ہو جاتی ہو۔" ثریا خاتون بڑبڑاتی ہوئی اندر چلی گئیں۔

"لو اور سنو اماں بی! پندرہ سولہ لڑکیاں دکھا چکی ہوں۔ امیر کبیر گھرانوں کی پڑھی لکھی خوب صورت لڑکیاں۔ لیکن آپ کی بہو کو کچھ پسند ہی نہیں آتا۔ خدا معلوم یہ کس ڈھنگ کا رشتہ چاہتی ہیں۔" اماں بی کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر وہ مزید بڑبڑاتی پیر پٹختی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

"میری بچی نتاشا آئی ہے۔" اماں بی کے سلام پھیرتے ہی نتاشا نے اٹھ کر ان کی گردن میں بانہیں حائل کر دیں۔ وہ کافی دیر سے ان کے نماز سے فارغ ہونے کی منتظر تھی۔ اپنے ساتھ لائی کھیر کا ڈونگا اس نے دوسری کرسی پر بیٹھی ثریا خاتون کو دے دیا تھا۔ انہوں نے ڈونگا لے کر تپائی پر رکھا اور سرسری حال احوال پوچھ کر سبزی بنانے میں مشغول ہو گئیں۔ وہ پالک کے پتوں کو ڈنڈیوں سے الگ کر رہی تھیں۔ نتاشا نے چپ چاپ ان کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔

"کئی دنوں بعد صورت دکھائی ہے۔ تجھے اپنی ماں بی کی یاد نہیں آتی؟" انہوں نے تخت پر اسے اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے پیار بھرا شکوہ کیا۔

"دراصل اماں بی! میں چھوٹی خالہ کی طرف تھی۔ امی کے ساتھ ملنے گئی تھی مگر انہوں نے اصرار کر کے ٹھہرا لیا۔" اس نے اپنی مخصوص دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"خیریت تھی کوئی رشتہ وشتہ کا چکر تو نہیں ہے؟" اماں بی کے سوال پر جہاں نتاشا جھینپ گئی تھی، وہاں کئی دوسرے لوگوں کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔

"کاش ایسا ہو ہی جائے۔" بظاہر لاتعلق بیٹھی ثریا خاتون نے کن اکھیوں سے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے دل میں خواہش کی۔ دوسری طرف بیرونی دروازے سے اندر داخل ہوتے ہوئے سمیر کے ہاتھوں میں موٹر سائیکل کا ہینڈل لرز گیا تھا۔

"نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔ اماں بی! آپ جانتی ہیں چھوٹی خالہ کے بچے تو ابھی اسکول جاتے ہیں۔" اس کی وضاحت سے سمیر اور اماں بی دونوں کی رکی ہوئی سانسیں بحال ہوئی تھیں۔

"ہاں بٹھائے رکھے گی تمہارے ماں تمہیں میرے سینے پر مونگ دلنے کو۔" ثریا خاتون کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے تھے۔

"اللہ کریم میری بچی کے نصیب اچھے کرے۔ ڈونگے میں کیا لائی ہو؟" اصغری بیگم نے نتاشا کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

"امی نے کھیر بھیجی ہے۔" اس نے ڈونگا اٹھا کر اماں بی کے سامنے کیا۔

"السلام علیکم۔" سمیر نے سب کو اجتماعی سلام کیا۔ وہ موٹر سائیکل کھڑی کر کے سیدھا ادھر ہی چلا آیا تھا۔

"اچھا یہاں تو جشن کھیر منایا جا رہا ہے اور وہ بھی میرے بغیر۔" اماں بی سے سر پر ہاتھ پھروا کر وہ سر جھکائے بیٹھی نتاشا کو نظر چرا کر دیکھتے ہوئے خالی کرسی پر آ بیٹھا۔

"تیرے بغیر کیوں، لے تو بھی جی بھر کے کھا لے۔" اصغری بیگم نے پوتے کی بلائیں لیں۔

"نتاشا! جا میری بچی، چمچ اور پلیٹ لا دے سمیر کو۔"

"کھیر کہیں بھاگی نہیں جا رہی۔" ثریا خاتون کے درشت لہجے نے نتاشا کے باورچی خانے کی طرف بڑھتے قدموں کو روک لیا۔

"اسے فریج میں رکھ دو نتاشا!" انہوں نے اسے ڈونگا پکڑایا۔ "سمیر! تم کیا چھوٹے بچوں کی طرح ہر چیز پر للچانے لگتے ہو۔"

"امی! بھوک لگی ہے۔" وہ کھسیاہٹ چھپانے کو کان کھجانے لگا۔

"تو پہلے منہ ہاتھ دھو کر کپڑے تبدیل کرو، کھانا کھاؤ پھر کھا لینا کھیر بھی۔" وہ جیسے اسکول جانے والے کسی چھوٹے بچے سے مخاطب تھیں۔

"جی اچھا امی!" سمیر نے سعادت مندی سے کہا۔ اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

"کیسی ماں ہو تم۔" اماں بی کی خاموش نظریں کہہ رہی تھیں۔ "اپنے بیٹے کی آنکھوں میں رقم سادہ اور آسان سی تحریر نہیں پڑھ سکتیں۔"

☼ ☼ ☼

پاکستان کو معرض وجود میں آئے ابھی چند برس ہی گزرے ہوں گے جب وہ دلہن بن کر اس گھر میں آئی تھیں۔ عبدالحئی صاحب انہیں کلکتہ سے بیاہ کر لائے تھے۔ ان کے میکے اور سسرال کے بیچ دو ملکوں کی سرحدیں حائل تھیں۔ جلد جلد ملنے کے لیے جانا ممکن نہیں تھا۔ اس نئے ماحول، نئے لوگوں میں ان کا جی نہیں لگتا تھا۔ گود جلد بھر جاتی تو شاید دھیان بٹ جاتا مگر اللہ کے ہاں ابھی دیر تھی۔ انہی دنوں برابر والوں کے بیٹے عبدالعزیز کی شادی ہوئی اور اس کی معصوم صورت دلہن صفیہ، اصغری بیگم کو بہت اچھی لگی۔ جلد ہی وہ آپس میں گھل مل گئیں۔ اس قربت کی ایک وجہ دونوں لڑکیوں کا ہم وطن ہونا تھا۔ صفیہ بیگم کا میکہ آگرہ میں تھا۔ دونوں اکٹھے بیٹھ کر اپنے اپنے عزیزوں اور شہروں کو یاد کرتیں۔ اپنائیت کے اس رشتے نے وقت کے ساتھ ساتھ دوستی کے تناور درخت کی صورت اختیار کر لی۔

اصغری بیگم کے ہاں دو بیٹوں نے جنم لیا اور صفیہ بیگم ایک بیٹا اور ایک بیٹی کی ماں بنیں۔ دونوں سہیلیوں کی دلی خواہش تھی کہ اس دوستی کو رشتہ داری میں بدل دیا جائے۔ لیکن اس خواہش کی تکمیل نہ ہو سکی کیونکہ

راحیلہ بچپن ہی میں ہیضہ کا شکار ہو کر دنیا سے رخصت ہو گئی۔

صفیہ بیگم کی پوتی نتاشا کی پیدائش پر دونوں دادیوں کے دلوں میں دبی خواہش ایک بار پھر ہمکنے لگی جسے صفیہ بیگم نے اپنے بیٹے طارق اور بہو عمرانہ سے کہہ ڈالی۔ عمرانہ ہر حال میں راضی بہ رضا رہنے والی تھی فوراً" مان گئی۔ بیٹے طارق نے بھی ان کی خواہش کا احترام کیا۔

"لیکن ہماری رضا سے زیادہ ان بچوں کی مرضی اہم ہے جنہوں نے آنے والے وقتوں میں یہ رشتہ نبھانا ہے۔ اس لیے اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان کے بڑے ہونے تک کوئی اعلان یا حتمی فیصلہ نہ کریں۔" طارق نے حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیا تھا جسے دونوں بزرگ خواتین نے پسند کیا اور عمل کرنے کا ارادہ باندھ لیا۔

دوسری طرف اصغری بیگم کے گھر کے حالات خاصے مختلف تھے' ان کے دونوں فرزند فاروق اور فرید نہایت تابعدار تھے اور ماں کی کہی ہر بات کو حکم کا درجہ دیتے تھے مگر وہ دل کی بات کسی سے نہ کہہ پائیں' وجہ بڑی بہو ثریا خاتون کا مزاج تھا۔

کسی کو خاطر میں نہ لانے والی ثریا خاتون شروع ہی سے اپنی دیورانی راشدہ سے کھنچی کھنچی رہیں اور صفیہ خالہ کی بہو عمرانہ تو خاص طور پر انہیں ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔

اپنے بچوں سمیر اور فروا کے لیے ضرورت سے زیادہ محتاط رویے نے بھی خاندان بھر کو ان سے خائف کر دیا تھا۔ فرید اور راشدہ کی دونوں بیٹیاں انہیں اپنے سمیر کے لیے خطرہ محسوس ہوتی تھیں۔ لیکن یہ خطرہ جلد ہی فرید کے کنبہ سمیت امریکہ منتقل ہونے کے فیصلے سے ٹل گیا۔

وہ کچھ مطمئن ہوئیں مگر نتاشا ابھی باقی تھی۔ اس کے والدین کا تو فی الحال کہیں جانے کا ارادہ بھی نہیں تھا۔

"وہ کتنے خوب صورت دن تھے' بے فکری اور مستی سے بھرپور۔ ہم گرمیوں کی لمبی دوپہریں اسی جگہ میں کھیلتے ہوئے گزارتے تھے اور گرمی کا احساس تک نہ ہوتا تھا۔" فروا نے بچپن کو یاد کرتے ہوئے چارپائی پر اپنے دائیں جانب بیٹھی نتاشا سے کہا۔

وہ آج پورے ایک ماہ بعد میکے آئی تھی اور آتے ہی نتاشا سے ملنے کو بے قرار ہو گئی۔ دونوں میں دادیوں کی طرح بہت گہری دوستی تھی۔ فروا کی شادی کے بعد بھی اس دوستی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"ہوں ٹھیک کہا تم نے' بچپن کا زمانہ بہت خوب صورت ہوتا ہے اور پلک جھپکتے میں گزر جاتا ہے' اپنے پیچھے خوشگوار یادیں چھوڑ کر۔" نتاشا نے چھ ماہ کے ارسل کو اس کی گود سے لیتے ہوئے کہا۔

"جوانی بھی بہت خوب صورت ہوتی ہے۔" فروا کی بات پر نتاشا مسکرائی تھی۔

"بلکہ میں تو کہوں گی بڑھاپا بھی' کیونکہ یہ انسان کے رویے ہیں جو عمر کے کسی بھی حصہ کو خوب صورت بھی بنا دیتے ہیں اور بد صورت بھی۔ رویے سوچ سے جنم لیتے ہیں۔ سوچ اچھی ہو گی تو سب کچھ اچھا ہو جائے گا۔" فروا نے ایک طرف رکھی پلیٹ اٹھائی اور خربوزہ کاٹنے لگی۔

"ارے واہ! لاابالی سی فروا کس قدر گہری باتیں کرنے لگی ہے۔" نتاشا نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔

"بچو! سب شادی کے لڈو کا نتیجہ ہے۔" دونوں کھلکھلا کر ہنس دیں۔

"اب اپنی دادیوں کو ہی دیکھ لو۔" فروا ایک بار پھر سنجیدگی سے سابقہ موضوع پر بات کرنے لگی "کتنا خوشگوار وقت گزرا' ایک دوسرے کی سنگت میں اور ہم تینوں میں بھی ان کی محبت یکساں تقسیم تھی۔ اماں بی کے ہاتھ کی میٹھی روٹیاں اور صفیہ دادی کی سنائی ہوئی وہ ساری کہانیاں کیا ہم کبھی بھلا سکتے ہیں۔" وہ خربوزے کی ایک قاش اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

"صفیہ دادی آج اگر زندہ ہوتیں تو ہم ان کی دوستی کی پچاسویں سالگرہ مناتے۔"

"ہاں دو سال ہو گئے۔" نتاشا غمگین ہو گئی۔ "یاد ہے تمہیں جامن کے اس درخت پر میں کتنی آسانی سے چڑھ جایا کرتی تھی۔" فروا نے فوراً" موضوع بدلا تھا۔

"اور تائی اماں سے ڈانٹ بھی بہت کھاتی تھی۔" اور نتاشا مسکرا دی تھی۔ لیکن اگلے ہی پل کسی خیال کے تحت خاموش ہو گئی۔

"تائی اماں نظر نہیں آ رہیں۔" اس نے ارد گرد دیکھا۔

"قریبی مارکیٹ گئی ہیں۔ داماد صاحب تشریف لا رہے ہیں نا تو رات کے کھانے پر خصوصی اہتمام ہو گا۔" اس نے شرارت سے آنکھ دبائی تھی۔ کم گو سی نتاشا اسے دیکھ کر ہنس دی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" فروا اسے ارسل سے کھیلتے ہوئے ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگی تھی۔

"بس ایسے ہی ایک خیال آ گیا تھا کہ عمرانہ چچی کا داماد کس قدر خوش قسمت ہو گا۔" اس کی نظریں بے اختیار سمیر کے کمرے کی کھلی کھڑکی کی جانب اٹھ گئی تھیں۔ باریک پردہ ہوا سے پھڑپھڑاتے ہوئے' بہت بے قرار لگ رہا تھا۔

"تم بہت اچھی ہو نتاشا......!" جانے وہ کیا کہنا چاہتی تھی۔ لہجے سے چھلکتی خواہش کو زبان تک آنے سے ثریا خاتون کی متوقع خفگی نے روک دیا تھا۔

"فروا تم بہت مشکل باتیں کرنے لگی ہو۔" دل میں ہونے والی کسی ان دیکھی آہٹ سے گھبرا کر نتاشا ادھر ادھر دیکھنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

موسم بہت خوشگوار ہو رہا تھا۔ فروا' ارسل کو گود میں لے کر جھولے پر آ بیٹھی۔ آہستہ آہستہ جھولا جھولتے ہوئے اس کی کھلی زلفیں مست ہوا کے سنگ اٹکھیلیاں کرنے لگی تھیں۔ بادلوں سے گھرے آسمان کو دیکھتے ہوئے وہ گنگنانے لگی۔

سامنے ہی جامن کے درخت کے نیچے چارپائی پر نیم

دراز اصغری بیگم اس کے پرمسرت چہرے کو دیکھتے ہوئے ماضی میں کھو گئیں۔ فروا کے بچپن میں عبدالحئی صاحب نے اپنے ہاتھوں سے پیپل کے درخت پر یہ جھولا ڈالا تھا۔ اس سے بھی بہت پہلے یہ جامن اور پیپل کے درخت بھی انہوں نے اپنے ہاتھوں لگائے تھے۔ فروا اور نتاشا دن کا زیادہ تر حصہ اس جھولے پر ہی گزارتیں۔ سمیر بھی اردگرد ہی کوئی کھیل ڈھونڈ کر مصروف رہتا۔

جامن کے نیچے ڈیرہ جمائے ہوئے دونوں دادیاں جب بچوں کو ہنستے مسکراتے دیکھتیں تو سالوں پرانی خواہش پھر سے دلوں میں مچلنے لگتی۔

اصغری بیگم کے کھل کر اظہار نہ کرنے کے باوجود ثریا خاتون کو اس خاموش خواہش کی بھنک پڑ چکی تھی۔ وہ دل ہی دل میں اس وقت سے خائف تھیں جب دونوں بزرگ خواتین اپنے اپنے بیٹوں کی فرماں برداری کا فائدہ اٹھا کر ان کے سر پر اپنی مرضی مسلط کردیں گی۔

وقت مگر کروٹ بدلتا رہتا ہے۔

اس گھر کے آنگن میں بھی وقت کے اوراق نے کئی مناظر بدلے۔ عبدالحئی اور عبدالعزیز صاحب اس دنیا کو الوداع کہہ گئے۔ بچپنے کے معصوم کھیل کھیلنے والے سمیر، فروا اور نتاشا یونیورسٹی اور کالج جانے لگے۔ پھر ایک رات اچانک صفیہ بیگم ایسا سوئیں کہ ان کی زندگی کی اگلی صبح نہ ہو سکی۔ اماں بی کو تو جیسے اس غم سے چپ ہی لگ گئی۔ ثریا خاتون کے لیے میدان خالی ہوگیا۔ انہوں نے سمیر کی ملازمت لگتے ہی اعلانیہ بہو ڈھونڈنے کی مہم شروع کردی۔

☼ ☼ ☼

"ثریا بھابھی نے بہت اچھا کیا۔ گریجویشن کرتے ہی فروا کی شادی کردی۔ لڑکیاں جتنا جلدی اپنے گھر کی ہوجائیں اچھا ہے۔"

عمرانہ نے بڑے سبھاؤ سے بات شروع کی تھی۔ اس بار اماں جی سے بات کرنے کا ارادہ وہ کئی روز سے باندھ رہی تھیں۔ آج ان کی خیریت دریافت کرنے آئیں تو ادھر ادھر کی باتوں میں بچوں کی شادیوں کا ذکر چل نکلا۔ انہوں نے دیکھ بھال کر بات شروع کردی۔

"طارق صاحب بچوں کی تعلیم کے اس قدر حامی نہ ہوتے تو میں نتاشا کو ایم اے کرنے کی اجازت ہرگز نہ دیتی۔" وہ رفتہ رفتہ اپنے موضوع کی طرف آرہی تھیں۔

"بہو! طارق نے بالکل ٹھیک فیصلہ کیا۔ عورت کے لیے تعلیم تو مرد سے بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اس پر اگلی نسل کی تربیت کی ذمہ داری جو ٹھہری۔ پھر میری نتاشا تو تعلیم کے ساتھ ساتھ امور خانہ داری میں بھی طاق ہے۔"

اماں بی نے اپنے مطابق ان کی تشفی کردی تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے اماں بی! اب تو تعلیم بھی پوری ہوئی۔ چند ماہ میں رزلٹ بھی آجائے گا۔ آخر کب تک اسے گھر بٹھائے رکھوں۔" اب کے اماں بی نے ان کی بات کا مفہوم سمجھ کر سر جھکا لیا تھا۔ ان کے اختیار میں تھا ہی کیا۔

"آپ تو جانتی ہیں کب سے اس کا جہیز بنا رہی ہوں۔ اکلوتی بیٹی ہے۔ میں تو سارے ارمان پورے کروں گی۔" گویا وہ ثریا خاتون کی امیر بہو کی تلاش مہم سے آگاہ تھیں۔

"رشتے تو کئی ایک آئے ہیں۔ سوچتی ہوں دیکھ بھال کر ہاں کہہ ہی ڈالیں۔ یہ عمر اگر نکل گئی تو پچھتاوا رہ جائے گا۔"

عمرانہ بیگم نے اماں بی کے چہرے کے تاثرات کو بغور دیکھتے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔

"چلتی ہوں اماں بی! بس آپ دعا کیجیے گا۔" وہ اماں بی کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کا ہلکا سا دباؤ ڈال کر اٹھ گئیں۔

"اللہ میری بچی کے نصیب اچھے کرے۔" اماں بی کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

عمرانہ اپنی بات کچھ ڈھکے چھپے اور کچھ واضح انداز میں کہہ کر جاچکی تھیں۔ اماں بی سوچ رہی تھیں انہیں ایک بار ایک آخری کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ اپنی سہیلی سے کیے عہد کی لاج رکھنے کی خاطر، لاڈلے پوتے کی آنکھوں میں سجے روشن خوابوں کی خاطر اور اپنی بہت سعادت مند پوتی نتاشا کے خاموش ارمانوں کی خاطر وہ فاروق احمد سے ضرور بات کریں گی۔ انہوں نے عہد کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"پتا تھا۔ مجھے پتا تھا۔ آپ ایک نہ ایک دن یہ بات ضرور کریں گے۔" فاروق احمد نے ذکر کیا چھیڑا ثریا خاتون آگ کے شعلوں کی طرح بھڑک اٹھیں۔

"مگر اس میں حرج ہی کیا ہے؟" فاروق احمد حیران ہورہے تھے۔

"دنیا کی کسی بھی دوسری لڑکی کو بہو بنا کر لاسکتی ہوں مگر عمرانہ کی بیٹی نتاشا نہیں۔" انہوں نے لگی لپٹی رکھے بغیر کہا۔

"یہی تو پوچھ رہا ہوں، آخر کیوں؟" وہ جھنجلائے۔

"یہ وہی نتاشا ہے جسے تم ذرا ذرا سے کام کے لیے آواز دے لیتی ہو۔ وہ بچی بھی بے چاری پہلی آواز پہ چلی آتی ہے۔ کبھی کھانا پکا رہی ہے تو کبھی کپڑے سی کر دے رہی ہے۔" فاروق احمد نے اپنی آنکھوں دیکھا بیان کیا۔

"ہونہہ! ایسی چالاکیاں تو ماں بیٹی دونوں کو خوب آتی ہیں۔" ثریا خاتون نے سر جھٹکا۔ "آپ اماں بی سے پورا سبق لے کر آئے ہیں اور اماں بی کو سبق عمرانہ دے گئی ہوگی۔ کل بیٹھی تھی ان کی پٹی سے لگ کر۔ عمر بھر اس عورت نے ہمارے گھر میں چنگاری پھینک کر یونہی تماشا دیکھا ہے۔ ہمیشہ مجھے سب کی نظروں میں برا ظاہر کروالیا اور خود نیک پروین بن کر سب کی واہ واہ سمیٹ لی۔" فاروق احمد نے تاسف بھری نظروں سے انہیں دیکھا۔

"میری ساس اور شوہر تو پہلے ہی اس کی مٹھی میں تھے۔ اب سمیر کو قابو کرنے کے چکر میں ہے۔ مگر اب میں اس کی کسی چال کو کامیاب نہیں ہونے دوں گی میرے جیتے جی ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ سن لیں آپ۔" ثریا خاتون کی آواز بلند ہوتی جارہی تھی۔

"کس قدر زہر بھرا ہوا ہے تمہارے دل میں بے وقوف عورت! تعصب اور بے جا نفرت کی عینک اتار کر دیکھو تو سب کچھ صاف اور اجلا دکھائی دے گا۔" فاروق احمد نے ضبط کرتے ہوئے قدرے تحمل سے کہا۔

"ادھر آکر بیٹھو! اور ٹھنڈے دل سے سوچو۔" انہوں نے مٹھیاں بھینچے کھڑی ثریا خاتون کو بازو سے پکڑ کر اپنے قریب بٹھایا۔

"ہوسکتا ہے تمہارے بیٹے کی بھی یہی خواہش ہو۔ بہتر نہیں ہوگا اگر سمیر کی مرضی بھی معلوم کرلی جائے؟" وہ ایک ماں کی سوئی ہوئی ممتا کو جگانے کی کوشش کررہے تھے۔

"وہ میرا بیٹا ہے اور اس کی مرضی کو میں خوب جانتی ہوں۔ آپ کو اس سلسلے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" امید بھری نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے فاروق احمد سر جھٹک کر کچھ سوچنے لگے تھے۔

"میں تو اس لیے کہہ رہا تھا کہ گھر کا رشتہ ہے، دیکھا بھالا ہے۔" انہوں نے دوسرے طریقے سے بات شروع کی۔ "نئے لوگوں میں سو جھمیلے، ہزار فکریں اور اپنوں کی......"

"اپنوں کا ذکر تو آپ رہنے ہی دیں۔" ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ثریا خاتون بول پڑیں۔

"اپنوں کی ایسی ہڑک تھی تو فرید کی بیٹیوں کی بات کرتے۔"

"کیا؟" فاروق احمد کا منہ کھل گیا۔ "فرید کی بیٹیاں یعنی ماریہ اور ساریہ؟" استہزائیہ مسکراتے ہوئے انہوں نے سر کو دائیں بائیں حرکت دی۔

امریکہ جانے سے پہلے فرید احمد اور راشدہ چاہتے تھے کہ کم از کم ایک بیٹی کی نسبت ہی ٹھہر جائے مگر ثریا خاتون نے پروں پر پانی نہیں پڑنے دیا اور اپنے رویے سے ایسے حالات پیدا کیے کہ کسی کو بات کرنے کی جرأت نہ ہوسکی اور دیور دیورانی دل کی دل میں لیے دیار غیر سدھار گئے۔

"اب تو خاصی بڑی ہوگئی ہیں دونوں اور سنا ہے فرید

کے دونوں اسٹور بھی اب تو خوب چلتے ہیں۔ بڑی ریل پیل ہے۔" ثریا خاتون کا لہجہ ایک دم ہی نرم پڑ گیا تھا۔

"ویسے ہمیں کیا بھئی' اماں بی فون پر لگی رہتی ہیں بیٹے بہو اور پوتوں سے۔"

فاروق احمد کی طنزیہ نظروں سے خائف ہو کر وہ پہلو بدلنے لگیں۔

"راشدہ کا ارادہ اپنے میکے کی طرف ہے۔" فاروق احمد نے نہایت تحمل سے جواب دیا۔

"شاید امتیاز کے دونوں بیٹوں سے بات چل بھی رہی ہے۔" انہوں نے راشدہ کے بھائی کا نام لیا۔

"اچھا! تو آپ ماں بیٹے کو یہاں بیٹھے سب خبر ہے۔ بلکہ اطلاع تو دیوار پار بھی پہنچ گئی ہوگی۔ ایک میں ہی ہوں جس سے جان بوجھ کر ہر بات چھپائی جاتی ہے۔ پھر کہتے ہیں بلاوجہ کی نفرت پالتی ہوں۔" وہ پھر بھڑک اٹھی تھیں۔

"اف' اس عورت کی عقل۔" فاروق احمد سر پکڑ کر بیٹھے تھے۔

☼ ☼ ☼

"گھر بار' صورت اور سیرت تو دیکھی ہی جاتی ہے۔ لیکن مجھے ایسی بہو چاہیے جو ملازمت بھی کرتی ہو۔"

نفیسہ بی بی سے بات کرتے ہوئے انہوں نے اپنی آواز کو ارادتاً" ذرا بلند رکھا تھا تاکہ کچن کی کھلی کھڑکی سے تمام گفتگو با آسانی اندر سنائی دے جہاں اس وقت کنبہ کے تمام افراد موجود تھے۔ چھٹی کا دن تھا' لہٰذا فروا اور اسامہ بھی ارسل کو لے کر صبح صبح ہی آ گئے تھے۔ بہت خوشگوار ماحول میں ناشتا کیا جا رہا تھا۔ ثریا خاتون کی آواز پر یک دم خاموشی چھا گئی۔

"یعنی لڑکی دولت مند ہو' خوب صورت ہو' پڑھی لکھی ہو اور اب ملازمت بھی کرتی ہو۔ باجی! ایسی لڑکی آرڈر پر بنوا لیں۔" نفیسہ بی بی کی طنزیہ ہنسی سب کو صاف سنائی دی تھی۔

"زیادہ ٹھٹھا کرنے کی ضرورت نہیں دو گلی پار ایک میرج بیورو ہے' وہاں چلی جاؤں گی۔ اپنی پسند کی بہو نہ لے آئی پھر کہنا۔" ثریا خاتون کو اس کا بے وقت کا مذاق پسند نہیں آیا تھا۔

"ایک دو لڑکیاں ہیں تو نظر میں' پتا کر کے بتاؤں گی۔" دھمکی کارگر ثابت ہوئی اور وہ یک دم سنجیدہ ہو گئی۔

"ٹھیک ہے فون پر بتا دینا۔" بے نیازی سے کہتے ہوئے ثریا خاتون نے کچن کا رخ کیا۔

"آنٹی! آپ نے یہ کیسی شرائط لگا دیں؟" اسامہ نے خاموشی توڑنے میں پہل کی۔

"ملازمت کرنا اچھی بات ہے لیکن ہر گھر کا ماحول مختلف ہوتا ہے اور میرا خیال ہے آپ کے گھر کو کسی ڈیوونڈ لڑکی کی ضرورت ہے۔" حلوہ پوری کا نوالہ بناتے ہوئے اس نے رسان سے کہا۔

"کیوں؟ ہمارے گھر کے ماحول سے تمہاری کیا مراد ہے؟" ثریا خاتون کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے تھے۔ لہجہ مصلحتاً" دھیما رکھا۔

"آنٹی! یہ بات تو آپ بھی مانتی ہوں گی کہ عورت ہی گھر سنبھالتی ہے اور آپ کے گھر میں صرف دو عورتیں ہیں' دونوں بزرگ۔ لہٰذا بہو کی ذمہ داری یقیناً" زیادہ ہوگی۔" ثریا خاتون اضطراب کے عالم میں اسامہ کی بات ختم ہونے کا انتظار کر رہی تھیں۔ باقی افراد کے چہروں پر گھبراہٹ نمایاں تھی کہیں وہ داماد سے الجھ نہ پڑیں۔

"ایک ملازمت پیشہ لڑکی جس کا وقت پہلے ہی تقسیم ہوتا ہے' وہ ان ذمہ داریوں کو چاہتے ہوئے بھی احسن طریقے سے نہیں نبھا سکتی۔ نتیجہ غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کی صورت میں نکلتا ہے جو آخر میں اکثر شدید جھگڑوں کا باعث بن جاتی ہیں۔ کیوں انکل! اماں بی! ٹھیک کہہ رہا ہوں میں۔" اپنا نقطہ نظر تحمل سے بیان کرنے کے بعد اب وہ فاروق احمد اور اصغری بیگم سے رائے طلب کر رہا تھا۔

"ہاں' بالکل ٹھیک کہا تم نے۔ عورت کی اولین ذمہ داری اس کا گھر ہے اور کما کر لانا مرد کا کام ہے۔" فاروق احمد نے اس کی بھرپور تائید کی۔

جبکہ سمیر اور فروا کن انکھیوں سے ماں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اماں بی مکمل خاموش تھیں۔

"عقل مند لڑکیاں ملازمت اور گھر دونوں کو بہت سلیقے سے چلاتی ہیں اور جنہوں نے کچھ نہ کرنا ہو وہ گھر بیٹھ کر پلنگ توڑتی ہیں اور سارا دن ساسوں سے لڑتی ہیں۔" ثریا خاتون کے جواب پر اسامہ اور سمیر دونوں ہنس دیے تھے۔

"یعنی عقل مند ہونا بھی ضروری ہے۔" فاروق احمد مسکرا دیے۔

"اماں بی! آپ بھی تو کچھ کہیں۔" اسامہ نے بحث کو تلخی کی طرف بڑھتا پا کر بات بدل ڈالی تھی۔ "کوئی اچھی سی بات سنائیں' اپنا تجربہ ہم سے شیئر کریں۔" اپنے بازو ان کے گرد حائل کرتے ہوئے وہ بہت لاڈ سے کہہ رہا تھا۔

"بیٹا! ہم پرانے وقتوں کے لوگ ہیں۔ ہم اور ہمارا تجربہ ہمارے وقت کی طرح آج کی نسل کے لیے بے معنی ہو گیا ہے۔" انہوں نے ایک ٹھنڈی آہ بھری تھی۔

"لیکن سچ یہ ہے کہ بہت اچھا تھا وہ زمانہ' اپنائیت اور خلوص کے رشتے اہم تھے' پیسہ نہیں۔" انہوں نے اپنی بات کہہ دی تھی اور جن کے لیے کہی تھی' وہ سمجھ کر پہلو بدل رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"امی! ضرورت ہی کیا تھی اس دن اسامہ کے سامنے ملازمت پیشہ بہو کا شوشا چھوڑنے کی؟" فروا کے دل سے اب تک ملال کم نہ ہوا تھا۔ "بھلا کب چاہتے ہیں ہم ایسا' مگر اب اسامہ تو یہی سوچ رہے ہوں گے کہ ہم بہت لالچی لوگ ہیں۔"

کندھے سے لگے ارسل کو تھپک کر سلاتے ہوئے وہ دائیں بائیں گھوم رہی تھی۔ سامنے ہی صوفے پر ثریا خاتون خاموش بیٹھی تھیں۔ نیچے کشن پر بیٹھا سمیر بظاہر اپنی گود میں رکھے لیپ ٹاپ پر مصروف تھا مگر اس کے کان دونوں کی گفتگو پر لگے ہوئے تھے۔

"اسامہ کل مجھ سے کہہ رہے تھے۔ شادی سمیر کی ہے۔ اب اس کی شرائط بھی ماننی پڑیں گی۔ مجھے اس وقت اتنی سبکی محسوس ہوئی۔" فروا منہ پھلا کر ثریا خاتون کے برابر آ بیٹھی۔

"مجھے نہیں چاہیے جاب کرنے والی بیوی۔" سمیر نے تڑپ کر بہن کی طرف دیکھا۔ "میری پہلی اور آخری شرط ایک گھریلو اور تابع دار بیوی ہے اور بس۔"

"تمہیں نہیں چاہیے ہوگی مگر میں تو کمانے والی بہو ہی لاؤں گی۔" ثریا خاتون ابھی تک اپنی ضد پر اڑی ہوئی تھیں۔

"ابھی تم ذمہ داریوں سے آزاد ہو اس لیے ان معاملات کو نہیں سمجھتے میرے بچے! کل کو جب دو کے بجائے چار ہاتھ کما کر لائیں گے اور گھر میں پیسے کی ریل پیل ہوگی تو زندگی کی چھوٹی چھوٹی خوشیاں بھی دگنی محسوس ہوں گی پھر دینا ماں کو دعائیں۔" انہوں نے لہجے میں مٹھاس سمو کر اسے قائل کرنے کی کوشش کی۔

امی ..... امی! آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں۔" وہ جھنجلاتا ہوا اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"امی کبھی بھی نہیں سمجھیں گی۔" فروا گہرے ملال سے انہیں دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ بہت الجھا ہوا لگ رہا تھا۔ پہلے وارڈ روب کھول لی پھر کتابوں کے ریک میں ادھر ادھر ہاتھ مارنے لگا اور اب میز کی دراز کھول کر نجانے کیا ڈھونڈ رہا تھا۔

"ڈھونڈنے سے کھوئی ہوئی سب اشیا مل جاتی ہیں کیا؟" پلنگ کے کنارے خاموش بیٹھی فروا نے بغور اسے دیکھا۔

"سمیر! یاد ہے' ہمارے بچپن میں جب یہ کمرا دادا کا ہوا کرتا تھا تو آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے میں اور ثنا یہیں آ کر چھپ جاتے تھے اور تم ہمیں ڈھونڈنے میں بالکل اسی طرح ہلکان ہوا کرتے تھے۔" سمیر نے رک کر

تھکے تھکے سے انداز میں چاروں طرف دیکھا۔ وہ شاید انہی بیتے ہوئے لمحوں کو ڈھونڈ رہا تھا' جو اب اس کی دسترس میں نہیں رہے تھے۔

"میں ناکام ہو کر ہار ماننے کو ہوتا' جب پلنگ کے نیچے چھپی نتاشا ہنس دیتی اور میری ہار جیت میں بدل جاتی۔" وہ نڈھال سا ہو کر کرسی پر آبیٹھا اور سماعتیں اسی آواز کی منتظر ہو گئیں جو اس کی مات کو فتح میں بدل دے۔

"عمر بھر آنکھ مچولی نہیں کھیلی جا سکتی۔ زندگی کو آخر آگے بڑھنا ہی ہوتا ہے۔" ماضی میں بھٹکتی ہوئی اس کی سوچوں کو فروا کی آواز نے واپس پکارا تھا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"امی کو اپنی من پسند لڑکی مل گئی ہے۔ دو چار روز میں ہی شاید بات پکی ہو جائے اور پھر شادی۔" وہ اسے آخری حد تک ٹٹول رہی تھی کہ اب بھی نہیں بولو گے تو پھر آخر کب......!

"سمیر!"

"ہوں!" وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں الجھائے خود کہیں کھویا ہوا تھا۔

"تمہیں صفیہ دادی کی وہ کہانی یاد ہے جس میں شہزادہ امر بوٹی ڈھونڈنے جنگل جاتا ہے اور دیو اسے قید کر لیتا ہے پھر صعوبتوں اور مصیبتوں کے طویل مراحل سے گزر کر شہزادہ جب واپس وطن لوٹتا ہے تو شہزادی بام سے لگی اسے منتظر ملتی ہے۔" اس نے رک کر سمیر کے چہرے کو کھوجا۔

"مگر مشکل یہ ہے کہ اصل زندگی کہانی سے بالکل مختلف بلکہ الٹ ہوتی ہے۔" وہ اسے بہت کچھ جتا کر کمرے سے چلی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ارے رئیسہ تم!" اپنی چچا زاد بہن کو یوں اچانک گھر کی دہلیز پر دیکھ کر ثریا خاتون حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات میں گھری ہوئی تھیں۔

"تم کہیں رستہ بھول کر تو میری طرف نہیں آ گئیں؟" آگے بڑھ کر گلے ملتے ہوئے شکوہ ان کی زبان پر آ گیا۔

رئیسہ بہت دولت مند گھرانے میں بیاہی گئی تھیں۔ گو کہ فاروق احمد بھی اچھے کھاتے پیتے خاندان سے تعلق رکھتے تھے مگر وہ اونچے طبقے والی ریل پیل نہ تھی۔ اسی سبب ثریا خاتون ہمیشہ رئیسہ کے سامنے احساس کمتری کا شکار رہیں اور ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے بھی دونوں کے درمیان "انا" تکلف اور پردہ داری کی دیوار حائل رہی۔ کبھی کبھار خاندان کی کسی تقریب میں ملاقات ہو جاتی' ورنہ ان تیس بتیس سالوں میں ایک دوسرے کے گھر جانے کا اتفاق چند بار ہی ہوا تھا۔

"سچ کہتی ہو ثریا! زندگی کے دھندوں نے اس قدر مصروف رکھا کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہو سکا۔ بس آئینہ دیکھتے ہیں تو خیال آتا ہے کتنے زمانے گزر گئے۔"

دونوں باتیں کرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ گئی تھیں۔ رئیسہ ہمیشہ والے رکھ رکھاؤ کو ایک طرف چھوڑ بے تکلف ہو کر بیٹھ گئیں۔

"آئینہ کیا کہے گا۔ تم تو آج بھی وہی تیس سال پرانی رئیسہ ہی لگتی ہو۔" ثریا خاتون نے پرستائش نظروں سے اس کے سجے سنورے وجود کو دیکھا۔

"ارے ہٹو بھئی! بچے جوان ہو گئے اب ہمیں بوڑھے تو ہونا پڑے گا۔" دونوں کھل کر ہنس دیں۔

"بچوں سے یاد آیا۔ فروا تو خوش ہے نا اپنے سسرال میں' اس کی شادی پر ہی ملے تھے ہم آخری بار۔ بعد میں بہت چاہنے کے باوجود تمہاری طرف نہیں آ سکی۔" رئیسہ بہت اپنائیت سے کہہ رہی تھیں۔

"کرم ہے مولا کا' فروا بہت خوش ہے' اب تو بیٹا ہے گود میں۔" انہوں نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔ "سمیر بھی اب تو خیر سے برسرروزگار ہو گیا ہے۔ سوچتی ہوں بہو بھی لے ہی آؤں' فروا کے جانے سے گھر بہت سونا ہو گیا ہے۔" انہوں نے کھڑکی سے صحن میں پیپل کے درخت پر لگے خالی جھولے کو دیکھا۔

"سچ کہتی ہو ثریا! ساری رونق بیٹیوں کے دم سے ہے۔ میں بھی عفی اور زونی کو بہت مس کرتی ہوں۔" بچوں کے ذکر پر رئیسہ بھی اداس ہو گئیں۔

"تو لے آؤ تم بھی بہو' اب دیر کس بات کی ہے۔ جہانگیر نے بھائی صاحب کا بزنس کب سے سنبھال رکھا ہے۔" ثریا خاتون نے جھٹ سے مشورہ دیا۔

"ہوں' یہی سوچ رہی ہوں میں بھی۔ سچ پوچھو تو آج اسی مقصد سے آئی تھی تمہارے پاس۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی تھیں۔ ثریا خاتون کو حیران ہوتا دیکھ کر پھر خود ہی وضاحت کرنے لگیں۔

"ابھی فروا کی شادی پر ایک بچی کو دیکھا تھا۔ میں نے جہانگیر کے لیے بہت سی لڑکیاں دیکھی ہیں مگر وہ بچی میرے من کو ایسی بھائی کہ اب نظر انتخاب کہیں ٹھہرتی ہی نہیں۔"

"فروا کی کوئی سہیلی ہو گی۔" ثریا خاتون شادی پر مدعو مہمانوں پر غور کرنے لگیں۔

"پہلے میں بھی یہی سمجھی تھی مگر جب اماں بی نے تعارف کروایا کہ وہ ان کے منہ بولے بیٹے طارق کی بیٹی نتاشا ہے تو یقین مانو بہت خوشی ہوئی۔" حیرت کے سمندر میں غوطے لگاتی ثریا خاتون کی دلی کیفیت سے بے خبر وہ کہہ رہی تھیں۔

"اتنی پیاری' اتنی موہنی سی صورت' عادات و اطوار اس قدر شائستہ...... بھئی میرے تو سیدھی دل میں اتر گئی۔" ثریا خاتون کو اچھی طرح یاد تھا کہ رئیسہ مہندی کی تقریب میں چند گھنٹوں کے لیے شامل ہوئی تھیں اور شادی کے دن اس سے بھی کم وقت کے لیے جہانگیر کے ساتھ آئی تھیں کیونکہ اسی شام وہ میاں کے ساتھ جاپان جا رہی تھیں۔

"اتنے سے وقت میں رئیسہ اس نگوڑی نتاشا کی کرید میں ہی لگی رہی اور وہ کتنے گنوں کی پوری نکلی' ایسا پٹایا ماں بیٹے کو کہ انہیں اب کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ اک میری فروا ہے سدا کی احمق۔" ثریا خاتون پیچ و تاب کھا رہی تھیں۔

"اماں بی کی زبانی معلوم ہوا نتاشا نے تعلیم کے ساتھ ساتھ گھر بھی نہایت سلیقہ مندی سے سنبھال رکھا ہے۔ مجھے تو طارق صاحب اور ان کی بیوی کی تربیت پر بہت رشک محسوس ہوا۔" وہ اپنی دھن میں کہے جا رہی تھیں اور ثریا خاتون غصہ دبانے میں بے حال۔

"تو یہ فریضہ اماں بی نے انجام دیا ہے' کبھی سگی پوتی کے لیے تو خیال نہ آیا۔"

انہوں نے فروا کے لیے بارہا جہانگیر کو سوچا تھا۔ لیکن صرف ان کے سوچنے سے کیا ہوتا تھا...... پھر رئیسہ کا اونچا سسرال اور کہاں فروا ایک چھوٹے سے سرکاری ملازم کی عام سی شکل و صورت کی بیٹی۔ یہ حسرت ان کے دل میں نیزے کی طرح گڑی تھی مگر اب ویسی ہی جہانگیر اور نتاشا کے لیے...... سوچ سوچ کر ان کا دل جل رہا تھا۔

"چلو گی نا میرے ساتھ طارق صاحب کے گھر؟" رئیسہ امید بھری نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے مسکرائیں۔

"ہاں...... ہاں چلوں گی۔" ان آنکھوں کے مقدر میں یہ منظر دیکھنا ابھی باقی ہے۔

☼ ☼ ☼

"کیا ہوا بہو! اس قدر پریشان کیوں ہو۔ کس کا فون تھا؟" وہ ٹیلی فون اسٹینڈ کے پاس کھڑی کسی گہری سوچ میں گم تھیں' جب اماں بی نے انہیں مخاطب کیا۔

"منی خالہ کی پڑوسن کا' انہیں بہت تیز بخار ہے اور بہو محترمہ بچوں سمیت صبح صبح ہی میکے روانہ ہو گئیں۔" وہ اماں بی کے قریب ہی تخت پر آبیٹھیں۔

"اتوار ہے نا' بچوں کی چھٹی ہو گی اور اس کی اپنی بھی' ورنہ پورا ہفتہ کہاں فرصت ملتی ہے۔"

"چھٹی گئی بھاڑ میں' بیمار ساس بستر پر پڑی ہے اور وہ پورے کنبے کو لے کر چھٹی منانے چل دیں۔ حد ہوتی ہے بے بسی کی بھی۔" ثریا خاتون کو اماں بی کا مصالحت پسندانہ جواب سخت ناگوار گزرا تھا مگر اماں بی منی خالہ کے مزاج سے بھی واقف تھیں۔ رائی سے پہاڑ بنا لینا ان کی عادت تھی۔ ایک چھینک آئی نہیں اور واویلا

شروع۔

"مراد کو چاہیے ماں کی دیکھ بھال کے لیے ملازمہ کا انتظام کردے۔" اماں بی پھر درمیانہ راستہ ڈھونڈنے لگ گئی تھیں۔

"ملازم چاہے لاکھ ہوں، بہو کا بھی کوئی فرض ہوتا ہے کہ نہیں۔ اب مراد سات سمندر پار بیٹھا ملازمہ کا بندوبست کیسے کرسکتا ہے۔ اس بات کا خیال خود ناعمہ کو ہونا چاہیے۔" ثریا خاتون کے دل کی بھڑاس کسی صورت کم نہ ہورہی تھی۔

"اپنے فیشنوں پر لاکھوں اڑا دیں گی اور بوڑھی ساس پر چند سو خرچ کرتے جان جاتی ہے۔ میرا بھائی بے چارہ ان لوگوں کی خاطر پردیس جھیل رہا ہے، یہ ماں بیٹیاں ہیں کہ کوئی پرواہی نہیں۔ درہم کے درہم اڑا دیں گی۔ اگر کچھ پوچھو تو وہی ٹکا سا جواب 'مراد کہاں کچھ بھیجتا ہے میں تو خود کما کر گھر چلاتی ہوں۔'" وہ جانے کب کب کا غصہ اتار رہی تھیں۔

منی خالہ کی بہو ناعمہ انہیں کبھی ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔ وجہ ناعمہ کا مزاج نہیں بلکہ وقت کی کمی تھا۔ ملازمت کے ساتھ ساتھ گھر اور بچوں کی دیکھ بھال، ساس کی خدمت اور شوہر کے بیرون ملک ہونے کی وجہ سے باہر کے تمام کام بھی اسی کی ذمہ داری تھے۔ ایسے میں اکثر مہمانوں کو خصوصی پروٹوکول نہ ملنے کی شکایت رہتی۔ خاص طور پر ثریا خاتون کے اندر کی روایتی نند ہر وقت ناعمہ کے خلاف صف آرا رہتی۔

"اٹھتی ہوں، سمیر سے کہوں مجھے منی خالہ کی طرف لے چلے۔ پر زیادہ دیر نہیں بیٹھوں گی یہ ملازمت کرنے والیوں کے اپنے ہی نخرے ہیں۔ چاہے ٹکا نہ کمائیں، دھونس رہے مفت کی۔ گھر دیکھو تو کوڑے دان لگتا ہے۔ دو گھڑی بیٹھنا دوبھر ہوجاتا ہے میرا تو۔"

انہوں نے برا سا منہ بنایا اور اماں بی بہو کے روز روز بدلتے نظریات سن کر زیرلب مسکرا دیں۔

"منی کو ساتھ ہی لے آنا، چند روز یہاں رہ لے گی تو جی بہل جائے گا بے چاری کا۔" انہوں نے خلوص دل سے مشورہ دیا۔

"اچھا! دیکھتی ہوں، خدا معلوم رکشے میں بیٹھنے قابل بھی ہیں یا نہیں۔" وہ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر اٹھ گئیں۔

☼ ☼ ☼

"فروا چندا میری بچی! دو گھڑی کے لیے ہی آجانا۔ سمیر کے سسرال والے پہلی بار کھانے پر آرہے ہیں۔ سگے بہن بہنوئی موجود نہ ہوئے تو ان پر کیا اثر پڑے گا۔" ثریا خاتون نے لجاجت سے کہا۔ وہ فروا کے غیر متوقع انکار پر سخت پریشان تھیں۔

"امی مجبوری ہے سسرال کا معاملہ ہے۔ اسامہ کی کزن کی ڈھولکی میں نہ گئی تو بہت باتیں بنیں گی۔" فروا کا جواز معقول تھا۔

"ٹھیک ہے میں انہیں دوپہر کے کھانے کا کہہ دیتی ہوں، ڈھولکی تو شام میں ہے نا۔" ہفتہ بھر پہلے کے طے شدہ پروگرام میں تبدیلی کرتے ہوئے وہ دل میں سخت خائف تھیں۔

"نہیں امی! بہت مشکل ہوجائے گا۔ تیاری بھی کرنی ہے پھر ارسل کی طبیعت بھی کچھ اچھی نہیں۔ ساری رات نہیں سویا ۔۔۔ میری طرف سے تو معذرت۔" اپنی بات مکمل کرتے ہی اس نے کھٹ سے فون بند کردیا۔

جس دن سے نتاشا اور جہانگیر کی بات پکی ہوئی تھی فروا ماں سے یونہی اکھڑی اکھڑی رہنے لگی تھی۔ نہ فون پر ڈھنگ سے بات کرتی نہ ہی گھر آتی۔ دوسری طرف سمیر الگ کھویا کھویا سا رہتا تھا۔

ثریا خاتون نے ہمیشہ اپنے اور بچوں کے درمیان ایک مخصوص فاصلہ رکھا تھا تاکہ بچوں کے دلوں میں ان کا رعب اور ڈر قائم رہے۔ فروا شروع ہی سے کچھ ضدی طبیعت کی تھی شادی کے بعد ان کی لگائی پابندیوں سے مزید آزاد ہوگئی۔ مگر انہیں یاد نہیں پڑتا تھا کہ سمیر نے کبھی ان سے بحث کی ہو یا ان کی پسند و ناپسند سے انحراف کیا ہو۔ وہ تو اب تک انہی کے لائے کپڑے پہنتا تھا۔ لیکن ۔۔۔ اس نتاشا والے معاملے نے ان کی برسوں کی ریاضت پر پانی پھیر دیا تھا۔ کھل کر کہنے کی جسارت گو دونوں بہن بھائی اب تک نہیں کر پائے تھے۔ مگر ان کے رویوں میں چھپے خاموش احتجاج نے ثریا خاتون کو ہلا دیا تھا۔ واحد حل ان کے پاس یہ تھا کہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بن جائیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اماں بی کو صورت حال سے آگاہ کرنے کے لیے انہوں نے مناسب الفاظ کا چناؤ کیا اور صحن کی طرف بڑھ گئیں جہاں وہ اور منی خالہ جامن کے پیڑ کے نیچے چارپائی ڈالے خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔

"اوپر کے کاموں کے لیے تو میں کلثوم کو روک لوں گی لیکن کھانا میں اکیلی نہیں تیار کرسکتی۔" فروا کی مجبوری بتا کر انہوں نے اپنا مسئلہ بھی بیان کیا۔

"آئے ہائے، فروا کو کچھ خیال تو چاہیے تھا۔ ڈھولکی ہی تھی شادی تو نہیں۔ ادھر سگے بھائی کا معاملہ ہے۔" منی خالہ لگی لپٹی رکھنے والوں میں سے نہیں تھیں۔ اسی سبب ثریا خاتون انہیں گھر لانے سے کتراتی تھیں۔

"سسرال کے معاملے میں بچیاں بے چاری کب کچھ کہہ سکتی ہیں۔ ہم تم نے بھی یہ وقت گزارا ہے۔ بھول گئیں کیا؟" اماں بی نے فوراً "بات سنبھالی۔

"نتاشا کو کیوں نہیں بلا لیتیں۔ ہمیشہ وہی تو سب سنبھالتی ہے۔ تیری فروا تو پہلے بھی صرف اچھل کود ہی کرتی تھی۔ تہواروں وغیرہ پر آتے جاتے ہم نے بھی کبھی دیکھا ہے۔"

کچھ کڑوے الفاظ میں سہی لیکن منی خالہ نے ان کے دل کی بات کہہ دی تھی۔ وہ خود سے نتاشا کا نام اماں بی کے سامنے لیتے ہوئے جھجک رہی تھیں۔ منی خالہ نے ان کی مشکل آسان کردی۔ جھٹ سے دوپٹا درست کرتے چل دیں۔

"اے ثریا! میں کہوں تیری تو عقل ماری گئی ہے، بچہ بغل میں ڈھنڈورا شہر میں۔"

"خالہ! اب جا تو رہی ہوں اسے بلانے۔" ثریا خاتون کے ماتھے پر کئی بل نمودار ہوئے تھے۔

"بار بار کے بلانے کو چھوڑ، ایک ہی بار بیاہ کر لے آ۔ یہ تو کیا گلی گلی بہو ڈھونڈتی پھرتی ہے اور ایسی گنوں والی بچی تیری دیوار کے ساتھ موجود ہے۔"

منی خالہ نے پل بھر میں انہیں لاجواب کردیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اتنا بڑا ٹرک کاٹرک کس نے لا کھڑا کیا۔ اب بھلا سمیر کے سسرال والوں کی گاڑی ہمارے گیٹ تک کیسے پہنچے گی۔" ثریا خاتون گھر سے نکلیں تو عمرانہ بیگم کے گھر کی دیوار کے ساتھ کھڑی بڑی سی گاڑی دیکھ کر بڑبڑانے لگیں۔ پھر رئیسہ کے ڈرائیور پر نظر پڑی تو خاموش ہوگئیں۔

اسی وقت گیٹ کھولا گیا اور ہنستی مسکراتی رئیسہ اور جہانگیر باہر آگئے۔ پیچھے پیچھے عمرانہ کا سارا کنبہ مہمانوں کو الوداع کہنے آموجود ہوا۔

"رئیسہ! یہ خوب رہی۔ اب تم بالا ہی بالا ادھر پہنچ جاتی ہو۔ ہمیں تو درمیان سے نکال ہی دیا۔" ثریا خاتون نے لہجے کو تلخ ہونے سے بمشکل روکا تھا۔

"اب تعلق ہی براہ راست ہوگیا تو آنا بھی براہ راست چاہیے۔"

رئیسہ نے مسکراتے ہوئے صاف گوئی کا ثبوت دیا۔ سب لوگ بلاوجہ ہی ہنس دیے۔ کم از کم ثریا خاتون کو ایسا ہی لگا۔

"دراصل ادھر سے گزر رہی تھی، سوچا اپنی بہو سے ملتی چلوں۔" جھجکی جھجکی سی نتاشا کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے رئیسہ، ثریا خاتون سے مخاطب تھیں۔

ثریا خاتون کی نظر بلا ارادہ جہانگیر کی طرف اٹھ گئی۔ خوشی مجسم ہو تو کیسی ہوگی، وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھیں۔ نتاشا کے سنجیدہ اور نسبتاً "جھکے ہوئے چہرے پر بہت اعتماد سے نظریں ٹکائے وہ گویا فضاؤں میں اڑ رہا تھا۔ سب کو اجتماعی سلام کرکے جب وہ واپس پلٹا تو ثریا خاتون کو اس کے لہجے میں خوشیوں کی کھنک اور چال میں ایک فاتح کی سی شان صاف محسوس ہو

رہی تھی۔ سمیر کا بجھا ہوا بے رونق چہرہ ان کی نظروں میں گھوم گیا۔

کوئی دھواں سا ان کی آنکھوں میں گھسنے لگا۔ جلن کے احساس سے انہوں نے آنکھیں مسلیں تھیں مگر وہ دھواں تھا کہ متواتر بڑھتے ہوئے انہیں اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا اور ان کی سانسوں میں اتر رہا تھا۔ جلتے حلق کو دونوں ہاتھوں سے پکڑتے ہوئے وہ کھانسنے لگی تھیں کھانسی اور کھانسی۔۔۔

☼ ☼ ☼

"ایک کپ چائے مل جائے گی؟" نتاشا چونک کر پلٹی تو اسے سامنے پایا۔ سمیر دروازے کی چوکھٹ سے ٹیک لگائے بہت گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

وہ بہت بدلا ہوا لگ رہا تھا' ستا ہوا چہرہ' بڑھی ہوئی شیو جس کے باعث اس کا ہلکا گندمی رنگ سیاہی مائل لگ رہا تھا اور سنجیدہ آنکھیں۔۔۔ نتاشا نے نظریں جھکا لیں۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے محترمہ!" نجانے وہ اس پر خفا کیوں ہو رہا تھا۔

"آپ چلیں میں بھجواتی ہوں۔" نتاشا نے پتیلی میں پانی ڈال کر چولہے پر چڑھا دیا۔ مگر وہ بدستور اپنی جگہ پر موجود تھا۔ نتاشا کو اس کی نظروں کا ارتکاز اپنی پشت پر محسوس ہو رہا تھا۔ وہ چپ چاپ اپنے کام میں مصروف رہی۔

ثریا خاتون کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ کچن میں آنے سے منع کر کے وہ انہیں کمرے میں لٹا آئی تھی اور جلدی جلدی مینو کے مطابق کھانا تیار کرنے لگی۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو۔ ہمیں تمہاری کسی مہربانی کی ضرورت نہیں ہے۔" سمیر کے نامہربان لہجے میں جانے کیا تھا۔ اس نے دیکھا پتیلی میں پتی ڈالتے ہوئے نتاشا کے ہاتھ ایک لمحے کو ٹھٹک کر رہ گئے تھے۔

"کیا سمجھتی ہو' تم نہیں ہو گی تو دنیا کے سب کام رک جائیں گے۔ زمین اپنے محور سے ہٹ جائے گی' آسمان گر پڑے گا۔ یہ سب تمہاری غلط فہمی ہے' کچھ نہیں ہو گا۔" وہ زہر اگلتا اس کے دائیں جانب کرسی پر آ بیٹھا تھا۔

نتاشا کا سر جھکا ہوا تھا۔ پھیلا کر اوڑھے ہوئے دوپٹے کے باعث سمیر اس کا چہرہ دیکھنے سے قاصر تھا۔ اب اس کی نظریں صرف نتاشا کے تیزی سے حرکت کرتے ہوئے ہاتھوں پر جمی تھیں۔ وہ چائے میں دودھ ڈال رہی تھی' کپ میں انڈیل رہی تھی پھر اس کے سامنے میز پر رکھ کر سرعت سے واپس پلٹ گئی تھی مگر وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ پایا۔

"مجھے ضرورت نہیں ہے تمہارے کسی بھی احسان کی؟" سمیر نے پیالی کو پرے دھکیلا۔ چائے چھلک کر میز پر گر پڑی تھی لیکن نتاشا پلٹ کر دیکھے بغیر پھر سے اپنے کام میں جت گئی۔

"جاؤ! تم اسی امیرزادے کے نخرے اٹھاؤ' اسی پر نچھاور کرنا اپنی بے لوث مم۔۔۔ح۔۔۔بت۔" آخری لفظ پر خود اس کی اپنی زبان بے اختیار کپکپائی تھی۔ جواباً" مکمل خاموشی۔

یہ خاموشی اس کے سینے میں جلتی ہوئی آگ کو مزید بھڑکا رہی تھی۔ اپنے دامن کے شعلوں کو اس پر اچھال اچھال کر وہ ہانپنے لگا تھا مگر نتاشا پتھر کی بھاری سل بنی ہوئی تھی جو نہ ٹوٹتی تھی نہ سرکتی تھی۔

"آخر کیا چاہتی ہو! میں خود کو گولی مار لوں یا تمہارے اس۔" وہ تیزی سے اٹھ کر اس پر جھپٹا تھا۔ دونوں کندھوں سے پکڑ کر اسے اپنی طرف موڑا مگر جیسے ہی اس کے چہرے پر نظر پڑی سمیر کے ہاتھ لرز کر نیچے گر گئے۔

مسلسل رونے سے نتاشا کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ چہرہ اور سامنے سے دوپٹا مکمل بھیگے ہوئے تھے۔ کپکپاتے وجود کو سہارا دینے کے لیے اس نے شیلف کو تھام رکھا تھا۔

وہ کانچ کی گڑیا تھی اور سمیر کی مسلسل سنگ باری سے چکنا چور ہو کر بکھر رہی تھی۔

وہ بے اختیار ایک قدم پیچھے ہوا پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

بہت بے چین تھیں۔ بستر پر بار بار کروٹیں بدل رہی تھیں۔ دل کو ایک انجانا سا کھٹکا لگا تھا۔ کہیں کچھ بہت غلط ہو رہا ہے مگر کیا؟ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔

آج صبح تک وہ بہت خوش اور مطمئن تھیں۔ سب کچھ ان کی منشا کے مطابق ہی تو ہو رہا تھا۔ اپنے اکلوتے بیٹے کو عمرانہ کا داماد بنانا انہیں ہرگز قبول نہیں تھا۔ اس خطرے سے بچنے کے لیے انہوں نے سمیر کے لیے بر ڈھونڈنے کا واویلا شروع کر دیا۔

اماں بی اور فاروق احمد کی معمولی مخالفت سامنے آئی تو ثریا خاتون نے مشہور کر دیا کہ وہ بہت دولت مند گھرانے سے بہو لائیں گی تاکہ عمرانہ اور طارق زیادہ جہیز نہ دے سکنے کے باعث پیچھے ہٹ جائیں لیکن ایک روز نفیسہ بی بی نے آ کر ثریا خاتون کو بتایا' عمرانہ بیٹی کو جہیز میں گاڑی دینے کا ارادہ رکھتی ہیں۔

ثریا خاتون نے نئی منطق نکالی' بہو ملازمت پیشہ ہو جانتی تھیں طارق بھائی نتاشا کو ملازمت کرنے کی اجازت کبھی نہیں دیں گے۔ نتیجہ حسب منشا نکلا اور سب خاموش ہو گئے۔ انہوں نے خوشی خوشی ایک ایسی لڑکی کا انتخاب کیا جو خاصے مال دار باپ کی اکلوتی بیٹی تھی' پڑھی لکھی اور جاب کرتی تھی' شکل و صورت ذرا ہلکی تھی' اب سب ہی کچھ تو نہیں مل سکتا۔" انہوں نے اپنے دل کو مطمئن کر لیا تھا۔

ثریا خاتون بہت خوش تھیں۔ انہوں نے عمرانہ کو نیچا دکھا دیا تھا۔ وہ عمرانہ جس کی عقل مندی کے خاندان بھر میں ڈنکے بجتے تھے۔ ہر اہم موقع پر اسی سے رائے لی جاتی اور ثریا خاتون بڑی ہونے کے باوجود اس کی شخصیت کے پیچھے کہیں چھپ کر رہ جاتیں۔ آج وہ عمرانہ مہر بلب تھی۔ اس کی تمام عقل مندیاں دھری کی دھری رہ گئی تھیں اور ثریا خاتون اپنے بیٹے کو صاف بچا گئیں۔

"مگر میری خوشیوں پر صور پھونکنے یہ رئیسہ اچانک کہاں سے آ گئیں۔"

انہوں نے بہت بے قراری سے پہلو بدلا تھا پھر اٹھ بیٹھیں اور کچھ سجھائی نہ دیا تو دھیان بٹانے کچن کی طرف چل دیں۔

"کیا سمجھتی ہو' تم نہیں ہو گی تو دنیا کے سب کام رک جائیں گے۔" سمیر بہت ٹوٹے بکھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ان کے قدم وہیں رک گئے۔ جانتی تھیں اس کا مخاطب کون ہے۔

"زمین اپنے محور سے ہٹ جائے گی یا آسمان گر پڑے گا۔" اس کے لہجے میں بھری وحشت چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔

ایک طرف رئیسہ تھیں جنہوں نے بیٹے کی خوشی کے لیے طبقات کا فرق نظر انداز کر دیا تھا۔ کتنا خوش تھا جہانگیر' صبح کا منظر ایک بار پھر ان کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا تھا۔

سمیر اور جہانگیر' دونوں ان کے تصور میں آ کھڑے ہوئے۔ سمیر کے چہرے کے رنگ دھیرے دھیرے بجھ رہے تھے اور وہ رنگ ایک ایک کر کے جہانگیر کے چہرے پر سجتے جا رہے تھے۔

"نہیں۔" انہوں نے خوف سے آنکھیں میچ لیں تھیں۔

☼ ☼ ☼

"ارے بہن بیٹے کو تو بلایئے۔ وہ کیا لڑکیوں کی طرح چھپا بیٹھا ہے۔" موٹی سی مہمان خاتون نے کمرے کے در و دیوار کو جانچتی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں' کیوں نہیں' جاؤ بہو! سمیر کو آواز دو۔" اماں بی نے خاموش بیٹھی ثریا خاتون کو ٹہوکا دیا۔

"وہ دراصل' بچے کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ اس لیے اپنے کمرے میں ہو گا۔" منی خالہ نے بھی مہمان خواتین کی تسلی کروانی چاہی تھی۔

مہمانوں کو آئے آدھے گھنٹے سے زیادہ ہو چکا تھا مگر نہ کوئی مشروب پیش کیا گیا اور نہ ہی ثریا خاتون کی طرف

سے کسی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا گیا۔ وہ گم صم سی بیٹھی تھیں۔

"یہ علیزے کی ساس کو کیا ہوا۔ ہماری طرف آئیں تو بہت چہک رہی تھیں۔ اب تو پتھر کی مورت بنی بیٹھی ہیں۔" ایک خاتون نے دوسری کے کان میں سرگوشی کی۔

فاروق احمد مہمانوں سے پہلی بار مل رہے تھے۔ وہ دونوں مردوں کے ساتھ خواتین سے ذرا ہٹ کر دوسرے صوفے پر بیٹھے تھے اور تعارف کے ابتدائی مراحل سے گزر رہے تھے۔

"دانت میں درد ہے۔ زیادہ باتیں نہیں کر سکتی۔" سرگوشی کرنے والی خاتون کو جتاتی نظروں سے دیکھتے ہوئے ثریا خاتون نے لٹھ مار انداز میں کہا۔

"منی خالہ! آپ عمرانہ اور نتاشا کو بھی بلا لائیں۔ سمیر کے سسرال والے آئے ہیں، وہ بھی تو ان سے ملیں۔" ثریا خاتون کے کہنے پر منی خالہ کمرے سے باہر چلی گئیں۔

"السلام علیکم!" سمیر کو شاید منی خالہ نے بھیجا تھا۔ وہ صبح والے حلیے میں ہی چلا آیا تھا۔

"ہائے اللہ! یہ تو کسی دہشت گرد گروہ کا سرغنہ لگتا ہے۔" اس بار دوسری خاتون نے پہلی والی کے کان میں کہا۔ مگر ثریا خاتون کی سماعتیں تو آج حساس اداروں سے زیادہ تیز کام کر رہی تھیں۔

"آپ کی بیٹی کون سا آسمان سے اتری ہوئی حور ہے۔ رنگ روپ سے تو بالکل ویسٹ انڈین لگتی ہے۔" ثریا خاتون کے بلند آواز تبصرہ پر خواتین ہی نہیں چونکی تھیں، مردوں کی دھیمی گفتگو بھی گھمبیر سناٹے میں بدل گئی تھی۔

"بہن! کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟" خاتون نمبر ایک نے کچھ ہمت سے کام لیا۔

"اس دن تو آپ علیزے پر یوں صدقے واری ہو رہی تھیں جیسے ہم سے رشتہ جوڑنا ہی آپ کی سب سے بڑی خوش قسمتی ہو۔" دوسری خاتون نے بھی ابرو اچکائے۔

"مروت نبھا رہی تھی۔ ورنہ آنکھوں سے اندھی نہیں ہوں۔ آپ سے تو مروت بھی نہ نبھائی گئی۔ جھٹ سے میرے بیٹے کو غنڈہ کہہ دیا۔"

فاروق احمد اور اماں بی ثریا خاتون کے ان بدلے تیوروں کا مطلب سمجھنے سے قاصر تھے۔ کل تک جن لوگوں کی شان میں وہ قصیدے پڑھتے نہ تھک رہی تھیں، آج انہیں گھر بلوا کر بے عزت کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ صرف سمیر ہی لاتعلق سا ایک طرف خاموش بیٹھا سارا منظر دیکھ رہا تھا۔

"بہو! ہوش کے ناخن لو، کیا اول فول بک رہی ہو۔" اماں بی نے گھر کا۔

"ان کی طرف سے میں معذرت کرتا ہوں۔ ثریا بیگم! باہر آ کر میری بات سنیے گا۔" فاروق احمد نے اٹھتے ہوئے کہا۔ وہ بہت زیادہ شرمندہ ہو رہے تھے۔

"رہنے دیجیے بھائی صاحب! ہمیں نہیں کرنی ایسے گھر میں اپنی بیٹی کی شادی، جہاں ساس اس قدر منہ پھٹ ہو۔" موٹی خاتون نے ہاتھ نچایا۔

اماں بی بار بار اپنے دوپٹے کے پلو سے چہرے پر آیا پسینہ پونچھ رہی تھیں۔

"مجھے بھی نہیں کرنی اپنے گبھرو جوان بیٹے کی شادی آپ کی لڑکی سے۔ کل کو پوتے پوتیاں بھی اسی جیسے ہوں گے۔ اب بھلا میں کہاں انہیں ویسٹ انڈیز کی ٹیم میں بھرتی کرواتی پھروں گی۔"

ثریا خاتون کی اس اچانک بے موقع امڈ آنے والی حس مزاح پر جہاں مہمان سبکی محسوس کر رہے تھے وہاں فاروق احمد، اماں بی اور سمیر بھی انگشت بدنداں ان برجستہ جملوں پر زیر لب مسکرانے پر مجبور بھی ہو گئے۔

"بہت ہو گئی اٹھیے ہمدانی صاحب!" مہمان رخصت ہوا چاہتے تھے۔

ادھر منی خالہ، عمرانہ اور نتاشا کے ساتھ ڈرائنگ روم کے دروازے میں کھڑی اس بدلے منظر کو نا سمجھی سے دیکھ رہی تھیں۔

"رکیے مسز ہمدانی!" ثریا خاتون کی پر اعتماد آواز

خاصی بلند تھی۔ "چلتے چلتے آپ کو دکھا دوں میرے خوبرو بیٹے کے ساتھ کیسی لڑکی جچتی ہے۔ اس سے ملیے میری ہونے والی بہو نتاشا طارق۔" انہوں نے حیرت سے منہ کھولے دیکھتی نتاشا کو بازو سے پکڑ کر مسز ہمدانی کے سامنے کیا۔

"ہونہہ!" وہ بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

"امی!" سمیر کو اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے بیٹے کو سینے سے لگایا۔

دوسرے بازو سے انہوں نے نتاشا کو بھی اپنے ساتھ لگایا۔

"عمرانہ! میری کوتاہیوں کو معاف کر کے میرے بچے کی خوشیاں میری جھولی میں ڈال دو۔" وہ اپنے آنچل کو عمرانہ بیگم کے سامنے پھیلاتے ہوئے نم آواز میں کہہ رہی تھیں۔

"بھابھی! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ نتاشا تو شروع سے اماں کی امانت تھی۔" عمرانہ نے ہمیشہ کی طرح بڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"مگر..... رئیسہ اور جہانگیر....." اماں بی نے اہم جانب سب کی توجہ مبذول کروائی۔ سب کے مسکراتے چہرے ایک لمحے میں پھیکے پڑ گئے۔

"میں کہہ دوں گی رئیسہ سے۔" ثریا خاتون کی آواز گونجی۔ "میں کہہ دوں گی اس سے کہ اس کے بیٹے کو کوئی اور بہت پیاری سی مل جائے گی مگر ہمارے گھر کو صرف نتاشا کی ضرورت ہے۔ مجھے معلوم ہے وہ لڑے گی مجھ سے مگر میں ہی خاندان بھر میں بری مشہور ہوں۔ مزید سہی..... مگر میرے بیٹے کے دل کی خوشی تو پوری ہو جائے گی ناں۔ جہانگیر کو تو نتاشا منگنی کے بعد اچھی لگی۔ میرا سمیر تو بچپن سے محبت کرتا ہے۔ میرے بیٹے کا حق زیادہ ہے۔ ہے نا اماں بی!" انہوں نے گیلی آنکھوں سے اماں بی سے تائید چاہی۔ وہ کیسے انکار کر سکتی تھیں۔ مگر وہ سنجیدگی سے بولیں۔

"رکو چھوٹی بہو!" اماں بی کی تحکمانہ آواز گونجی۔ "یہاں کھڑے کھڑے ہاں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم باقاعدہ رشتہ لے کر آئیں گے۔ تم اچھی طرح سوچ کر جواب دینا۔"

پورا ڈرائنگ روم قہقہوں سے گونج اٹھا۔

سمیر نے نتاشا کو ڈرائنگ روم سے باہر جاتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے ایک نظر سب کی طرف دیکھا۔ وہ باتوں میں مصروف تھے۔ وہ الٹے پاؤں کھسکتے ہوئے باہر آ گیا۔

"کہاں جا رہی ہو؟" سمیر نے تیزی سے سامنے آ کر اس کا رستہ روکا تھا۔

"اپنے گھر۔"

"تمہارا اپنا گھر تو یہی ہے۔ سنا نہیں ابھی عمرانہ چچی نے کیا کہا، تم بچپن سے میری امانت ہو۔" وہ اترایا تھا۔

"آپ نے نہیں سنا، اماں بی نے کیا کہا، وہ باقاعدہ رشتہ لے کر آئیں گی تو ہم سوچ کر جواب دیں گے۔" آج نتاشا کے لہجے میں بھی استحقاق جھلک رہا تھا۔

"جتنا چاہے سوچ لو، جب لینے آؤں گا تو ساتھ آنا ہی پڑے گا۔" اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے وہ بہت مان سے مسکرایا تھا۔

"اتنا یقین ہے آپ کو؟"

"ہاں، سچے دل کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی۔ پھر میری اور تمہاری دعائیں الگ ہی کب ہیں۔" اس کی آنکھوں میں سچے جذبے موجزن تھے۔

نتاشا نے سر جھکا لیا۔ اس کی لرزتی پلکوں پر لکھی دعا پڑھ کر سمیر مسکرا دیا تھا۔

☆

نگہت عبداللہ

توصیف احمد اور یاسمین کا ایک بیٹا حماد اور دو بیٹیاں سارہ اور اریبہ ہیں۔ یاسمین کی مستقل بد مزاجی اور بد زبانی سے تنگ آکر توصیف احمد نے اپنے بڑے بھائی کی سالی خالدہ سے دوسری شادی کرلی۔ اس بات پر یاسمین اپنے جیٹھ، جٹھانی سے بھی شاکی ہے۔ اریبہ ماں سے قریب ہے، جبکہ سارہ اپنے باپ سے محبت کرتی ہے۔ اریبہ کی منگنی اس کے تایا زاد، اجلال رازی سے ہوچکی ہے جو اعلا تعلیم کے لیے امریکہ گیا ہوا ہے۔ یاسمین، اریبہ کو باپ اور ددھیالی رشتے داروں کے خلاف بھڑکاتی رہتی ہے۔ اریبہ کو جب باپ کی دوسری شادی کا پتا چلتا ہے تو وہ اپنے تایا اور تائی سے بھی بدظن ہوجاتی ہے اور اجلال سے منگنی بھی توڑ دیتی ہے۔ اجلال اریبہ سے محبت کرتا ہے اور یہ رشتہ ختم نہیں کرنا چاہتا۔

وہ اس بارے میں اریبہ سے بات کرتا ہے، مگر وہ خاصی روکھائی سے پیش آتی ہے، تاہم وہ تحمل سے کام لیتا ہے کیونکہ وہ یہ مسئلہ بردباری کے ساتھ حل کرنا چاہتا ہے۔ اریبہ بے حد خود سر ہوتی جارہی ہے۔ وہ ماں کی شہ پر سب کی مرضی کے خلاف موٹر سائیکل لے لیتی ہے۔ سارہ کا کزن سمیر اس سے اظہار محبت کرتا ہے۔ سارہ بھی اسے پسند کرتی ہے مگر وہ کھل کر اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرتی۔

شمشیر علی شہر میں ملازمت کرتا ہے۔ اسے گاؤں میں مقیم اپنی بہن تاجور کی فکر رہتی ہے۔ کیونکہ وہ وہاں سوتیلی ماں کے ظلم و ستم اور باپ کی عدم توجہ کا شکار ہے۔ وہ تاباں کو پسند کرتا ہے۔ وہ اپنے باپ کو فون کرتا ہے کہ تاباں کے باپ سے رشتے کی بات کرے تاکہ وہ شادی کے بعد تاجور کو اپنے ساتھ رکھ سکے۔

تاباں کا باپ بدلے میں اپنے لیے تاجور کا رشتہ مانگ لیتا ہے۔ شمشیر غصے میں تاباں سے اپنا راستہ الگ کرلیتا ہے اور تاجور کو اپنے ساتھ شہر لے آتا ہے۔ تاجور کو ٹی بی ہوتی ہے۔ وہ اسے اسپتال داخل کروا دیتا ہے۔
اریبہ' یاسمین کو شہباز درانی کے ساتھ گاڑی میں دیکھ لیتی ہے۔ اسے ناگوار لگتا ہے' مگر یاسمین جھوٹی کہانی سنا کر اسے مطمئن کر دیتی ہے۔ ٹی بی کے مریض کی کیس ہسٹری تیار کرنے کے سلسلے میں اریبہ کی ملاقات تاجور سے ہوتی ہے۔
اجلال رازی' اریبہ سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے۔ سارہ کو کھڑکی میں مگن کھڑے دیکھ کر شرارت سے ڈرا دیتا ہے۔ وہ اپنا توازن کھو کر گرنے لگتی ہے تو اجلال اسے بازوؤں میں تھام لیتا ہے۔
یاسمین اور شہباز درانی کی نازیبا گفتگو سن کر اریبہ غصے میں بائیک لے کر نکل جاتی ہے۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے۔ شمشیر علی بروقت اسپتال پہنچا کر اس کی جان بچا لیتا ہے۔ اسی اسپتال میں تاجور بھی داخل ہے۔ اریبہ ہوش میں آنے کے بعد اپنے رویے اور سوچ پر نادم ہوتی ہے۔ شمشیر علی' توصیف احمد کے آفس میں کام کرتا ہے۔ توصیف احمد اسے سیف سے ایک ضروری فائل نکال کر جیلانی صاحب کو دینے کے لیے کہتے ہیں۔ بعد میں انہیں پتا چلتا ہے کہ سیف میں سے فائل کے ساتھ ستر لاکھ روپے بھی غائب ہیں۔
وہ شمشیر پر رقم چوری کا الزام لگاتے ہیں تو وہ پریشان ہو جاتا ہے۔ اریبہ' ماں کی اصلیت جان کر بالکل بدل جاتی ہے اور مضطرب رہنے لگتی ہے۔
رازی' اریبہ سے ملنے جاتا ہے تو اریبہ اس کی باتیں سن کر کچھ الجھ سی جاتی ہے۔ تاجور کو اسپتال سے باہر روتے دیکھ کر اریبہ اسے اپنے ساتھ گھر لے آتی ہے۔
توصیف احمد کے سابقہ چوکیدار الیاس کی نشاندہی پر شمشیر کی بے گناہی ثابت ہو جاتی ہے۔ وہ رہا ہو کر دل گرفتہ سا اسپتال جا کر تاجور کا معلوم کرتا ہے مگر اسے صحیح معلومات نہیں مل پاتیں۔ اسپتال کا چوکیدار فضل کریم اسے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ وہاں سے شمشیر اپنے گاؤں جاتا ہے۔ مگر ابا کو تاجور کی گمشدگی کے بارے میں نہیں بتاتا۔ تاباں کی شادی ہو جاتی ہے۔
یاسمین' اریبہ کی جلد از جلد شادی کرنے کی فکر میں پڑ جاتی ہے۔ مگر اریبہ دوٹوک انداز میں منع کر دیتی ہے۔ یاسمین چالاکی سے اپنے گھر تمام رشتے داروں کو دعوت پر مدعو کرتی ہے۔ اجلال مضطرب سا دعوت میں شریک ہوتا ہے۔ اسے دیکھ کر اریبہ مزید الجھن کا شکار ہوتی ہے۔
بلال اسٹڈی کے لیے امریکہ چلا جاتا ہے۔ اجلال' اریبہ سے محبت کا اظہار کرتے کرتے اچانک گریزاں ہو جاتا ہے۔ اجلال بے حد نادم ہوتا ہے۔ سارہ اسے سب کچھ بھولنے کا کہتی ہے۔ وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں سمیر سے بات کرتی ہے۔ مگر اس کی طرف سے سخت جواب ملتا ہے۔ شمشیر کو اسپتال میں اریبہ نظر آجاتی ہے۔ وہ اس سے شدید نفرت محسوس کرتا ہے اور کالج سے واپسی پر اسے اغوا کر لیتا ہے۔
اریبہ کے اغوا ہو جانے پر سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ اجلال' ساجدہ بیگم سے کہہ دیتا ہے کہ اب وہ اریبہ سے شادی نہیں کرے گا۔ شمشیر اریبہ سے تمیز سے پیش آتا ہے۔ کچھ دن بعد اریبہ کو محسوس ہوتا ہے کہ اس نے شمشیر کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔
شمشیر علی کو اریبہ اچھی لگنے لگتی ہے۔ وہ اریبہ کو اپنا سیل فون دے دیتا ہے کہ وہ جس سے چاہے رابطہ کر لے۔ اریبہ اجلال کو فون کرتی ہے' مگر وہ سرد مہری سے بات کرتا ہے تو اریبہ کچھ بتائے بغیر فون بند کر دیتی ہے۔ شمشیر علی نے ابراہیم نامی بچے سے اسکیچنگ سیکھ کر تاجور کی تصویر بنائی تو اریبہ اسے دیکھ کر فوراً" پہچان گئی۔ اس نے شمشیر کو بتایا کہ اریبہ اس کے گھر میں حفاظت سے ہے۔ شمشیر اب اریبہ کو واپس پہنچانا چاہتا تھا' لیکن اریبہ نہیں چاہتی ہے کوئی شمشیر علی کو مجرم سمجھے۔ وہ ایک منصوبہ بناتی ہے۔ جس کے تحت شمشیر علی اسے اسپتال میں داخل کرا کے توصیف احمد کو اطلاع کر دیتا ہے۔ توصیف احمد اس کے ساتھ اسپتال جاتے ہیں اور اریبہ کو گھر لے آتے ہیں۔
اریبہ کو دیکھ کر اجلال کو محسوس ہوا کہ وہ اس کی محبت سے کبھی دستبردار نہیں ہو سکتا مگر پھر ساجدہ بیگم سے سارہ سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کر دیتا ہے۔ وہ ناراض ہو جاتی ہیں۔ ثنا' سمیر کو فون پہ بتا دیتی ہے۔ وہ سارہ سے پوچھتا ہے' پھر جواب نہ پا کر اریبہ کو بتا دیتا ہے۔ اریبہ' سارہ سے ناراض ہو جاتی ہے۔ اریبہ اپنے والد کے دفتر میں اجلال سے اشاروں' کنایوں میں اس بات کی تصدیق کرتی ہے۔ اجلال کے چہرے کے تاثرات سے اسے جواب مل جاتا ہے۔ سارہ حالات سے خوف زدہ ہو کر خودکشی کرنے کی کوشش کرتی ہے۔
ایک عرصے بعد یاسمین کو اپنے والدین یاد آتے ہیں تو وہ توصیف احمد سے اجازت لے کر ان سے ملنے چلی جاتی ہے۔ دوسرے شہر میں ہونے کی وجہ سے وہ ثنا کی شادی میں شرکت نہیں کر پاتی۔ توصیف احمد پر یہ راز کھل جاتا ہے کہ تاجور اور شمشیر بہن بھائی ہیں۔ یاسمین اپنی والدہ کے ساتھ اپنی مرحومہ کزن کے بچوں سے ملنے جاتی ہے۔ وہاں اسے باتوں میں پتا چلتا ہے کہ ان کے گھر مقیم تاجور ان کی مرحومہ کزن کی بیٹی ہے۔ سارہ اور رازی کی فون پر گفتگو سن لینے کے بعد اریبہ مزید دلبرداشتہ ہو جاتی ہے اور شمشیر کے پروپوزل کی ہامی بھر لیتی ہے۔

—۲۲—
بائیسویں اور آخری قسط

گھر خالی ہو گیا تھا۔ سب ثنا کی شادی میں چلے گئے تھے۔ اریبہ تبدیل کر کے نانی اماں کے پاس آ بیٹھی۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ وہ اب تک اتنے انمول رشتے سے محروم رہی تھی۔ بے غرض و بے ریا نانی اماں جب سے آئی تھیں' واری صدقے جا رہی تھیں۔
"تیری ماں نے ادھر مجھے بتایا ہی نہیں تھا کہ تیری شادی ہے۔ بتا دیتی تو میں تیرے لیے کچھ لے آتی ایسے ہی خالی ہاتھ آ گئی ہوں۔" نانی اماں اسی افسوس میں بیٹھی تھیں۔
"نانی اماں! آپ آ گئی ہیں۔ میرے لیے اس سے بڑھ کر کچھ نہیں۔" اس نے نانی اماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا پھر اچانک اشتیاق سے پوچھنے لگی۔
"ویسے آپ میرے لیے کیا لائیں؟"
"جو کچھ تیرے لیے جمع کیا ہے' لے آتی۔" نانی اماں نے کہا تو وہ مزید متجسس ہو گئی۔
"میرے لیے... میرے لیے کیا جمع کیا ہے آپ نے؟"
"بس بیٹی! دو تین جوڑے ہیں اور اپنے وقت کے چاندی کے برتن میں نے سنبھال رکھے تھے۔ یاسمین تو ناک بھوں چڑھاتی تھی۔ تجھے بھی پتا نہیں اچھے لگیں گے کہ نہیں۔" نانی اماں نے بتاتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھا تو ان کا دل رکھنے کی خاطر اس نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا۔
"ہائے سچ نانی اماں! مجھے تو چاندی کے برتن بہت اچھے لگتے ہیں۔"
"تو لے جائے گی اپنے ساتھ؟" نانی اماں ابھی بھی غیر یقین سی تھیں۔

"بالکل لے جاؤں گی نانی اماں! بہت سنبھال کر رکھوں گی۔ اب تو ایسی چیزیں نایاب ہیں۔"
"کیا ہیں! نانی اماں! کبھی نہیں۔"
"میرا مطلب ہے' ایسی چیزیں اب نہیں ملتیں۔" "اب تو سب کھوتا ہی کھوتا ہے نانی اماں! کھرا کچھ بھی نہیں۔" نہ جانے کہاں کھو گئی تھی۔
"ہاں بیٹی! قیامت کی نشانی ہے۔"
"چلیں۔ اب آپ آرام کریں۔ مما لوگ تو پتا نہیں کب آئیں گی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی' پھر جب نانی اماں لیٹ گئیں تو وہ نائٹ بلب آن کرکے اپنے کمرے میں آگئی اور لیٹتے ہوئے اپنا سیل فون اٹھا کر چیک کیا۔ شمشیر علی کی تین چار کالیں آئی ہوئی تھیں اور ایک میسج تھا۔
"ساقیا آج مجھے نیند نہیں آئے گی۔"
اریبہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سیل فون رکھ کر اس نے آنکھیں بند کرلیں تو پھر نیند کی وادیوں میں اترنے تک اس نے طویل سفر طے کیا تھا۔

☼ ☼ ☼
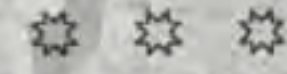
رات ثنا کی مہندی سے واپسی بہت دیر میں ہوئی تھی۔ اس وقت اریبہ سو چکی تھی جب ہی سارہ اسے اس کے نکاح سے متعلق ہونے والی باتیں نہیں بتا سکی تھی' لیکن بتانے کو بہت بے چین بھی تھی۔ اس بے چینی کے باعث ناشتا گول کرکے چائے کا کپ لیے ہوا اریبہ کے کمرے میں آئی تو وہ اسے دیکھ کر بولی۔
"اٹھ گئیں۔"
"رات سوئی بھی تو دیر سے تھی۔ ایک بجے تو وہاں سے واپسی ہوئی تھی۔" سارہ بتاتے ہوئے اطمینان سے صوفے میں دھنس گئی۔
"ارے ہاں کیسا رہا مہندی کا فنکشن؟"
"مہندی کا فنکشن۔" سارہ ہنسی تو اریبہ نے فوراً" پوچھا۔
"کیوں۔ بدمزگی ہوگئی تھی کوئی؟"
"نہیں۔" سارہ نے ہنسی کے دوران نفی میں سر ہلایا۔
"پھر؟" اریبہ قدرے الجھی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔
"پھر یہ کہ۔" سارہ چائے کا کپ ایک طرف رکھ کر مزا لیتے ہوئے بتانے لگی۔ "تھا تو ثنا کی مہندی کا فنکشن' لیکن سب کا موضوع گفتگو تمہارا نکاح تھا۔ سب لوگ مما کو مبارک باد دے رہے تھے اور سچ اریبہ! مما اور ڈیڈی کو میں نے ایک ساتھ اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا۔ شاید ہمارے بچپن میں بھی مما ڈیڈی اس طرح اکٹھے خوش ہوئے ہوں۔"
"اور باقی لوگ۔۔۔ میرا مطلب ہے سب لوگ خوش تھے؟" اریبہ نے سارہ کی پوری بات سننے کے بعد پوچھا۔
"ہاں بظاہر تو سب ہی خوشی کا اظہار کررہے تھے اور اگر لوگوں سے تمہاری مراد رازی ہے تو کل سب سے پہلے انہوں نے ہی مجھے مبارک باد دی تھی۔" سارہ نے ہنوز محظوظ انداز میں بتایا تو اریبہ بلا ارادہ بولی تھی۔
"ظاہر ہے۔ اس کے راستے کی رکاوٹ جو دور ہوگئی تھی۔"
"رکاوٹ!" سارہ کو جیسے کسی نے بہت اونچائی سے دھکا دے دیا کہ اس کی اوپر کی سانس اوپر' نیچے کی نیچے رہ گئی تھی۔

"ہاں ناسارہ! میں تم دونوں کے لیے رکاوٹ ہی تو بنی ہوئی تھی۔" اریبہ بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں بولی' پھر سارہ کو دیکھا تو اس کا رنگ فق ہوگیا تھا۔
"ارے' تمہارا رنگ کیوں اڑ گیا۔ کم آن سارہ! آخر کب تک چھپاؤ گی اور کیوں چھپاؤ گی۔ میری تو ہر بات کرید کرید کر پوچھتی رہی ہو اور اپنے معاملے میں اتنی رازداری۔" اریبہ نے اپنے ہلکے پھلکے انداز میں فرق نہیں آنے دیا تھا۔
"دل پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا سارہ! یہ کبھی بھی کہیں بھی بے ایمان ہوسکتا ہے۔ اگر تمہارا دل رازی کے لیے۔"
"بس کرو اریبہ! اگر میرا دل بے ایمانی کا مرتکب ہوتا تو میں کلائی کی نس کاٹنے کے بجائے دل میں چھرا گھونپ لیتی۔ یہ حیا ہی ہے جس نے میری زبان پر تالے ڈال رکھے ہیں۔ ورنہ میں چیخ چیخ کر ساری دنیا کو بتاتی کہ میرے ساتھ کیا ہوا۔" سارہ کا ضبط جواب دے گیا۔
"تم نے اپنے آپ جو چاہا سمجھ لیا۔ میں اور رازی۔۔۔ نہیں اریبہ! ہمارے دل بے ایمان نہیں ہوئے۔ ہو بھی کیسے سکتے تھے۔ رازی تم سے محبت کرتے ہیں اور میں سمیر سے' لیکن ہم میں سے کسی کو بھی محبت راس نہیں آئی یا شاید ازل سے ہی ہمارے بخت میں نارسائی لکھ دی گئی تھی' جب ہی حالات نے ہمارے خلاف کمر کس لی تھی۔"
سارہ سانس لینے کو رکی اور اریبہ جو غور سے اسے سننے لگی تھی' بے اختیار بولی تھی۔
"صرف میرے خلاف سارہ! میں کڈنیپ ہوئی تھی۔"
"یہ تو بعد کی بات ہے۔" سارہ کے لہجے میں دکھ' تلخی اور جانے کیا کچھ تھا۔ اریبہ پھر اسے دیکھنے لگی۔
"ہماری قسمتوں کا فیصلہ تو اس سے پہلے ہی ہوگیا تھا۔ خصوصاً" میرے نصیب پر تو سیاہی ہی پھر گئی تھی۔ اس روز جب تمہارا بائیک ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ تمہیں تو پھر اللہ نے نئی زندگی دے دی تھی' لیکن میری زندگی نہ ختم ہونے والے اندھیروں میں ڈوب گئی۔"
سارہ بولتے ہوئے بار بار تھوک نگل رہی تھی۔ اریبہ نے اس کے دل پر بھاری بوجھ محسوس کرکے خود کو کچھ بھی کہنے سے باز رکھا اور اسے بولنے دیا۔
"اس روز رازی تم سے ملنے آئے تھے' سرد موسم کی ہلکی بارش میں وہ بڑے موڈ میں تھے۔ تمہاری ناراضی کے باوجود ان کا ارادہ تھا کہ وہ زبردستی تمہیں اپنے ساتھ آؤٹنگ پر لے جائیں گے' لیکن تم نہیں تھیں' میں نہا کر نکلی تھی اور اتفاق سے میں نے وہی پرنٹ پہن رکھا تھا' جو تمہارے پاس تھا۔ اچانک رازی پیچھے سے۔۔۔ اور پھر۔۔۔ پھر ایک کمزور لمحے میں رازی نے میرے ساتھ۔۔۔" سارہ کی آواز ساتھ چھوڑ گئی اور اریبہ کے حواس۔ پھر کتنی دیر بعد خاموش فضا میں سارہ کی سسکی ابھری تھی۔
"پھر میں ویسی نہیں رہی اریبہ!"
"رازی!" اریبہ کے تن وجود میں اچانک شرارے بھر گئے تھے۔ "رازی اتنا گر سکتا ہے اور تم پھر بھی اس کے ساتھ مل کر مجھے آزار پہنچاتی رہیں۔"
"نہیں اریبہ! میں تمہیں آزار پہنچانے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔" سارہ تڑپ اٹھی۔
"کیوں کیا تم راتوں کو چھپ چھپ کر فون پر رازی سے باتیں نہیں کرتی تھیں؟"
"کرتی تھی' لیکن فون میں نہیں' رازی کرتے تھے۔ وہ مجھے یہ سمجھانے کی کوشش کرتے تھے کہ اس غلطی کی

تلافی صرف وہی کر سکتے ہیں۔ اس گناہ کے بعد کوئی دوسرا شخص مجھے قبول نہیں کر سکتا۔ مجھے اس کی پروا نہیں ہے اریبہ! کہ مجھے کوئی قبول کرتا ہے یا نہیں۔ میرا دل رازی کو قبول نہیں کرتا مگر تم بتاؤ کیا میں ایک تیسرے کے ساتھ زندگی بتا سکتی ہوں۔۔۔ اس سے اچھا ہے میں مرجاؤں۔"

سارہ رونے لگی تو اریبہ اسے دیکھے گئی جبکہ اندر اس کا دل جیسے کسی شکنجے میں آگیا تھا اور ذہن کی اسکرین یوں جیسے کوئی مسلسل بٹن آن آف کر رہا ہو۔ جانے کب کب کے منظر ایک ایک کر کے یاد آرہے تھے' پھر ایک منظر پوری طرح روشن ہو کر ٹھہر گیا تھا' وہ دعوے سے کہہ رہی تھی۔

"اگر کبھی میرے ماضی کو سوچتے ہوئے تمہارے دل میں کوئی شبہ پیدا ہو تو اس پر گرفت مت کرنا کیونکہ میں اپنی زندگی سے وہ چار سال نکالنے پر قادر نہیں ہوں' لیکن میں یہ یقین سے کہوں گی کہ ان چار سالوں کی خوب صورتی مسخ ہو کر اتنا بھیانک روپ دھار چکی ہے کہ پلٹ کر دیکھنا تو دور کی بات' میں شاید تصور میں بھی نہیں لا سکتی۔"

سارہ نے روتے ہوئے بھی اریبہ کی غیر معمولی خاموشی محسوس کرلی۔

"مجھے معاف کر دو اریبہ! میں ایک توانا مرد کے سامنے بے بس ہونے کے باوجود تمہاری گناہ گار ہوں۔ میں لاکھ کہوں کہ اس میں میرا قصور نہیں لیکن۔۔۔" سارہ نے ساری ہمتیں یکجا کر کے اریبہ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"تم تنہا اتنا بوجھ کیسے اٹھائے پھرتی رہیں۔" اریبہ گم صم انداز میں بولی پھر ایک دم سارہ کو دیکھ کر کہا۔ "مجھ پر بھی بھروسا نہیں کیا؟"

"بہت بار سوچا' لیکن ہمت نہیں ہوئی۔ پھر رازی بھی منع کرتے تھے۔" سارہ سر جھکا کر کہنے لگی۔

"رازی کہتے تھے گناہ سے بڑا گناہ اس کا اشتہار لگانا ہے۔ جس بات کا پردہ خدا نے رکھ لیا' اسے عیاں مت کرو۔"

"پھر اب کیوں' اب کیوں تم عیاں ہو گئیں؟" اریبہ کے انداز میں عجیب سی جارحیت تھی۔ "کیا یہ بھی رازی نے کہا ہے کہ اب تو اریبہ راستے سے ہٹ گئی ہے' اب اسے سب بتا دو۔"

"نہیں۔ مجھے تمہاری حد سے سوا بدگمانیاں مارے ڈال رہی ہیں۔ مجھ سے اور برداشت نہیں ہوتا اریبہ!"

سارہ پھر رونے لگی تھی کہ یاسمین کی آواز سن کر اریبہ بجلی کی سی تیزی سے اٹھی اور سارہ کو کلائی سے کھینچ کر واش روم میں دھکیل دیا اور خود بیڈ کی چادر ٹھیک کرنے لگی۔

"اریبہ!" یاسمین اسے پکارتے ہوئے اندر آئی تھی۔

"جی مما!" اریبہ نے اپنی مصروفیت ترک نہیں کی۔

"بیٹا! سارہ نہیں اٹھی؟"

"اٹھ گئی ہے مما! واش روم میں ہے۔" اریبہ اب سیدھی ہو کر اپنے بال سمیٹنے لگی۔ وہ یاسمین کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔

"اچھا بیٹا! میں یہ پوچھنے آئی تھی کہ تم دونوں کی تیاری ہے نا' آئی مین! ثنا کی شادی میں چلنا ہے؟" یاسمین نے پوچھا تو وہ بددلی سے بولی۔

"جی مما! چلیں گے۔"

"ہاں بیٹا! خاندان کی پہلی شادی ہے۔ ہمیں لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔"

یاسمین کی اس بات پر اس نے بمشکل خود کو بولنے سے روکا تھا۔ ورنہ اس کے پاس کہنے کو بہت کچھ تھا۔ وہی جو سارہ کہتی تھی کہ "ہم پر انگلیاں اٹھانے سے پہلے سب اپنے اپنے گریبانوں میں جھانکیں۔"

☼ ☼ ☼

شمشیر علی اس وقت آفس سے نکلا تو سیدھا توصیف ولا آگیا۔ اسے اریبہ پر اب تھوڑا تھوڑا غصہ آنے لگا تھا کیوں کہ وہ اس کا فون ریسیو نہیں کر رہی تھی اور نہ ہی اس کے ٹیکسٹ کا جواب دیا تھا۔ وجہ خواہ کوئی بھی ہو، اس کے لیے قابل قبول نہیں تھی۔ آخر وہ اسے کس بات کی سزا دے رہی تھی۔ وہ شاکی ہو رہا تھا۔ اب یاسمین اور نانی اماں کے پاس بیٹھے ہوئے بھی اسے آدھا گھنٹہ ہو گیا تھا اور اس کا کہیں پتا نہیں تھا جبکہ شمشیر علی کو یقین تھا کہ اس کی آمد اور موجودگی سے بے خبر نہیں ہوگی۔ آخر اسے یاسمین سے پوچھنا ہی پڑا۔

"اریبہ اور سارہ گھر پر نہیں ہیں کیا؟"

"نہیں، دونوں ہیں۔ اصل میں آج ان کی کزن کی شادی ہے نا تو دونوں اسی تیاری میں لگی ہوئی ہیں۔" یاسمین نے سہولت سے بتایا تو قدرے رک کر وہ پوچھنے لگا۔

"آنٹی! میں اریبہ سے مل سکتا ہوں؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ وہ لابی میں رائٹ پر اریبہ کا کمرا ہے، وہیں چلے جاؤ۔" یاسمین نے اجازت کے ساتھ اریبہ کے کمرے کی نشان دہی بھی کر دی تو وہ شکریہ کہہ کر اسی طرف آگیا۔

اس نے دل میں دہرایا پھر دروازہ ہلکے سے بجا کر ہینڈل گھما دیا اور کچھ انتظار کے بعد اس خیال سے دروازہ پورا کھول دیا کہ اریبہ جہاں بھی ہوگی، اسے دیکھ لے گی۔

اور اریبہ سامنے ہی کھڑی تھی کسی گہری سوچ میں گم۔ شمشیر علی کو ڈھونڈنے سے بھی اس کے چہرے اور آنکھوں میں کوئی ایسا تاثر نہیں ملا جو اس کے دل کو چھو لیتا۔ وہ دروازے کے بیچ اسی شش و پنج میں کھڑا رہا کہ قدم آگے بڑھائے یا واپس پلٹ جائے، پھر کچھ سوچ کر ہلکے سے کھنکھارا تو اریبہ چونکی اور اسے دیکھتے ہی اپنی بے خبری پر جزبز ہونے لگی۔

"اندر آسکتا ہوں؟" شمشیر علی نے اجازت طلب کی۔

"آجاؤ لیکن کوئی سوال مت کرنا۔" اریبہ نے کہا تو وہ بے اختیار بولا۔

"مثلاً؟"

"یہی کہ میں کیا سوچ رہی تھی اور میں تمہارا فون کیوں نہیں اٹینڈ کر رہی تھی وغیرہ وغیرہ۔"

"تمہارے پاس جواب نہیں ہے یا تم جواب دینا نہیں چاہتیں۔" وہ خود کو آگے بڑھنے سے روک رہا تھا۔

"تم جو بھی سمجھ لو۔"

"جو بھی سمجھ لوں؟" شمشیر علی نے زور دے کر کہا تو وہ بظاہر بے نیازی سے کہنے لگی۔

"تم یہی سمجھو گے نا کہ میں اپنا گم شدہ جزیرہ تلاش کرنے میں نکلی تھی۔" شمشیر علی اس کے درست قیاس پر جھنجلاتے ہوئے یکدم اس کی طرف آتے ہوئے بولا۔

"سنو! میں فضول باتیں کرنے نہیں آیا۔ صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ میں اپنی زندگی میں آنے والے اس خوب صورت موڑ کو انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔ تم پلیز مجھے مزید کسی امتحان میں مت ڈالو۔"

"ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔ ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں۔" اریبہ اپنے آپ بولی تھی۔ شمشیر علی نے بڑھ کر اس کی کلائی تھام لی۔

"سنو! یہ مت بھولنا کہ میں اس وقت تمہیں اپنے ساتھ لے جا بھی سکتا ہوں۔"

"چلو کہاں چلنا ہے؟" اریبہ نے اتنے آرام سے ہتھیار ڈالے کہ اس نے مزید جھنجلا کر اس کی کلائی چھوڑ دی اور صوفے پر اس کی طرف سے منہ موڑ کر روٹھ کر بیٹھ گیا۔ اریبہ کو بے اختیار ہنسی آئی۔ ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر ہنسی چھپاتے ہوئے کہنے لگی۔

"کیا ہو گیا ہے شام! تمہیں پتا تو ہے میری کزن کی شادی ہے۔ پھر ابھی کل ہی تو ہمارا نکاح ہوا ہے تم بے صبری دکھاؤ گے تو کیا سمجھیں گے سب لوگ۔"

"بے صبری پر تم مجھے مجبور کر رہی ہو۔ اگر میرا فون اٹینڈ کر لیتیں تو میں کبھی یہاں نہ آتا۔" وہ ہنوز روٹھے انداز میں بولا تھا۔

"خیر! تمہارے یہاں آنے پر تو کوئی پابندی نہیں ہے اور جہاں تک فون اٹینڈ نہ کرنے کی بات ہے تو آئی ایم سوری! اصل میں، میں نانی اماں کے پاس تھی۔ رات دیر سے اپنے کمرے میں آئی تب تمہاری مس کالز دیکھی تھیں۔"

"تو تم مجھے کال بیک نہیں کر سکتی تھیں؟" وہ بہت شاکی ہو رہا تھا۔

"کر سکتی تھی، لیکن رات زیادہ ہو گئی تھی۔ میں نے سوچا تم سو گئے ہو گے اس لیے تمہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔" وہ بہت دھیرج سے بول رہی تھی۔ شمشیر علی جانچتی نظروں سے جن میں خفگی بھی تھی، اسے دیکھنے لگا۔

"بدگمان ہو رہے ہو؟" اریبہ نے اس کی نظروں کو سمجھ کر پوچھا تو وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

"نہیں چلتا ہوں۔ جب تم اپنی کزن کی شادی سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے بتانے کی زحمت کر لینا۔"

اریبہ خاموش ہو گئی۔ اس کی بات کے جواب میں اثبات میں سر تک نہیں ہلایا اور وہ بھی رکا نہیں، تیز قدموں سے وہاں سے نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

شاکو رخصت کر کے اجلال رازی ساجدہ بیگم کے ساتھ گھر آیا تو گہری خاموشی نے ان کا استقبال کیا تھا۔ گو کہ پہلے بھی گھر میں زیادہ افراد تو نہیں تھے، پھر بھی سناٹا محسوس ہو رہا تھا۔ دل ایک فرض کی ادائی پر اطمینان چاہتا تھا، لیکن اجلال رازی کے لیے کہیں اطمینان نہیں تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اچانک سارہ کو کیا ہو گیا ہے۔ اس کے اتنا سمجھانے کے بعد بھی وہ پھر پہلے مقام پر جا کھڑی ہوئی تھی۔ "نہیں نہیں" کی تکرار کرتی ہوئی۔

"میں پاگل ہوں جو اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا، حالانکہ میرا کچھ نہیں بگڑا تھا۔"

اسے اب غصہ آنے لگا تھا، ساجدہ بیگم کے لیٹنے تک وہ بمشکل خود پر جبر کیے رہا، پھر اپنے کمرے میں آیا تو تبدیل کر کے ٹہلنے لگا۔ وہ اسی وقت سارہ سے بات کرنا چاہتا تھا، لیکن فوراً" کال کرنے سے رک گیا کیوں کہ اس کے خیال میں سارہ بھی ابھی گھر پہنچی ہوگی اور چینج کر کے وہ اریبہ کے ساتھ باتوں میں مصروف ہوگی۔ جیسے لڑکیوں کی عادت ہوتی ہے کسی بھی تقریب سے واپسی پر وہاں موجود ہر شخص پر تبصرہ کرتی ہیں۔ اب پتا نہیں ایسا تھا کہ نہیں رازی کو بہرحال اس خیال سے خود پر مزید جبر کرنا پڑ رہا تھا۔ سگریٹ سلگاتے ہوئے اس کی نظروں میں وہ منظر آن سمایا جب اریبہ اور سارہ میرج لان میں داخل ہوئی تھیں۔ دونوں کا انداز لیا دیا سا تھا اور خصوصاً" اسے تو یوں نظر انداز کر رہی تھیں جیسے وہ وہاں موجود ہی نہ ہو پھر دونوں یاسمین کے ساتھ جس ٹیبل پر بیٹھیں تو پھر وہاں سے اٹھی نہیں۔ جیسے کسی غیر کی شادی میں شریک ہوئی ہوں۔

وہ اریبہ سے تو نہیں، لیکن سارہ سے ضرور شاکی ہو رہا تھا اور ایک بار تو اس کا دل چاہا تھا کہ وہ بھری محفل میں اسے جھنجھوڑ ڈالے کہ اسے کس بات کا زعم ہے۔ زعم تو وہی تھا جو وہ گنوا چکی ہے۔ بے ایا ہو چکی ہے وہ اور یہ اس کا ظرف ہے کہ وہ پھر بھی اسے اپنانا چاہتا ہے۔

اجلال رازی نے سر جھٹکا لیکن اس کے اندر اچانک تنفر بھر گیا تھا۔ سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر اس نے سیل فون اٹھا لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

توصیف ولا کے خاموش ماحول میں ٹیلی فون کی گھنٹی دور تک سنائی دی تھی۔ اریبہ نے چند لمحے انتظار کیا پھر کمرے سے نکل آئی۔ وہ جانتی تھی اس وقت رازی فون کرتا تھا۔ اس نے سارہ کے کمرے میں جھانک کر دیکھا، دیوار کی طرف کروٹ لیے جانے سو رہی تھی یا جاگ رہی تھی۔ ادھر فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔ اس نے سارہ کے کمرے کا دروازہ احتیاط سے بند کیا، پھر لائی میں آکر فون کا ریسور اٹھا لیا، لیکن بولی کچھ نہیں۔

"سارہ!" ادھر سے رازی نے پکار کر جیسے سارہ کا یقین کرنا چاہا تھا۔

"ہوں۔" اریبہ نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر ہلکی سی آواز نکالی۔

"کیا ہو گیا ہے سارہ تمہیں؟" رازی اچانک پھٹ پڑا تھا۔ "تم کوئی نادان، ناسمجھ بچی نہیں ہو جو تمہیں بار بار سمجھانا پڑے گا۔ تم خود اچھی طرح سمجھ سکتی ہو کہ تمہارے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ پھر تمہیں شکر کرنا چاہیے کہ میں اپنی غلطی پر نادم ہونے کے ساتھ تمہیں مزید کسی رسوائی سے محفوظ رکھنا چاہتا ہوں اور اس کے لیے مجھے کیا کچھ کھونا پڑا۔ یہ تم جانتی ہو۔ میں نے اپنی اولین محبت اریبہ کو کھو دیا جس سے دوری کا تصور ہی میرے لیے سوہان روح تھا۔ صرف اس لیے کہ میرا شمار ان لوگوں میں نہ ہو جو اپنی غلطیوں پر کبھی پلٹ کر بھی نہیں دیکھتے بلکہ الٹا الزام اس مظلوم کے سر رکھ دیتے ہیں۔ یہ بہت آسان ہے سارہ! لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا، کیوں کہ میں میزان پر کھڑا ہونے سے ڈرتا ہوں۔ میں بے ضمیر نہیں ہوں سارہ، میں بے ضمیر نہیں ہوں۔ حالانکہ شیطان نے مجھے بہت بہکایا تھا کہ میرا کچھ نہیں بگڑا۔ میں اریبہ سے شادی کر کے یہ ملک ہی چھوڑ جاؤں۔ یہ مشکل نہیں تھا سارہ! لیکن میں نے یہاں شیطان کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ میں اپنی نظروں میں گر گیا، مزید میں نے خود کو اریبہ کی نظروں سے بھی گرا دیا۔ اس سے بڑی سزا اور کیا ہو گی میرے لیے۔ اگر تمہارے نزدیک اس سے بڑی کوئی سزا ہو تو وہ بھی دے ڈالو مجھے، لیکن پلیز مجھے تلافی سے مت روکو۔ تم۔۔۔ تم سن رہی ہو نا؟"

اریبہ کی آنکھوں کے پیمانے لبریز ہو چکے تھے، رازی کے ٹوکنے پر آپ ہی آپ اس کی سسکی نکلی تھی۔

"رو مت سارہ!" رازی کی آواز بوجھل ہو گئی تھی۔ "بے شک اپنے اعمال کے ہم خود ذمہ دار ہیں، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ہم سے وہی عمل سرزد ہوتا ہے جو ازل سے ہماری روح پر لکھ دیا گیا ہوتا ہے اس کے بعد ہماری پرکھ ہوتی ہے۔ مجھے اس پرکھ میں سرخرو ہونے دو سارہ! میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر یاد رکھوں گا۔"

اریبہ نے حیرت سے ریسیور کو دیکھا پھر آہستگی سے کریڈل پر رکھ دیا اور وہیں بیٹھ گئی۔ اس کے دماغ میں مختلف سوچیں گڈمڈ ہونے لگی تھیں اور دل عجیب انداز سے دھڑک رہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ کیا محسوس کر رہی ہے۔

"رازی!" اس نے سوچنا چاہا، لیکن سماعتوں پر شمشیر علی کی آواز نے دستک دے ڈالی۔

"کیا ہم ایک دوسرے کی ضرورت نہیں بن چکے تو پھر کیوں نہ احسان کا راستہ چھوڑ کر حقوق و فرائض کی راہ اپنا لیں۔"

اسے کے ہاتھ جیسے کسی الجھی ڈور کا سرا آ گیا تھا جس پر گرفت کرتے ہوئے اس نے اپنا سارا دھیان ادھر منتقل کر لیا۔

کتنی مماثلت تھی۔

راہزن ہی راہبر تھا۔

رازی ہو یا شمشیر علی۔

"اف!" وہ ایک دم اٹھی تھی کہ ٹھٹھک گئی۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر سارہ کھڑی بے حد خاموش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر ایسے ہی سپاٹ لہجے میں پوچھنے لگی۔

"کیا کہہ رہے تھے رازی؟"

"رازی!" اس نے بے اختیار گردن موڑ کر ٹیلی فون کو دیکھا پھر قدرے سٹپٹائے انداز میں بولی تھی۔

"ہاں رازی۔۔۔ رازی ہی کا فون تھا۔"

"وہی تو میں پوچھ رہی ہوں۔ کیا کہہ رہے تھے۔" سارہ نے کہا تو وہ سختی سے بولی۔

"اب تک کیا کہتا آیا ہے وہ تم سے۔"

"تو تم نے انہیں بتا دیا ہے کہ تم۔۔۔"

"نہیں۔" وہ فوراً ٹوک کر کہنے لگی۔ "میں نے کچھ نہیں بتایا۔ میں کچھ بولی ہی نہیں۔ رازی یہی سمجھتا رہا کہ وہ تم سے بات کر رہا ہے۔"

سارہ گردن موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگی جیسے اب اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ ہو۔

"آؤ کمرے میں چلو۔" اس نے بڑھ کر سارہ کا بازو تھام لیا پھر اسے لیے کمرے میں جانے لگی تھی کہ سارہ ایک دم بازو چھڑا کر اپنے کمرے میں گھس گئی۔ اندر سے لاک لگنے کی آواز سن کر اریبہ متوحش ہو گئی اور فوراً اس کے دروازے پر ہاتھ مار کر گھٹی گھٹی آواز میں پکارا۔

"سارہ!"

"پریشان مت ہو اریبہ! میں اپنے ساتھ کچھ نہیں کروں گی۔ تم بس ابھی مجھے اکیلا چھوڑ دو۔"

اندر سے سارہ نے بجھے انداز میں کہا تو اریبہ اس کے احساسات سمجھتے ہوئے مزید کچھ نہیں بولی اور اپنے کمرے میں آکر صوفے پر دونوں پیر اوپر سمیٹ کر بیٹھ گئی۔ اس کی نیند اڑ چکی تھی۔ ذہن بھی اچانک خالی ہو گیا تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھ کر کوئی مصروفیت ڈھونڈنے لگی تو نظر سیل فون پر پڑی۔ اس نے شمشیر علی کا نمبر ملا کر کان سے لگا لیا۔

"زہے نصیب!" شمشیر علی نے فوراً کال ریسیو کی تھی۔ وہ حیران ہوئی۔

"تم جاگ رہے تھے؟"

"ہاں۔ عشق کی معراج کو چھونے کے لیے جاگ ضروری ہے۔" شمشیر علی نے ترنگ میں کہا۔

"جاگ!" وہ سمجھی نہیں۔

"جاگ کا مطلب سمجھتی ہو؟" شمشیر علی نے پوچھا۔

"تم بتا دو۔" وہ اس کی نئی منطق سننے کو تیار ہو گئی۔

"جاگ کا مطلب ہے جمانا۔ یعنی بغیر جاگ کے جمنا ممکن نہیں۔ دودھ میں بھی جب تک جاگ نہیں ڈالی جاتی وہ جمتا نہیں اور میں عشق میں قدم جمانے کے لیے جاگ رہا ہوں۔"

"اُف! تم بھی بس۔" وہ جھنجلا گئی۔
"اچھا یہ بتاؤ۔ کب مل رہی ہو؟"
"اگر میں کہوں، کبھی نہیں۔"
"تو مجھے یقین ہوجائے گا کہ تمہارا خون میرے ہاتھوں ہی لکھا ہے۔" شمشیر علی نے فوراً اس کی بات پوری کی تھی۔
"اوکے گڈ نائٹ۔" وہ فون بند کرکے سوچنے لگی کہ اس سے پہلے وہ کیا کررہی تھی اور سوچنے پر ہی اس کا دھیان سارہ کی طرف گیا تو وہ بس گہری سانس کھینچ کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

پھر کتنے بہت سارے دن گزر گئے۔ اریبہ، رازی اور سارہ کے معاملے کو سلجھانے کی کوشش میں خود الجھ گئی تھی۔ جو باتیں وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی، وہ مستقل اس کے ذہن پر دستک دینے لگی تھیں۔ کبھی رازی کی محبتیں یاد آتیں، کبھی اس کا تذلیل آمیز رویہ اور یہ احساس کہ رازی نے اسے خود سے دور کرنے کے لیے اس کی کردار کشی کی تھی، جہاں اسے اطمینان دیتا وہاں افسوس بھی ہوتا کہ اس نے کیوں رازی کا فون اٹینڈ کیا تھا۔ کاش! وہ بے خبر رہتی تاکہ جو دعوا اس نے شمشیر علی کے سامنے کیا تھا کہ وہ کبھی پلٹ کر نہیں دیکھے گی، اس پر قائم رہ پاتی۔ اب خائف ہوگئی تھی۔
"نہیں اریبہ! ہمارے دل بے ایمان نہیں ہوئے، ہو بھی کیسے سکتے تھے۔ رازی تم سے محبت کرتے ہیں۔ اور میں سمیر سے۔" اس وقت سارہ کی بات یاد آنے پر اس کے اندر بے چینی پھیل گئی۔ وہ اب یہ سب نہیں سوچنا چاہتی تھی۔
"میں اپنے دعوے پر قائم رہنا چاہتی ہوں۔" اس نے اپنے دل کو باور کراتے ہوئے سیل فون اٹھا کر کچھ سوچا پھر اجلال رازی کا نمبر ملا لیا۔
دوسری طرف بیل جاتے ہی اس کا سارا دھیان بھی ادھر منتقل ہوگیا تھا۔ اسے لگا جیسے رازی سیل فون ہاتھ میں لیے شش و پنج میں بیٹھا ہو کہ اس کی کال ریسیو کرے نہ کرے۔ پھر اس نے خود کو کڑے پہروں میں مقید کرکے کال ریسیو کی ہو۔
"ہیلو!" رازی کی آواز پر چونکتے ہوئے اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔
"میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔"
"کون؟" رازی کا انجان بننا اب اسے محسوس نہیں ہوا تھا۔
"اریبہ بات کررہی ہوں۔"
"ہاں اریبہ! کیسی ہو؟" رازی نے لیے دیے انداز میں پوچھا تو وہ ان سنی کرکے پوچھنے لگی۔
"تم اس وقت کہاں ہو؟"
"گھر۔۔۔ گھر پر ہی ہوں۔"
"ٹھیک ہے میں آرہی ہوں۔" وہ سلسلہ منقطع کرتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ جانے وہ کیا سوچ چکی تھی کہ اسے وہ وقت بھی یاد نہیں آیا، جب رازی نے اس کی کردار کشی کی تھی اور وہ اس گھر سے روتے ہوئے نکلی تھی۔ اب پھر وہیں جارہی تھی، لیکن اب اس کے اندر کوئی خوف نہیں تھا بلکہ پہلے بھی جیسے وہ تایا ابو کے گھر جاتی تھی، اسی طرح

آئی تھی اور ساجدہ بیگم کی حیرت محسوس کرنے کے باوجود ان کے گلے لگ کر پوچھنے لگی۔
"کیسی ہیں تائی امی آپ۔ ثنا کے جانے سے تو آپ اکیلی ہوگئی ہوں گی۔"
"ہاں!" ساجدہ بیگم کی ہاں میں آہ بھی شامل تھی۔
"کیسی ہے ثنا؟ خوش تو ہے نا۔" اس نے ساجدہ بیگم کے ساتھ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔
"ہاں اللہ کا شکر ہے۔ تم کیسے آئیں، مطلب کس کے ساتھ آئی ہو؟" ساجدہ بیگم کو یہی لگا جیسے شمشیر علی بھی ساتھ ہو۔
"کسی کے ساتھ نہیں تائی امی! مجھے رازی سے کام تھا۔ کہاں ہے رازی؟" وہ صاف گوئی سے اپنی آمد کا مقصد بتا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"کمرے میں ہوگا۔" ساجدہ بیگم نے ناگواری سے بتایا۔
"ہاں ابھی میں نے فون کیا تھا اسے۔ کہہ رہا تھا۔ گھر پر ہی ہوں۔" اس نے ایک طرح سے ساجدہ بیگم پر یہ جتا کر کہ وہ اچانک نہیں آئی، رازی کے کمرے کی طرف قدم بڑھا دیے۔
پھر ہمیشہ سے برعکس دروازہ پر دستک دے کر رک گئی۔ چند لمحوں بعد رازی نے دروازہ کھولا اور اسے دیکھ کر ایک طرف ہٹ گیا تو اس نے اندر داخل ہو کر یونہی ادھر ادھر نظر دوڑائی، پھر براہ راست رازی کو دیکھنے لگی۔
"بیٹھو!" دل کے چور نے رازی کو نظریں چرانے پر مجبور کیا تھا۔
"میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔" وہ کہتے ہوئے بیٹھ کر پھر اسے دیکھنے لگی۔
"امی سے ملیں؟" رازی کو کوئی بات نہیں سوجھ رہی تھی۔
"ہاں پہلے تائی امی سے ہی ملی ہوں۔ وہ میرے آنے پر حیرت زدہ ہیں اور شاید تم بھی۔" وہ قصداً مسکرائی تھی۔
"کیا پیو گی۔ چائے یا ٹھنڈا؟" رازی نے اس کی بات نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔
"کچھ نہیں۔ تم بیٹھ جاؤ۔ مجھے بس ایک دو باتیں کرنی ہیں۔"
رازی صوفے کی طرف بڑھا ضرور، لیکن بیٹھا نہیں تو وہ بھی اٹھتے ہوئے کہنے لگی۔
"ایسا ہے رازی! کہ اپنی نئی زندگی کی شروعات سے پہلے میں چاہتی ہوں کہ ہمارے گزشتہ مراسم کی ساری نشانیاں میں اپنے ہاتھوں سے مٹا ڈالوں۔ میرے پاس تمہارے دیے ہوئے جتنے تحائف تھے، وہ میں نے ضائع کردیے ہیں اور تمہیں تو شاید میں نے کبھی کچھ دیا ہی نہیں تھا سوائے لفظوں کے۔ یہی برتھ ڈے، ہیپی نیو ایئر، ابھی عید مبارک وغیرہ وغیرہ، ہے نا۔"
اس نے تصدیق چاہی تو وہ جو اس پر نظریں جمائے کھڑا تھا، ذرا سی گردن موڑ کر دیوار پر لگی پینٹنگ دیکھنے لگا۔
"پھر بھی رازی! میں تم سے کچھ لینے آئی ہوں بلکہ مطالبہ کرنے آئی ہوں۔" اس کے دھڑلے پر رازی نے جیسے ہی اسے دیکھا وہ بولی تھی۔
"میرے خواب لوٹا دو۔"
رازی کی آنکھوں میں ایک پل کو ان گنت دیے جل اٹھے تھے، جنہیں دیکھ کر ہی وہ کہنے لگی۔
"ہاں رازی! وہی خواب۔ جو ابھی تک تمہاری آنکھوں میں ڈیرہ جمائے ہوئے ہیں گو کہ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن سارہ۔۔۔"
رازی نے ایک دم اسے دیکھا تو وہ خاموش ہوگئی پھر بڑھ کر کھڑکی سے پردے سمیٹتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں گویا ہوئی۔

"میرا خیال ہے سارہ شاید اسی لیے تم سے شادی پر آمادہ نہیں ہو رہی کہ وہ سمجھتی ہے تم ابھی تک مجھ سے محبت کرتے ہو۔"

"بے وقوف ہے سارہ!" رازی کی آواز اور لہجہ بھی کمزور تھا۔ اریبہ یک لخت بادلوں میں سفر کرنے لگی تھی اور یہ ایک فطری احساس تھا کہ گردش دوراں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھی۔ وہ ابھی تک اپنے مقام پر کھڑی تھی۔ مصلحتاً ہی سہی اسے توڑنے والا خود ٹوٹ گیا تھا۔

"بہر حال..." وہ خود پر قابو پانے کے بعد کچھ کہنے کے لیے رازی کی طرف پلٹی تھی کہ اس کے ہاتھ میں سیاہ بریف کیس دیکھ کر رک گئی۔

"یہ..." رازی نے بریف کیس والا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ "تمہاری امانت۔"

"امانت؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"ابھی تم اسی کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ باقی سب تو تم ضایع کر چکی ہو۔ یہ خواب بھی لے جاؤ اور ہو سکے تو انہیں کسی ایسی جگہ دفن کر دینا جہاں سے کبھی ہمارا گزر نہ ہو۔"

رازی کوشش سے بھی اس کی طرف دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ اریبہ کو اچانک یاد آیا کہ یہ وہی بریف کیس ہے، جس میں ان گنت پھولوں کی پتیاں اور ہتھکڑیاں تھیں جنہیں دکھاتے ہوئے رازی نے کہا تھا۔

"یہ محض ایک کونپل یا ہتھکڑی نہیں ہے۔ اس کی ہر پتی پر ایک پوری داستان رقم ہے۔ محبتوں کی، جذبوں کی، میرے احساسات کی۔" اریبہ نے فوراً بڑھ کر اس کے ہاتھ سے بریف کیس لے لیا تو وہ کہنے لگا۔

"میں وعدہ نہیں کرتا۔ البتہ کوشش ضرور کر رہا ہوں کہ گزرے ماہ و سال کا میری آئندہ زندگی میں دخل نہ ہو۔"

"یہ بات مجھ سے نہیں، سارہ سے کہنی چاہیے تمہیں۔" وہ کہہ کر زبردستی مسکرائی۔ پھر اسے خدا حافظ کہہ کر وہاں سے نکل آئی۔

☼ ☼ ☼
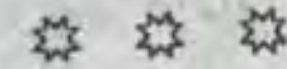
سرمئی شام اداسی کا لبادہ اوڑھے رخصت ہو رہی تھی۔ جب اریبہ گھر آئی اور چونکہ اس کے ہاتھ میں بریف کیس تھا۔ اس لیے وہ سیدھی اپنے کمرے میں جانا چاہتی تھی لیکن لاؤنج میں سب گھر والوں کے ساتھ شمشیر علی کو بیٹھے دیکھ کر اسے رکنا پڑا۔

"السلام علیکم!" اس نے سلام کیا تو سب ہی اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"کہاں چلی گئی تھیں بیٹا!" یاسمین نے پوچھا تو زندگی میں پہلی بار اس نے یاسمین کے منہ پر جھوٹ بولا تھا۔

"میں آپ کو بتا کر تو گئی تھی مما! شمائلہ کے ساتھ تھی۔"

"اچھا ہاں! میرے ذہن سے نکل گیا۔ تم نے بتایا تھا۔" یاسمین نے شمشیر علی کی وجہ سے اس کا جھوٹ سنبھالا۔

"او ر آپی! میں اتنی دیر سے آپ کو فون کر رہا ہوں۔" حماد نے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"میرا سیل فون یہیں رکھا ہے۔ ویسے تم کس خوشی میں مجھے فون کر رہے تھے۔"

"اچھا جاؤ بیٹا! منہ ہاتھ دھو لو۔" اس سے پہلے کہ حماد کچھ کہتا، یاسمین بول پڑی تو وہ سر ہلاتے ہوئے شمشیر علی کو دیکھ کر مسکرائی لیکن وہ ناراض ناراض سا بیٹھا تھا۔

"میں آتی ہوں۔" وہ کہہ کر تیز قدموں سے اپنے کمرے میں آ گئی اور پہلے بریف کیس الماری میں رکھا۔ پھر منہ ہاتھ دھوتے ہوئے اس نے سوچا کہ شمشیر علی کی ناراضی دور کرنے کے لیے اسے آج کی شام اس کے نام کرنی

پھر اسی خیال سے وہ باقاعدہ تیار ہو کر کمرے سے نکل کر آئی تو لاؤنج میں یاسمین کو اکیلے بیٹھے دیکھ کر تعجب سے پوچھنے لگی۔

"مما... کہاں گئے سب؟"

"کہاں جائیں گے۔ اپنے کمروں میں ہوں گے۔" یاسمین نے کہا۔ پھر اس کی تیاری دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"تم کہیں جا رہی ہو؟"

"جانا تو تھا لیکن اب نہیں جا رہی۔" وہ بددل سی ہو کر یاسمین کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بولی۔

"آئی ایم سوری مما! میں آپ کو بتا کر نہیں گئی تھی۔ اصل میں شمائلہ کا فون آیا تو میں..."

"کوئی بات نہیں بیٹا!" یاسمین نے مسکرا کر اس کا گال تھپکا تو اس نے یاسمین کا ہاتھ تھام کر ہونٹوں سے لگایا۔ پھر پوچھنے لگی۔

"شمشیر کیوں چلا گیا مما۔ میرا مطلب ہے آپ نے اسے کھانے پر نہیں روکا۔"

"میں نے تو بہت کہا بیٹا! لیکن اسے شاید کہیں اور جانا تھا۔" یاسمین نے بتاتے ہوئے اس کی طرف رخ موڑا اور سنجیدگی سے بولی۔ "ایک بات بتاؤ بیٹا! یہ سارہ کو کیا ہوا ہے؟"

"کیا ہوا ہے؟" وہ اندر سے خائف ہو گئی تھی۔

"میں کچھ دنوں سے محسوس کر رہی ہوں۔ سارہ بہت چپ چپ ہے۔ تم سے کوئی بات ہوئی ہے؟"

"نہیں تو..."

"پھر اب کیا ہوا ہے؟" یاسمین فکر مندی سے بولی۔

"کچھ نہیں ہوا مما! آپ وہمی ہو گئی ہیں اور کوئی بات نہیں۔" اس نے یاسمین کو تسلی دی۔

"یہ تو ہے۔ میں واقعی وہمی ہو گئی ہوں۔ شاید عمر کا تقاضا ہے یا حالات کا۔" یاسمین افسردگی سے مسکرائی۔

"او تو مما! نہ آپ کی عمر زیادہ ہے، نہ حالات برے ہیں۔ بس آپ زیادہ نہ سوچا کریں اور سارہ کا آپ کو پتا تو ہے موڈی ہے۔ کبھی سارا وقت ہنستی رہتی ہے۔ کبھی چپ سادھ لیتی ہے اور اس کا علاج پتا ہے کیا ہے۔" اریبہ نے آخر میں اچانک یاسمین کو متجسس کر دیا تھا۔

"کیا... کیا علاج ہے؟"

"شادی... بس آپ جلدی اس کی شادی کر دیں۔" اس نے قدرے جوش سے کہا تو یاسمین اس کا گال چھو کر بولی۔

"پہلے تمہاری تو ہو۔"

"یہ کوئی ضروری نہیں ہے مما! کہ جب تک میری شادی نہیں ہو جاتی، آپ سارہ کا سوچیں بھی نہ۔ ایسا کریں آپ ہم دونوں کی ساتھ شادی کر دیں۔ بلکہ ایسا ہی کیجیے گا۔" اس نے اپنی بات پر زور دیا تھا۔

"لیکن بیٹا! کوئی پرو پوزل بھی تو ہو۔" یاسمین نے کہا تو وہ رکتے ہوئے بولی۔

"پرو پوزل ہے نا مما... رازی۔"

"اریبہ..." یاسمین کی حیرت میں ناگواری اور تنفر بھی شامل تھا۔ "یہ کیسا مذاق ہے۔"

"مذاق یہ نہیں ہے مما! مذاق وہ تھا جو میرے ساتھ ہوا۔ بہر حال مجھے اب کوئی ملال نہیں۔ آپ بھی گزشتہ ساری باتیں بھلا کر غیر جانبداری سے سوچیں تو رازی اچھا انسان ہے۔" اس نے بات کے اختتام پر یاسمین کو دیکھا۔ وہ سناٹے میں بیٹھی تھی۔

"مما پلیز۔" اس نے یاسمین کے ہاتھ پکڑ کر ہلائے۔ "میں نے کوئی ایسی بات تو نہیں کی کہ آپ شاکڈ ہو گئیں۔"

یاسمین نفی میں سر ہلانے لگی کہ جیسے یہ ممکن نہیں ہے۔

"اچھا ابھی آپ کچھ نہ سوچیں۔ مجھے بھی ابھی یہ بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تو یاسمین ایک دم اس کا ہاتھ پکڑ کر پوچھنے لگی۔

"تم نے ایسی بات کیوں کی۔ کیا سارہ اور رازی کے درمیان۔۔۔"

"پتا نہیں مما! میں یقین سے نہیں کہہ سکتی۔" وہ پھر بیٹھ گئی۔ "فرض کریں اگر ایسی بات ہوئی تو۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ سارہ اتنی بے وقوف نہیں ہو سکتی۔" یاسمین نے یقین سے کہا تو وہ قصداً ہنس پڑی۔

"کہہ تو آپ ٹھیک رہی ہیں۔ لیکن یہ بھی سچ ہے مما! کہ جہاں قسمت میں لکھا ہوتا ہے وہاں انسان کی مت ماری جاتی ہے۔ برا بھی اچھا لگنے لگتا ہے اور جہاں قسمت میں نہیں ہوتا وہاں اچھائی نظر ہی نہیں آتی، ہے نا۔"

یاسمین حیرت سے اسے دیکھے گئی تو وہ مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے اٹھی اور یاسمین کو بھی اپنے ساتھ اٹھا دیا اور نانی اماں کے پاس بھیج کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ کپڑے تبدیل کرنے کا خیال آتے ہی اسے یاد آیا کہ وہ شمشیر علی کے لیے تیار ہوئی تھی۔ کچھ سوچ کر اس نے سیل فون اٹھایا اور اسے کال کی تو آگے وہ ناراضی سے بولا۔

"اب کیا ہے؟"

"تم چلے کیوں گئے۔ گھر پر بھی نہیں ملے اور یہاں بھی بات کیے بغیر چلے گئے۔" اس نے چھوٹتے ہی کہا۔

"گھر پر نہیں ملے مطلب؟" شمشیر علی نے پوچھا تو اس نے محض اس کی ناراضی دور کرنے کی غرض سے جھوٹ بولا تھا۔

"مطلب شام! میں اپنی دوست کے ہاں سے واپسی پر تمہارے گھر گئی تھی۔"

"تو تم مجھے اسی وقت کال کر لیتیں۔ میں فوراً آ جاتا۔" شمشیر علی کے لہجے میں افسوس تھا کہ وہ گھر پر کیوں نہیں تھا۔

"ہاں۔۔۔ مجھے خیال آیا تھا۔ لیکن میں اپنا سیل فون گھر بھول گئی تھی۔"

"اوہ۔۔۔"

"اور پتا ہے جب میں نے اپنے گھر میں تمہیں دیکھا تو سوچا تمہارے ساتھ کہیں باہر جاؤں گی۔ جلدی جلدی تیار ہو کر نیچے آئی تو پتا چلا تم چلے گئے۔ مجھے بہت غصہ آیا۔" وہ اس کی بے تابی کو مزید ہوا دے کر بولی اور آخر میں منہ بھی پھلا لیا۔

"ابھی آ جاؤں؟" شمشیر علی نے فوراً پوچھا تو وہ بے ساختہ ہنسی ہونٹوں میں دبا کر بولی۔

"نہیں ابھی ڈیڈی آ گئے ہیں۔ اب میں کل تمہارے گھر آؤں گی۔"

"آؤ گی نا؟"

"کہہ رہی ہوں تو آؤں گی اور اگر تم گھر پر نہیں ملے تو جہاں بھی ہو گے وہیں پہنچ جاؤں گی، اوکے۔"

وہ سیل بند کر کے کھل کر مسکرائی۔ پھر کپڑے بدلنے کی غرض سے واش روم کی طرف بڑھی تھی کہ سارہ کو آتے دیکھ کر رک گئی۔

"کیا کر رہی ہو۔" سارہ نے یوں ہی پوچھ لیا۔

"کچھ نہیں، آؤ بیٹھو۔" اس نے کہا تو سارہ بیٹھ کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا، ایسے کیوں دیکھ رہی ہو۔" وہ سمجھ گئی۔ سارہ کچھ کہنا چاہ رہی ہے۔

"میں تم سے یہ پوچھنا چاہ رہی ہوں کہ تم بھائی جان کو اگنور کیوں کر رہی ہو۔" سارہ نے کہا تو وہ فوراً پوچھنے لگی۔

"شمشیر نے کچھ کہا ہے تم سے؟"

"نہیں۔ انہوں نے تو کچھ نہیں کہا۔ میں خود دیکھ رہی ہوں۔ وہ آتے ہیں تو تم کمرے میں بند ہو جاتی ہو۔ ابھی بھی وہ اتنے مایوس ہو کر گئے تھے۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔" سارہ بہت سنجیدگی سے اسے ٹوک رہی تھی کہ وہ اچانک کچھ سوچ کر کہنے لگی۔

"کرنا تو نہیں چاہیے لیکن میں سوچ چکی ہوں کہ جب تک تمہارا معاملہ سیٹ نہیں ہو گا۔ میں اپنے بارے میں نہیں سوچوں گی۔"

"کیا مطلب۔ میرا کیا معاملہ ہے؟" ایک پل کو سارہ کا چہرہ سیاہ پڑ گیا تھا۔ پھر وہ ایک دم اٹھ کر چلی گئی تو اریبہ کو اس پر ترس آنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

یاسمین ابھی اریبہ کی باتوں میں الجھی ہوئی ہی تھی کہ امینہ سارہ کے لیے سمیر کا رشتہ لے کر آ گئیں اور بظاہر یاسمین خندہ پیشانی سے ملی اور امینہ کے مدعا بیان کرنے پر بھی کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ طریقے سے بات کی تھی۔

"یہ سب تو مقدر کی باتیں ہیں امینہ!"

"بے شک مقدر کی باتیں ہیں بھابھی! آپ ہامی بھریں گی تو مقدر بھی مل جائے گا۔" امینہ نے کہا تو یاسمین قصداً ہنس کر بولی۔

"ارے تم تو ہتھیلی پر سرسوں جمانے والی بات کر رہی ہو۔ پہلے مجھے توصیف سے تو مشورہ کرنے دو اور سارہ کی مرضی بھی معلوم کر لوں۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ ضرور معلوم کریں۔" امینہ نے کہا۔ تب ہی اریبہ چائے لے کر آ گئی۔ اس نے امینہ کی بات سن لی تھی۔ جب ہی پوچھنے لگی۔

"کیا معلوم کرنا ہے پھپھو؟"

"سارہ کی مرضی۔" یاسمین بول پڑی۔ "تمہاری پھپھو! سمیر کے لیے کہہ رہی ہیں۔" اریبہ نے ایک دم یاسمین کو دیکھا۔ پھر چائے کی ٹرے ٹیبل پر رکھتے ہوئے امینہ سے کہنے لگی۔

"پھپھو! ابھی تو سمیر کی جاب لگی ہے اور آپ ابھی سے اس کی شادی کا سوچنے لگیں۔ میرا مطلب ہے پہلے اسے سیٹ تو ہونے دیں۔"

"ہو جائے گا سیٹ۔ پھر میں نے ابھی رشتے کی بات کی ہے۔ یہ تو نہیں کہا کہ فوراً شادی کر دیں۔ یوں بھی توصیف بھائی پہلے تمہاری شادی کریں گے، کیوں بھابھی!" امینہ نے یاسمین سے اپنی بات کی تصدیق چاہی۔

"دیکھو اللہ کو کیا منظور ہے۔" یاسمین نے کہتے ہوئے اریبہ کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا تو وہ چائے کا کپ امینہ کو تھما کر وہاں سے چلی گئی۔

"دیکھو امینہ! اب ایسا وقت نہیں ہے کہ بچے ہماری مرضی پر آرام سے سر جھکا دیں۔ اس لیے میں اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ تم میری طرف سے دل برا مت کرنا۔ باقی سارہ کی جو بھی مرضی ہو گی، وہ میں تمہیں بتا دوں

گی۔" یاسمین نے سہولت سے کہا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں بھابھی! اور ہاں میں نے سنا تھا رازی بھی سارہ کے لیے کہہ رہا تھا۔" امینہ جاننا چاہتی تھیں کہ ساجدہ بیگم نے اس سلسلے میں کوئی پیش رفت تو نہیں کی لیکن یاسمین یکسر انجان بن گئی۔

"پتا نہیں۔ میں نے تو ایسا کچھ نہیں سنا۔"

"چلیں۔ پھر تو اچھا ہے۔ میں ساجدہ بھابھی سے پہلے آگئی۔"

"بات پہلے اور بعد کی نہیں امینہ! بات ہے مقدر کی، جہاں میری بیٹی کا مقدر ہوگا۔" یاسمین نے کہہ کر ٹرے کی طرف اشارہ کیا۔

"لو نا امینہ۔ چائے بھی ٹھنڈی ہو جائے گی اور ہاں جانے کی جلدی مت کرنا۔ رات کے کھانے پر تو میز یہیں ہوتے ہیں۔ رکنا... ان سے بھی تمہاری ملاقات ہو جائے گی۔"

"ارے نہیں بھابھی! اتنی دیر تک تو میں نہیں رک سکتی۔ پھر آؤں گی۔ بلکہ اب تو آتی رہوں گی۔" امینہ نے کہا تو پھر یاسمین نے رکنے پر اصرار نہیں کیا۔

☼ ☼ ☼

سارہ حیران تھی کہ اس کے لاکھ دامن چھڑانے کے باوجود سمیر نے امینہ کو بھیج دیا۔ گو کہ فیصلے کا اختیار اسے حاصل تھا۔ یاسمین نے خود اس سے بات کی تھی اور کہا تھا جیسا وہ چاہے گی اور چاہتی تو وہ بھی یہی تھی کہ سارے خوف پس پشت ڈال کر سمیر کا ہاتھ تھام لے لیکن یہ آسان نہیں تھا۔ بلکہ ناممکن اور اس سے بڑی بدنصیبی اور کیا ہو سکتی تھی کہ منزل خود چل کر آئے لیکن اسے اس سمت دیکھنے سے ہی محروم کر دیا جائے۔ ان دنوں وہ بے حد مضمحل اور بے قرار پھر رہی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کیا کرے۔ کبھی سوچتی سمیر کو اصل بات بتا کر پوچھے کہ کیا وہ اب بھی اسے اپنانے کو تیار ہے اور کبھی سوچتی سمیر کو کیا پتا چلے گا۔

وہ مسلسل ان ہی سوچوں میں گھری تھی اور اریبہ جو کتنے دنوں سے اسے نوٹس کر رہی تھی۔ اس وقت اس کے پاس آ بیٹھی اور اسے مخاطب کیے بغیر بولی۔

"تم سمیر کے بارے میں سوچ رہی ہو نا؟"

سارہ گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ بولی کچھ نہیں۔

"سوچو، ضرور سوچو، لیکن حقائق سے نظریں مت چرانا۔" اریبہ نے پھر کہا تو سارہ سوچتے ہوئے بولی۔

"اگر میں سمیر کو حقیقت بتا دوں تو..."

"ایسی غلطی کبھی بھول کر بھی مت کرنا۔" اریبہ نے فوراً ٹوکا تو وہ چیخ گئی۔

"کیوں کیا ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ سمیر مجھے دھتکار دے گا۔"

"بات صرف دھتکارنے کی ہوتی سارہ! تو شاید میں بھی تمہیں یہی مشورہ دیتی لیکن اس کے بعد جو سارے خاندان میں بات پھیلے گی، اس کے بارے میں سوچا ہے تم نے۔" اریبہ نے تصویر کا مزید بھیانک رخ اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔

سارہ بری طرح سہم گئی۔

"دیکھو سارہ!" اریبہ نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔ "میرا مقصد تمہیں ڈرانا یا ہرٹ کرنا نہیں ہے۔ میں چاہتی ہوں تم ساری باتیں بھلا کر اپنی آنکھوں میں اچھے خواب سجاؤ۔ ایسے خواب، جن میں کسی ڈر، کسی خوف کا سایہ نہ ہو اور سمیر یا کسی کے ساتھ بھی یہ ممکن نہیں ہے، بجز رازی کے..."

سارہ نے بے اختیار اس کے ہاتھوں سے اپنا ہاتھ کھینچنا چاہا لیکن اریبہ نے گرفت مضبوط کر لی۔

"میری بات غور سے سنو سارہ! غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں اور پکڑ وہاں ہوتی ہے جہاں بندے کو احساس نہ ہو، اپنی غلطی کا اعتراف نہ کرے۔ تائب نہ ہو۔ رازی اعتراف بھی کر رہا ہے اور نادم بھی ہے تو ایسے میں تو اللہ بھی معاف کر دیتا ہے۔"

"میں نے بھی معاف کیا۔" سارہ جیسے اس موضوع سے جان چھڑانے کی غرض سے بولی تھی۔

"یوں نہیں۔ دل سے معاف کرو۔ اس کے بعد میں یقین سے کہوں گی کہ تمہیں فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی۔ میں سچ کہہ رہی ہوں سارہ! دل کا آئینہ صاف ہوگا۔ تب ہی تو تمہیں اصل شکل نظر آئے گی۔" اریبہ اس کا ہاتھ دبا کر مسکرائی، پھر کہنے لگی۔

"یہ مت سمجھنا کہ میں تمہارے ساتھ زبردستی کر رہی ہوں۔ تم خود سوچو، ابھی اگر تم سمیر کو حقیقت بتا دو اور جوش جذبات میں وہ تمہیں اپنا بھی لے، لیکن پھر تم ساری زندگی اس کے سامنے مجرم سی بنی رہو گی۔ تو ایسی مجرمانہ زندگی سے بہتر نہیں ہے کہ تم اس شخص کا ہاتھ تھامو جس کے ساتھ سر اٹھا کر چل سکو۔"

سارہ کا دل ٹھہرنے لگا۔ اس کے چہرے پر نئی سوچ اتر آئی تھی۔ اریبہ اپنی باتوں کا اثر ہوتے دیکھ کر ایک دم انکشاف پر آمادہ ہو کر پھر سارہ کا ہاتھ دبا کر بولی تھی۔

"تمہیں ایک راز کی بات بتاؤں سارہ! مجھے کڈنیپ کرنے والا کوئی اور نہیں، شمشیر علی تھا۔"

"بھائی جان!" سارہ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

"ہوں!" اریبہ کتنی دیر اثبات میں سر ہلاتی رہی۔ پھر سارا واقعہ سنا کر آخر میں کہنے لگی۔ "اسے کہتے ہیں مقدر کی زور آوری۔ ہم لاکھ ادھر ادھر بھٹکتے رہیں۔ ہمیں ملتا وہی ہے، جو ہمارے مقدر میں لکھا ہوتا ہے۔ شمشیر علی نے ٹھیک کہا تھا کہ کوئی راستہ سیدھا منزل کو نہیں جاتا اور یہ کہ اب تک ہماری زندگی میں جو بھی آیا یا وہ ہماری راہ کی مشکلیں یا آزمائشیں تھیں۔ ہمیں ان آزمائشوں کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ جن کی بدولت ہماری منزل تک رسائی ممکن ہوئی۔" اریبہ خاموش ہو کر سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ جبکہ سارہ ہنوز سناٹے میں بیٹھی تھی۔

پھر کتنی دیر بعد اریبہ سانس کھینچ کر کہنے لگی۔

"یہی سچ ہے سارہ! منزل وہ نہیں ہوتی جس کی تمنا ہم کرتے ہیں۔ وہ تو ایک سراب ہوتا ہے۔ گرد و غبار میں اٹا سراب، جو ہمارے دل کے آئینے کو یوں دھندلا دیتا ہے کہ ہمیں کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ مجھے بھی رازی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا لیکن جب گرد چھٹی تو یقین مانو میں خود حیران رہ گئی۔ میرے دل کے آئینے میں شمشیر علی مسکرا رہا تھا۔"

"اور رازی؟" سارہ کی آواز کہیں بہت دور سے آئی تھی۔

اریبہ نفی میں سر ہلانے لگی۔ بولی کچھ نہیں تو قدرے رک کر سارہ جھجکتے ہوئے بولی تھی۔

"صبح رازی کا فون آیا تھا۔"

"کیا کہہ رہا تھا؟" اریبہ نے قصداً اس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا تھا۔

"کہہ رہے تھے میں بالکل خالی ہو گیا ہوں۔ نہ دل میں کوئی امنگ ہے۔ نہ آنکھوں میں کوئی خواب۔ لق و دق صحرا کی مانند ہوں۔" سارہ بتا کر پوچھنے لگی۔ "اس بات سے ان کا کیا مطلب تھا؟"

اریبہ اسے دیکھ کر بے ساختہ مسکرائی۔ "اسی سے پوچھو۔ چلو اٹھو۔ ابھی فون کرو اور اس کے صحرا میں اپنی

محبت کے پھول کھلادو"۔ اریبہ کہتے ہوئے اٹھی اور سارہ کو بھی ہاتھ سے کھینچ کر اٹھادیا۔

"رکو تو۔" سارہ اپنا ہاتھ کھینچنے لگی۔

"اوں ہوں۔" اریبہ نے سارہ کو ٹیلی فون کے پاس کھڑا کردیا۔ پھر ریسیور اٹھا کر اسے تھمایا اور نمبر ڈائل کرکے اسے دیکھنے لگی۔

سارہ ریسیور ہاتھ میں پکڑے کھڑی تھی۔ کان سے نہیں لگایا تھا۔ دوسری طرف بیل جانے کی آواز آرہی تھی۔ پھر رازی نے پکارا تھا۔

"سارہ۔!"

سارہ نے گھبرا کر اریبہ کو دیکھا۔ تو وہ اسے فون سننے کا اشارہ کرکے آگے بڑھ آئی اور دل میں تہیہ کیا کہ پلٹ کر نہیں دیکھے گی لیکن جانے کیوں یہ ممکن نہیں ہوتا۔ ہم اپنے تئیں سارے دروازے، ساری کھڑکیاں بند کرلیتے ہیں۔ پھر بھی ماضی خواہ کیسا بھی ہو، خوب صورت یا بدصورت، کوئی روزن تلاش کرکے جھانکتا ضرور ہے۔ اریبہ کے بڑھتے ہوئے قدم بھی لابی کے اختتام پر رک گئے تھے اور خود پر لاکھ جبر کرنے کے باوجود وہ پلٹ کر دیکھنے سے باز نہیں آئی۔

ریسیور کان سے لگائے سارہ کی آنکھوں سے اعتراف کے آنسو گر رہے تھے۔

اریبہ کا دل ایک پل کو عجیب انداز سے دھڑکا تھا۔ پھر اس نے اپنے کمرے کی طرف دوڑ لگادی تھی اور تقریباً" ایک گھنٹے بعد اریبہ شمشیر علی کے ساتھ سمندر کے کنارے بیٹھی تھی۔ اس کی گود میں سیاہ بریف کیس تھا۔ جس میں سے وقفے وقفے سے وہ پھولوں کی پتیوں اور پنکھڑیوں سے مٹھی بھر بھر کر سمندر میں اچھالتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"شام! ہم ساری دنیا گھومیں گے لیکن سمندروں کا سفر کبھی نہیں کریں گے۔"

محترم قارئین!

یہ ایک دلچسپ تجربہ تھا۔ یعنی اس ناول کو لکھتے ہوئے میرے ذہن میں کہانی کا مکمل خاکہ نہیں تھا۔ صرف کردار تھے اور میں خود کو کرداروں کے حوالے کرکے ان کے ساتھ چلنے لگی۔ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ یہ کردار مجھے کہاں لے جاتے ہیں۔ درمیان میں ایک دوبار مجھے لگا ان کے کرداروں نے مجھے بھٹکا دیا ہے تو میں پریشان ہوگئی۔ واپس پلٹنا چاہا تو راستہ نہیں ملا۔ ناچار پھر ان کے ساتھ ہولی۔ پھر یہ تو اپنی اپنی منزلوں کو پہنچ گئے لیکن میں تشنہ کھڑی ہوں اور یہی تشنگی مجھے پھر ان کے پاس لے جائے گی۔

"ایک کھڑکی، مگر کھلی ہے ابھی۔"

جی ہاں! میرا اگلا ناول "ایک کھڑکی، مگر کھلی ہے ابھی۔" ان ہی کرداروں کے ساتھ ہوگا۔ کیونکہ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہ کھڑکی جو ماضی کی طرف کھلتی ہے۔ وہ کیا رنگ دکھاتی ہے۔ یعنی کس کس پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ کون اپنے ماضی کو ساتھ لے کر چلا۔ کون ماضی سے پیچھا چھڑانے میں کامیاب ہوا اور کون نظریں چرا رہا ہے۔ ہم یہ تماشا ضرور دیکھیں گے۔ جی ہاں دنیا تماشا گاہ ہی تو ہے۔

دعاؤں کی طلب گار
نگہت عبداللہ

شمائلہ نصیر گاجز

بلاعنوان

"صبا۔ صبا کہاں ہو۔؟" چلتے چلتے یکدم میرا پاؤں کسی وزنی چیز سے ٹکرایا۔ ہلکی سی "سی" کے بعد نم آنکھوں سے جب میں نے نیچے دیکھا تو انگوٹھے کا ناخن ایک جانب سے اکھڑ گیا تھا اور خون میری نئی سفید چپل کا ستیاناس کررہا تھا۔ میرا دل تو چاہا صبا بی بی کو خوب سناؤں۔ مگر۔ انتہائی لاپروائی سے منڈیر پر بیٹھی پیر جھلاتی ہوئی بڑی بے توجہی سے ککڑی کھاتی صبا کو دیکھ کر میرا ارادہ بدل گیا۔

اس کے نرم سپید پاؤں کھردری دیوار سے نیچے لٹک رہے تھے۔ اس کے بالوں کا رنگ سنہری بادامی سا تھا۔ مگر اس وقت گیلے ہونے کی باعث سیاہ لگ رہے تھے اور اس کی ساری پشت کو ڈھانپے ہوئے تھے۔ لمبی پلکوں والی پرکشش آنکھیں کسی ایک نقطے پر مرتکز تھیں۔

وہ کیا سوچ رہی تھی۔ میں قطعی اندازہ نہ لگا پائی۔ حالانکہ اس کے بارے میں، میں اندازے لگانے میں ماہر تھی۔ لیکن ہر وقت ایسا نہیں ہوتا۔ میں نے صبا کی سرخ ہوتی ناک دیکھی۔ اس کے چہرے پر ایسا معصومانہ حسن تھا کہ میں اپنی چوٹ بھول کر اسے ٹکٹکی باندھے دیکھے گئی۔

ایسا مکمل حسن۔ آہ بھر کر رہ گئی۔ حالانکہ میں خود بھی کوئی گری پڑی نہ تھی۔ پچاس لڑکیوں میں الگ نظر آجاتی تھی مگر صبا۔ اس کی تو بات ہی الگ تھی۔ میں لنگڑاتی ہوئی اس کے سر پر جا پہنچی۔

"آمنہ تم! آؤ بیٹھو۔" مسکرا کر کہتے ہوئے صبا کی

نظر فوراً" میرے پاؤں پر پڑی۔
"اوہ... یہ کیا ہوا۔ تمہارے پاؤں پہ۔ اتنا زیادہ خون نکل رہا ہے۔ تائی جان نے دیکھا تو کیا سوچیں گی کہ میرے پاس آتے ہوئے تم زخمی ہوئیں، چلو اٹھو میں...؟"
"ارے بس بس یار... اتنی نازک نہیں ہوں میں... اور بائے داوے مس صبا! آپ کی تائی اماں سوچیں گی نہیں، کھٹاک سے کہہ ڈالیں گی مگر تم نے پہلے کب پروا کی ہے جواب کرو گی۔"
اس نے پرسکون جھیل میں کنکر پھینکا۔ وہ یقیناً" میرا مطلب سمجھ گئی تھی۔ وہ کچھ دیر مجھے دیکھتی رہی اور میں سامنے پھیلے سبزے کو۔ کیونکہ مجھ میں ہمت نہیں تھی کہ صبا سے نظر ملا سکوں۔ دل ہی دل میں میں نے خود کو سرزنش کی۔
"تم مجھے کیا سمجھتی ہو آمنہ۔" اس کی جھیل جیسی گہری آنکھیں مجھ پر ٹکی تھیں۔
"ایک صابر لڑکی۔" میں نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔ وہ دھیرے سے ہنسی تو لگا فضا میں گھنٹیاں بج اٹھی ہوں۔ مگر اس میں ایک دکھ سا تھا جو سیدھا میرے دل کو لگا۔ مجھے افسوس ہوا۔
"چھوڑو یار ان باتوں کو اور یہ ککڑی مجھے بھی دو۔" میں نے اس کا دھیان بٹانا چاہا اور لپک کر اس کی گود سے پلیٹ اٹھالی۔
صبا مجھے بہت پیاری تھی۔ اس کے ہاتھ سے ککڑی چھینتے ہوئے اس کے دھوپ میں دمکتے روپ کو سراہا اور ککڑی کھانے لگی۔
تھوڑی دیر پہلے والا قنوطی پن چھٹ گیا۔ پھر ہم دونوں ہنستے مسکراتے باتوں میں مگن ہو گئیں۔ مگر تھوڑی دیر قبل ہونے والی مختصر سی گفتگو دونوں میں سے کوئی نہیں بھولے گا۔

☼ ☼ ☼

"میں نہیں چاہتی کہ کبھی کوئی مجھے میری ماں سے متعلق طعنہ دے۔ خاص طور پر گھرداری کے معاملے میں۔ میں کوئی کمپرومائز نہیں کر سکتی اور سنو۔ تم بھی کچھ سیکھو میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ کوئی تائی اماں کو برا بھلا کہے۔"
صبا نے ساس، بہو کے متعلق ایک کہانی پڑھتے ہوئے اپنی زندگی کے بارے میں بات کی۔ ساتھ ہی مجھے بھی گھسیٹ لیا۔
"تم فکر نہ کرو یار... تمہاری ساس بڑی اچھی ہوں گی۔ کوئی طعنہ نہیں ماریں گی۔ بلکہ پلکوں پر بٹھا کر رکھیں گی۔ سچی!" میں بے دھیانی میں پھر چوٹ کر گئی۔
اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ جھیل کا پانی ہل گیا تھا۔
"ہیلو... کون کس کو پلکوں پر بٹھا کر رکھے گا۔"
شہریار، میرا اور صبا کا مشترکہ پھوپھی زاد تھا۔ کافی عرصہ بعد آج بالکل اچانک سامنے آیا تھا۔ ہم دونوں کا خوش ہونا بنتا تھا۔ کیونکہ وہ تھا ہی اتنا زندہ دل اور ہینڈسم۔ بلکہ میں تو کچھ زیادہ ہی خوش ہو گئی آج کل مجھے ایک عدد ہینڈسم بندے کی ضرورت تھی کسی کو جلانے کے لیے مگر... صبا کو تو کبھی بھی خوب صورتی سے شغف نہیں رہا۔ لیکن وہ مجھ سے زیادہ خوش تھی۔ کیوں؟ یہ تو تب پتا چلتا جب میں غور کرتی۔

☼ ☼ ☼

اپنے نئے نئے رنگے سلکی بالوں کو ایک کندھے سے دوسرے کندھے پر سمیٹ کر ڈالتے ہوئے میری نظر بان کی جھلنگا چارپائی پر پڑی۔ پچھلی جانب یہ چارپائی یوں ہی پڑی رہتی تھی۔ صبا اطمینان سے اس پر بیٹھی اس کے ادھڑے سروں کو ہاتھ میں لیے بڑے انہماک سے کچھ سوچنے میں مگن تھی۔ جب سے شہری آیا تھا۔ اس کی صبا سے کوئی تنہا و طویل ملاقات نہ ہو پائی تھی۔ جس میں وہ کچھ کھلتی یا میں ہی پرت در پرت اسے کھولنے کی سعی کرتی۔ دھوپ میں اس کے سنہری و بادامی بال کسی جگہ سے میرون اور کسی جگہ سے سیاہ نظر آرہے تھے۔ اس نے کلر نہیں کروایا۔ اس کے روپ کی طرح اس کے بال بھی اس کی دلی خوشی سے رنگ بدل جاتے تھے۔ میں نے مایوسی سے اپنے براؤن رنگے بالوں کو چھوا۔
"آمنہ! تم مانو یا نہ مانو، مگر یہ سچ ہے ماں ہوں میں تمہاری۔ اس علی نے تمہیں اسی کی شہہ پر دھتکارا ہے۔ فتنہ لڑکی تجھے خوش خوش بستا نہیں دیکھ سکتی۔ اللہ سے اچھی صورت مانگ لائی۔ اچھی قسمت مانگ لاتی تو کیوں آج تیری راہ میں کانٹے نہ بو رہی ہوتی۔"
مجھے اپنی امی کی بات اچانک ہی یاد آگئی۔ وہ صبا کو اس کی خوب صورتی کی وجہ سے فتنہ کہا کرتی تھیں۔
"یا اللہ امی! ہوش کے ناخن لیں۔ علی نے مجھ سے شادی سے انکار کیا تو اس میں اس کا کیا قصور۔ اگر علی اس کے حسن سے متاثر ہو گیا تو اس میں بھی صبا کا کوئی دوش نہیں۔ وہ دوست ہے میری اور اس نے بھی تو دوستی کی لاج رکھی ہے۔" میں نے ہاتھ جوڑ کر ماتھے سے لگائے۔
"بھلا کیا لاج رکھی اس نے... یا اس کے ماں، باپ نے۔"
"امی جان... اس نے بھی انکار کر دیا تھا علی کو صرف میری وجہ سے۔ ورنہ علی جیسا بندہ جسے داماد بنانا آپ کے لیے فخر و عزت کا باعث تھا۔ ایسے لائق فائق برسر روزگار کو اس نے اور اس کے والدین نے ریجیکٹ کر دیا۔ حالانکہ وہ... مگر آپ وہی روایتی جٹھانی۔ مجھے افسوس ہے امی! آپ کی سوچ پر۔" میں نے دکھ سے پیشانی مسلی۔
"ایک دن تم خود مانو گی آمنہ! کہ تمہاری ماں نے اس لڑکی کو کتنا صحیح پرکھا ہے۔" امی میری بات پر غصہ کا اظہار کرتے اٹھ گئیں۔
"ارے یہاں یہ اتنا حسین مجسمہ کب لگوایا ماموں نے۔ کمال ہے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"
شہری نے میرے سر پر دھپ لگائی تو وہ حال میں لوٹی۔ اس کی تعریف میں کچھ خاص معنی ہوتا تھا۔ مگر میں ابھی تک سمجھی نہیں تھی۔ وہ جس طرح مجھے دیکھتا۔ میں جان کر بھی انجان بن رہی تھی۔ شاید میں اسے بھی نظر کا دھوکا ہی سمجھ رہی تھی۔ اسی لمحے میں نے صبا کو دیکھا۔ وہ شہری کی جانب متوجہ ہو چکی تھی۔ اس کے لو دیتے حسن سے میں نے بے ساختہ ہی نظریں چرائیں۔ امی کی باتیں ذہن میں پھر سے گردش کرنے لگی تھیں۔
"میں نے بہت عرصہ بعد تم لوگوں کو دیکھا ہے۔ آنے سے پہلے میں نے انمول بقول آمنہ تمہارے جل ککڑی سے پوچھا تھا کہ وہاں کی سب سے پیاری لڑکی کا نام بتاؤ اپنے علاوہ، جسے میک اپ کی بھی قطعی ضرورت نہ ہو تو اس نے پہلے غصہ دکھایا اور پھر صبا کا نام لے دیا۔" شہری نے آگے بڑھ کر ست برگے سے ایک پھول توڑا اور مڑ کر صبا کے بالوں میں چن دیا۔
"اب تم کوئی مغلیہ شہزادی لگ رہی ہو۔" وہ گلزار ہوتا چہرہ لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے اٹھنے سے چارپائی پر پھیلا اس کا بنفشی فراک سمٹا۔ وہ چائے بنانے کا کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ سر پر دوپٹا جمائی وہ واقعی شہزادیوں کی سی تمکنت لیے ہوئے تھی۔ وہ اپنے تئیں شاید ہمیں باتیں کرنے کا وقت دے گئی۔
"کیا وہ جانتی ہے؟" یہ سوال ایک مرتبہ پھر میرے ذہن میں اٹھا۔
"اگر جانتی ہوتی تو مجھ سے پوچھتی ضرور۔" میں نے پھر سوچا۔
"مگر میری بات ابھی پوری نہیں ہوئی۔" شہری میرے سامنے آن کھڑا ہوا۔
"میں اس کی بات سے اتفاق کرتا ہوں مگر حقیقت یہ ہے کہ مجھے تم سے زیادہ حسین کوئی نہیں لگتا۔" میری آنکھوں میں یکایک ہی کسی اور کا سراپا لہرا گیا اور میں چاہ کر بھی مسکرا نہ سکی۔

☼ ☼ ☼

رات کے کھانے کے بعد برتن دھو کر ہمیشہ کی طرح وہ غائب ہو گئی تھی۔ ہم سب کزنز لاؤنج میں ڈیرہ جمائے بیٹھی تھیں۔ لڑکے باہر نکل گئے تھے۔ مجھے عجیب سی الجھن نے گھیر رکھا تھا۔ اس کا یوں غائب ہونا اتنے اچنبھے کی بات نہ تھی مگر یہ عجیب ضرور تھا کہ میں نہیں جانتی تھی کہ وہ اس وقت ہے کہاں۔

دور کہیں بجتے گانے کی آواز میرے کانوں میں پڑ رہی تھی۔ ضرور وہ گانا گانے والے کو اس وقت کوس رہی ہوگی۔ جو اس کے مطالعے میں خلل کا باعث ہوگا۔ میں یوں ہی ہر وقت اسی کے بارے میں سوچتی رہتی ہوں۔ شہری لان میں چہل قدمی کر رہا۔۔۔ نہیں بلکہ میرا انتظار کر رہا تھا۔

"شکر ہے محترمہ! آپ کو یاد آگیا کہ ایک عدد غریب مسکین شخص آپ کا انتظار کر رہا ہے' جانے کب سے۔" میرے قریب آنے پر اس نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ صبا اس وقت کہاں ہے مگر لگ رہا تھا جیسے قریب ہی ہے۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ صبا کو پتا چلے کہ شہریار مجھ سے۔۔۔ مجھے البتہ شہریار سے کوئی محبت نہیں تھی۔ لہٰذا میں سودا کرنے لگی۔ یہ بھول کر کہ زندگی ہماری منشا پر نہیں چلا کرتی۔ بلکہ ہم اس کے تابع ہوتے ہیں۔ ہوا میرے رنگے سلکی بالوں کو چھیڑنے لگی۔

"میں نے تم سے ضروری بات کرنی تھی۔ اسی لیے بلایا ہے ورنہ مجھے کوئی شوق نہیں ہے تمہیں دیکھنے کا۔ تم تو ایسے ظاہر کر رہی ہو جیسے میں کوئی راہ چلتا چھچھورا ہوں جو تم سے فلرٹ کر کے بھاگ لوں گا اور یاد رکھو۔۔۔ میں علی بھی نہیں ہوں۔"

وہ انگلی اٹھا کر تنبیہہ کر رہا تھا۔ میں نے نظر اٹھا کر اس کی بلند قامت اور وجیہہ سراپے کو دیکھا۔ دل میں گدگدی سی ہوئی۔

یہ پہاڑ جیسا اونچا' ایک دم پرفیکٹ بندہ مجھ سے۔۔۔ کیا اسے واقعی حسن سے کوئی مطلب نہیں۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا یہ ملاقاتیں وغیرہ میری فطرت سے میل نہیں کھاتیں۔ تب ہی براہ راست وہ رشتہ بھیجوانے کا کہہ رہا تھا۔

"تجھ کو احساس ہی کب ہے کہ کسی درد کا داغ
آنکھ سے دل میں اتر جائے تو کیا ہوتا ہے
تو کہ سیماب طبیعت ہے تجھے کیا معلوم
موسم ہجر ٹھہر جائے تو کیا ہوتا ہے"

اس کے شعر پڑھنے پہ میں چونکی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔" وہ خفا سا بولا۔ میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میں نے پلک جھپک جھپک کر نمی کو اندر اتارا۔ شہریار مجھے بغور دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بہت کچھ تھا۔ شکوہ' ناراضی' جواب طلبی' مان' بھروسا' بے بسی۔۔۔

میں لب کاٹ کر رہ گئی۔ میں نے لاشعوری طور پر صبا کو کھوجنا چاہا۔ معلوم نہیں کہاں تھی۔ میں پتا نہیں کس کو موقع دے رہی تھی۔ خود کو یا شہریار کو۔۔۔ یا صبا کو۔۔۔

نہیں نہیں اسے نہیں۔

☼ ☼ ☼

"میں نے شہریار کو بلایا تھا تاکہ تمہارے متعلق بات کر سکوں۔ کیونکہ تم نے تو بس جل جل کر ختم ہو جانا ہے مگر کبھی اپنی انا کو ذرا سا بھی نہیں جھکانا۔۔۔ اگر خود تم اظہار کر دیتیں تو سب ٹھیک ہو جاتا۔۔۔ بلکہ۔۔۔ وہ تو خود تم سے اظہار سننا چاہتا ہے۔ بس ذرا ضدی ہے۔ ضد پہ اڑ گیا ہے۔"

میں بولنے کے لیے سب کچھ سوچ کر آئی تھی۔ اگر میری یہ کارروائیاں میری امی جان جائیں تو۔۔۔ میرے نئے رنگے سلکی بالوں میں سے ایک بھی میرے سر پر باقی نہ رہتا۔

"ہاں اظہار تو بے شک جان ہے محبت کی۔ مگر۔۔۔" وہ رکی۔ میں اس کی جانب مصلحتاً "نہیں دیکھ رہی تھی۔ نہ جانے ڈھیر سارے آنسو کہاں سے میری آنکھوں میں آگئے تھے لیکن شکر میں اندھیرے میں تھی اور وہ بھی تو ہوش میں نہیں تھی کہ مجھے نوٹ کرتی۔

"ہر انسان کو اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کا حق ہے۔" اس کا موڈ خوشگوار ہو چکا تھا۔

"کاش! تم مجھے بھی میری مرضی سے جینے کا حق دے دو صبا!" میں نے دل میں ہی سوچا۔

وہ میرے راستے کی دیوار نہیں تھی۔ میں چاہتی تو شہریار کو سیدھی طرح ہاں کہہ دیتی اور سکون سے رخصت ہو سکتی۔ بھلا مجھے کیا پڑی تھی کسی کے دل اور درد کی فکر کرنے کی مگر۔۔۔ کاش یہ ممکن ہوتا۔ میرا اور اس کا ناتا کتنا عجیب سا ہے نا۔ کبھی میں سوچتی ہوں ان دیکھی ڈور سے بندھی ہیں ہم۔ وہ بھی تو کب کا علی کا گھر بسا چکی ہوتی۔ لیکن اس نے مجھے احساس کمتری میں مبتلا ہونے سے بچالیا لیکن کیا میں اس کے لیے قربانی دے سکتی ہوں؟

بے لگام ضدی دل کی نفاہیں کہتے ہوئے میں نے سوچا۔

☼ ☼ ☼

چھت پر خوب رونق لگی تھی۔ سب ہی تھے سوائے صبا کے۔ اچھا کرتی ہے وہ۔ یہ محفلیں اٹینڈ نہیں کرتی ورنہ اسے پتا چل جاتا کہ۔۔۔ انمول کائی مذاق کر رہی تھی۔ وہ مذاق مذاق میں دراصل میرا اور صبا کا مقابلہ کر رہی تھی۔ میں اگر مکمل حواس میں ہوتی تو ضرور جواب دیتی مگر شہری میرا بھرپور دفاع کر رہا تھا۔ میرا دل ایک دم ہی سکڑا تھا۔

"بی بی کدھر کھو گئیں آپ۔۔۔ یہاں اور بھی بہت لوگ ہیں جو سوچنے کا کام بخوبی انجام دیتے ہیں۔ آپ ہنستی بولتی ہی بھاتی ہیں۔ کہیں۔۔۔ ایسا تو نہیں کہ کوئی روگ شوگ۔۔۔"

اس نے میرے چہرے کے آگے ہاتھ ہلایا۔

"روگ نہ لائیں دل نوں سوہنڑیے' ہو جائے گی شوگر تینوں سوہنڑیے۔" پاس سے گزرتے خضر نے گلا سے چیخ مار کر گانے کا ستیاناس مارا۔ شہری زور سے کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

صبا کو میں نے اندر آتے دیکھا۔ ستا چہرہ' سوجے پپوٹے۔۔۔ وہ اداس اور روئی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

روہا' رویا سا حسن کس قدر قیامت ہوتا ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے۔ وہ روپ اتنا جاذب نظر تھا کہ مجھ سمیت کوئی بھی نگاہ ہٹا نہ پایا۔ میرے قریب ہی براجمان علی کی بے اختیار سرد آہ نکل گئی۔ میں چاہ کر بھی ناگواری ظاہر نہ کر سکی کہ آخر وہ بھی ایک ٹوٹے دل کا مالک ہے۔ جس سے بہرحال اب مجھے ہمدردی بھی تھی۔ پھر میں نے شہری کو دیکھا۔ اب میں صرف شہری کو سوچنا چاہتی تھی۔ میں نے اسے نظروں سے ٹٹولا۔ مگر کوئی جلتا بجھتا جگنو بھی ہاتھ نہ آیا۔ وہ اب بھی صبا کے حسن سے متاثر نظر نہ آیا تھا۔ ہاں وہ سچ میں مجھ سے محبت کرتا ہے اور محبت تو شاید مجھے بھی ہونے لگی تھی۔

صبا آکر ہلکے پھلکے انداز میں گفتگو میں حصہ لینے لگی۔ انمول کی کسی بات پر صبا اور شہریار اکٹھے زور سے ہنسے۔ میں بھی ہنستی اگر متوجہ ہوتی اور علی۔۔۔ وہ تو صبا کی طرف ہی متوجہ تھا مگر صرف صبا کی طرف۔۔۔ وہ صرف دیکھ رہا تھا۔ سن نہیں رہا تھا۔ ورنہ وہ بھی ہنستا۔

"یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟" میں سوچ کر رہ گئی۔ اچانک امی کی باتیں ذہن میں آگئیں۔ میں نے سر جھٹکا۔

"جب ہاتھ سے کچھ گنوایا جائے' تب پتا چلتا ہے کہ صبر کس چیز کا نام ہے۔" اس کی بات پر ہم تینوں چونکے۔ میں شہری سے نظریں چرا گئی۔ جبکہ وہ یک ٹک مجھے گھور رہا تھا اور۔۔۔ علی صبا کو۔

"اب صبر کا نہیں' اجر کا وقت ہے۔" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ اب میری بات پر وہ تینوں چونکے۔

جس دن میں نے شہریار کے لیے امی کو ہاں کہی۔ اس کے دوسرے ہی دن علی دوبارہ صبا کے سر پر پہنچ گیا۔

"اب تو کوئی جواز نہیں رہا صبا!" اس نے بھاری آواز میں اس سے کہا تھا۔ میں زیادہ فاصلے پر تھوڑی تھی۔ میں نے سوچا شاید میرے دل میں کچھ ٹوٹے گا مگر نہیں۔

وہاں تو صبا جیسی ایثار پسند دوست تھی۔۔۔ شہریار جیسا مستقل مزاج ہم سفر تھا۔

دل مضبوط تھا۔۔۔ ٹوٹا ہی نہیں۔

☼

مکمل ناول

نبیلہ عزیز

خان بیلی کی گل نین

"گل نین ....!" آج پہلی بار حیشم خان بلا جھجک اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر اس کے کمرے میں چلا آیا تھا۔ گل نین کی سفید رنگت زرد پڑ گئی تھی وہ اپنے آنسوؤں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑ کر پونچھتی ہوئی بیڈ سے کھڑی ہو گئی تھی اور دوپٹہ ماتھے تک کھینچ لیا تھا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" حیشم خان نے کبھی نظر اٹھا کر اس کی سمت اتنے غور سے نہیں دیکھا تھا جیسے اس وقت دیکھ رہا تھا۔

"ج... جی صاحب... م... میں ٹھیک ہوں۔" اس کی آواز بھرائی ہوئی لگ رہی تھی۔ جس پر حیشم خان کے چہرے کی تشویش اور پریشانی مزید بڑھ گئی تھیں وہ ایک بار پھر نظر اٹھا کر بغور دیکھنے پہ مجبور ہو گیا تھا۔

"بختاور تو بتا رہی تھی کہ تمہاری طبیعت خراب ہے کیا ہوا ہے تمہاری طبیعت کو؟" وہ کافی رسانیت

سے مگر نپے تلے الفاظ میں پوچھ رہا تھا۔

"کک۔۔۔ کچھ نہیں صاحب بس وہ بخار ہو گیا تھا۔" گل نین کا جسم ہلکے ہلکے لرز رہا تھا اور ٹانگیں بھی کانپ رہی تھیں اس کے وجود میں ذرا بھی سکت نہیں تھی پھر بھی وہ اپنے قدموں پہ کھڑی تھی' کمال بہادری تھی اس کی۔

"تمہیں بخار تھا تو بختاور تمہیں یہاں کیوں چھوڑ گئی؟" اب کی بار اس کا لہجہ سخت ہو چکا تھا۔

"اب۔۔۔ اب میں ٹھیک ہوں اس لیے۔۔۔ اس لیے چھوڑ گئیں۔" گل نین کے حلق میں آنسوؤں کا گولا سا پھنس گیا تھا اور آنکھیں پانیوں سے ڈبڈبا گئی تھیں۔

"لیکن مجھے تو تم کہیں سے بھی ٹھیک نہیں لگ رہیں؟"

"صاحب آپ تھکے ہوئے آئے ہیں' میری فکر نہ کریں' جا کر آرام کریں۔۔۔" گل نین نے اپنے بے ربط الفاظ کو بمشکل یکجا کیا تھا۔

"گل نین! صاف صاف بتاؤ بات کیا ہے؟ بختاور نے کچھ کہا ہے؟"

"نن۔۔۔ نہیں صاحب! بختاور بی بی تو بہت اچھی ہیں۔" گل نین کا لہجہ ہنوز بھرایا ہوا تھا۔

"تو پھر لائبہ نے کچھ کہا ہے؟"

"نہیں صاحب! کسی نے کچھ نہیں کہا۔" اس نے کہتے ہوئے سر جھکا لیا تھا اسے اپنے زخموں کی طرح اپنی آنکھوں کے رسنے کا بھی ڈر تھا اسی لیے پلکوں کے ساتھ ساتھ سر بھی جھکا لیا تھا۔

"تم نے کل میرے نمبر پہ فون کیا تھا لیکن لائن ڈراپ ہو گئی تھی اور میٹنگ کی وجہ سے میں بھی تمہیں کال بیک نہ کر سکا' کیا بات تھی؟ کیوں فون کیا تھا؟" حیشم خان کو بات کرتے کرتے اس کی کل والی فون کال یاد آ گئی تھی۔

"آپ نے کل کال نہیں کی صاحب' تو آج حال پوچھنے کا کیا فائدہ؟" گل نین کی کٹورا سی آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔

"کیوں؟ کیا ہوا ہے تمہیں؟" حیشم خان بری طرح چونک گیا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا صاحب' کچھ بھی تو نہیں ہوا' اگر کسی غریب کے ساتھ کچھ ہو بھی جائے تو سمجھو کچھ نہیں ہوا۔" اس کی آواز میں عجیب کرچیوں کی سی ٹوٹ پھوٹ سنائی دے رہی تھی اور لہجے میں ہلکے زہر کی آمیزش تھی' اس کے الفاظ میں کچھ چبھ رہا تھا۔

"تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو گل نین' بتاؤ کیا ہوا ہے؟ بختاور نے کچھ کہا ہے یا لائبہ نے کوئی بات کی ہے؟ تمہیں کسی نے مارا پیٹا ہے؟ کیا ہوا ہے آخر؟" حیشم خان کا لہجہ تیز اور آواز بلند ہو چکی تھی جس پہ گل نین سے مزید ضبط نہ ہو سکا اور وہ دھاڑیں مار مار کر روتی ہوئی حیشم خان کے قدموں میں گر گئی تھی اور حیشم خان اپنے قدموں میں گری تڑپ تڑپ کر روتی ہوئی گل نین کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔۔۔!!!

☼ ☼ ☼

"حیشم! اٹھ جائیں پلیز' اتنا ٹائم ہو رہا ہے' ناشتا بنا دیا ہے میں نے' اب گرم نہیں کروں گی۔" لائبہ نے دوبارہ آ کر آواز دی تو آواز میں بے زاری گھلی ہوئی تھی۔ حیشم خان نے چہرے سے کمبل ہٹا کر اسے دیکھا وہ دروازے سے ہی واپس پلٹ رہی تھی۔

"لائبہ۔۔۔!" اس نے بے ساختہ آواز دی۔

"جی؟"

"ادھر آؤ۔" اس نے اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"فی الحال فارغ نہیں ہوں' آپ نیچے آ جائیں' میں ناشتا ٹیبل پہ لگا کر آئی ہوں۔" اس نے ہری جھنڈی دکھا دی۔

"لائبہ۔۔۔!" حیشم نے اسے دوبارہ آواز دی لیکن وہ سنی ان سنی کرتی ہوئی نیچے چلی گئی۔ حیشم خان کا موڈ سخت بدمزا ہوا تھا وہ جھنجلاتا ہوا اٹھ کر واش روم میں چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد تیار ہو کر نیچے آ گیا تھا وہ

پہلے سے کرسی پہ تیار بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی [illegible] خان خاموشی سے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا اور وہ [illegible] کرنے لگی۔

"پراٹھا لیں گے؟"

"[illegible] تھینکس۔۔۔" اس کے نپے تلے "تھینکس" پہ لائبہ کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"خفا ہو گئے ہیں؟"

"نہیں! مجھے خفا ہونے کی کیا ضرورت ہے بھلا؟" وہ گلاس میں جوس انڈیلتے ہوئے لاتعلقی سے بولا۔

"تو پھر منہ کیوں سوجا ہوا ہے؟"

"میرا منہ ہے' تمہیں اس سے کیا مطلب؟"

"آپ کا منہ صرف آپ کا ہی نہیں ہے اس پہ میرا بھی کوئی حق ہے۔" وہ چھیڑنے والے انداز میں بولی۔

"اچھا۔۔۔؟ تھوڑی دیر پہلے جب میں حق جتانا چاہ رہا تھا تب کیا ہوا تھا؟ بات کیوں نہیں سنی؟" وہ ناراضی سے گھورتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"تو اس میں ناراض ہونے والی کیا بات ہے؟ اب سنا دیں۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"کمرے میں سنانے والی بات ڈائننگ ٹیبل پر کیسے سناؤں؟" حیشم کی ذومعنی بات پہ لائبہ کے چہرے پہ رنگ بکھر گئے تھے۔

"ایسی بھی کیا بات تھی جو صرف کمرے میں ہی سنی جا سکتی ہے؟" وہ انجان بنتے ہوئے بولی۔

"رات کو کمرے میں آنا پھر بتاؤں گا۔" وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا لائبہ بے ساختہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

"بچے کہاں ہیں؟" حیشم نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"حمیدہ کے پاس کھیل رہے ہیں۔" اس نے ملازمہ کا بتایا۔

"یعنی تم نے فارغ ہوتے ہوئے بھی میری بات نہیں سنی؟" حیشم کو اپنی بات نہ سننے کا ابھی تک

افسوس ہو رہا تھا اور لائبہ دل کھول کے ہنس رہی تھی۔

"پلیز ناشتا کیجیے ورنہ اسی افسوس میں پورا دن گزر جائے گا۔" لائبہ نے ہنستے ہوئے اسے ناشتے کی طرف متوجہ کیا تھا اور وہ اسے مصنوعی خفگی سے گھورتے ہوئے ناشتا کرنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اوئے گل نیناں! کہاں ہو بچہ؟" خان بابا کی عادت تھی کہ وہ گھر میں داخل ہوتے ہی بیٹی کو آواز دیتے تھے اور وہ ان کی آواز پہ بھاگی آتی تھی۔

"ارے بابا آپ آ بھی گئے؟" وہ دوپٹے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے تیزی سے باہر آئی تھی۔

"تو کیا میں رات رہنے گیا تھا؟" وہ سارا سامان گل نین کو تھماتے ہوئے ہنسے۔

"میری کتابیں بھی لے آئے آپ۔۔۔؟" اس نے تھیلے میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"اوئے خانماں خراب کتابیں تو رہ گئیں۔" انہوں نے یاد آنے پہ اپنے سر پہ ہاتھ مارا تھا۔

"اسی لیے تو کہتی ہوں بازار جاتے ہیں تو رات رہ کر ہی آیا کریں' بس واپسی کی جلدی ہوتی ہے۔" وہ خفا ہو رہی تھی۔

"ارے پگلی مجھے واپسی کی جلدی اسی لیے ہوتی ہے کہ میری گل نین گھر پہ اکیلی ہوتی ہے۔ اسی لیے تو فوراً واپس آجاتا ہوں، گھر سے باہر جاکر بھی میرا دھیان گھر کی طرف ہی لگا رہتا ہے۔" خان بابا بڑے فخر اور محبت بھرے انداز سے بتا رہے تھے اور گل نین مزید خفا ہونے لگی تھی۔

"کس چیز کا ڈر لگا رہتا ہے آپ کو؟ آپ کا گھر، کہیں بھاگ جائے گا، یا آپ کی گل نین کہیں بھاگ جائے گی؟" وہ ان سے لڑنے کے لیے تیار کھڑی تھی۔

"ارے میری پگلی گل نیناں، نہ تو تمہارے کہیں بھاگنے کا ڈر ہے اور نہ ہی گھر کے بھاگنے کا ڈر ہے، پتر! ڈر لگتا ہے تو صرف اس زمانے سے، زمانہ بہت ظالم ہے، ذرا ترس نہیں کھاتا، اسی لیے بیٹی کو تنہا چھوڑتے ہوئے ڈرتا ہوں۔"

"لیکن بابا اس میں زمانہ کہاں سے آگیا؟ میں کہاں اور زمانہ کہاں؟ اب گھر میں بیٹھے ہوئے بھی کوئی ڈر ہے بھلا؟" اسے حیرت ہوئی تھی۔

"ارے پتر تو سات کوٹھریوں میں رہ، پر پھر بھی زمانے سے ڈر، زمانہ سات کوٹھریوں میں تمہارے پیچھے نہیں جائے گا لیکن زمانے کی بے رحم زبان سات کوٹھریوں میں بھی تمہارے پیچھے جائے گی۔" خان بابا نے ڈھکے چھپے الفاظ میں بیٹی کو سمجھایا تھا اور وہ ماشاء اللہ اتنی سمجھ دار تھی کہ فوراً سمجھ بھی گئی تھی۔

"کچھ سمجھی کہ نہیں؟"

"جی سمجھ گئی ہوں۔" اس نے آہستگی سے سر ہلایا تھا۔

"چلو تو پھر جلدی سے ہنڈیا بنالو اور میں جاکر تمہاری کتابیں لے آؤں۔" وہ وہیں سے واپس پلٹ گئے۔

"ارے نہیں بابا! ابھی رہنے دیں، کل لے آئیے گا، ایسی بھی کوئی جلدی نہیں ہے۔" اس نے انہیں دوبارہ بازار جانے سے منع کیا تھا۔

"کل بھی تو میں نے ہی لے کر آنی ہیں، اچھا ہے آج ہی لے آؤں، کل جمعہ ہوگا اور بازار جلدی بند ہوجائے گا۔"

"لیکن اس وقت موسم بہت خراب ہو رہا ہے، بارش شروع ہونے والی ہے۔" اس نے موسم ابر آلود ہوتے دیکھا تو انہیں منع کیا۔

"ارے یہ موسم تو روز ہی ایسا ہوتا ہے، میں ابھی لے آتا ہوں شاباش تم ہنڈیا بنالو۔" وہ کہہ کر گیٹ سے نکل گئے تھے اور گل نین انہیں پیچھے سے آوازیں دیتی رہ گئی تھی وہ بھلا گل نین کی بات کب ٹال سکتے تھے اس کی کتابیں نہیں آئی تھیں تو انہیں چین کیسے آتا؟ اور وہ پچھتا رہی تھی کہ اس نے کتابوں کا ذکر ہی کیوں کیا تھا وہ کچن میں آکر سبزی بناتے ہوئے بھی ہول رہی تھی کیونکہ بارش کے امکان بڑھ گئے تھے۔ ماحول میں بادلوں کی گرج اور گھور اندھیرا پھیلنے لگا تھا کسی بھی وقت موسلادھار بارش شروع ہوسکتی تھی۔

"اف ان کے پاس تو چھتری بھی نہیں ہے؟" اس نے چولہا جلا کر ہنڈیا چڑھادی اور کچن کی باہر کی طرف کھلنے والی کھڑکی کھول کر باہر جھانکا اور زمین پہ برسنے والی بوندیں دیکھ کر دل دھک سے رہ گیا تھا وہ رفتہ رفتہ ہنڈیا بھی بنا چکی لیکن خان بابا ابھی تک واپس نہیں آئے تھے اس کی تشویش بڑھ گئی تھی وہ چھتری لے کر باہر نکل آئی۔

"قادر خان...! قادر خان...!" اس نے گیٹ کے قریب آکر چوکیدار کو زور سے آوازیں دیں۔

"کیا بات ہے گل نین؟" قادر خان چھتری لے کر سامنے آگیا ہوا اتنی تیز تھی کہ چھتری بھی ہاتھوں سے نکلی جا رہی تھی۔

"بابا، بازار گئے تھے ابھی تک نہیں آئے، میرے ساتھ چلو انہیں دیکھنے۔" وہ پریشان تھی۔

"ارے پریشان کیوں ہوتی ہو؟ بارش کی وجہ سے کہیں رک گئے ہوں گے۔" قادر خان نے تسلی دی۔

"نہیں قادر خان وہ کہیں رکنے والے نہیں ہیں، ضرور کوئی مسئلہ ہوگیا ہے ان کے ساتھ۔" گل نین کسی تسلی کو ماننے والی نہیں تھی۔

"لیکن گل نین اس بارش میں کہاں ڈھونڈنے جاؤ گی انہیں؟" قادر خان طوفانی بارش دیکھ کر فکر

مندی سے بولا۔

"میں بھی جاؤں گی، تم بس میرے ساتھ چلو۔" وہ ضد سے بولی تو قادر خان کو چپ ہونا پڑا۔

"چلو! جیسے تمہاری مرضی۔" وہ مان گیا لیکن قسمت اچھی تھی کہ وہ زحمت سے بچ گیا تھا ابھی قدم آگے بڑھائے ہی تھے کہ خان بابا گیٹ سے اندر داخل ہوتے نظر آگئے۔

"لو! وہ خود ہی آگئے۔" اسے خان بابا کو دیکھ کر خوشی ہوئی تھی جبکہ گل نین کی پریشانی مزید بڑھ گئی تھی کیونکہ خان بابا سے ٹھیک سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا اور وہ سر سے پاؤں تک بارش میں بھیگے ہوئے تھے بارش کا پانی ان کے کپڑوں سے نچڑ رہا تھا۔

"بابا! آپ ٹھیک تو ہیں؟ اتنی دیر کیوں لگادی؟" وہ چھتری لے کر وہ ان کے قریب آگئی۔

"ہاں ٹھیک ہوں، تم اندر چلو۔" وہ بمشکل قدم اٹھا رہے تھے اور تکلیف کا احساس ان کی آواز میں بھی رچا ہوا تھا۔ گل نین نے چھتری پھینک کر انہیں سہارا دیا اور اندر لے آئی۔ قادر خان بھی ان کے ساتھ ہی تھا۔

"بیٹھیے۔" اس نے کرسی کھینچی۔

"اف!" ان کے منہ سے بے ساختہ اک کراہ نکلی تھی۔

"بابا! آپ بتاتے کیوں نہیں کیا ہوا ہے آپ کو؟" گل نین کا دل گھبرا رہا تھا۔

"بس بیٹا آتے ہوئے پاؤں پھسل گیا تھا۔" انہوں نے آہستگی سے کہا اور ان کی نظر ان کے گھٹنے پہ جا پڑی زمین سے رگڑ لگنے کی وجہ سے ان کی شلوار کا کپڑا گھٹنے سے پھٹا ہوا تھا۔

"ہائے میرے اللہ...!" وہ تڑپ اٹھی تھی اور فرش پہ دو زانو بیٹھتے ہوئے ان کی شلوار کا پائنچہ چڑھا دیا تھا۔

"اف...!" گھٹنے سے خون رس رہا تھا۔

"یہ تو بہت گہری چوٹ ہے۔"

"ارے شکر کرو بچہ کوئی ہڈی پسلی ٹوٹنے سے بچ گئی ورنہ گھر بھی نہیں آسکتا تھا۔"

"بابا! یہ میری وجہ سے ہوا ہے نا؟ نہ میں کتابیں کہتی اور نہ آپ دوبارہ بازار جاتے۔" گل نین کو افسوس ہو رہا تھا۔

"پتر! ہر چیز کا ایک بہانا ہی بنتا ہے۔"

"اچھا! اٹھیں یہاں سے اور گرم کپڑے پہنیں، میں پانی گرم کرکے لاتی ہوں، زخم صاف کرکے پٹی باندھ دیتی ہوں۔" وہ قادر خان کے ساتھ انہیں کمرے میں لے آئی اور کپڑے نکال کر ان کی طرف بڑھا دیے اور جلدی جلدی میں ان کے لیے چائے بھی بنالی کافی سردی تھی، وہ ٹھٹھر رہے تھے...!

☼ ☼ ☼

"دیکھیے بی بی! ان کو سردی کی وجہ سے بخار ہوا ہے اور اسی سردی کی وجہ سے یہ بخار اتر نہیں رہا، آپ انہیں گرم کمرے میں رکھنے کی کوشش کریں۔" خان بابا کو اس روز بارش میں بھیگنے کی وجہ سے بخار ہوا تھا اور آج دس دن ہوگئے تھے وہ بخار نہیں اترا تھا یہاں تک کہ انہیں اسپتال میں بھی داخل کروا دیا تھا لیکن پھر بھی ان کا بخار کم نہیں ہوا تھا۔

"گرم کمرے میں؟" وہ نا سمجھی سے پوچھ رہی تھی۔

"میرا مطلب ہے کہ آپ انہیں پرائیویٹ روم میں شفٹ کروادیں وہاں ہیٹنگ سسٹم ہے، یہاں وارڈ میں ہیٹر کی سہولت نہیں ہے۔" ڈاکٹر نے اسے فرق سمجھایا اور گل نین سر جھکا کر مٹھی میں دبے چند سو سو کے نوٹ دیکھتی رہ گئی جو اس نے خان بابا کی آج کی دوائیوں کے لیے تھام رکھے تھے پچھلے دس دن سے مسلسل ڈاکٹرز اور دوائیوں کا بل دے دے کر پورے مہینے کا خرچہ اٹھ گیا تھا ڈاکٹر اسے کہہ کر چلا گیا کہ وہ پلٹ کر بابا کو دیکھنے لگی جو شدید بخار کی وجہ سے غنودگی کی حالت میں تھے۔

"گل نین...!" قادر خان نے آواز دی۔

"ہوں؟"

"صاحب کو فون کرو۔" قادر خان نے مشورہ دیا۔

"صاحب کو؟" اس کے قدم ٹھٹک گئے۔

"تو اور کیا؟ اس مصیبت کے وقت اور کون کام آئے گا؟" وہ اسے سمجھا رہا تھا اور گل نین کے پاس سمجھنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا وہ قادر خان سے فون نمبر لے کر اسپتال سے باہر بنے چھوٹے سے پی سی او کی طرف چل دی' وہاں جا کر نمبر ڈائل کیا تو کال فوراً" مل گئی تھی۔

"ہیلو! حیشم خان اسپیکنگ؟" دوسری طرف سے حیشم خان کی بھاری آواز سنائی دی۔

"سلام صاحب! ایبٹ آباد سے گل نین بات کر رہی ہوں۔" اس کی آواز بے حد دھیمی تھی حیشم خان یقیناً" چونکا تھا' اس کے انداز سے لگ رہا تھا۔

"گل نین...؟ خیریت تم نے فون کیوں کیا؟" وہ واقعی پریشان ہو گیا تھا۔

"بابا بہت بیمار ہیں۔" بتاتے ہوئے اس کی آواز لرز رہی تھی۔

"کیوں؟ کیا ہوا خان بابا کو...؟"

"پچھلے دس دن سے بخار ہے صاحب' اور دو دن سے انہیں اسپتال میں ایڈمٹ کروا رکھا ہے' بہت پریشانی بنی ہوئی ہے' انہیں ذرا بھی ہوش نہیں ہے۔" گل نین کی آواز بھرا رہی تھی اور حیشم خان نے فون بند کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"خیریت؟ آپ آفس سے جلدی کیوں آگئے؟" لائبہ اپنی نگرانی میں حمیدہ سے کپڑے دھلوا رہی تھی جب حیشم خان کی گاڑی رکنے کی آواز سن کر تیزی سے گھر کے مرکزی حصے میں آگئی وہ راہداری کی سمت بڑھ رہا تھا۔

"میں ایبٹ آباد جا رہا ہوں۔" وہ تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بولا۔

"ایبٹ آباد؟ کیوں خیریت تو ہے؟" لائبہ متفکر ہوئی۔

"خان بابا بیمار ہیں' اسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔" [illegible] دروازہ کھول کر اپنے بیڈ روم میں آگیا۔

"اللہ خیر کرے' آپ کو کس نے بتایا ہے؟" وہ بھی اس کے پیچھے ہی اندر داخل ہوئی۔

"گل نین کا فون آیا تھا۔" وہ وارڈ روب کا پٹ کھول کر اپنا بیگ اور کپڑے نکالنے لگا۔

"اوہو...! یہ تو واقعی بہت پریشانی کی بات ہے؟" لائبہ کو بھی سن کر پریشانی ہوئی تھی۔

"بس دعا کرو ان کے لیے۔" حیشم باتھ روم میں جا کر اپنے برش وغیرہ اٹھا لایا اور بیگ میں ٹھونس دیے۔

"تم یہ کپڑوں کی پیکنگ کر دو' میں تب تک منیجر سے پتا کر لوں کہ اس نے سیٹ کنفرم کروائی ہے یا نہیں؟" وہ جیب سے موبائل نکالتے ہوئے عجلت سے بولا اس نے کراچی سے بائی ایر جانا تھا۔ لیکن اتنے میں منیجر کی کال آگئی اس کی سیٹ کنفرم ہو چکی تھی۔

"تھینک یو یار...!" اس نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

"پیکنگ ہو گئی؟" وہ لائبہ کی سمت مڑا۔

"جی! ہو گئی ہے۔" لائبہ نے بیگ کی زپ بند کر دی۔

"اوکے! میرے شوز نکال دو۔" وہ وارڈ روب کے خفیہ خانے سے کیش نکالتے ہوئے بولا۔

"یہ کچھ کیش تم اپنے پاس رکھ لو۔" اس نے لائبہ کو کیش تھمایا۔

"لیکن حیشم میں اکیلی کیسے؟" لائبہ نے بات ادھوری چھوڑتے ہوئے کہا۔ مگر حیشم اس کی ادھوری بات کا مفہوم بھی سمجھ چکا تھا۔

"ڈونٹ وری! تم اکیلی نہیں رہو گی' میں نے بختاور کو فون کر دیا ہے وہ شام تک تمہارے پاس آجائے گی اور ان شاء اللہ میری واپسی تک وہ یہیں رہے گی۔" حیشم نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کی واپسی کب تک ہو گی؟"

"واپسی کا تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا' یہ تو خان بابا کی طبیعت دیکھ کر ہی بتایا جا سکتا ہے' بس تم اللہ سے ان کی [صح]ت کی دعا کرو۔" حیشم اسے کافی تسلی دے کر [illegible] سے مل کر رخصت ہوا تھا وہ اس وقت خان بابا کی [illegible] سے واقعی بہت پریشان تھا ایئرپورٹ پہنچا تو [فلا]ئٹ کا ٹائم ہو چکا تھا... شکر تھا کہ اسے فلائٹ وقت [پہ مل گ]ئی تھی ورنہ کافی انتظار کرنا پڑتا...!

☼ ☼ ☼

"خان بابا...!" حیشم ان کے قریب جھکتے ہوئے آہستگی سے بولا۔ انہوں نے اس کی آواز پہ بمشکل آنکھیں کھول کے دیکھا تھا۔

"حیشم...؟" ان کی بوڑھی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

"جی! خان بابا میں حیشم ہی ہوں' کیسے ہیں آپ؟" وہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دباتے ہوئے بولا ان کا ہاتھ بخار کی حدت سے تپ رہا تھا۔

"ہوں! اللہ کا کرم ہے' جو چاہے سو کرے۔" وہ پلکیں موندتے ہوئے نحیف سی آواز میں بولے تھے حیشم ان کی آواز بمشکل سن سکا تھا۔

"اللہ بہتر کرے گا خان بابا' آپ حوصلہ کریں' سب ٹھیک ہو جائے گا' میں ابھی ڈاکٹرز سے بات کرتا ہوں نہیں تو آپ کو لے چلتا ہوں۔" اس نے خان بابا کی ڈھارس بندھائی۔

"ارے نہیں پتر! ادھر آ' میرے پاس بیٹھ' بڑے دنوں بعد تیری صورت دیکھی ہے۔" خان بابا نے حیشم کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"قادر خان! جاؤ تم ڈاکٹرز کو بلا کر لاؤ۔" حیشم نے اشارہ کیا۔

"میں بلا کر لاتی ہوں۔" گل نین تیزی سے باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر بعد دونوں ڈاکٹرز آگئے تھے۔

"آپ انہیں پرائیویٹ روم میں شفٹ کریں۔" اس نے ڈاکٹرز کو اشارہ دیا اور اگلے دس منٹ کے اندر اندر انہیں پرائیویٹ روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا پیسے کے بل بوتے پر اسپتال کے سارے عملے میں جیسے تیزی اور پھرتی کی لہر دوڑ گئی تھی نرسیں اور ڈاکٹرز بھی "جی سر" کہنے پہ مجبور تھے۔

پرائیویٹ اسپتال تھا یہاں زیادہ پیسے والے کی قدر تھی' یہ ماجرا گل نین نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا وہ دو روز سے جس اسٹاف کے پیچھے جوتیاں گھسا رہی تھی اس وقت وہی اسٹاف حیشم خان کی ایک آواز پہ بھاگا آ رہا تھا صرف اس لیے کہ انہوں نے اس سے بل زیادہ وصول کرنا تھا...!

"بچے کیسے ہیں؟" خان بابا نے حیشم سے بچوں کی خیریت پوچھی۔

"سب ٹھیک ہیں' بس آپ بھی جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔" وہ ان کے پاس بیڈ پہ آبیٹھا۔

"ہونہہ! بوڑھا بندہ ایک بار گر جائے تو پھر اٹھ نہیں سکتا۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہیں خان بابا! آپ تو ہمارے سروں پہ سائبان کی مانند ہیں' ہمارا سب سے بڑا سہارا ہیں آپ" حیشم کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

"انسان کا سب سے بڑا سہارا اللہ کی ذات ہے پتر' یہاں کوئی کسی کا سہارا نہیں ہے۔" وہ آنکھیں بند کیے بول رہے تھے کیونکہ کھول کر دیکھتے تھے تو بخار کی تپش سے آنکھیں جلتی تھیں اور پانی بہنا شروع ہو جاتا تھا۔

"اللہ کی ذات سہارے کے لیے کسی کو وسیلہ بھی تو بناتی ہے؟" حیشم خان ان کا بازو دبا رہا تھا۔

"ہاں بالکل انسان ہی انسان کا وسیلہ بنتا ہے۔" انہوں نے ہاں میں ہاں ملائی۔

"میں آپ کو اسلام آباد لے چلتا ہوں وہاں اچھے اسپتال..."

"نہ پتر! میرے بے جان وجود کو خجل خوار مت کرنا' اگر آگئی ہے تو سکون سے آنے دو موت کو۔ بھاگنے دوڑنے سے کون سا رک جائے گی؟" وہ استہزائیہ ہنس رہے تھے لیکن گل نین کی سسکی نکل گئی' حیشم بھی پریشان ہو اٹھا۔

"ادھر آ' گل نیناں ادھر میرے پاس بیٹھ۔" انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے بیڈ پہ بیٹھنے کا کہا۔

"ارے پگلی رو کیوں رہی ہے؟ ادھر میرے پاس

بیٹھ۔" انہوں نے دوبارہ کہا تو گل نین کو اٹھ کر آنا ہی پڑا۔

"حیشم خان تو جانتا ہے نا مجھے گل صنوبر سے کتنا پیار تھا؟" وہ اپنی بیوی کا نام لے رہے تھے۔

"جی۔۔۔!"

"اور میری گل نین' میری گل صنوبر کی نشانی ہے' یہ نشانی میں تمہارے حوالے کر رہا ہوں' سنبھال کے اور دھیان سے رکھنا۔" انہوں نے گل نین کا ہاتھ پکڑ کر حیشم خان کے ہاتھ پہ رکھ دیا وہ دونوں ان کی بات پہ لرز گئے تھے۔

"خان بابا! یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ ہم آپ کے ٹھیک ہونے کی دعائیں کر رہے ہیں اور آپ ہیں کہ۔۔۔"

"میں اب ٹھیک ہوں بس تمہارا ہی انتظار تھا شاید' میرے بعد میری بیٹی کا کوئی ولی وارث نہیں ہے سوائے اس پاک ذات کے۔۔۔ میری بیٹی کے سر پہ ہاتھ رکھنا' اچھا بر دیکھ کر رخصت کر دینا' میری گل نین بہت صابر و شاکر ہے' جس حال میں رکھو گے' خوش رہے گی۔" وہ بیٹی کی تعریف کر رہے تھے اور گل نین چھم چھم روئی تھی اس کے باپ کو آخری لمحات میں بھی اسی کی فکر تھی اور حیشم خان گم صم بیٹھا تھا حالانکہ خان بابا اور بھی بہت سی باتیں کرتے رہے لیکن ان کے الفاظ دل میں گڑھے رہ گئے تھے۔ رات بھر وہ ان کے پاس بیٹھا رہا وہ باتیں کرتے رہے لیکن جیسے ہی فجر کا وقت ہوا' انہوں نے واپسی کا سفر باندھ لیا ایک طرف فجر کی اذانیں ہو رہی تھیں اور ایک طرف وہ کلمہ شریف پڑھ رہے تھے۔۔۔!

☼ ☼ ☼
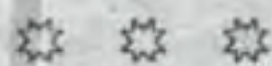
یہ گھر حیشم خان کا تھا لیکن یہاں زیادہ وقت گل نین نے گزارا تھا وہ تو جیسے ہی جوان ہوا پڑھنے لکھنے اور کاروبار کے چکر میں پڑ کر کراچی چلا گیا تھا جبکہ گل نین جب سے پیدا ہوئی تھی اسی گھر میں رہ رہی تھی اور شاید اسی لیے اس گھر سے نکلتے ہوئے جتنی تکلیف گل نین کو ہوئی تھی اتنی حیشم خان کو نہیں ہو رہی تھی آج خان بابا کی وفات کے ایک ہفتے بعد وہ واپس کراچی جا رہا تھا اس لیے گل نین کو بھی اس کے ساتھ جانا پڑ رہا تھا کیونکہ گل نین کے لیے خان بابا نے حیشم خان کو محافظ منتخب کیا تھا اور وہ ان کے فیصلے سے انحراف کیے کر سکتے تھے؟

وہ حیشم خان کے ساتھ ہی اس گھر سے نکل آئی تھی' اپنے بابا کا لاڈ پیار سب اسی گھر میں چھوڑ کے جا رہی تھی' اس گھر کا چوکیدار قادر خان بھی آنسوؤں سے رو رہا تھا ہنستے کھیلتے چند دنوں میں ہی یہ گھر کیسے اجاڑ اور ویران ہو گیا تھا ورنہ اس گھر سے ہر وقت دونوں باپ بیٹی کی ہنسنے اور کبھی لڑنے کی آوازیں آتی رہتی تھیں اور آج ہر طرف سکوت کا عالم تھا' در و دیوار چپ تھے بس خان بابا کی گل نین رو رہی تھی۔۔۔!

وہ اپنے بے آواز بہنے والے آنسوؤں کو دوپٹے میں جذب کرتی خاموشی سے آکر گاڑی میں بیٹھ گئی تھی قادر خان انہیں ایر پورٹ تک چھوڑنے آیا تھا۔ گل نین نے بمشکل اپنی چیخوں کا گلا گھونٹا تھا' یہاں روتی تو بہت سے لوگ مشکوک ہو جاتے اور وہ اپنے ساتھ ساتھ حیشم خان کو بھی تماشا نہیں بنا سکتی تھی اسی لیے دل کے درد کو دل میں ہی دبا دیا تھا۔۔۔!

☼ ☼ ☼
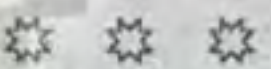
"ماموں آگئے۔۔۔ ماموں آگئے۔۔۔ امی! ماموں آگئے۔۔۔" بختاور کے بچے حیشم خان کی گاڑی دیکھتے ہی خوشی سے چلانا شروع ہو گئے تھے۔

"بابا آگئے۔۔۔" اریج بھاگتی ہوئی آکر حیشم کی ٹانگوں سے لپٹ گئی تھی اس نے باپ کو گاڑی سے اترنے کا موقع بھی بمشکل دیا تھا۔

"جی میری جان' بابا آگئے۔۔۔" حیشم نے جھک کر اسے بانہوں میں اٹھا لیا تھا اور بے ساختہ ماتھے پہ پیار کیا تھا گل نین گاڑی سے اترتے ہوئے باپ بیٹی کے اس سین میں کھو گئی تھی۔

"حیشم۔۔۔!" لائبہ کی بے تاب سی آواز سنائی دی

تھی بختاور اور لائبہ بھی باہر نکل آئی تھیں۔
"آپ نے بتایا نہیں کہ آپ کراچی پہنچ گئے ہیں؟" لائبہ اپنی دھن اپنے دھیان میں بولتی ہوئی آگے آئی تھی لیکن گاڑی کی دوسری سائیڈ پہ نظر آتے نسوانی وجود کو دیکھ کر قدموں میں زنجیر پڑ گئی تھی۔
"یہ کون ہے؟" اس کے منہ سے بے ساختہ سوال نکلا۔
"یہ خان بابا کی بیٹی گل نین ہے۔" حیشم نے تعارف کروایا۔
"گل نین یہاں۔۔۔؟" بختاور بھی چونک کر سامنے آئی اور گل نین کو دیکھ کر اسے بھی دل کا غبار نکالنے کا بہانا مل گیا تھا وہ اپنے شوہر کی غیر موجودگی کی وجہ سے خان بابا کی تعزیت کے لیے ایبٹ آباد نہیں جاسکی تھی حالانکہ اس نے کوشش بہت کی تھی اور آج خان بابا کی گل نین خود اس کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی وہ دونوں گلے مل کے ایسا روئیں کہ سارے غم تڑپ اٹھے تھے لائبہ کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے تھے۔
"آج ہمارے ایبٹ آباد سے سارے رشتے ختم ہوگئے، سارا گھر خالی ہوگیا، تالے لگا دیے خان بابا نے۔۔۔" بختاور تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔
"لائبہ پلیز! سمجھاؤ بختاور کو۔۔۔" حیشم نے لائبہ کو اشارہ کیا۔
"بختاور! بس کرو، وہ اتنے دنوں سے تھکی ہوئی آئی ہے، اسے دم تو لینے دو۔۔۔" لائبہ نے بمشکل بختاور کو پیچھے ہٹایا تھا۔
"اپنے ہاتھوں سے پالا تھا ہمیں خان بابا نے اور میں اتنی بدنصیب ہوں کہ آخری بار ان کی صورت بھی نہیں دیکھ سکی۔۔۔" بختاور کے آنسو زار و قطار بہہ رہے تھے۔
"بس تم ان کی مغفرت کے لیے دعا کرو، یہ رونا دھونا ان کے کسی کام کا نہیں ہے۔" اس نے بختاور کو سمجھایا اور گل نین کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔
"آؤ گل نین تم اندر آجاؤ، شاباش۔۔۔" لائبہ گل نین کو بازو سے تھام کے اپنے ساتھ اندر لے آئی تھی۔
"یہاں بیٹھو۔۔۔" اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا تھا۔
"حمیدہ۔۔۔ حمیدہ۔۔۔!" اس نے ملازمہ کو آواز دی۔
"جی بیگم صاحبہ۔۔۔؟"
"جلدی سے جوس لے کر آؤ، فریج میں رکھا ہے۔"
"جی بہتر۔۔۔" حمیدہ سر ہلاتی ہوئی چلی گئی تھی اور تھوڑی دیر بعد ٹرے میں فریش جوس کے گلاس لے آگئی۔
ایبٹ آباد کے مقابلے میں کراچی کا موسم خاصا خشک تھا اتنی ٹھنڈ محسوس نہیں ہو رہی تھی لائبہ اور بختاور وغیرہ نے گرم کپڑوں کے بجائے ریشمی جارجٹ اور شیفون کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اور چائے کی جگہ جوس سرو کیا جارہا تھا۔
"کیا ہوا تھا خان بابا کو۔۔۔؟" یہ سوال بختاور پوچھنا چاہتی تھی لیکن گل نین کے خیال سے چپ ہو رہی تھی۔
"سفر میں کوئی پرابلم تو نہیں ہوئی؟" لائبہ نے معقول سا سوال کیا۔
"نہیں۔۔۔"
"بھوک ہے تو کھانا لگواؤں؟"
"نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔"
"تھوڑی دیر آرام کرلو، میں تمہارے لیے کمرا صاف کروا دیتی ہوں۔" لائبہ کا دل اس کی طرف سے بے وجہ ہی نرم ہوا جارہا تھا۔
"کمرا۔۔۔؟" گل نین نے سر اٹھا کر دیکھا۔
"ارے تو اور کیا؟ تم اس گھر میں ملازمہ بن کے نہیں بلکہ مہمان بن کے آئی ہو اور مہمانوں کو کمرے میں ہی ٹھہراتے ہیں کوارٹر میں تو نہیں۔۔۔" لائبہ نے اس کا گال چھو کر جواز پیش کیا۔
"لیکن۔۔۔!" اس نے کچھ کہنا چاہا۔
"بھابھی ٹھیک کہہ رہی ہیں گل نین، تم یہاں ملازم نہیں، مہمان ہو۔۔۔" بختاور نے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے لائبہ کی ہاں میں ہاں ملائی اور گل نین

چپ ہو گئی تھی اس کے پاس ان کی اپنائیت کا جواب نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

ایک مہینے پہلے اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ آنے والے مہینے میں اس کی زندگی کس طرز پہ چل نکلے گی۔۔۔؟ وہ کہاں سے کہاں آجائے گی۔۔۔؟ من مرضی اور لاپروا زندگی گزارتے گزارتے اسے پروا کی زندگی گزارنا پڑ جائے گی کہ کوئی اس پہ اعتراض نہ کرے کسی کو کچھ برا نہ لگے اور اسی کوشش میں وہ اپنے اندر کی گل نین کو ایک خول میں بند کرچکی تھی، اسے ویسا جینا تھا جیسا لوگ چاہتے تھے۔۔۔ لیکن ابھی یہ بھی شکر تھا کہ اس گھر کے دونوں مالکان، حیشم اور لائبہ بہت اچھے انسان تھے دونوں نے اسے اجنبیت کا احساس نہیں ہونے دیا تھا وہ چند ہی دنوں میں اس گھر میں رچ بس گئی تھی اور لائبہ اس چیز پہ بے پناہ خوش تھی۔
"رئیلی گل نین! میں واقعی بہت خوش ہوں۔" لائبہ نے کھل کر اظہار کیا تھا۔
"کیوں بیگم صاحبہ؟"
"بس مجھے یوں لگتا ہے مجھے اپنی دن بھر کی تنہائیوں کا ساتھی مل گیا ہے۔"
"میری اتنی اوقات کہاں بیگم صاحبہ؟"
"ارے چھوڑو اوقات ووقات کو گولی مارو، تم مجھے بیگم صاحبہ نہ کہا کرو، لائبہ کہہ لیا کرو۔" لائبہ آج کل بہت خوش خوش رہنے لگی تھی۔
"نہیں بیگم صاحبہ میں ایسا کیسے کہہ سکتی ہوں؟" اس نے نفی میں گردن ہلائی حالانکہ لائبہ نے ہزاروں جتن کرکے دیکھ لیے لیکن وہ نہیں مانی تھی۔۔۔ متفق ہوئی تو صرف "لائبہ بی بی" پہ۔۔۔!
"ٹھیک ہے جیسے بختاور بی بی کہتی ہوں اسی طرح آپ کو لائبہ بی بی کہہ لوں گی۔" وہ مان گئی تھی اور لائبہ خوش ہوگئی۔
"چلو اتنا بھی کافی ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"لائیے آج کھانا میں بناتی ہوں۔" گل نین نے لائبہ کے ہاتھ سے گوشت کا پیکٹ تھام لیا تھا۔
"لیکن میں تو بریانی بنانے لگی ہوں۔"
"آپ پریشان نہ ہوں بریانی میں بھی بنا لیتی ہوں۔" گل نین نے اسے تسلی دی اسے مہینہ بھر ہوگیا تھا یہاں آئے ہوئے لیکن لائبہ نے کبھی بھی خود سے اسے کام وغیرہ کرنے کو نہیں کہا تھا گل نین خود ہی چھوٹے موٹے کام نبٹا دیتی تھی لیکن اب وہ سنجیدگی سے سوچ رہی تھی کہ اور کچھ نہیں کرسکتی تو گھر کے کاموں کی ہی ذمہ داری اٹھا لیتی ہوں، لائبہ بچوں کو سنبھال لیا کرے گی اور آج باتوں باتوں میں اس نے یہ شروعات کرلی تھی۔
"بیگم صاحبہ! وہ بشر رو رہا ہے، شاید دودھ پینا ہے اس نے۔۔۔" حمیدہ نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔
"اچھا تم جاؤ میں اس کا فیڈر لے کر آرہی ہوں۔" لائبہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور فریج سے دودھ نکال کر گرم کرنے لگی۔ حمیدہ وہیں سے پلٹ گئی تھی اور لائبہ اس کا فیڈر تیار کرنے لگی۔
"میں اسے دودھ پلا کر ابھی آتی ہوں۔" وہ گل نین سے کہتی ہوئی باہر نکل آئی اور گل نین کھانا بنانے میں لگ گئی۔ گوشت پانی میں بھگو کر رکھا اور چاول صاف کرنے بیٹھ گئی ابھی قیمہ مٹر اور رائتہ وغیرہ بھی بنانا تھا اس کے ہاتھوں میں تیزی آگئی تھی۔
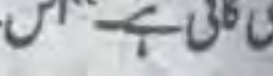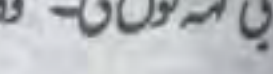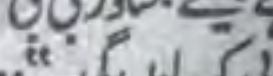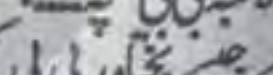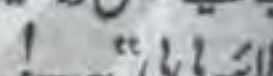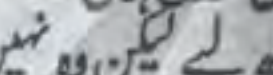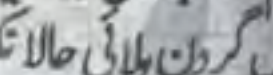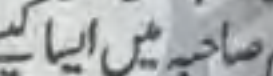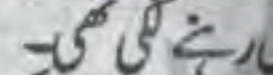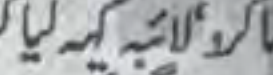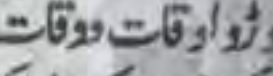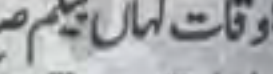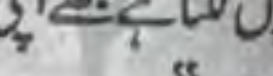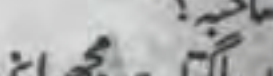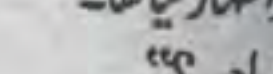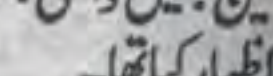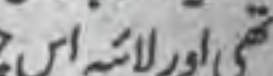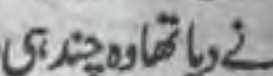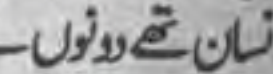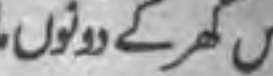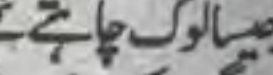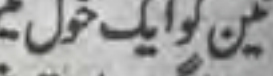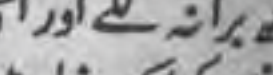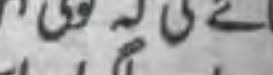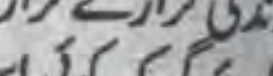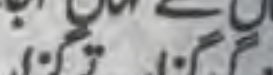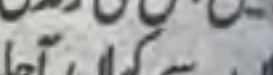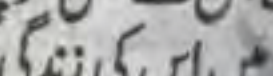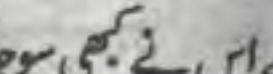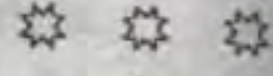
☼ ☼ ☼

فجر کی پہلی اذان پہ ہی اس کی آنکھ کھل گئی تھی اور وہ مزید سونے کا خیال ذہن سے ترک کرتے ہوئے کمبل ہٹا کر اٹھ گئی تھی اس کا رخ واش روم کی طرف تھا منہ ہاتھ دھو کر وضو کیا اور نماز پڑھنے کے لیے کھڑی ہوگئی تھی آدھے گھنٹے میں وہ نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر کمرے سے باہر نکل آئی تھی کچن میں آکر آملیٹ کے لیے پیاز وغیرہ بنا رہی تھی کہ باہر لاؤنج میں فون کی بیل بجنے لگی
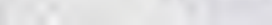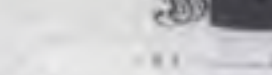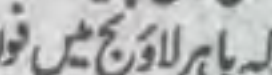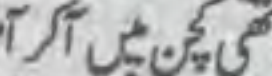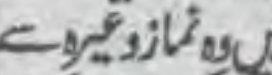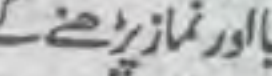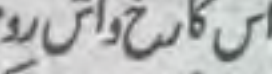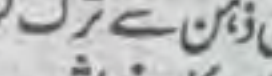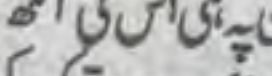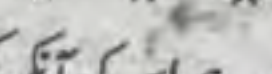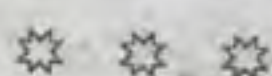
وہ پیاز اور چھری باسکٹ میں رکھ کر کپڑے سے ہاتھ پونچھتی ہوئی باہر آگئی اور کال اٹینڈ کرلی۔
"ہیلو۔۔۔؟" اس نے آہستگی سے کہا۔
"گڈ مارننگ گل نین کیسی ہو؟" دوسری طرف بختاور کی فریش سی آواز سنائی دی تھی۔
"ارے بختاور بی بی آپ۔۔۔؟" گل نین کو صبح صبح اس کے فون پہ حیرت ہوئی تھی۔
"کیوں؟ اتنی حیرت کیوں ہو رہی ہے؟"
"بس آپ کے اتنی صبح فون کرنے پہ حیرت ہو رہی ہے۔" گل نین نرمی سے بول رہی تھی۔
"مجھے پتا تھا تم نماز پڑھنے کے لیے اٹھتی ہو، میں بھی ابھی نماز پڑھ کے فارغ ہوئی ہوں، رات کو تمہیں خواب میں دیکھا تھا اسی لیے اٹھتے ہی سب سے پہلا خیال تمہارا آیا ہے۔" بختاور صبح صبح فون کرنے کی وجہ بتا رہی تھی۔
"مجھے خواب میں دیکھا ہے؟ خیریت؟" گل نین نے ہنس کر پوچھا۔
"پتا نہیں یار، بہت عجیب سا خواب تھا مجھے تو ابھی تک اس کی سمجھ نہیں آئی، ذہن بری طرح الجھ رہا تھا، اسی لیے میں نے سوچا تم سے بات کرکے دماغ کو تھوڑا فریش کرلوں اور تمہاری خیریت پوچھ لوں۔" بختاور کا لہجہ سنجیدہ ہوچکا تھا۔
"آپ اتنی چھوٹی سی بات پہ پریشان نہ ہوں، خواب تو بس خواب ہی ہوتے ہیں بلکہ خواب سراسر وہم ہوتے ہیں۔" گل نین نے اسے تسلی دی۔
"اچھا ہے، خواب صرف خواب ہی ہوتے ہیں، ورنہ اگر خواب حقیقت بننے پہ آجائیں تو یقیناً" دنیا خواب کے نام سے ڈر کر سونا چھوڑ دے گی۔" بختاور نے یقیناً" کوئی بھیانک خواب دیکھا تھا اسی لیے ابھی تک اتنا ہول رہی تھی۔
"ارے! آپ اتنی پریشان نہ ہوں، کچھ نہیں ہوتا، سب ٹھیک ہے، خواب واقعی خواب ہی ہوتے ہیں۔" گل نین نے بختاور کو تسلی دی تھی اور بختاور تھوڑی دیر اس سے باتیں کرنے کے بعد واقعی کچھ ریلیکس ہوگئی تھی۔
"تھینک یو گل نین، تم سے بات کرکے میرے دماغ کا بوجھ ہلکا ہوگیا ہے۔"
"اس میں تھینکس کی کیا بات ہے؟ تھینکس تو مجھے کہنا چاہیے کہ آپ مجھے خواب میں برے حال میں دیکھ کر اتنا پریشان ہو رہی ہیں۔"
"اللہ نہ کرے کہ تم کبھی برے حال میں ہو، خواب کا کیا ہے؟ سوتے میں بندے کے خیالات نجانے کہاں سے کہاں بھٹک کر چلے جاتے ہیں۔" بختاور اب خود اپنے آپ کو تسلیاں دے رہی تھی۔
"خیر! اللہ سے بہتری کی دعا کرتی ہوں اللہ تمہیں خوش اور ہر آفت سے محفوظ رکھے۔" بختاور نے دعا کی۔
"آمین۔۔۔" گل نین نے دل سے آمین کہا۔
"اوکے میں فون بند کرتی ہوں، بچے اٹھ گئے ہیں، ابھی ناشتا بھی بنانا ہے۔" بختاور نے الوداعی کلمات ادا کرتے ہوئے کہا۔
"جی میں بھی ناشتا بنانے کی تیاری ہی کر رہی تھی۔"
"اوکے تو پھر بعد میں بات ہوگی، اللہ حافظ۔۔۔"
"اوکے! اللہ حافظ۔۔۔" وہ بھی آہستگی سے بولی اور فون بند کردیا تھا۔
"کس کا فون تھا گل نین؟" سیڑھیاں اترتی لائبہ اپنے بال سمیٹ کر کیچر میں جکڑتے ہوئے قریب آگئی۔
"بختاور بی بی کا۔"
"ہیں؟ بختاور کا فون اس وقت؟" لائبہ کو بھی حیرانی ہوئی۔
"جی! انہوں نے شاید کوئی برا خواب دیکھ لیا تھا، وہم ہو رہا تھا انہیں اسی لیے میری خیریت پوچھ رہی تھیں۔" گل نین اسے بتاتی ہوئی کچن میں آگئی تھی اور دوبارہ سے پیاز کاٹنا شروع کردیے۔
"تم بشر کے لیے دودھ گرم کردو، میں ارج کے لیے وٹابکس بنالوں، وہ دونوں ہی اٹھ گئے ہیں بڑی مشکل سے حیشم کے پاس چھوڑ کر آئی ہوں۔" گل نین پیاز کاٹ کے فارغ ہوئی تو لائبہ نے اسے فریج سے دودھ لینے کا کہا اور خود کیبنٹ سے وٹابکس کا ڈبا نکال کر ارج کے لیے ناشتا تیار کرنے لگی۔
"یہ لیں فیڈر تیار ہوگیا ہے۔" اس نے بوتل میں دودھ بھر کے نپل چڑھادی تھی۔
"تم ہی دے کر آؤ، اگر میں اسے فیڈر دینے گئی تو مجھے دیکھ کر پھیل جائے گا۔ اور ہاں ارج کو ساتھ لے آنا، وہ یہیں ناشتا کرے گی۔" اس نے گل نین کو تاکید کی۔
"جی اچھا۔۔۔!" وہ کہہ کے فیڈر لے کر اوپر آگئی۔
حیشم خان بستر میں نیم دراز لیٹا تھا اور دونوں بچے اس کے پاس بیڈ پہ ہی کھیل رہے تھے، بشر تو اس کے سینے پہ چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔
"سلام صاحب۔۔۔!" گل نین نے سلام کرکے اسے متوجہ کیا وہ بغیر دستک کے اندر آگئی تھی اسے اپنی غلطی کا احساس بعد میں ہوا تھا۔
"وعلیکم السلام! آؤ گل نین۔۔۔" حیشم جو بڑے ڈھیلے ڈھالے انداز میں لیٹا تھا اس کی آواز پہ فوراً" سیدھا ہوگیا تھا۔
"یہ دودھ ہے، بشر صاحب کے لیے۔" اس نے فیڈر آگے بڑھا دیا۔
"لائبہ خود کہاں ہے؟"
"جی وہ ارج بی بی کے لیے ناشتا بنا رہی ہیں۔" وہ آہستگی سے بولی۔
"ارج کو ناشتا تم کروا دو، اسے کہو وہ بشر کے پاس آئے میں نے شاور لینے کے لیے واش روم بھی جانا ہے، یہ بیڈ سے گر جائے گا۔" حیشم نے جھنجلا کر کہا۔
"آپ شاور لے لیں میں بشر صاحب کو نیچے لے جاتی ہوں۔" گل نین کا آئیڈیا اچھا تھا۔
"ہوں! ٹھیک ہے لے جاؤ۔" حیشم نے سر ہلایا اور بشر کو اٹھا کر گل نین کی طرف بڑھا دیا وہ کافی گول مٹول سا تھا گل نین نے مضبوطی سے اسے دونوں بازوؤں میں اٹھا لیا تھا۔
"آؤ ارج بی بی آپ بھی میرے ساتھ آجاؤ۔" اس نے ارج کو بھی ساتھ چلنے کا اشارہ کیا اور ان دونوں کو بمشکل اپنے ساتھ لے کر نیچے آئی تھی۔
"ارے تم ان دونوں کو لے آئیں یہ ناشتا بنانے دے گا ہمیں؟" لائبہ خفگی سے بولی۔
"کچھ نہیں ہوتا، میں ان کو سنبھال لیتی ہوں، آپ ناشتا سنبھال لیں۔" گل نین کرسی پہ بیٹھ کر بشر کو گود میں لیے فیڈر پلانے لگی۔
"میں بھی آپ کے ساتھ ناشتا کروں گی۔" ارج گل نین کے قریب آکھڑی ہوئی۔
"ارے واہ! یہ تو بہت اچھی بات ہے، آپ ادھر کرسی پہ بیٹھو پھر میں ناشتا کرواتی ہوں۔" اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔
"ٹھیک ہے۔" وہ کرسی پہ چڑھ کے بیٹھ گئی تھی۔
بشر دودھ پی چکا تو اسے گل نین نے ڈائننگ ٹیبل پہ اپنے سامنے بٹھا لیا تھا اس کا موڈ اب فریش ہوچکا تھا اسی لیے اب وہ قلقاریاں مار رہا تھا اور ارج بھوک کی وجہ سے منہ بسور رہی تھی گل نین نے نیپکن کھول کر اس کے سامنے پھیلایا اور اسے ناشتا کروانے لگی۔
"گڈ مارننگ۔۔۔!" لائبہ ناشتا لگا رہی تھی جب حیشم بھی تیار ہو کر وہیں چلا آیا تھا۔
"یو ٹو۔۔۔" لائبہ جواباً" مسکرائی تھی۔
"آج تو بڑا اتفاق نظر آرہا ہے؟" اس نے ناشتا کرتی ارج اور سکون سے بیٹھے بشر کو دیکھ کر کہا۔ ورنہ ارج کوئی کام کر رہی ہوتی تھی تو بشر رو رو کر پورا گھر سر پہ اٹھا لیتا تھا۔
"بس یہ گل نین کے ہاتھ کا کرشمہ ہے ورنہ ایسا اتفاق کہاں؟" لائبہ مسکرا رہی تھی۔
"بھئی حیرت کا مقام ہے۔" حیشم بشر کی خاموشی دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔
"شاید خوبصورت لڑکی دیکھ کر فدا ہوگیا ہے؟" لائبہ نے شرارت سے گل نین کی طرف دیکھ کر کہا وہ جھینپ گئی تھی جس پہ لائبہ اور حیشم بے ساختہ

قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔۔۔!

☼ ☼ ☼

"ماشاء اللہ گل نین کے آنے سے تو تمہیں کافی آسانی ہوگئی ہے؟" لائبہ کی امی لائبہ کو فریش فریش موڈ میں دیکھ کر خوشی کا اظہار کر رہی تھیں۔
"رئیلی امی گل نین بہت اچھی ہے' بہت نیک بہت شریف اور سادہ۔" اس نے ماں کے سامنے گل نین کی تعریف کی۔
"ہوں! تم بھی اس کا خیال رکھا کرو' بن ماں باپ کی بچی ہے۔" اس کی امی نے اسے سمجھایا۔
"کیوں نہیں امی۔" میں سوچ رہی تھی میں گل نین کی شادی بہت اچھی جگہ کروں گی اور اتنی دھوم دھام سے کروں گی کہ خان بابا کے دل میں اپنی گل نین کے لیے جو بھی ارمان تھے وہ پورے ہوجائیں گے۔"
چائے کی ٹرے لے کر آتی گل نین کے قدم تھم گئے تھے۔ "خان بابا" کے نام پہ دل پہ ہاتھ پڑا تھا۔
"ارے تم رک کیوں گئیں اندر آؤنا میں امی کے ساتھ تمہاری ہی باتیں کر رہی تھی۔"
"آپ تو میرا خیال ہے کہ دیواروں کے ساتھ بھی میری ہی باتیں کرتی ہیں؟" گل نین سر جھٹک کر مسکراتی ہوئی اندر آگئی اور چائے کی ٹرے ان کے سامنے ٹیبل پہ رکھ دی۔
"تو کیوں نہ کروں؟ آخر تم میرا اتنا خیال رکھتی ہو' اتنی کیئر کرتی ہو' ہیلپ کرتی ہو' یہ دونوں بچے مجھ سے سنبھلتے ہی نہیں تھے اور اب تم انہیں کتنی آسانی سے ہینڈل کر لیتی ہو ورنہ وہ حمیدہ تو میری جان ہی کھا جاتی تھی' بیگم صاحبہ بشر رو رہا ہے' بیگم صاحبہ ارج تنگ کر رہی ہے' وہ تو پورا دن میرے پیچھے پیچھے رہتی تھی اور اب تو اس کا بھی کوئی کام نہیں رہا۔" لائبہ ہنستے ہوئے حمیدہ کو کالی کر رہی تھی اور حمیدہ کے قدم آگے نہ بڑھ سکے وہ باہر کھڑی تھی' باہر ہی رک گئی تھی۔
"تو اب حمیدہ کو رکھنے کا کیا فائدہ ہے؟ خوامخواہ تنخواہ دے رہی ہو فارغ کروا دو۔" یہ اس کی امی کا مشورہ تھا۔
"ہوں! میرا بھی یہی ارادہ ہے جب تک گل نین کی شادی نہیں ہوجاتی' اسے فارغ کر دیتی ہوں' بعد میں ضرورت پڑی تو دوبارہ رکھ لوں گی۔" لائبہ نے اثبات میں سر ہلایا اور حمیدہ تو تلملا کے رہ گئی تھی اسے جتنا غصہ گل نین پہ آرہا تھا اتنا ہی لائبہ پہ بھی آرہا تھا وہ وہیں سے واپس مڑ گئی تھی۔
"چلو اب چلتے ہیں' پھر بازار میں بھی دیر ہوجاتی ہے۔" لائبہ نے آج شاپنگ کے لیے مارکیٹ جانا تھا اسی لیے اپنی امی کو ساتھ لے جانے کے لیے بلایا تھا۔
"ٹھیک ہے میں آرہی ہوں' اپنا بیگ لے آؤں۔" لائبہ اوپر چلی گئی۔
"چلیے امی۔۔۔!" اس نے ماں کو اشارہ کیا۔
"ارے ہاں گل نین تم نے کچھ منگوانا ہے تو بتا دو۔" لائبہ جاتے جاتے پلٹی۔
"نہیں لائبہ بی بی مجھے کچھ بھی نہیں منگوانا۔"
"کیوں؟"
"بس میں نے ایک بار کتابیں منگوائی تھیں اس کے بعد کچھ بھی منگوانے کی اوقات نہیں رہی' کبھی دل نہیں چاہا۔" اس نے اپنی آہ کو بمشکل لبوں میں دبایا تھا دل سے ہوک نکلی تھی۔
"اپنی وے! میں خود ہی کچھ لے آؤں گی۔" لائبہ کہہ کر چلی گئی اور گل نین دکھے دل کے ساتھ کمرے میں آگئی دونوں بچے سو رہے تھے وہ آکر ان کے قریب ہی بیڈ پہ ٹک کر بیٹھ گئی۔
"دیکھ گل نیناں! اداس نہ ہوا کر' پورا ایبٹ آباد اداس ہوجاتا ہے۔" گل نین کو اداس دیکھ کر وہ خفگی سے کہتے تھے۔
"پتا نہیں بابا کبھی کبھی بے وجہ ہی دل پہ اداسی کی چادر پڑ جاتی ہے' ہنستا کھیلتا دل اس چادر میں چھپ جاتا ہے۔" وہ ان کی گود میں سر رکھتے ہوئے افسردگی سے بولی۔
"ارے نہ پتر! ایسی بڑی بڑی باتیں نہ کیا کر' مجھے سمجھ نہیں آتیں۔" انہوں نے اس کا سر تھپکا۔

"بابا میں سوچتی ہوں خدا کے بعد ہم دونوں کا ایک دوسرے کے سوا اور کوئی نہیں ہے' اگر میں نہ ہوتی تو آپ کا کون ہوتا؟ اور اگر آپ نہ ہوئے تو میرا کون ہوتا؟" گل نین کبھی کبھی گہرائی سے سوچتی تو واقعی اداسی کی لپیٹ میں آجاتی تھی۔
"پتر! یہ تو تم نے سنا ہی ہوگا کہ جس کا کوئی نہیں ہوتا اس کا خدا ہوتا ہے وہ کوئی نہ کوئی وسیلہ بنا ہی دیتا ہے۔" انہوں نے بیٹی کو سمجھایا تھا۔
اور وقت کے ساتھ ساتھ وہ ان کی بات کو سمجھ گئی تھی کہ واقعی پیدا کرنے والا وسیلہ بھی پیدا کر دیتا ہے۔
"مما۔۔۔!" ارج نے نیند میں ہی ماں کو پکارا تھا اور کسمسا کر کروٹ بدلی تھی گل نین چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی اور پھر آہستگی سے اسے تھپکنے لگی۔
"لائبہ۔۔۔!" باہر سے حیشم خان کی آواز سنائی دی تھی گل نین تیزی سے اٹھ کر باہر نکل آئی تھی۔
"جی صاحب۔۔۔؟"
"لائبہ کہاں ہے؟"
"جی وہ تو مارکیٹ گئی ہیں۔"
"مارکیٹ؟ کس کے ساتھ؟" حیشم کو تعجب ہوا تھا۔
"انہوں نے اپنی امی کو بلایا تھا ان کے ساتھ گئی ہیں۔" گل نین آہستہ آواز میں جواب دے رہی تھی کہ کہیں بچے نہ جاگ جائیں۔
"اور بچے؟"
"جی وہ دونوں سو رہے ہیں' تھوڑی دیر پہلے دونوں کو نہلایا تھا اسی لیے لائبہ بی بی نے سوچا کہ وہ مارکیٹ سے ہو آتی ہیں۔" اس نے وجہ بتائی۔
"ہوں! ٹھیک ہے تم ان کا خیال رکھو اور یہ راہداری کا دروازہ بند کرلو' تم کمرے میں ہو اس لیے تمہیں کیا پتا کہ باہر کون آرہا ہے اور کون جارہا ہے' ہمارے بیڈ رومز کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں۔" حیشم خان نے واپس پلٹتے ہوئے اسے ہدایت دی۔
"آپ کہیں جارہے ہیں؟"
"ہوں! میں دوبارہ آفس جارہا ہوں' یہ فائل لینے آیا تھا۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی فائل دیکھی اور ساتھ ہی راہداری کی طرف بڑھ گیا تھا گل نین نے اس کے پیچھے جا کر راہداری کا دروازہ اندر سے لاک کر دیا تھا اور دوبارہ کمرے میں آگئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"گل نین۔۔۔! گل نین۔۔۔!" لائبہ نے واپس آتے ہی اسے آواز دی تھی۔
"آپ آگئیں۔۔۔؟" گل نین بشر کو بانہوں میں اٹھائے کمرے سے نکل آئی تھی۔
"تھینک یو یار آج تمہاری وجہ سے اتنے عرصے بعد میں نے اطمینان سے شاپنگ کی ہے' ورنہ ہمیشہ مجھے بچوں کی وجہ سے ٹینشن ہوتی رہتی ہے اور کبھی ٹھیک سے شاپنگ بھی نہیں ہوئی۔" لائبہ اپنے سارے شاپنگ بیگز صوفے پہ ڈھیر کرتے ہوئے خود بھی وہیں ڈھیر ہوگئی تھی۔
"ارج کہاں ہے؟" اس نے ارج کا خیال آتے ہی فوراً پوچھا تھا۔
"یہ ساتھ والوں کے گھر آسٹریلین طوطے ہیں وہ حمیدہ کے ساتھ وہی دیکھنے گئی ہے۔"
"کچھ کھایا اس نے؟"
"جی کھچڑی بنا کر کھلائی تھی۔ کافی شوق سے کھائی ہے اور بشر کو سیریلک بنا کر دیا تھا۔" گل نین بچوں کو "ارج بی بی" اور "بشر صاحب" کہہ کے بلاتی تھی لیکن لائبہ نے اسے اس تکلف سے منع کر دیا تھا اب وہ بھی ان کی صرف نام ہی بلا لیتی تھی۔
"اچھا! ادھر آؤ میں تمہیں اپنی شاپنگ دکھاتی ہوں۔" لائبہ نے اسے قریب بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
"یہ تمہارے لیے چپل اور سوٹ لائی ہوں' اگر تمہیں پسند آجائیں تو ٹھیک اگر نہ آئیں تو میں چینج کروا کے لے آؤں گی' رسید ساتھ لے کر آئی ہوں۔" لائبہ اس کی شخصیت کے لحاظ سے اس کے لیے پنک کاٹن کا سوٹ لے کر آئی تھی پرنٹ بہت اچھا تھا گل

نین کو پسند آیا تھا لیکن وہ لائبہ کے اس قدر خلوص پہ شرمندہ ہو رہی تھی۔

"میرے پاس پہلے ہی اتنے سوٹ تھے' آپ کیوں لے کر آئی ہیں؟ میں نے کہا بھی تھا کہ مجھے کچھ نہیں منگوانا۔" وہ خفا ہو رہی تھی۔

"کہاں ہیں اتنے سوٹ؟ دو تین ماہ سے وہی پہنے جا رہی ہو' اب تو موسم بھی بدل رہا ہے' گرم کپڑے نہیں پہنے جاتے اب۔" لائبہ نے خفگی سے کہا۔

"لیکن لائبہ بی بی اتنا خرچہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" گل نین بھی خفگی سے بولی۔

"چلو آئندہ نہیں کروں گی اوکے؟" وہ مسکرا کر بولی تو گل نین کو بھی مسکرانا پڑا۔

"یہ چپل پہن کر دیکھو سائز فٹ ہے نا تمہیں۔" اس نے چپل نکال کر سامنے رکھی اور گل نین نے پہن کر دیکھی اس کے سائز فٹ آیا تھا۔

"تھینک یو۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"مما۔؟" ارج ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی اسے دیکھ کر چہک اٹھی تھی۔

"میری جان۔" لائبہ نے اسے بانہوں میں بھینچ کر پیار کیا تھا۔

"کہاں چلی گئی تھیں؟"

"بیٹا میں بازار گئی تھی آپ کے لیے شاپنگ کرنے' یہ دیکھو آپ کے لیے چیزیں لائی ہوں۔" لائبہ اس کی چیزیں نکال کر دکھانے لگی اتنے میں حمیدہ بھی اندر آگئی اس نے گل نین کے پیروں میں پہنی نئی چپل فوراً" دیکھی تھی اور آنکھوں میں غصہ بھر گیا تھا۔ اتنے میں اذان کی آواز سنائی دینے لگی اور گل نین نماز کے لیے الرٹ ہو گئی تھی۔

"لائبہ بی بی آپ ذرا بشر کو اپنے پاس بٹھا لیں میں اتنے میں نماز پڑھ لوں۔" اس نے بشر کو لائبہ کے پاس بٹھا دیا۔

"لائیے میں اٹھا لیتی ہوں۔" حمیدہ نے فوراً" آگے بڑھ کے بشر کو اٹھا لیا تھا۔ گل نین وہاں سے باہر نکل گئی تھی۔

"آؤ بیٹھو حمیدہ' تم دن میں کیوں نہیں آئیں؟" لائبہ ساری چیزیں اٹھا کر بیگز میں ڈال رہی تھی۔

"آئی تھی بیگم صاحبہ آپ گھر پہ نہیں تھیں' لیکن حیشم صاحب گھر پہ تھے۔" حمیدہ کا لہجہ عجیب سا ہو رہا تھا لائبہ چونک گئی۔

"حیشم صاحب۔؟"

"جی دن میں' میں نے تو ان کو گھر پہ ہی دیکھا تھا۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔

"لیکن وہ تو آفس گئے ہوئے تھے۔؟"

"تو کیا آفس سے وہ واپس نہیں آسکتے۔؟" حمیدہ طنزیہ مسکرا کر بولی۔

"ہو سکتا ہے وہ کسی کام سے آئے ہوں؟" لائبہ نے سر جھٹکا۔

"ظاہر ہے کام سے ہی آئے ہوں گے۔" اس نے کندھے اچکائے انداز مشکوک سا تھا۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" اس نے اپنا ہاتھ روک کر حمیدہ کو دیکھا۔

"میں تو کچھ نہیں کہنا چاہتی بس آس پاس کے لوگ ہی کہہ رہے ہیں کہ لائبہ بی بی آگ سے کھیل رہی ہیں۔"

"آگ سے؟ کیا مطلب ہے تمہارا؟ صاف صاف بات کرو' یہ ڈھکی چھپی باتیں مجھے سمجھ نہیں آتیں۔" لائبہ کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے۔

"بیگم صاحبہ آپ واقعی بہت بھولی ہیں' پانی کے نیچے آگ جلا کے کہتی ہیں کہ پانی نہیں ابلے گا۔ ہونہہ! آپ کی غیر موجودگی میں صاحب کا گھر آنا' کیا کہتا ہے؟ کچھ سمجھ نہیں آئی آپ کو۔؟"

"حمیدہ۔!" لائبہ زور سے دھاڑ اٹھی تھی۔

"اپنی بے ہودہ زبان کو لگام دو' مجھے اپنے حیشم پہ پورا پورا اعتماد ہے' ان کی ایسی گندی نیت ہو ہی نہیں سکتی۔" اس نے یقین سے کہا تھا۔

"ان کی نیت گندی نہیں ہے لیکن اگر کوئی نیت کو گندا کرنا چاہے تو نیت گندی ہو بھی جاتی ہے' دیر ہی کتنی لگتی ہے بھلا؟ بس کسی کے ہاتھ پکڑنے کی دیر ہوتی ہے اور پھر سب کچھ گندا ہو جاتا ہے نیت' ایمان ایمان بھی۔" حمیدہ نے گل نین کی ذات پہ تہمت کا کیچڑ اچھالتے ہوئے ذرا ترس نہیں کھایا تھا اس کے سینے میں حسد کی آگ جل رہی تھی اس نے لائبہ کے سینے میں شک کی آگ لگا کر اپنی آگ ٹھنڈی کر لی تھی لائبہ نے اس وقت تو کچھ نہ کہا لیکن وہ اپنے ذہن کو کچھ کہنے سے روک نہیں پا رہی تھی۔ دماغ میں جھکڑ سے چل رہے تھے ہلکی آندھی اٹھ رہی تھی اور اس آندھی سے اٹھنے والی ریت اور دھول مٹی اب سب کی آنکھوں میں چبھنے والی تھی اس آندھی نے سب کو اپنی لپیٹ میں لینا تھا بربادی سب کی منتظر تھی۔!

٭ ٭ ٭

"کیا بات ہے لائبہ؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔؟" حیشم نے بے دھیانی میں بیٹھی ٹی وی چینل سرچ کرتی لائبہ کو مخاطب کیا' وہ جب سے بیڈ روم میں آئی تھی خاموش بیٹھی تھی۔

"لائبہ۔!" حیشم نے اس کے ہاتھ سے ریموٹ کنٹرول لے کر پرے پھینک دیا۔

"ہوں۔؟"

"کیا بات ہے؟ کیا سوچ رہی ہو؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر اتنی چپ چپ کیوں ہو؟"

"بس ایسے ہی۔"

"طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"ہوں! ٹھیک ہے۔" اس نے آہستگی سے سر ہلایا۔

"تو پھر باتیں کرو نا۔" اس نے لائبہ کے رخسار کو چھو کر نرمی سے کہا۔

"آپ کا آج کا دن کیسا گزرا؟" لائبہ اپنے ذہن سے اس بات کو ہٹانے کی پوری پوری کوشش کر رہی تھی لیکن ہٹا نہیں پا رہی تھی۔

"میرا آج کا دن بھی ویسا ہی گزرا جیسا روز گزرتا ہے' بورنگ۔" حیشم کی آواز میں بیزاری تھی۔

"کیوں بورنگ کیوں؟"

"یار وہی روزمرہ کے کام' وہی آفس' وہی لین دین' وہی بوریت۔" اس نے منہ بنایا۔

"آپ دن میں گھر آئے تھے؟" اس نے کہتے ہوئے حیشم خان کے چہرے کو بغور دیکھا تاکہ اس کے تاثرات نوٹ کر سکے۔

"ہاں! آیا تھا' جب تم مارکیٹ گئی ہوئی تھیں' صبح فائل ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھ کے بھول گیا تھا اور اسی کے لیے دوبارہ آنا پڑا' خوامخواہ اتنا ٹائم ویسٹ ہوا آنے جانے میں۔" اس نے لاپروائی سے اور نارمل سے انداز میں کندھے اچکا کر کہا تھا اس کے چہرے پہ کوئی ایسا خاص تاثر نہیں تھا جس کو وہ گرفت میں لے سکتی یا جس کے بل بوتے پہ حیشم کو چور ٹھہراتی۔

"گل نین کہاں تھی۔؟" دوسرا سوال بھی کچھ تسلی چاہ رہا تھا۔

"وہ شاید بچوں کے ساتھ سو رہی تھی' اسے تو میرے آنے کا پتا بھی نہیں چلا تھا' میں واپس جا رہا تھا تب وہ اٹھ کر باہر آئی' اسی نے بتایا کہ تم مارکیٹ گئی ہوئی ہو۔" حیشم کا یہ جواب بھی پہلے جواب جیسا تھا سیدھا' کھرا اور لاپروا۔!

"حیشم! ایک بات کہوں آپ سے۔؟"

"ارے سو بار کہو' میری جان اس میں پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟" اس نے لائبہ کو بانہوں میں بھر کے اپنے قریب ترین کر لیا تھا۔

"آپ گل نین کی شادی کر دیں' جلد سے جلد۔" اس نے کہہ ہی دیا تھا۔

"ہوں یار! کر دیں گے' کیا جلدی ہے؟" حیشم لائبہ کے بازوؤں کو سہلاتے ہوئے خمار آلود لہجے میں بولا اس کا موڈ بہکا بہکا سا ہو رہا تھا اور اسی موڈ کی وجہ سے اس نے لائبہ کی بات پہ کچھ خاص دھیان بھی نہیں دیا تھا ورنہ چونکتا ضرور۔!

"حیشم پلیز آپ شاید میری بات نہیں سن رہے؟" اس نے حیشم کے ہاتھ پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"یار جو بھی بات ہے پھر کبھی پہ اٹھا رکھو۔۔۔" وہ اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولا۔

"نہیں اٹھا سکتی پھر کبھی پہ ابھی بات کریں۔۔۔" وہ جھنجلا گئی تھی اور حیشم نے ٹھٹک کر اسے دیکھا تھا اور اپنے ہاتھ پیچھے ہٹا لیے تھے۔

"کیا بات کہہ رہی تھیں تم۔۔۔؟"

"میں نے کہا' گل نین کی شادی کردیں' جلد سے جلد۔۔۔" وہ دہرا کر اور چبا کر بولی تھی۔

"کیوں؟ کیا جلدی ہے؟" حیشم کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

"دیر کرنے کا بھی تو کوئی جواز نہیں ہے نا؟"

"شادی کرنے کے لیے ایک عدد لڑکے کی ضرورت پڑے گی غالباً۔۔۔" اس نے لائبہ کو گھور کے دیکھا۔

"لڑکا تلاش کریں گے تو ملے گا نا؟"

"تو کیا اب میں گھر گھر جا کر لڑکا تلاش کروں؟"

"لیکن حیشم کسی سے رشتے کے لیے کہہ تو سکتے ہیں نا؟"

"یار کس سے کہوں؟" وہ جھنجلا ہی تو گیا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر میں کہہ دیتی ہوں۔"

"اوکے تم کہہ دو مگر کس سے کہو گی؟" حیشم کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

"امی سے' وہ آس پاس کی عورتوں سے کوئی اچھا رشتہ پوچھ لیں گی۔۔۔"

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی' لیکن اتنا دھیان میں رکھنا لڑکا اچھا' سلجھا ہوا اور سمجھ دار ہونا چاہیے اور ہاں کمائی کے لحاظ سے بھی اچھا ہو' ورنہ اپنے خان بابا کی گل نین مجھ پہ بھاری نہیں ہے۔۔۔!" اس نے لائبہ کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا لیکن لائبہ سمجھ کی حدود سے نکل چکی تھی۔۔۔!

☼ ☼ ☼

آج اتوار تھا' حیشم اسی لیے صبح لیٹ اٹھا تھا اور اس کے لیے ناشتا بھی لیٹ ہی بنانا پڑا' گل نین ڈرائنگ روم وغیرہ کی ڈسٹنگ کرکے فرش دھونے لگی راہداری' مرکزی مین ڈور کے سامنے والا حصہ اور سیڑھیاں یہ سب دھونے والی تھیں اور گل نین وال سے پائپ لگائے سارا فرش دھونے میں مصروف تھی کہ حیشم نیچے آیا تو لائبہ خود ہی قریب آگئی تھی۔

"ناشتا بناؤں آپ کے لیے؟"

"ہوں! بنا دو۔۔۔" وہ سرسری سا کہہ کر راہداری کی سمت بڑھا۔

"کہاں جا رہے ہیں؟" وہ بے ساختہ پکاری۔

"اخبار لینے۔۔۔"

"میں لا دیتی ہوں۔۔۔"

"اس کی کیا ضرورت ہے میں خود لے آتا ہوں۔۔۔"

"لیکن وہ۔۔۔"

"تم ناشتا بناؤ یار۔۔۔" حیشم نے خفگی سے کہا۔

"تو پھر جلدی آجائیے۔۔۔" لائبہ بمشکل ضبط کرکے کچن کی طرف آئی لیکن قرار کہاں تھا بھلا۔۔۔؟ گل نین گیٹ کی روش کی سمت اترنے والی سیڑھیاں چمکا رہی تھی جب حیشم باہر نکلا اس نے حیشم کے گزرنے کا خیال کرکے پانی کے پائپ سے نکلتی پانی کی دھار کا رخ دوسری سمت کردیا تاکہ اس کے جوتے یا کپڑے خراب نہ ہوں۔۔۔ لیکن سیڑھیاں اترتے حیشم کا دھیان نجانے کہاں تھا کہ سب سے نچلی سیڑھی پہ بل کھاتے پائپ کو نہ دیکھ سکا اور پاؤں الجھ گیا تھا جس کی وجہ سے وہ بری طرح لڑکھڑا گیا اس کے قدم غیر متوازن ہوگئے تھے۔۔۔

"صاحب جی۔۔۔" گل نین نے اک جھٹکے سے پائپ چھوڑ کر حیشم کے بازو اور سینے پہ ہاتھ رکھ کے اسے منہ کے بل گرنے سے بچا لیا تھا اور حیشم کا ہاتھ بھی بے ساختہ گل نین کے کندھے پہ جا پڑا تھا جیسے گرنے سے بچاؤ کے لیے سہارا لینا چاہا ہو اور آس پاس وہی سہارا نظر آیا تھا شکر تھا کہ وہ گرنے سے بچ گیا تھا لیکن لائبہ کی نظر میں تو وہ گر ہی گیا تھا' دوبارہ اٹھ نہ سکا۔۔۔ وہ مین ڈور کے شیشے سے باہر ہی دیکھ رہی تھی۔

"سنبھل کے صاحب جی۔۔۔" گل نین نے پریشانی سے کہا اس کا دل ابھی تک حیشم کے گرنے کے خیال سے بری طرح دھڑک رہا تھا اگر وہ واقعی گر جاتا تو یقیناً کافی سخت چوٹ لگتی۔

"آئی ایم سوری! میرا دھیان کہیں اور تھا شاید۔۔۔" اس نے فوراً گل نین کے کندھے سے ہاتھ ہٹا لیا تھا۔

"کوئی بات نہیں صاحب' شکر ہے کہ آپ گرنے سے بچ گئے۔" اس نے شکر ادا کیا۔

"ہوں! تمہاری وجہ سے بچ گیا۔۔۔" اس نے پائنچوں سے پانی جھاڑا۔

"تھینک یو۔۔۔" وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا اور گل نین اپنے کام سے لگ گئی تھی۔۔۔ لیکن اندر لائبہ کا برا حال ہو رہا تھا۔۔۔

☼ ☼ ☼

"حیشم!"

"ہوں؟"

"گل نین بہت خوبصورت ہے نا؟"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"مطلب کہ اسے دیکھ کر کوئی بھی مرد فدا ہو سکتا ہے؟ کسی کی بھی نیت بدل سکتی ہے۔۔۔؟" لائبہ کی بات پر حیشم نے ٹھٹک کر کتاب بند کردی تھی۔

"یہ کیسی باتیں کر رہی ہو تم۔۔۔؟"

"میں سوچ رہی ہوں کہ آپ بھی اسے کبھی غور سے دیکھتے ہی ہوں گے؟"

"لائبہ۔۔۔!" حیشم کی آواز بہت بلند تھی۔

"جب میں نے آپ کے بارے میں ایسا سوچا تھا تب مجھے بھی اسی طرح تکلیف ہوئی تھی' لیکن جب اپنی سوچ پہ آپ کو عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے تو تب اس سے بھی زیادہ تکلیف ہوئی ہے۔"

"یہ کیا بکواس کر رہی ہو تم؟" حیشم ضبط نہیں کر سکا تھا۔

"وہ لڑکی جو کچھ کر رہی ہے' وہ اچھا کر رہی ہے؟" اس نے حقارت سے کہا۔

"کیا کر رہی ہے وہ؟"

"ڈورے ڈال رہی ہے آپ پہ۔۔۔" وہ چبا کر بولی۔۔۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔۔۔"

"دماغ ٹھکانے پہ آگیا ہے میرا۔۔۔" وہ دوبدو جواب دے رہی تھی۔

"لائبہ تم۔۔۔ تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہو؟" حیشم اس کی بات اس کے شک پہ پاگل ہو اٹھا تھا۔

"جیسے آپ نے سوچ لیا' مجھے کیا پتا تھا کہ گل نین کو ایبٹ آباد سے اپنے گھر لانے کے پیچھے اصل مقصد کیا تھا؟ کیا ارادے تھے آپ کے؟ اگر پہلے پتا ہوتا تو کبھی اسے اپنے گھر میں قدم بھی نہ رکھنے دیتی' پہلے روز ہی نکال دیتی' دھتکار دیتی اسے' اس ناگن نے آستین کا سانپ بن کے ڈسا ہے مجھے' اس نے میرا گھر خراب ہونے کی بھی پروا نہیں کی' انتہائی ذلیل اور گری ہوئی لڑکی ہے' بہت جلد اسے نکال باہر کروں گی' یہ مت سوچیے گا کہ عمر بھر اسے سینے سے لگا کر رکھوں گی' ہونہہ! آپ سمجھتے ہوں گے کہ ہمیشہ میری آنکھوں پہ نادانی کی پٹی بندھی رہے گی' لیکن افسوس کہ آپ کا راز' راز نہیں رہ سکا۔۔۔" لائبہ نہ جانے کیا کیا بولے جا رہی تھی اور حیشم ششدر سا بیٹھا اس کی صورت دیکھ رہا تھا وہ اپنے منہ سے زہر اگل رہی تھی ایسا زہر جو شاید اچانک سمایا تھا اس کے اندر۔۔۔ اور وہی زہر حیشم کی رگ و پے میں اتر کر اسے نیلا پیلا کر رہا تھا وہ چاہتے ہوئے بھی بول نہیں پا رہا تھا اس کی زبان گنگ ہو چکی تھی وہ لائبہ کو بے یقین نظروں سے دیکھ رہا تھا۔۔۔

"میں نے امی کو کہہ دیا ہے کہ آپ کو جیسا بھی رشتہ ملتا ہے' ٹھیک ہے ہمیں منظور ہے' میں جلد از جلد اسے اس گھر سے نکال دینا چاہتی ہوں۔" لائبہ نے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی تھی لیکن حیشم لائبہ کی باتوں کے پریشر میں آکر کسی کی زندگی برباد نہیں کر سکتا تھا خان بابا نے اپنی بیٹی کی ذمہ داری اسے سونپی تھی اور اس نے یہ ذمہ داری اچھے طریقے سے نبھانی تھی چاہے کچھ بھی ہو جاتا۔۔۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا' اس کی شادی وہیں ہوگی جہاں میں چاہوں گا۔۔۔"

"اچھا۔۔۔؟ کہاں جا رہیں گے آپ؟"
"لائبہ تم حد سے بڑھ رہی ہو۔" اس نے لائبہ کو وارن کیا تھا۔
"مجھے اپنی حد کا اچھی طرح پتا ہے' کیا آپ دونوں کو بھی اپنی حد کا پتا ہے؟"
"دیکھو لائبہ یہ بے بنیاد الزام مت لگاؤ' اس لڑکی کا دامن صاف ہے' پاکیزہ ہے' اسے غلیظ مت کرو' پچھتاؤ گی تم۔" وہ بھی بے انتہا غصے میں تھا۔
"میں نہیں پچھتاؤں گی' آپ پچھتائیں گے' آپ نے دھوکا دیا ہے مجھے' مجبوری کے نام پہ اس لڑکی کو لا کر گھر میں رکھ لیا' تاکہ آسانی سے وقت رنگین۔۔۔"
"چٹاخ۔۔۔!" حیشم خان کا بھاری ہاتھ اٹھا اور اس کے چہرے پہ نشان چھوڑ گیا تھا۔
"اپنی زبان کو لگام دو' ورنہ یہی زبان تمہیں نگل جائے گی۔" وہ اسے شعلہ بار نظروں سے دیکھتا ہوا اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا اور لائبہ جوں کی توں بیڈ پہ بیٹھی رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ پچھلے ایک گھنٹے سے بے سمت گاڑی دوڑاتا پھر رہا تھا لیکن ذہن کسی نہج پہ نہیں پہنچ رہا تھا الجھن ہی الجھن دکھائی دے رہی تھی غصہ' کشمکش' ناسمجھی اور پریشانی نے دماغ کو ایک ساتھ جکڑ رکھا تھا کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا کہ جو فساد لائبہ نے کھڑا کیا ہے اس کا حل کیا ہونا چاہیے؟ ابھی نجانے اور کتنی دیر یونہی بے سمت بھاگتا رہتا کہ اچانک اس کے موبائل پہ رنگ بجنے لگی اس نے سیل نکال کے دیکھا تو بختاور کا نمبر نظر آیا تھا اس نے بے ساختہ بریک پہ پاؤں رکھ دیا تھا۔
"ہیلو۔۔۔؟"
"السلام علیکم بھائی۔۔۔"
"وعلیکم السلام۔۔۔"
"کیسے ہیں آپ؟"
"ٹھیک ہوں۔۔۔" حیشم نے دوسرا ہاتھ بالوں میں پھنساتے ہوئے سر سیٹ کی بیک سے ٹکا دیا تھا انداز بے حد تھکا تھکا سا تھا۔
"کہاں ہیں؟"
"زمین کے اوپر ہی ہوں۔۔۔" اس کا لہجہ تلخ تھا۔
"کیا مطلب؟"
"مطلب کہ نہ ہی زمین پھٹی ہے اور نہ ہی میں اس میں سمایا ہوں۔۔۔"
"پلیز بھائی! کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟" بختاور کے دل پہ ہاتھ پڑا تھا۔
"اپنی بھابھی کی باتیں نہیں سنی تم نے؟" حیشم کو یقین تھا کہ لائبہ نے بختاور کو فون کر کے سب کچھ بتادیا ہوگا' وہ عورت' بہت جلد باز' بے صبری اور جذباتی قسم کی تھی۔۔۔ کسی چیز پہ صبر نہیں کرتی تھی۔"
"میں نے۔۔۔ میں نے اسی لیے فون کیا ہے آپ کو کہ یہ سب کیا ہے؟ وہ کیا کہہ رہی ہیں؟" بختاور کی آواز اور انداز الجھے ہوئے تھے۔
"بختاور! تم مجھ سے نہ پوچھو کہ وہ کیا کہہ رہی ہے' تم مجھے یہ بتاؤ کہ جو اس نے کہا ہے اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" حیشم کے لہجے میں تلخی تھی۔
"میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی بھائی کہ جو وہ کہہ رہی ہیں وہ سچ ہے' مجھے آپ کے کردار پہ یقین ہے' مجھے گل نین کی پاکیزگی پہ یقین ہے مجھے آپ دونوں کے کریکٹر اور نیت پہ کوئی شک نہیں ہے لیکن وہ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں؟ کیا ہوا ہے انہیں؟ وہ پہلے تو بالکل ٹھیک تھیں' گل نین کے ساتھ بہت خوش بھی تھیں' پھر اچانک یہ سب کیسے ہوا؟ کیا وجہ ہو سکتی ہے؟" بختاور خود بھی پریشان تھی اور الجھ رہی تھی۔
"میں بھی یہی سوچ سوچ کر تھک گیا ہوں کہ آخر اس کے دماغ میں یہ خناس کس نے بھرا ہے؟ جہاں تک ممانی جان اور باقی گھر والوں کی بات ہے تو وہ بھی سبھی گل نین کی آمد پہ بہت خوش تھے پھر یہ سب اچانک کیا ہوا ہے؟"
حیشم کی کیفیت بھی کچھ کم نہیں تھی۔
"میں کل آؤں گی' سمجھاؤں گی انہیں۔۔۔"
"وہ نہیں سمجھے گی۔۔۔" حیشم کو اس کی نیچر کا پتا تھا

کسی کی پہ فدا ہوتی تو پل میں فدا ہو جاتی تھی اور کسی کے خلاف دل میں میل رکھ لیتی تو کبھی دل صاف کرنے کی زحمت بھی نہیں کرتی تھی۔۔۔
"کیسے بھائی! یہ معاملہ واقعی بہت حساس ہے' اگر ان کے دل میں کوئی شک بیٹھ گیا ہے تو آپ کو چاہیے کہ آپ پیار اور نرمی سے اس شک کو ان کے دل سے نکالنے کی کوشش کریں' آپ اگر غصہ کریں گے تو ان کا شک مزید جڑ پکڑے گا۔" بختاور نے حیشم کو سمجھانے کی کوشش کی۔
"بختاور مجھے پتا ہے میں کچھ بھی کر کے دیکھ لوں وہ باز نہیں آئے گی۔"
"پلیز! آپ پہلے سے مایوس کیوں ہو رہے ہیں ایک بار ٹرائی کر کے دیکھنے میں کیا حرج ہے؟ آپ انہیں نرمی سے سمجھائیے اور کوشش کیجیے کہ یہ بات آپ کے بیڈ روم سے باہر نہ نکلے' گل نین سنے گی تو اس پہ کیا گزرے گی؟ اس کا ہمارے سوا اور ہے ہی کون؟"
بختاور اسے ہر طرح سے سمجھا رہی تھی۔
"اوکے میں کوشش کروں گا۔۔۔"
"آپ ٹھنڈے دماغ سے کام لیں' ورنہ گھر خراب ہو جائے گا۔" بختاور بول رہی تھی اور وہ سن رہا تھا۔ وہ بختاور کے سمجھانے سے سمجھ گیا تھا لیکن اصل مسئلہ تو یہ تھا کہ کیا لائبہ بھی سمجھ جائے گی۔۔۔؟

☼ ☼ ☼

اتنے سالوں میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ حیشم اس کی طرف کروٹ لے کر سونے کے بجائے دوسری طرف کروٹ لیے سویا تھا اور یہ اس کی شدید ناراضی اور غصے کا اظہار تھا ورنہ ہزاروں بار ان کے درمیان ہلکی پھلکی ناراضی خفگی' غصہ سب ہوا تھا مگر سونے سے پہلے وہ ہمیشہ اسے منا لیتا تھا جبکہ آج تو وہ خود ناراض تھا۔ منانے کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور اسی بے چینی نے لائبہ کو رات بھر سونے نہیں دیا تھا ساری رات وہ اضطراری انداز میں کروٹیں بدلتی رہی تھی اور صبح بہت جلدی بستر چھوڑ دیا تھا نیچے آئی تو گل نین کچن میں مصروف نظر آئی تھی۔
"صبح بخیر لائبہ بی بی۔۔۔" گل نین نے نرمی سے مسکرا کر اسے صبح کا سلام پیش کیا تھا لائبہ جواباً کچھ بھی نہ کہہ سکی نجانے کیا بات تھی کہ اس کی جنگ ابھی حیشم تک ہی چھڑی ہوئی تھی' اس جنگ نے ابھی گل نین کو اپنی لپیٹ میں نہیں لیا تھا اس کی سماعتیں ابھی اس عذاب سے بچی ہوئی تھیں اسی لیے گل نین پہلے کی طرح نارمل اور لاپروا ہی تھی' لائبہ کے ذہن میں کیا چل رہا تھا وہ صرف لائبہ ہی جانتی تھی گل نین قطعی لاعلم تھی۔
"کیا بات ہے لائبہ بی بی آپ چپ کیوں ہیں؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی؟" گل نین دودھ ابال کے ٹھنڈا کر رہی تھی' بشر نیند سے اٹھتے ہی دودھ پینے کا عادی تھا۔
"لائبہ بی بی خیر ہے نا؟" وہ اس کی اتنی گہری چپ سے پریشان ہو اٹھی۔
"ہوں! خیریت ہے۔۔۔" وہ آہستگی سے بولی۔
"کیا بات ہے صاحب سے کوئی جھگڑا ہو گیا ہے؟" گل نین نے سادگی سے مسکرا کر پوچھا۔
"ہوں؟ نہیں۔۔۔" لائبہ نے چونک کر دیکھا پھر نفی میں سر ہلا دیا۔۔۔
"لگتا ہے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' آپ اپنے بیڈ روم میں چلی جائیں میں آپ کا ناشتا وہیں پہنچا دوں گی۔" وہ لائبہ کے لیے متفکر ہو رہی تھی۔
"نہیں بس ٹھیک ہے' میں یہیں ٹھیک ہوں۔" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔
"آپ چند دن سے پہلے جیسی فریش نہیں لگ رہیں' کچھ اپ سیٹ لگتی ہیں؟" گل نین کام کرنے کے ساتھ ساتھ اس سے استفسار بھی کر رہی تھی۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔" لائبہ کہہ کر کھڑی ہو گئی۔
"اب کہاں جا رہی ہیں؟"
"اوپر کمرے میں' حیشم اٹھ گئے ہوں گے۔" وہ کہہ کے اوپر اپنے کمرے میں آ گئی۔ حیشم واقعی

اٹھ چکا تھا اور شاور لے کر تیار بھی ہو رہا تھا وہ بیڈ کے کنارے پہ بیٹھا شوز پہن رہا تھا کہ لائبہ بھی آکر بیڈ پہ بیٹھ گئی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں؟" آواز دھیمی اور شرمندگی لیے ہوئے تھی حیشم نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"حیشم پلیز! ایم سوری' ایم رئیلی سوری۔" لائبہ نے بے ساختہ حیشم کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"کیا تمہارے سوری کر لینے سے سب ٹھیک ہو جائے گا؟ تم نے مجھے میری ہی نظروں میں گرا دیا ہے۔" حیشم کا لہجہ عجیب سی تلخی لیے ہوئے تھا۔

"ایم سوری حیشم آئندہ ایسا نہیں ہو گا' بس میں ڈر گئی تھی۔"

"ڈر گئی تھی۔۔۔؟ کس چیز سے؟" وہ تیوری پہ بل ڈالے سخت انداز سے پوچھ رہا تھا لیکن وہ چپ تھی۔

"بولو نا کس چیز سے ڈر گئی تھیں؟" وہ اپنا رخ مکمل اس کی طرف پھیر چکا تھا۔

"گل نین سے۔۔۔" اس کا جواب مختصر تھا۔

"گل نین سے؟ کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"وہ بہت خوبصورت ہے حیشم۔" لائبہ نے شاید اس کی خوبصورتی پہ اب غور کیا تھا' پہلے کرتی تو کیا حشر کرتی۔۔۔؟

"وہ خوبصورت ہے اور میں بدنیت' یہی مطلب ہے نا تمہارا؟" حیشم چبا کر بولا تھا۔

"میں نے یہ کب کہا؟"

"تم نے جو کہنا تھا' تم نے کہہ دیا لائبہ اور تمہارے کہے کا افسوس مجھے عمر بھر رہے گا' تم نے اتنے سال میرے ساتھ ایک گھر میں ایک چھت تلے رہتے ہوئے بھی مجھے نہیں سمجھا۔؟" حیشم کے لب و لہجے میں دکھ بول رہا تھا۔

"میں آپ کو سمجھتی ہوں لیکن اس کا کیا کروں جو گھر میں چلتی پھرتی قیامت ہے؟ مرد کی زبان پہ بھروسہ کیا جا سکتا ہے لیکن مرد کی نیت پہ کبھی بھروسہ نہیں ہو سکتا' مرد کی نیت بدلتے دیر نہیں لگتی۔۔۔" لائبہ الجھن کا شکار تھی۔

"گویا تمہارے خیال میں' میں بدنیت ہوں؟" حیشم اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔

"خوبصورتی کسی کو بھی بدنیت کر سکتی ہے۔"

"خوبصورتی مائی فٹ! وہ حور ہے' پری ہے یا چلتی پھرتی قیامت' میرے لیے وہ صرف ہمارے خان بابا کی گل نین ہے اور بس۔۔۔" اس نے دانت پیستے ہوئے کہا تھا اور پھر کمرے سے نکل گیا لائبہ اس سے سوری کرنے آئی تھی لیکن اسے اور مشتعل کر بیٹھی تھی۔۔۔!

☼ ☼ ☼
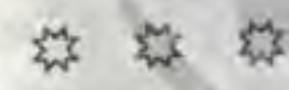
بختاور نے آکر ان دونوں میاں بیوی میں نجانے کس طرح صلح کروائی تھی کہ اگلے تین چار روز میں وہ قدرے نارمل بلکہ پہلے کی طرح ہو گئے تھے حیشم بھی اس مسئلے کو بڑھا کر کوئی بڑا ایشو کھڑا نہیں کرنا چاہتا تھا اسی لیے درگزر کر دینا ہی بہتر سمجھا تھا اور اسی درگزر کے درمیان طے پایا کہ گل نین کی شادی کر دی جائے' حیشم کو کوئی اعتراض نہیں تھا بس سمجھ دار اور کماؤ لڑکے کی ڈیمانڈ تھی وہ گل نین کو جہیز دینے کو بھی تیار تھا اور گل نین اس کا عزم اور ارادہ سن کر مشکور ہو گئی تھی وہ فی الحال شادی تو نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن وہ ان لوگوں پہ بوجھ بن کے بھی نہیں رہنا چاہتی تھی اس لیے اس نے ان لوگوں کو روکا بھی نہیں تھا لائبہ لڑکا تلاش کرنا شروع کر چکی تھی اور گل نین انتظار میں تھی کہ کب اسے رخصتی کے آرڈرز ملتے ہیں۔۔۔! لیکن رخصتی کے آرڈرز تو ابھی نہ ملے البتہ ملاقات کے مل گئے تھے لڑکا گل نین کا ہم عمر تھا' ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کرتا تھا حیشم لڑکے سے ملا تو اسے لڑکا اچھا لگا تھا پسند آیا تھا لڑکے کو گل نین پسند آئی تھی لیکن اس کی بھی ایک ڈیمانڈ تھی جسے سن کر گل نین' مجبوراً حیشم خان کے پاس جا پہنچی۔۔۔!

"گل نین تم۔۔۔! آؤ اندر آجاؤ۔" حیشم اسے دیکھ کر سیدھا ہو بیٹھا تھا۔

"آپ سے ایک بات کرنا تھی۔" اس کا لہجہ اور آواز بے حد دھیمے تھے ماتھے تک دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا اور احتیاط بھی کچھ ایسی تھی کہ ایک بھی بال نظر نہیں آ رہا تھا۔

"ہاں ہاں کہو۔" اس نے کتاب بند کر دی۔

"دانش مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔" وہ ہمیشہ جھجک کر بات کرتی تھی لیکن اس وقت اس کے انداز میں کوئی جھجک نہیں تھی۔

"تو اس میں کوئی بری بات ہے کیا۔۔۔؟" جواب لائبہ کی طرف سے آیا تھا۔

"جی! یہ بری بات' میں شادی سے پہلے ملنا نہیں چاہتی' انہوں نے مجھ سے شادی کرنی ہے تو ملے بغیر بھی کر سکتے ہیں۔۔۔؟" گل نین کو ملنے پہ اعتراض تھا۔

"اس میں اتنا ایشو بنانے والی تو کوئی بات نہیں ہے' وہ تمہیں دیکھ چکا ہے' تم اسے دیکھ چکی ہو' اب ملنے نہ ملنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟" لائبہ کی کوشش تھی کہ وہ دانش سے ملے۔

"فرق پڑتا ہے بی بی جی' اس نے مجھے دیکھا ہے تو آپ کی موجودگی میں دیکھا ہے' محفل میں دیکھا ہے اور جسے محفل میں دیکھ لیا ہے اسے تنہائی میں دیکھنے کی خواہش کیوں ہو رہی ہے اسے؟ وہ گھر سے باہر تنہائی میں کیوں ملنا چاہتا ہے؟ اگر مجھ سے کوئی بات ہی کرنی ہے تو یہاں گھر پہ آکے کر لے۔" گل نین کی آواز مضبوط تھی' الفاظ تیکھے تھے حیشم چونک کر دیکھ رہا تھا وہ گل نین کی پرابلم سمجھ گیا تھا وہ تنہائی میں نہیں ملنا چاہتی تھی وہ عزت پہ آنچ آنے سے ڈرتی تھی اور حیشم اس کی پسند ناپسند کے بغیر زبردستی کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"ٹھیک ہے' تم نہیں ملنا چاہتیں تو نہ ملو' کوئی زبردستی نہیں ہے۔" اس نے گل نین کو اختیار سونپ دیا۔

"حیشم یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ دانش کو برا لگے گا۔"

"گل نین کو بھی برا لگ رہا ہے۔" حیشم نے اپنی بات پہ زور دیا۔

"وہ اس کا منگیتر اس کا ہونے والا شوہر ہے۔"

"جب ہو گا تب جہاں جی چاہے لے جائے' لیکن پہلے نہیں۔" اس کے انداز میں سختی تھی۔

"جاؤ تم' بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔۔۔" حیشم نے گل نین کو جانے کا اشارہ کیا تھا۔

"شکریہ صاحب جی۔۔۔" وہ احسان مندانہ لہجے میں کہتی ہوئی پلٹ گئی تھی۔

"حیشم یہ آپ نے۔۔۔"

"تم خود ہی تو کہتی ہو کہ مرد کی نیت پہ بھروسہ نہیں کرنا چاہیے' نیت بدلتے دیر ہی کتنی لگتی ہے؟ وہ بھی تو مرد ہے' گل نین سے تنہائی میں ملنا چاہتا ہے' وہ بھی تو بدل سکتا ہے؟" حیشم کی بات پہ لائبہ کچھ نہ کہہ سکی لیکن اسے دانش کو منع کرنا مناسب نہیں لگ رہا تھا۔۔۔ اور پھر ایسا ہی ہوا تھا جیسا لائبہ سوچ رہی تھی دانش گل نین سے ملنے کی ضد لے کر اڑ گیا تھا وہ اس سے ملے بغیر منگنی پہ آمادہ نہیں تھا اور گل نین ملنے پہ آمادہ نہیں تھی۔

"حیشم آپ اسے سمجھاتے کیوں نہیں؟ آخر ملنے میں کیا حرج ہے؟" لائبہ تلملاتی ہوئی حیشم کے سر پہ پہنچ گئی تھی۔

"تو تمہارا مطلب ہے کہ میں خود گل نین سے جا کر کہوں کہ وہ دانش سے جا کر مل لے' اس کے ساتھ چلی جائے؟" حیشم کو غصہ آگیا تھا اور بشر کو اٹھا کر ان کی طرف آتی گل نین کے قدم سیڑھیوں پہ ہی تھم گئے تھے۔

"تو میں کہہ دیتی ہوں اس سے' وہ دانش سے مل لے' ورنہ یہ رشتہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔۔۔"

"تو نکل جائے' اب میں کیا کہوں؟" وہ لائبہ پہ جھنجلا رہا تھا۔ گل نین کو ان کی پریشانی اور جھنجلاہٹ دیکھ کر ندامت ہوئی تھی کہ وہ اس کی وجہ سے اتنی ٹینشن لے رہے ہیں۔

"لائبہ بی بی! میں دانش سے ملنے کے لیے تیار ہوں۔" گل نین قریب آکر دھیمے سے بولی تھی۔

"لیکن گل نین!" حیشم چونک گیا تھا۔
"کوئی فرق نہیں پڑتا صاحب، صرف ملنا ہی تو ہے؟" اس نے حیشم کو تسلی دینے کے لیے لاپروائی ظاہر کی تھی۔
"مگر تم تو ملنے کے حق میں نہیں تھیں؟"
"صاحب! چھوڑیے اس بات کو، آپ ان سے کہہ دیں میں ملنے کے لیے تیار ہوں۔" وہ بشر کو لائبہ کی گود میں بٹھا کر واپس پلٹ گئی تھی اور لائبہ خوش ہو گئی جبکہ حیشم خاموش بیٹھا تھا اسے پتا تھا گل نین نے ان کی وجہ سے ملنے کے لیے ہامی بھری ہے ورنہ وہ خود اس چیز پہ خوش نہیں ہے۔
"میں ابھی دانش کو فون کرتی ہوں۔" لائبہ بشر کو اٹھا کر اندر چلی گئی اور حیشم خفگی سے گاڑی لے کر گھر سے نکل گیا تھا۔!

☼ ☼ ☼
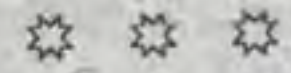
"تھوڑی لپ اسٹک بھی لگا لو، اچھی لگے گی۔"
دانش اسے لینے کے لیے آرہا تھا اور لائبہ نے گل نین کو تیار ہونے کا کہا تھا وہ منہ ہاتھ دھو کر دوسرے کپڑے پہن کر تیار ہو گئی تھی، اپنے لمبے بالوں کی چوٹی بنا کر سائیڈوں میں ہیئرپن لگا رہی تھی جب لائبہ اس کے کمرے میں داخل ہوئی اور اس کی تیاری پہ ایک تنقیدی نگاہ ڈالی تھی باقی تیاری تقریباً مناسب ہی تھی بس لپ اسٹک اور کاجل وغیرہ کی کمی تھی اسی لیے اس نے لپ اسٹک کا مشورہ دیا تھا۔
"میں نے کبھی لپ اسٹک لگائی ہی نہیں، اس لیے مجھے اچھی نہیں لگے گی، میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔" اس نے کرسی پہ رکھا اپنا بڑا سا دوپٹہ اٹھا کر اوڑھ لیا تھا اتنے میں باہر گاڑی کا ہارن بجنے لگا۔
"دانش آگیا ہے، جلدی سے آجاؤ۔" لائبہ کہہ کر باہر نکل گئی اور گل نین بھی اس کے پیچھے ہی باہر آگئی تھی دانش گیٹ پہ اس کا انتظار کر رہا تھا وہ دھیمے قدموں سے متوازن چال چلتی گیٹ کھول کر باہر نکل آئی تھی لائبہ لان کی سیڑھیوں پہ کھڑی اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی وہ گیٹ سے باہر نکلی حمیدہ اندر داخل ہوئی تھی اس نے گل نین کو سرتاپا تیکھی نظروں سے دیکھا تھا اور کوئی نئی آگ لگانے کے لیے اندر آگئی تھی۔
"کیسی ہیں بیگم صاحبہ۔" وہ لائبہ کے پاس آگئی۔
"ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ، تمہاری بیٹی کیسی ہے؟ کب کر رہی ہو شادی؟" لائبہ لان چیئرز پہ آکر بیٹھ گئی۔
"آپ جیسے نیک دل بندے ساتھ دیں تو بڑی جلدی شادی کر دوں گی اس کی۔"
"ارے ہاں کیوں نہیں، ہم ضرور ہیلپ کریں گے، میں نے حیشم سے بھی کہا تھا کہ حمیدہ کی بیٹی کی شادی ہے تو وہ کچھ خیال رکھیں۔"
"اچھا! پھر کیا کہا صاحب نے؟"
"کہنا کیا ہے؟ کریں گے مدد۔" لائبہ کا انداز لاپروا تھا۔
"بڑی مہربانی بیگم صاحبہ! اللہ آپ کو خوش رکھے اور ایسی ناگنوں سے بچائے۔" اس نے گیٹ کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہے، تم پریشان نہ ہو۔" لائبہ نے بات ٹال دی۔
"ارے بیگم صاحبہ کیوں پریشانی والی بات نہیں ہے؟ آپ نے اتنی بڑی جیتی جاگتی پریشانی گھر میں پال رکھی ہے، اور آپ کہتی ہیں کہ پریشانی والی بات نہیں ہے عجیب بات ہے۔"
"میں اس پریشانی کو فارغ کرنے والی ہوں۔" لائبہ کا لہجہ گہرا تھا۔
"کیسے؟"
"اس کی شادی کر کے۔"
"ہیں شادی؟ صاحب مان گئے؟" اس نے آنکھیں پھیلائیں۔
"اس میں صاحب کے ماننے کا سوال کہاں سے آگیا؟"
"لے دس بیگم صاحبہ، کیسی بچوں سی باتیں کرتی ہیں؟" حمیدہ استہزائیہ ہنسی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"
"مطلب ہے کہ عاشق بھی کبھی مانا ہے کہ اس کی معشوق کی شادی کسی اور سے کر دی جائے؟ حیشم صاحب مان گئے؟" حمیدہ نے ایک اور تیر اس کی جانب ... میں گاڑ دیا تھا لائبہ کے دل و دماغ میں پھر سے کئی بھنور اٹھنے لگے تھے۔
"عاشق مانتے تو نہیں ہیں، میں نے تو آج تک یہی ... ہے؟" حمیدہ اور بھی کچھ بول رہی تھی لیکن لائبہ کو بار بار حیشم کا اعتراض کرنا اور منع کرنا یاد آرہا تھا!

☼ ☼ ☼
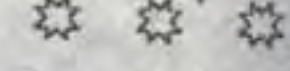
"میں نے آپ کو پہلی نظر میں دیکھا اور پسند کر لیا، پسند کرنے والی تو کوئی چیز ہی نہیں تھی آپ میں۔ میں اتنا خوش تھا کہ آپ کی تعریفیں اپنے دوستوں کے سامنے بھی شروع کر دیں وہ اتنی تعریفوں پر یقین نہیں کر رہے تھے اسی لیے ان کو یقین دلانے کے لیے آج آپ کو اپنے ساتھ لے کر آیا ہوں۔" دانش نے ایک ریسٹورنٹ کے سامنے گاڑی پارک کرتے ہوئے کہا تو گل نین ٹھٹک گئی تھی۔
"آپ مجھے اپنے دوستوں سے ملانے کے لیے لائے ہیں؟" گل نین کا لہجہ تیز تھا۔
"آف کورس ڈارلنگ، وہ تمہیں دیکھنے کے لیے بے چین ہو رہے ہیں اور دیکھنا تمہیں دیکھ کر ان کے منہ میں پانی آجائے گا۔" دانش چٹخارہ لیتے ہوئے آنکھ دبا کر بولا تھا گل نین کے چہرے کی رنگت لال ہو گئی تھی۔
"میں اندر نہیں جاؤں گی۔"
"واٹ؟ تم یہاں تک آکر بھی اندر نہیں جاؤ گی؟" دانش بدک گیا تھا۔
"مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ مجھے دعوت نظارہ بنا کر لا رہے ہیں، آپ نے میرے نظارے کی اپنے دوستوں کو دعوت دے رکھی ہے، اگر مجھے پتا ہوتا تو کبھی آپ کے ساتھ نہ آتی۔" گل نین ہنوز گاڑی کی فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی ہوئی تھی اور وہ گاڑی کا ڈور کھولے کھڑا تھا۔
"خیر اب آگئی ہیں تو اندر بھی آجائیے، وہ سب انتظار کر رہے ہوں گے۔" دانش نے سنجیدگی سے کہا۔
"میں نے کہا نا آپ سے، میں اندر نہیں جاؤں گی، آپ نے جو بھی بات کرنی ہے گاڑی میں ہی کر لیں، ورنہ مجھے واپس چھوڑ آئیں۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی اپنی عزت اور وقار کے معاملے میں وہ کوئی چھوٹ نہیں دے سکتی تھی۔
"پاگل ہو گئی ہو تم؟ میری انسلٹ کروانا چاہتی ہو؟" دانش کے تیور بدل گئے تھے۔
"تو آپ میری انسلٹ کروانا چاہتے ہیں؟"
"میں تمہیں اپنے دوستوں سے ملوانا چاہتا ہوں۔"
"میرا آپ کے دوستوں سے کیا واسطہ کہ میں ان سے ملوں؟"
"میرا واسطہ تو ہے نا؟ میرے حوالے سے ہی ملو گی نا؟"
"ایم سوری! میں اندر نہیں جا سکتی۔"
"ہونہہ! ایسی کی تیسی تم کیسے اندر نہیں جاتیں۔" دانش نے جھکتے ہوئے جھٹکے سے اس کی کلائی دبوچ لی تھی اور اسے گاڑی سے باہر کھینچا تھا گل نین اس حملے کے لیے تیار نہیں تھی وہ گاڑی سے باہر کی سمت گرتے گرتے بمشکل بچی تھی۔
"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" گل نین نے بھی اسی جھٹکے سے اپنی کلائی چھڑا لی تھی۔
"جو تمیز سے نہ سمجھے اسے بدتمیزی سے سمجھانا پڑتا ہے۔" وہ غرا کے بولا۔
"شٹ اپ! راستہ چھوڑیں میرا میں گھر جا رہی ہوں۔"
"اتنی آسانی سے کیسے جا رہی ہو تم؟ تمہیں میرے ساتھ اندر چلنا ہے، میں اپنے دوستوں کے سامنے اپنی انسلٹ نہیں کروا سکتا، وہ سمجھیں گے میں واقعی ان کے سامنے جھوٹ بولتا رہا ہوں شیخیاں بگھارتا رہا

ہوں۔" اس نے گل نین کا راستہ روک لیا تھا۔
"دیکھیے تماشا مت بنائیے راستہ چھوڑیے میرا۔" گل نین کا انداز بھی بے لچک تھا دونوں ہی اپنی اپنی ضد پہ اڑے ہوئے تھے آس پاس سے گزرتے کئی لوگوں نے اسے دیکھا تھا کئی لوگوں نے مشکوک اور ذومعنی نظروں سے دیکھا تھا گل نین چہرہ جھکائے لوگوں کی نظروں سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ اور رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک آگئی کہ دانش اسے زبردستی اندر لے جانے کے لیے کھینچنے لگا تھا جبکہ وہ اپنی کلائی چھڑا رہی تھی ایسے ہی اچانک ریسٹورنٹ کے ساتھ بنے پیٹرول پمپ سے پیٹرول ڈلوا کر گاڑی روڈ پر ڈالتے حیشم خان کی نظر ریسٹورنٹ کی پارکنگ کی سمت اٹھی تھی دوپٹہ اچھی طرح اوڑھا ہوا ہوتا تو وہ یقیناً" نہ پہچان سکتا کہ وہ لڑکی گل نین ہے لیکن اس کا دوپٹہ ڈھلکا ہوا تھا اور چہرہ واضح نظر آرہا تھا اسے گھسیٹنے والا دانش تھا۔۔۔ حیشم کا دماغ گھومنے میں ایک پل لگا تھا۔۔۔!

☼ ☼ ☼

"گل نین۔۔۔؟" لائبہ حیشم کے ساتھ گاڑی سے اترتی گل نین کو دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔
"یہ آپ کے ساتھ کیسے؟ یہ تو دانش کے ساتھ گئی تھی؟" لائبہ نے ذرا صبر نہ کیا فوراً" پوچھ بیٹھی اور اس کا پوچھنا حیشم کو اور بھی بھڑکا گیا تھا۔
"ہاں! اسی خبیث کے ساتھ گئی تھی، تمہاری اور میری وجہ سے۔۔۔"
"کیوں کیا ہوا ہے؟" لائبہ نے نا سمجھی سے پوچھا۔۔۔
"اسی کمینے سے پوچھو جا کر کہ کیا ہوا ہے؟" وہ دھاڑ اٹھا۔۔۔ لیکن لائبہ کے پوچھنے کی نوبت نہ آئی دانش کے گھر سے خود ہی فون آگیا تھا جو کچھ انہوں نے سنایا وہ لائبہ کے بولنے کے لیے کافی تھا۔
"اوہ تو یہ کیا ہے آپ نے؟ اب آپ کو یہ بھی گوارا نہیں کہ وہ کسی اور کے ساتھ جائے۔۔۔؟ مجھے کیا پتا تھا کہ عاشق واقعی اتنی آسانی سے نہیں مانتے کہ ان کی معشوق کسی اور کی ہو جائے۔۔۔؟"
"لائبہ۔۔۔!" حیشم کا ہاتھ پوری قوت سے اٹھا تھا لیکن یہ اس کا ضبط تھا کہ اس نے اپنا ہاتھ فضا میں ہی روک لیا تھا اس نے بڑے غضب سے اپنے ہاتھ کی مٹھی بھینچی تھی۔
"اتنا چلا کیوں رہے ہیں؟ سچ سننے کی ہمت نہیں ہے کیا؟ آپ بار بار اس کی شادی میں روڑے کیوں اٹکا رہے ہیں؟ آپ بار بار اعتراض کیوں کر رہے ہیں؟ آپ کو دانش اتنا برا کیوں لگ رہا ہے؟ آپ ان لوگوں کے جانے سے پہلے ہی گھر سے کیوں چلے گئے تھے۔۔۔؟ جواب دیں مجھے کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟ اس لڑکی کی خاطر آپ دیوانے ہوئے پھر رہے ہیں، عشق لڑا رہے ہیں اس سے، میرے حق پہ ڈاکا ڈالا ہے اس نے ناگن ہے یہ ناگن۔۔۔" لائبہ کی برداشت جواب دے گئی تھی وہ بت بنی گل نین پہ جھپٹ پڑی اور گل نین کی حالت تو کچھ ایسی ہو رہی تھی کہ وہ اپنا بچاؤ بھی نہ کرواسکی۔۔۔ اس کے لگاتار تھپڑ کھاتی رہی، یہ حیشم ہی تھا جس نے لائبہ کو جھٹکے سے کھینچ کر صوفے کی سمت دھکیل دیا تھا۔
"بند کرو اپنی بکواس، پاگل ہو گئی ہو تم پاگل۔۔۔" حیشم بری طرح دھاڑ رہا تھا۔
"میں پاگل نہیں ہوئی آپ جھوٹے اور دھوکے باز ہو گئے ہیں، آپ اس کمینی کے عاشق ہو گئے ہیں، بدبختی آگئی ہے آپ کے اندر۔۔۔" وہ ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھی۔
"دیکھو لائبہ اپنی زبان بند رکھو، ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔۔۔"
"کیوں بند رکھوں اپنی زبان۔۔۔؟ اپنی عشق و عاشقی پہ پردہ ڈالنا چاہتے ہیں؟ اپنا عیب چھپانا چاہتے ہیں؟ لیکن یہ بھول ہے آپ کی، اب۔۔۔ اب ایسا نہیں ہوگا۔۔۔ اب اس گھر میں یا تو یہ منحوس رہے گی، یا پھر میں۔۔۔" وہ بھی جواباً" غرائی۔۔۔
"میں تمہیں بار بار کہہ رہا ہوں، لائبہ تم پچھتاؤ گی، تم اپنے فیصلے اور اپنی جلد بازی پہ پچھتاؤ گی۔۔۔" حیشم

یہ واویلا کر رہا تھا لیکن لائبہ ایک ڈھیٹ اور جذباتی عورت تھی وہ کچھ بھی سمجھ نہیں رہی تھی اس نے گھر چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس فیصلے کی خبر بختاور کو بھی ہو گئی تھی وہ ذرا دیر کی بھی تاخیر کیے بنا ان کے گھر پہنچی تھی۔
"بھابھی یہ کیسا بچپنا ہے؟ کیوں اپنا گھر خراب کر رہی ہیں؟"
"اپنا گھر میں خراب نہیں کر رہی، میرا گھر تمہارے خان بابا کی چہیتی گل نین نے خراب کیا ہے۔" لائبہ نے مٹی کا ڈھیر بنی گل نین کو نفرت اور حقارت سے دیکھا تھا۔ گل نین پہ تو آج انکشاف ہوا تھا کہ لائبہ اس کے بارے میں کیسے خیالات رکھتی ہے؟ اور ان خیالات کو جان کر اس کا ڈوب مرنے کو دل چاہ رہا تھا۔
"گل نین ایسی نہیں ہے بھابھی، آپ خوامخواہ بدظن ہو رہی ہیں۔" بختاور کا لب و لہجہ مضبوط تھا۔
"جس عورت کا شوہر اس سے چھن رہا ہو وہ بدظن نہیں ہوگی تو اور کیا ہوگی؟" لائبہ طنزیہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔
"دیکھیے بھابھی گل نین نے ہمارے ساتھ بچپن گزارا ہے وہ ہمیں اچھی طرح سمجھتی ہے اور ہم اسے، اس کا کردار اتنا ہلکا نہیں ہے، حیشم بھائی نے اسے پہلی بار نہیں دیکھا کہ اس پہ فدا ہو گئے ہیں وہ بچپن سے اسے دیکھتے آرہے ہیں، ان کے دل میں ایسی ویسی کوئی بات ہوتی تو پہلے ہی سامنے آجاتی، آج جبکہ وہ خود شادی شدہ ہیں، دو بچوں کے باپ ہیں، خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں تو انہیں کیا ضرورت ہے گل نین کے بارے میں ایسا ویسا سوچنے کی۔۔۔؟" بختاور اسے دلیلیں دے رہی تھی۔
"بختاور! تم بچی نہیں ہو، اچھی طرح جانتی ہو کہ مرد کی نیت پانی کے بلبلے کی طرح ہوتی ہے، کسی وقت بھی یہ بلبلہ پھٹ سکتا ہے۔۔۔"
"لیکن بھائی کی نیت ایسی نہیں ہو سکتی۔۔۔"
"ٹھیک ہے، تم بھی ٹھیک ہو، تمہاری گل نین بھی ٹھیک ہے، تمہارا بھائی بھی ٹھیک ہے، صرف میں ہی غلط ہوں، اسی لیے میں یہ گھر چھوڑ کر جا رہی ہوں۔۔۔"
لائبہ بشر کو اٹھا کر ارج کو ساتھ لیے کھڑی ہو گئی تھی۔
"نہیں! آپ کہیں نہیں جائیں گی آپ یہیں رہیں گی۔۔۔" بختاور نے اٹھ کر لائبہ کو باہر نکلنے سے روک دیا تھا۔۔۔!

☼ ☼ ☼

کبھی کبھی انسان کو اپنا آپ کھوٹے سکے کی طرح محسوس ہوتا ہے، جو زندگی کی بھری پری دکان سے کچھ بھی نہیں خرید پاتا، نہ خوشیاں، نہ کامیابی، نہ راحت، نہ محبت، بس "کھوٹا سکہ" ہونے کا داغ لے کر واپس مڑ آتا ہے۔۔۔ اور گل نین بھی ایسا ہی ایک کھوٹا سکہ تھی جو حیشم خان اور لائبہ کے گھر میں چل نہیں سکی تھی اور "کھوٹا سکہ" کہہ کر موڑ دی گئی تھی اب اس کھوٹے سکے کو بختاور آزمانے کے لیے اپنے گھر لے آئی تھی گو کہ حیشم بختاور کے اس فیصلے پہ راضی نہیں تھا وہ گل نین کو کہیں بھی بھیجنے پہ تیار نہیں تھا لیکن بختاور آڑے آگئی۔۔۔ اس کا کہنا تھا کہ جب آپ کے گھر کے حالات ٹھیک ہو گئے تو آپ اسے واپس لے آئیے گا، ہو سکتا ہے اتنے عرصے میں کوئی اچھا رشتہ مل جائے یا پھر لائبہ کے خیالات بدل جائیں۔۔۔ لیکن حیشم پھر بھی راضی نہیں تھا وہ اپنی ذمہ داری کسی اور کے کندھوں پہ نہیں ڈالنا چاہتا تھا مگر گھر میں صورت حال کچھ ایسی تھی کہ اسے چند دن کے لیے سمجھوتا کرنا ہی پڑا۔
بختاور نے اسے بہت یقین دلائے تھے کہ وہ گل نین کا ہر طرح سے خیال رکھے گی وہ فکر نہ کرے آخر گل نین کے ساتھ اس کا بھی کوئی رشتہ نکلتا تھا جتنی وہ حیشم خان کے لیے اہم تھی اتنی ہی بختاور کے لیے بھی خاص تھی اور اس کی تسلی پہ اس کی ذمہ داری پہ حیشم نے گل نین کو جانے سے نہیں روکا تھا گل نین کو مٹی کے مادھو کی طرح جس طرف بھی موڑا، وہ مڑ گئی تھی۔۔۔!

☼ ☼ ☼

"یہ کون ہے...؟" گل نین پہ نظر پڑتے ہی خالہ جان کے منہ سے پہلا سوال یہی ادا ہوا تھا۔

"ہمارے خان بابا کی بیٹی ہے گل نین..." بختاور نے اس کا تعارف کروایا۔

"السلام علیکم..." گل نین نے بمشکل حلق سے آواز نکالی تھی وہ اگر سلام بھی نہ کرتی تو پہلے قدم پہ ہی بری بن جاتی حالانکہ ابھی ابھی ایک گھر سے بری بن کے نکلی تھی۔

"وہی ایبٹ آباد والے خان بابا؟" خالہ جان کو یاد آیا۔

"جی وہی خان بابا..." بختاور نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اچھا' اچھا' آؤ بیٹھو یہاں..." انہوں نے اپنے قریب تخت کی طرف اشارہ کیا۔

"جی..." گل نین نہ چاہتے ہوئے بھی کسی روبوٹ کی طرح بیٹھ گئی تھی۔

"آج ہمارے گھر کا خیال کیسے آگیا؟ بھئی تم تو حیشم اور لائبہ کے گھر کی ہو کر رہ گئی تھیں؟" خالہ جان نے یوں بے تکلفی سے کہا جیسے اس کے ساتھ جنم جنم کی بے تکلفی اور جان پہچان تھی ان کی...

"یہ... یہ تو نہیں آرہی تھی اور نہ ہی لائبہ بھابھی اور حیشم بھائی اسے بھیج رہے تھے میں اسے زبردستی لے کر آئی ہوں' چند دن میرے پاس بھی تو رہے..." بختاور نے فوراً" جواب دیا کہ کہیں گل نین کچھ بول ہی نہ دے لیکن گل نین کچھ بولی تو نہیں البتہ بختاور کو دیکھا ضرور تھا جو سراسر جھوٹ بول رہی تھی۔ بختاور گل نین کی نظروں سے نظر چرا گئی تھی یہ تو گل نین کا خدا جانتا تھا کہ وہ اس گھر سے کس طرح نکالی گئی تھی...؟

"ارے ہاں! کیوں نہیں ضرور رہے جتنی اس کی مرضی کرے یہ یہاں رہے..." انہوں نے گل نین کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے شفقت اور نرمی سے کہا تھا

لیکن گل نین کا کلیجہ پھٹ گیا اسے ایسے موقعے پہ اپنے بابا کی کمی بہت شدت سے محسوس ہوئی تھی جو اس کے ساتھ پیار کرتے اور نرمی برتتے ہوئے تھکتے ہی نہیں تھے۔

دن رات اس کے لاڈ اٹھانے میں لگے رہتے تھے اس کی اتنی فکر ہوتی تھی کہ آدھے گھنٹے سے زیادہ گھر سے باہر نہیں رہتے تھے بدنامی سے ڈرتے تھے بیٹی کی عزت کے لیے متفکر رہتے تھے اور آج وہی بدنامی اور رسوائی ان کی گل نین کے تعاقب میں بھاگ رہی تھی... اور وہ اس بدنامی اور رسوائی سے چھپ کر ایک گھر سے دوسرے گھر میں پناہ لینے پہ مجبور ہو گئی تھی۔

"کیا بات ہے بیٹا' اداس لگتی ہو؟" خالہ جان بہت نرم مزاج بلکہ خوش مزاج خاتون تھیں عام عورتوں کی طرح لڑائی جھگڑوں اور بدزبانی سے پرہیز کرتی تھیں ان کے تین بیٹے تھے ایک بیٹے کی بختاور کے ساتھ شادی کر چکی تھیں' دوسرا امریکہ میں مقیم تھا اور تیسرا یہیں کراچی میں ... گھر سے اڑا رہتا تھا... تینوں بیٹوں سے چھوٹی ایک بیٹی تھی جو فی الحال کالج میں پڑھ رہی تھی لہٰذا بختاور اس گھر کی بڑی بہو تھی اس کا کہا بہت اہمیت رکھتا تھا وہ گل نین کو لے آئی تھی تو سب کے لیے گل نین بہت اہم تھی رات کو کھانے پہ گل نین کا سب سے تعارف کروایا تو سبھی مل کر بہت خوش ہوئے تھے اور سبھی کو وہ اچھی لگی تھی بلکہ بہت پسند آئی تھی...!

☼ ☼ ☼

وہ ہمیشہ کی طرح فجر کی نماز اور قرآن پاک پڑھ کر کمرے سے باہر نکل آئی تھی لیکن ابھی کچن کی طرف بڑھ ہی رہی تھی کہ راہداری کی ڈور بیل بجی تھی۔

"اس وقت کون ہو سکتا ہے؟" اس نے ٹائم دیکھا پونے چھ بجے کا وقت تھا ماحول میں ابھی ملگجا سا اندھیرا پھیلا ہوا تھا وہ دوپٹہ درست کرتی ہوئی دروازے تک آگئی... اور دروازہ کھول دیا تھا... کوئی لڑکھڑاتے جھومتے قدموں سے چلتا ہوا اندر آگیا تھا۔

"آپ کون؟" گل نین اس کو اندر کی طرف بڑھتے

[ٹھٹھک کر] رک گئی... اور اس کی آواز پہ اس آدمی کے [قدم] ٹھٹک گئے تھے۔

"[تم] کون ہو؟" وہ پلٹا اور اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو [دیکھ] کر اس کی آنکھیں پوری کی پوری کھل گئی [تھیں]... گل نین نے اس کی نظروں کو محسوس کرتے ہوئے دوپٹہ مزید ماتھے تک کھینچ لیا تھا اور دو قدم پیچھے ہٹ گئی تھی۔

"بتاؤ تم کون ہو؟ اس گھر میں مالک کی حیثیت سے ہو یا مہمان کی حیثیت سے؟" وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

"ملازمہ کی حیثیت سے..." اس نے فوراً" اپنی حیثیت کا تعین کیا تھا۔

"ملازمہ...؟" اس کا منہ کھل گیا تھا۔

"جی میں ملازمہ ہوں بختاور بی بی لے کر آئی ہیں اور آپ غالباً" زوہیب صاحب ہیں' خالہ جان کے چھوٹے بیٹے..." اس نے زوہیب کو غائبانہ تعارف سے ہی پہچان لیا تھا۔

"اوہ... آئی سی..." زوہیب نے ہونٹ سکوڑتے ہوئے کہا اور اسے دوبارہ سر تاپا دیکھا تھا اس کی نیند اور نشہ ہرن ہو چکا تھا۔

گل نین وہاں سے ہٹ گئی تھی لیکن زوہیب کی گہری چھبتی نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔ گل نین کو کچن میں داخل ہونے تک اپنی کمر پہ دو گرم نظروں کی تپش محسوس ہوتی رہی تھی۔

"صبح بخیر..." وہ سوچ میں گم ناشتا بنانے میں مصروف تھی جب بختاور نے اندر داخل ہوتے ہی اسے وش کیا تھا۔

"صبح بخیر..." جواباً" وہ بھی آہستگی سے بولی۔

"کب اٹھی ہو؟" بختاور چائے کے لیے پانی چڑھاتے ہوئے بولی صبح صبح خالہ جان اور رغیب کو بیڈ ٹی لینے کی عادت تھی اور بختاور خود چائے بنا کر ان دونوں کو دے کر آتی تھی... اس کا پہلا کام یہی ہوتا تھا۔

"اٹھی تو کافی دیر سے ہوں' لیکن کچن میں ابھی آئی ہوں..."

"اچھا... ! ڈور بیل کون بجا رہا تھا؟"

"وہ زوہیب صاحب..."

"اچھا! وہ تھا؟" بختاور کیبنٹ سے چینی اور پتی کے ڈبے نکالتے ہوئے بولی۔

"کہاں گئے ہوئے تھے؟" گل نین کو تجسس تھا کہ وہ اس وقت کہاں سے آیا تھا۔

"وہ اکثر گیا ہی رہتا ہے یار' آتا تو کبھی کبھار ہے..."

"وہی تو پوچھ رہی ہوں کہ کہاں گئے رہتے ہیں؟"

"ارے کہاں جانا ہے اپنے دوستوں کے ساتھ ہوتا ہے' رات رات بھر سڑکوں پہ آوارہ گردی کرتا ہے۔ ڈرنک' اسموکنگ' گرل فرینڈز' پارٹیز بس یہی مصروفیات ہیں اس کی' اکثر اسی وقت اسے واپسی کا خیال آتا ہے' جیسے ہی اس کی نیند پوری ہو گئی دوبارہ گھر سے نکل کھڑا ہو گا..." بختاور چائے بناتے ہوئے ساتھ ساتھ اسے بھی بتاتی جا رہی تھی۔

"کوئی سمجھاتا نہیں ہے ان کو؟"

"لوفر بے دید ہوتے ہیں' کسی کا لحاظ نہیں کرتے' اسی لیے سبھی سمجھانے سے پرہیز کرتے ہیں کہ اپنی عزت اپنے ہاتھ... البتہ کبھی کبھار تھوڑا بہت لیکچر دے دیا جاتا ہے' خالہ جان بھی موقع ملے تو برا بھلا کہہ لیتی ہیں لیکن اس پہ سختی کوئی بھی نہیں کر سکتا' سبھی جانتے ہیں کہ وہ پہلے ہی بے لگام ہے اور ہاتھ سے نکل جائے گا..." وہ چائے کپ میں انڈیلتے ہوئے بول رہی تھی...!

"پڑھتے نہیں ہیں؟"

"نہیں میری جان' پڑھاتے ہیں موصوف' اپنے گروپ کے دوسرے لوفروں کو' عشق و عاشقی کا سبق' رومانس کا سبق' لڑکیوں کو پٹانے کا سبق' گویا بے راہ روی کا ہر سبق..." بختاور نے اسے تسلی سے تفصیل سے جواب دیا تھا... گل نین چپ ہو کے دیکھتی رہ گئی اور بختاور چائے کپ لے کر وہاں سے نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

اس نے آج واشنگ مشین لگا رکھی تھی اور گھر بھر

کے کپڑے دھونے میں مصروف تھی لوڈشیڈنگ کی وجہ سے بجلی بند ہونے کا ڈر تھا اسی لیے وہ سارے کام کافی جلدی جلدی نبٹا رہی تھی بالٹی بھر کپڑے مشین سے نکالے تو انہیں دھو کر پھیلانے کے لیے بالٹی اٹھا کر باہر نکل آئی گھر کے پچھواڑے کی طرف کپڑے پھیلانے کے لیے رسی بندھی ہوئی تھی وہ اسی طرف جارہی تھی کہ اچانک گیٹ کھلا اور ایک گاڑی اندر آرکی... اس گاڑی کو دیکھ کر اس کے قدم ٹھٹک گئے تھے وہ آگے بڑھ سکی نہ پیچھے مڑ سکی...

وہ اپنی گاڑی سے نکل کر سست اور ڈھیلے ڈھالے قدموں سے چلتا اس کے سامنے آرکا تھا۔

"السلام علیکم..." گل نین کی خاموشی دیکھ کر اس نے خود سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام..." وہ اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے متوجہ ہوئی...

"کیسی ہو؟" حیشم خان کو پوچھتے ہوئے بھی شرمندگی ہو رہی تھی۔

"اللہ کا شکر ہے، جس حال میں بھی رکھے..." اس کی آواز سنجیدہ تھی اور قدرے لاتعلق بھی...

"میں تمہاری خیریت پوچھنے آیا تھا۔" حیشم کی آواز میں شرمندگی نمایاں تھی البتہ اس کا سر جھکا ہوا تھا وہ تو نظر ملانے کے بھی قابل نہیں تھا۔

"بہتر تھا کہ آپ میری نہیں بلکہ بختاور بی بی کی خیریت پوچھنے کے لیے آتے..."

"بختاور کی خیریت میں فون پہ بھی پوچھ سکتا ہوں، لیکن گل نین میں تم سے بہت شرمندہ ہوں، میری وجہ سے تم پہ بہتان لگا، تمہارے کردار پہ کیچڑ اچھالا گیا، کیا منہ دکھاؤں گا خان بابا کو کہ ان کی بیٹی کے دامن پہ دھبا لگا دیا میری بیوی نے...؟" حیشم کی آواز میں شکستگی گھلی ہوئی تھی۔

"آپ تھوڑی دیر اور یہاں میرے پاس کھڑے رہے تو میرے دامن پہ ایک اور دھبا لگ جائے گا، یہاں سے نکالی گئی تو کہاں جاؤں گی؟" گل نین بالٹی اٹھا کر آگے بڑھ گئی...

"گل نین پلیز! میری نیت پہ شک مت..."

"میری اور آپ کی نیت کا خدا گواہ ہے صاحب اور اس پاک ذات کے بعد اور بڑی گواہی کس کی ہو سکتی ہے؟" وہ اس کی بات درمیان سے کاٹ کے بولی اور وہاں سے چلی گئی۔ حیشم بہن کے گھر آکر واپس نہیں پلٹ سکتا تھا اس لیے سر جھکائے اندر آگیا تھا۔

"ارے بھائی آپ...؟" ڈرائنگ روم میں ڈسٹنگ کرتی بختاور حیشم کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر چہک اٹھی تھی۔

"السلام علیکم..."

"وعلیکم السلام..."

"بیٹھیے نا..." اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا ہو رہا ہے؟" حیشم صوفے پہ براجمان ہو گیا تھا۔

"بس گھر کے کام کاج، آپ سنائیے آج کیسے یاد آگئی؟ لائبہ بھابھی نہیں آئیں؟" اس نے ایک ساتھ سوال کر ڈالے۔

"کیا وہ یہاں آسکتی ہے؟" اس کا لہجہ تلخ تھا۔ بختاور اس کی بات سن کر ذرا دیر کے لیے چپ سی ہو گئی۔

"اینی وے! نیب وغیرہ کہاں ہیں؟"

"وہ تو آفس گئے ہیں اور خالہ جان سودا سلف لینے کے لیے بازار تک گئی ہیں، آپ سنائیں چائے لیں گے؟"

"نہیں چائے کی کوئی ضرورت نہیں ہے میں تھوڑی دیر پہلے ہی ناشتا کر کے نکلا ہوں، میں نے سوچا گل نین کا پتا کرتا چلوں، وہ یہاں ٹھیک تو ہے؟"

"آپ بالکل فکر نہ کریں وہ یہاں بالکل ٹھیک ہے، کپڑے دھو رہی تھی شاید ابھی آجاتی ہے..." بختاور حیشم کو تسلی دے رہی تھی وہ جانتی تھی کہ وہ اپنی ذمہ داری پوری نہ کرنے پہ پریشان اور پشیمان ہے۔

"میری ملاقات ہوئی ہے اس سے..."

"اچھا! کیا کہہ رہی تھی وہ؟"

"ہونہہ! بے بس لوگ کچھ نہیں کہا کرتے صرف سوچ کے رہ جاتے ہیں..." حیشم گل نین کی بے بسی سے واقف تھا...

"آپ کو چاہیے تھا کہ آپ اسے تسلی دیتے، سمجھاتے اسے..."

"ایبٹ آباد سے اسے تسلی دے کر اور سمجھا کر ہی ساتھ لایا تھا لیکن کہاں گئیں وہ تسلیاں؟" حیشم کو خود اپنی ذات پہ غصہ تھا۔

"بھائی پلیز! آپ کیوں اتنا فرسٹریشن کا شکار ہو رہے ہیں؟ بس جو کچھ بھی ہوتا ہے اللہ کی طرف سے آزمائش کے لیے ہوتا ہے، شاید یہ سب بھی آپ کی آزمائش کے لیے ہے، صبر کیجیے، برداشت کیجیے اللہ بہتری کرے گا، ایک نہ ایک دن لائبہ بھابھی کو اپنے رویے کا اپنی غلطی کا ضرور احساس ہو گا..." وہ حیشم سے چھوٹی تھی لیکن سمجھاتی تھی تو اس سے بڑی لگتی تھی۔

"اسے احساس ہو گا یا نہیں ہو گا لیکن مجھے اچھی طرح احساس ہے کہ گل نین ہماری وجہ سے اِدھر اُدھر رو رہی ہے، لائبہ کی عقل ٹھکانے آگئی تو ٹھیک ورنہ چند دن تک میں گل نین کو واپس گھر لے جاؤں گا، آخر وہ کب تک یہاں رہے گی؟ کیا سوچیں گے نیب کے گھر والے؟" حیشم اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا...

"کچھ نہیں سوچیں گے، میں خوش ہوں تو وہ بھی خوش ہیں..."

"لیکن بختاور میں خوش نہیں ہوں، میں اپنی ذمہ داری کسی اور کے گلے ڈال کر قطعی خوش نہیں ہوں، گل نین خان بابا کی عزت ہے اور میں نے اس عزت کی حفاظت کرنے کا ذمہ اٹھایا تھا..."

"تو اس کی عزت کو یہاں کیا ہو رہا ہے؟" بختاور خفگی سے بولی۔

"جو عزت گھر میں محفوظ نہیں رہتی، وہ گھر سے باہر بھی محفوظ نہیں رہتی..." اس نے دلیل دی۔

"وہم ہو گیا ہے آپ کو..."

"ہاں! کہہ سکتی ہو..." اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اوکے میں چلتا ہوں اب، اور ہاں یہ کچھ پیسے ہیں رکھ لو، ہو سکے تو گل نین کو شاپنگ کروا دینا، جب سے وہ یہاں آئی ہے، ہم نے اسے کچھ بھی لے کر نہیں دیا..." وہ ہزار ہزار کے کئی نوٹ نکال کر بختاور کو تھما گیا تھا بختاور اسے منع بھی نہ کر سکی...!

☼ ☼ ☼

"گل نین! زوہیب اٹھ جائے تو اسے ناشتا دے دینا، میں تب تک شاور لے لوں..." بختاور گل نین کو آواز دے کر اپنے بیڈ روم میں چلی گئی تھی لیکن سیڑھیاں اترتا زوہیب اس کی آواز سن چکا تھا وہ سیڑھیاں اتر کر سیدھا کچن کی طرف آیا تھا... گل نین آہٹ پہ پیچھے پلٹی...

"آپ...؟" وہ زوہیب کو اپنی طرف دیکھتے پا کر ٹھٹک گئی تھی۔

"ناشتا..." اس نے مختصراً کہا۔

"جی ابھی بناتی ہوں، آپ ڈائننگ روم میں بیٹھیے..." اس نے تیزی سے کہا اور اس کا ناشتا بنانے کے لیے تیار ہو گئی...

"اوکے میں ڈائننگ روم میں بیٹھتا ہوں..." وہ کندھے اچکا کر پلٹ گیا تھا گل نین اسے زیادہ دیر سر پہ مسلط نہیں کر سکتی تھی اسی لیے بڑی پھرتی سے اس کے لیے ناشتا بنانے میں مصروف تھی۔

"ناشتا..." پانچ دس منٹ بعد اس کی بلند آواز میں دہائی دی تھی۔

"آئی صاحب، بس بن گیا ہے..." اس نے جواباً اسے تسلی دی تھی... اور اگلے پانچ منٹ میں وہ سب کچھ تیار کر کے ڈائننگ روم میں موجود تھی...

"بیٹھو تم بھی ناشتا کرو..." زوہیب نے اسے نگاہوں میں بھرتے ہوئے کہا۔

"نن نہیں صاحب، میں ناشتا کر چکی ہوں..." وہ گڑبڑا گئی تھی۔

"لیکن میں نے ابھی "ناشتا" نہیں کیا نا، تم کرواؤ گی

تو کروں گا۔۔۔" اس کی نظریں تھیں کہ ایکسرے مشین' گل نین سے اس کے سامنے ٹھہرنا دشوار ہو گیا تھا نظروں کا احساس آرپار ہو رہا تھا۔

"میں چلتی ہوں۔۔۔" وہ کہہ کے باہر کی طرف لپکی۔

"میں نے تمہیں جانے کو تو نہیں کہا؟" وہ پیچھے سے بختی سے بولا تھا گل نین کے قدم جم گئے تھے۔

"لیکن صاحب! میں اپنا کام ادھورا چھوڑ کے آئی ہوں۔" وہ کسی بھی بہانے سے اس کی نظروں سے اوجھل ہونا چاہتی تھی۔

"لیکن تم یہاں بھی اپنا کام ادھورا چھوڑ کے جا رہی ہو۔۔۔؟" زوہیب کا لہجہ ذو معنی تھا۔

"گل نین! ایک کپ چائے بنا دو۔۔۔" منیب کی آواز اسے یوں لگا جیسے اللہ نے اس کی جان بخشی کے لیے فرشتہ بھیج دیا ہو۔

"جی صاحب ابھی بناتی ہوں۔۔۔" وہ اللہ کا شکر ادا کرتی کچن میں آگئی اور زوہیب سر جھٹک کر رہ گیا۔

"بے وقوف لڑکی' جانتی ہی نہیں کہ چیز کیا ہے' دو دن سے نیندیں اڑا کے رکھ دی ہیں۔" وہ ناشتا کرتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا اور پھر ایسا تو اکثر ہونے لگا تھا جہاں بھی موقع ملتا وہ اس کا راستہ روک لیتا تھا اور کئی بار ایسی ایسی باتیں کر جاتا تھا کہ گل نین دعا کرتی کہ کاش زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔۔۔ ایسی ذلت بھری زندگی سے تو موت بھلی تھی لیکن وہ اتنی بہادر بھی نہیں تھی کہ خود اپنے ہاتھوں سے موت کو گلے کا ہار بنا لیتی' اور نہ ہی وہ اتنی مضبوط تھی کہ بختاور یا خالہ جان کو زوہیب کے بارے میں بتا سکتی۔۔۔ پہلے ہی ایک گھر سے بدنامی کما کر نکلی تھی یہاں بھی یہی سب کچھ ہوتا تو شاید بختاور بھی اسے دھتکار کر نکال دیتی اور وہ یہاں سے نکل کر کسی تیسری جگہ جانے سے ڈرتی تھی' یہی ڈر اسے دن رات اپنے شکنجے میں لیے ہوئے تھا اور یہی ڈر اسے دن رات خوف زدہ کر کے رلا رہا تھا وہ نماز پڑھنے کے لیے جائے نماز پہ کھڑی ہوتی تو اس کی ہچکیاں بندھ جاتی تھیں وہ سجدے میں جھکتی تو گھنٹوں سر نہیں اٹھا پاتی تھی' متواتر بہنے والے آنسوؤں سے پورا چہرہ بھیگ جاتا تھا اسے اک عجیب سا خوف تھا جو اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا اور بختاور کئی بار اس سے پوچھ چکی تھی لیکن وہ ہر بار ٹال دیتی تھی۔۔۔!

رنگ پیلا ہے تیرا کیوں ناصر
تجھے کیا غم کھائے جاتا ہے؟

☼ ☼ ☼
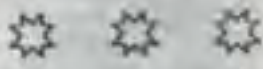
کاظم خان پڑھنے کی غرض سے کراچی آیا تو یونیورسٹی میں اپنی کلاس فیلو کو پسند کر بیٹھا اگرچہ وہ پہلے سے منگنی شدہ تھا اس کی منگیتر دلہن بننے کے لیے اس کی تعلیم ختم ہونے کا انتظار کر رہی تھی لیکن کاظم خان یہ بھول چکا تھا کہ اس کی کوئی منگیتر بھی ہے۔۔۔ اس نے شگفتہ کے سامنے اپنا پرپوزل رکھا تو وہ انکار نہ کر سکی اور اسے ماں باپ سے بات کرنے کا کہا لیکن کاظم خان کے گھر والے کسی طور بھی ماننے کو تیار نہیں تھے۔۔۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا تھا لیکن کاظم خان پیچھے ہٹنے والا نہیں تھا۔۔۔ وہ کسی بھی طریقے شگفتہ کو حاصل کرنا چاہتا تھا ایسے میں اس کا خاص ملازم ظفر خان (خان بابا) ہی تھا جس نے اس کا ساتھ دیا اور اپنی بیوی گل صنوبر کے ساتھ شگفتہ کے گھر چلا گیا وہ تینوں رشتے کے لیے ہاں کروا کے ہی اٹھے تھے۔ شگفتہ خود بھی کاظم خان کو پسند کرتی تھی اس لیے انکار کی گنجائش ذرا کم ہی تھی لہٰذا ایک ہفتے کے اندر اندر انہوں نے نکاح کر لیا اور شگفتہ کو لے کر پشاور واپس آ گیا لیکن قبیلے والوں اور گھر والوں نے انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا بلکہ گھر سے ہی نکال دیا تھا اور کاظم خان ایسے وقت ایسے حالات میں تنہا رہ جاتا' اگر ظفر خان ساتھ نہ دیتا تو۔۔۔ کاظم خان واپس کراچی نہیں جانا چاہتا تھا اسے پتا تھا شگفتہ کو لے کر واپس کراچی گیا تو سسرال والوں کے سامنے ہتک ہو گی لہٰذا ظفر خان کے مشورے پہ دونوں ایبٹ آباد چلے آئے یہاں ظفر خان کے ماں باپ کا گھر تھا چند دن اس گھر میں گزارے اور پھر چھوٹا سا گھر کرائے پہ لے لیا۔۔۔

رفتہ رفتہ وہ اپنی جمع پونجی سے کاروبار شروع کرنے

میں لگ گیا اور ماشاء اللہ کاروبار اچھا خاصا چل نکلا تھا۔۔۔ شگفتہ کے ہاں حیشم خان پیدا ہوا تو گل صنوبر اور ظفر خان نے ان دونوں سے زیادہ خوشیاں منائی تھیں وہ کاظم خان کے لیے وفادار اور جانثار ملازم ثابت ہوئے تھے لیکن افسوس کہ اتنے سالوں بعد بھی وہ اولاد جیسی خوشی سے محروم تھے اس چیز کا دکھ اور افسوس شگفتہ کو بھی ہوتا تھا وہ سچے دل سے ان کی اولاد کے لیے بھی دعائیں مانگتی تھیں حیشم کے بعد بختاور اس دنیا میں آئی تو ان کے گھر کی رونقیں مزید بڑھ گئی تھیں اور انہی رونقوں میں اس وقت اضافہ ہوا جب گل صنوبر نے ایک بیٹی کو جنم دیا۔۔۔ گل نین ظفر خان کے لیے خدا کی طرف سے خاص رحمت تھی وہ گھنٹوں اسے سینے سے لگائے بیٹھا رہتا تھا لیکن دو ماہ بعد گل صنوبر کی موت سب کو ہلا کے رکھ گئی تھی کاظم خان خود بہت دکھی تھے۔ ظفر خان کو دنوں سمجھاتے رہے اور وہ بیٹی کے لیے نہ چاہتے ہوئے بھی زندگی کی طرف مڑ آئے تھے حیشم میٹرک میں، بختاور مڈل میں اور گل نین پانچویں کلاس میں پڑھ رہے تھے جب کاظم خان کی روڈ ایکسیڈنٹ میں ہونے والی موت نے پورے گھر کو اجاڑ کے رکھ دیا تھا۔۔۔

یہ وقت ظفر خان کے امتحان کا وقت تھا انہوں نے ہمت نہیں ہاری تھی بلکہ شگفتہ بیگم کے سر پہ ہاتھ رکھ کے بھائیوں سا مان دیا اور ساری ذمہ داریاں خود اٹھالیں۔۔۔ حیشم اور بختاور کی ذرا ذرا سی فرمائش پہ پورا پورا دن بھاگتے دوڑتے رہتے تھے۔۔۔ اور جو ذرا فرصت کا ٹائم ملتا گل نین پہ محبتیں نچھاور کرنے بیٹھ جاتے اس کے لاڈ اٹھاتے نہیں تھکتے تھے۔ انہوں نے کبھی کسی کو شکایت نہیں ہونے دی تھی۔۔۔

شگفتہ بیگم اور بختاور کی عزت کا خیال وہ گل نین سے بھی بڑھ کے رکھتے تھے۔ بختاور کو خود اسکول چھوڑنے اور لینے کے لیے جاتے تھے۔۔۔ شگفتہ بیگم کو بازار تک بھی جانے نہیں دیتے تھے۔ انہوں نے کاظم خان سے وفا کا دامن مرتے دم تک نہ چھوڑا۔۔۔ بچے جوان ہوئے تو شگفتہ کو ان کی شادیوں کی فکر ستانے لگی۔۔۔

ان کے سسرال والے تو کاظم خان کی موت کا سن کر بھی نہیں آئے تھے اس لیے ددھیال میں شادیاں کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا البتہ ننھیال میں کوئی امید تھی کہ بات بن جاتی حیشم کام کی غرض سے کراچی آیا تو ماموں جان اور ممانی جان کو بہت اچھا لگا تھا انہوں نے فون پہ باتوں ہی باتوں میں شگفتہ بیگم سے بات کی تو وہ بہت خوش ہوئی تھیں ان کی بھتیجی ان کی بہو بنتی انہیں اور کیا چاہیے تھا بھلا؟ انہوں نے حیشم سے بات کی تو اس کی نظروں میں لائبہ کا سراپا گھوم گیا تھا۔ اچھی خوبصورت اور پڑھی لکھی لڑکی تھی اور دوسری بات یہ کہ اپنی کزن تھی، وہ بھلا کیوں انکار کرتا؟ اس نے ماں کو رضامندی سونپ دی اور پھر حیشم کا رشتہ طے ہونے کے دوران ہی بختاور کو بھی نیب کے لیے مانگ لیا گیا ان دنوں گل نین سیڑھیوں سے گر گئی تھی کافی گہری چوٹ آئی تھی وہ کراچی نہ جا سکی، اور اس کی وجہ سے خان بابا بھی شادی میں شریک نہ ہوسکے۔

وہ اپنی گل نین کو ذرا دیر کے لیے بھی اکیلا چھوڑ کر نہیں جاتے تھے۔۔۔ حیشم نے لاکھ کوشش کی کہ وہ ساتھ چلیں، کراچی میں ان کا نیا گھر دیکھیں، بارات میں شریک ہوں مگر وہ گل نین کو چھوڑ کر نہ گئے۔۔۔ الٹا حیشم سے نہ جانے کی وجہ سے معافی مانگتے رہے۔۔۔ حیشم خود شرمندہ ہو گیا تھا۔ انہوں نے شادی سے چند دن پہلے کراچی جانا تھا وہاں نیا گھر لیا تھا اس میں ایڈجسٹ کرنا، اسے سیٹ کرنا ابھی کچھ باقی تھا اور وہ کراچی آکر اپنے کاموں میں لگ گئے۔

حیشم اور بختاور کی شادی سے فارغ ہو کر شگفتہ بیگم واپس ایبٹ آباد آگئیں اور۔۔۔ ایک روز سونے کے لیے لیٹیں تو دوبارہ اٹھ نہ سکیں۔۔۔ وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملی تھیں اور خان بابا اپنی گل نین کے ساتھ اس گھر میں اکیلے رہ گئے۔ حیشم اس گھر کی ذمہ داری انہیں سونپ گیا تھا۔۔۔ ہر مہینے باقاعدگی سے انہیں ماہانہ خرچ بھجواتا تھا، قادر خان کی تنخواہ الگ سے مقرر

تھی۔ حیشم نے کئی بار انہیں کراچی چلنے کے لیے اصرار کیا تھا لیکن وہ ایبٹ آباد کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے لہٰذا حیشم کئی بار وقت نکال کر ان سے ملنے کے لیے آجاتا تھا۔ لیکن اب تو سب کچھ ختم ہو گیا تھا وہ اپنی ذمہ داریاں نبھا گئے تھے۔۔۔ اب اس کی ذمہ داریاں باقی تھیں۔۔۔!

☼ ☼ ☼
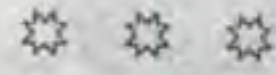
"ارے امی رخشی کی شادی کی ڈیٹ بھی فکس ہو گئی ہے؟" نویرہ فون کال سن کر سیدھی ماں کے پاس آئی تھی۔ گل نین ان کے سر میں تیل ڈال کر ان کے سر کا مساج کر رہی تھی۔

"ہاں رات کو آئی تھی تمہاری چچی کی کال، بتا رہی تھیں کہ آج ہی ڈیٹ فکس ہوئی ہے زیادہ لمبی ڈیٹ نہیں ہے۔ بس دس پندرہ دن بعد کی مقرر کی ہے۔۔۔" وہ ذہن پہ زور ڈالتے ہوئے بولیں۔۔۔

"اس مہینے کی سولہ تاریخ کو۔۔۔" نویرہ نے ماں کی مشکل آسان کی۔۔۔

"ارے ہاں سولہ تاریخ کو، پندرہ کو مہندی ہوگی اور چودہ کو مایوں کی رسم۔۔۔" انہوں نے تفصیل سے بتایا۔

"تو پھر ہم کس تاریخ کو جائیں گے؟" نویرہ کو اپنے جانے کی فکر تھی رخشی اس کے چچا کی بیٹی، اس کی کلاس فیلو اور دوست بھی تھی اسی لیے زیادہ فکر اسی کی ہو رہی تھی۔

"ظاہر ہے بھئی ہم بھی چودہ کو ہی جائیں گے، اب اتنے دن پہلے جا کر ڈیرہ تو نہیں ڈالیں گے، بلکہ مجھے تو چودہ کو جا کر وہاں بیٹھ جانے سے بھی شرمندگی ہو رہی ہے۔۔۔" انہوں نے ذرا خفگی سے کہا تھا۔۔۔

"شرمندگی کیسی؟ وہ کوئی غیر تو نہیں ہیں، اپنے چچا کا گھر ہے۔۔۔"

"ارے پگلی! چچا کا گھر ہے تو کیا وہاں ان کے اور مہمان نہیں ہوں گے۔۔۔؟ وہ کس کس کو سنبھالیں گے؟" انہوں نے بیٹی کو گھور کے پوچھا اور نویرہ واقعی ان کی بات سمجھ کر چپ ہو گئی تھی وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھیں۔۔۔

"لیکن امی! رخشی نے تو مجھے پہلے آنے کو کہا ہے۔۔۔؟"

"ہاں تو چودہ کو اکٹھے ہی چلیں گے نا، دو تین دن کافی نہیں ہیں تم لوگوں کی باتوں کو۔۔۔؟" وہ بیٹی کو ڈانٹ رہی تھیں۔۔۔

"ٹھیک ہے اسی روز چلی جاؤں گی، جب آپ لوگ چلیں گے۔۔۔" نویرہ کا منہ بن گیا تھا۔

"کون کہاں جا رہا ہے بھئی۔۔۔؟" زوہیب نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے بلند آواز میں پوچھا تھا۔۔۔ گل نین جو کب سے چپ چاپ اپنے کام میں مصروف تھی ایک دم چونک کر دیکھا تھا۔

"رخشی کی شادی میں۔۔۔" نویرہ نے فٹ سے جواب دیا۔۔۔

"اچھا! رخشی کی شادی طے ہو گئی؟"

"ہاں بیٹا، ماشاء اللہ تم ہمیشہ ہی بے خبر رہنا، چچا کی بیٹی کی شادی ہو رہی ہے اور صاحب کو پتا ہی نہیں، کل کو اس کے بچے بھی ہو جائیں گے اور یہ پوچھے گا ہیں رخشی کے بچے بھی ہو گئے؟" خالہ جان نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔۔۔

"تو کیا اب میں چچا زاد بہنوں کی خبر رکھتا پھروں؟"

اس نے ماں کو خفگی سے دیکھا۔

"میں نے یہ نہیں کہا کہ چچا زاد بہنوں کی خبر رکھو، میں تو یہ کہہ رہی ہوں کہ اپنے گھروں کی فکر رکھو، خبر رکھو کہ آج کل کس گھر میں کیا ہو رہا ہے؟ کہاں خوشی کا موقع ہے؟ کہاں غم کا۔۔۔؟"

"مجھے کیا ضرورت ہے بھلا دوسروں کے گھروں کی خبر رکھنے کی، بس خبر رکھنے کے لیے اپنا گھر ہی کافی ہے۔۔۔" اس نے کہتے ہوئے کن انکھیوں سے گل نین کو دیکھا تھا وہ چہرہ جھکا گئی تھی اس کا دل خوف سے خشک ہوا جا رہا تھا وہ زوہیب کے دیکھنے سے ہی خائف ہو جاتی تھی۔۔۔

"اپنے گھر کی خبر کب رکھ رہے ہو تم۔۔۔"

"پہلے تو نہیں لیکن اب رکھنے لگا ہوں۔۔۔" اس

نے سرسری سے انداز میں کہا۔ مگر گل نین جانتی تھی کہ اس نے کیوں کہا ہے۔

"ہونہہ! تم کیا خبر رکھو گے بھلا، تمہیں اپنے دوستوں سے فرصت ملے گی تب نا؟"

"اماں! چھوڑ دیا ہے سب دوستوں کو، بس اب صرف ایک ہی دوست رکھنا ہے، دعا کرو اس سے دوستی ہو جائے۔" وہ عجیب پراسرار انداز میں بات کر رہا تھا۔

"چلو اگر ایک ہی دوست رکھنا چاہتے ہو تو پھر ٹھیک ہے۔" وہ یوں سہلاتے ہوئے بولیں جیسے وہ واقعی ان کی مرضی پہ دوست بنائے گا اور باقی چھوڑ دے گا۔

"میری شرٹ — استری کر دو ——"

زوہیب کی آواز نے اس کا پیچھا کیا۔

"گل نین سے کہو وہ کر دے گی۔" نویرہ کہہ کر باہر نکل گئی آج کل اسے کالج سے چھٹیاں تھیں اسی لیے وہ گھر پہ نظر آ رہی تھی۔

"تجھی گل نین سے ہی کہہ رہا ہوں۔" وہ آہستگی سے بولا۔

"جی دے دیجیے میں کر دیتی ہوں۔"

"اب میں خود تمہیں شرٹ لا کر دوں گا؟"

"زوہیب! تمیز سے بات کرو، جاؤ بیٹا اس کے کمرے سے لے آؤ، بتا دو اسے کون سی شرٹ استری کرنی ہے؟" انہوں نے زوہیب کو سرزنش کی تھی۔

"ریڈ شرٹ ہے لائننگ والی، وہ کرنی ہے۔" اس نے سر جھٹک کر بتایا۔ گل نین واش بیسن پہ تیل والے ہاتھ دھو کر اوپر آ گئی زوہیب کے کمرے میں وہ پہلی بار آئی تھی لیکن اندر سے کافی خوف زدہ تھی جلد از جلد شرٹ لے کر وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی اس نے شرٹ کے لیے اس کی الماری کا پٹ بھی کھول دیا تھا اور کپڑوں میں سے ریڈ لائننگ والی شرٹ تلاش کرنے لگی۔

"میری ریڈ لائننگ والی کوئی شرٹ نہیں ہے۔"

اس کے عقب سے زوہیب کے قدموں کی چاپ ابھری تو وہ دھک سے رہ گئی تھی، اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔

"مجھ سے اتنا چھپتی کیوں ہو؟ صرف دیکھتا ہی تو ہوں؟ اور تو کچھ نہیں کرتا۔۔۔؟" وہ کافی مستی بھری آواز سے پوچھ رہا تھا۔ گل نین سمٹ کر قدرے پیچھے ہو گئی تھی۔

"دیکھیے صاحب آپ کو زیب نہیں دیتا کہ آپ ایک ملازمہ کے ساتھ اس طرح کی باتیں کریں آپ اپنا مقام دیکھیں آپ۔۔۔"

"کون کہتا ہے کہ تم ملازمہ ہو؟ ارے یار مجھ سے پوچھو تم کیا ہو، شہزادی ہو، ملکہ ہو، پری ہو تم۔"

زوہیب نے اس کی کلائی پکڑ کر اسے اپنے قریب کھینچ لیا تھا گل نین کو کرنٹ چھو گیا۔

"تمہاری ایک جھلک نے ہی میرے سینے میں چنگاری پھینک دی تھی، ابھی تک آگ جل رہی ہے۔" زوہیب نے اسے بانہوں میں بھرنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی پوری قوت لگا کر پیچھے ہٹ گئی تھی اور اپنی کلائی چھڑا لی مگر زوہیب نے اس کا دوپٹہ کھینچ لیا۔

"جاتی کہاں ہو؟ تھوڑی دیر کا سکون تو دے جاؤ۔"

زوہیب نے دوپٹے کے ساتھ اسے بھی کھینچتے ہوئے بانہوں میں بھر لیا تھا۔

"حیشم۔!" گل نین کی آواز آنسوؤں کی وجہ سے حلق میں ہی دب گئی حیشم کا نام اس کے لبوں پہ آ کر دم توڑ گیا تھا دل کا درد، زبان سے عیاں ہوتے ہوتے رہ گیا لیکن زوہیب چونک گیا تھا۔

"حیشم کو کیوں پکارا؟" اس نے گل نین کو ذو معنی نظروں سے دیکھا۔

"بولو نا حیشم خان کا نام کیوں آیا تمہاری زبان پہ۔۔۔؟" وہ اس کا چہرہ اونچا کرتے ہوئے بولا۔

"پلیز میرا دوپٹہ چھوڑیے، جانے دیجیے مجھے۔"

اس نے اپنا دوپٹہ اس کی گرفت سے چھڑانا چاہا۔

"مجھے بتا کر جاؤ کہ حیشم خان کی یاد کیوں آئی اس وقت۔۔۔؟" زوہیب حیشم کے نام پہ اٹک چکا تھا۔

"حیشم خان کی یاد تو مجھے پتا نہیں کس کس وقت آتی ہے، آپ اس وقت کا پوچھ رہے ہیں؟" گل نین تلخ لہجے میں کہتی جھٹکے سے دوپٹہ کھینچ کر باہر بھاگ گئی تھی اور زوہیب پیچھے کھڑا دیکھتا رہ گیا۔

"اوہ۔!" اس نے ہونٹ سکیڑے۔

"یعنی حیشم خان کا بھی کوئی چکر ہے اس کے ساتھ۔۔۔؟" اس نے سوچا اور پھر ہنس دیا تھا خباثت اس کی اک اک ادا سے جھلک رہی تھی وہ نجانے کیا سوچ کر مسلسل مسکرا رہا تھا۔۔۔!

☼ ☼ ☼
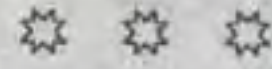
گھر میں اب شادی پہ جانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں کپڑے، جیولری اور شاپنگ کی باتیں ہی ہوتی رہتی تھیں بختاور اور نویرہ دو تین بار شاپنگ کے لیے گئی تھیں کبھی کوئی چیز میچنگ کی لانی ہوتی تھی اور کبھی کوئی، ایسے میں سارا گھر گل نین نے سنبھال رکھا تھا ابھی یہ غنیمت تھا کہ خالہ جان گھر پہ ہی رہتی تھیں اسی لیے وہ سارا کچھ آسانی سے کر لیتی تھی اگر وہ بھی گھر پہ نہ ہوتیں تو یقیناً وہ گھر پہ اکیلی نہیں رہ سکتی تھی۔۔۔!

"گل نین۔۔۔! گل نین بیٹا۔۔۔!" خالہ جان آوازیں دے رہی تھیں اور وہ نہ جانے کہاں کھوئی ہوئی تھی۔

"ارے گل نین۔۔۔" انہوں نے اس کا کندھا پکڑ کے ہلایا تھا۔

"جج جی خالہ جان؟" وہ کسی گہرے خیال سے چونکی تھی۔

"کہاں کھو گئی تھیں؟" انہوں نے اس کا چہرہ بغور دیکھا۔ چہرے پہ سوچوں کا جہان آباد تھا اک محفل سی لگی ہوئی تھی سوچوں کی۔۔۔ خالہ جان کو کسی ایک بھی سوچ کا چہرہ نظر نہیں آیا تھا سبھی کے نین نقوش حجاب میں ڈھکے ہوئے تھے، خالہ جان کو دیکھ کر ساری سوچیں منتشر ہو گئی تھیں، یوں جیسے محفل برخاست ہو گئی ہو۔۔۔!

"اس دنیا کے دھندے میں۔۔۔" گل نین کا جواب مختصر لیکن تلخی کا تاثر لیے ہوئے تھا۔

"ارے بیٹا! اس دنیا کے دھندے میں تو ہر کوئی کھویا ہوا ہے۔" وہ آہ بھر کے بولیں۔

"مجھ جیسا کوئی نہیں کھویا۔۔۔" اس نے استہزائیہ کہا۔

"ہاں بیٹا بڑی ہمت ہے تمہاری۔۔۔"

"ہاں! میں بھی یہی سوچتی ہوں کہ بڑی ہمت ہے میری۔۔۔"

"دل اداس ہے تو حیشم اور لائبہ سے جا کر مل آؤ۔۔۔"

"میں ان سے ملنے گئی تو ان کے دل اداس ہو جائیں گے۔۔۔" وہ دل میں سوچ کر رہ گئی۔

"دل اداس تو ہے، لیکن کسی سے مل کر ٹھیک ہونے والا بھی نہیں ہے۔۔۔" وہ کھڑکی سے ہٹ گئی تھی۔

"لگتا ہے تم آج اپنے نصیب کو سوچ رہی ہے؟" انہوں نے کتنا درست اندازہ لگایا تھا۔۔۔

"اپنے نصیب کو نہیں، اپنی بدنصیبی کو سوچ رہی ہوں خالہ جان اور میری بدنصیبی ایسی ہے کہ کھڑے کھڑے آپ کو بتا بھی نہیں سکتی، بڑا وقت چاہیے یہ دکھڑا رونے کے لیے۔۔۔" وہ سر جھٹک کر تلخی سے بولی۔۔۔

"لگتا ہے تم آج کل ایسی باتیں کچھ زیادہ ہی سوچنے لگی ہو؟ بڑے دنوں سے دیکھ رہی ہوں میں، تم اداس، پریشان، ڈری سہمی سی رہتی ہو، الجھی الجھی سی پھرتی ہو، کیا وجہ ہے بیٹا۔۔۔؟" خالہ جان کو نجانے کیوں اتنا تجسس ہو رہا تھا۔۔۔

"چھوڑیں خالہ جان! آپ بتایئے آپ کیوں بلا رہی تھیں مجھے۔۔۔؟" گل نین پوری طرح سے

ان کی طرف متوجہ ہوئی۔
"تمہاری باتوں میں لگ کر بات ہی بھول گئی۔" وہ ذہن پہ زور ڈالتے ہوئے بولیں۔
"اچھا! میں آپ کو چائے لا کر دیتی ہوں' آپ کو ساری باتیں یاد آجائیں گی' آپ بیٹھیں۔" اس نے ڈرائنگ روم میں رکھے تخت کی طرف اشارہ کیا۔
"نہ میں یہاں بیٹھ بیٹھ کر اکڑ گئی ہوں' اب اپنے کمرے میں جا کر تھوڑی دیر آرام کرتی ہوں' تم چائے لے کر وہیں آجانا' لیکن دو کپ لے کر آنا' میرے ساتھ تم بھی پیو گی تو مجھے اچھا لگے گا۔" انہوں نے نرمی اور چاؤ سے کہا تھا گل نین کو اس پورے گھر میں بختاور اور خالہ جان ہی تو اچھی لگتی تھیں حالانکہ نوریہ اس کی ہم عمر تھی لیکن اس کی مصروفیات کچھ اور تھیں دونوں کے خیالات مختلف تھے اسی لیے دونوں کی بن نہیں سکی تھی' البتہ منیب بھائی بھی بہت اچھے تھے' بہت اچھے طریقے سے بات کرتے تھے' کبھی نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا گل نین کو وہ بہت اچھے لگتے تھے وہ ان کی دل سے عزت کرتی تھی۔ اور وہ بھی اس کے لیے ایسا ہی عزت و احترام دل میں رکھتے تھے۔ بس پورے گھر میں ایک زوہیب ہی ایسا تھا جس کو دیکھ کر گل نین جہاں ہراساں ہوتی تھی وہیں سر تا پا جل اٹھتی تھی۔

☼ ☼ ☼

میری جان ہونٹ تو کھول تو' کبھی اپنے حق میں بھی بول تو
یہ اب ہے تیری خامشی' نہ سوال ہے نہ جواب ہے
مجھے سعد تجھ سے گلہ نہیں کہ میں خود ہی تجھ سے ملا نہیں
میری زندگی بھی عذاب ہے' تیری زندگی بھی عذاب ہے

صفائی کرتے ہوئے نوریہ کے ڈائجسٹ میں یہ شعر پڑھا اور پھر بے ساختہ ہی ڈائجسٹ بند کر دیا تھا انداز میں عجب بے چینی سی تھی وہ اس کے کمرے کی صفائی کر کے باہر آگئی اب بختاور کا کمرہ صاف کرنا تھا وہ دستک دے کر اندر آگئی کیونکہ بختاور کمرے میں ہی تھی۔
"آجاؤ گل نین۔" بختاور کو پتا تھا کہ گل نین ہی ہوگی۔
"السلام علیکم۔" وہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔
"وعلیکم السلام۔ کیا بات ہے کچھ سست لگ رہی ہو۔؟" بختاور اپنی جیولری اور میک اپ کا سامان بیوٹی بکس میں رکھ رہی تھی۔
"جی رات کو نیند نہیں آرہی تھی' رتجگے سے سر میں درد ہو گیا ہے۔"
"ارے خیر تو ہے؟ نیند کیوں نہیں آرہی تھی؟" بختاور نے ڈریسنگ ٹیبل سے ایک ہیئر برش اٹھا کر بیوٹی بکس میں رکھ لیا تھا یہ سب شادی والے گھر جانے کا انتظام تھا وہ ہر چیز کا بندوبست کر کے جا رہی تھیں۔
"بابا یاد آرہے تھے۔" گل نین کی آواز بھرا گئی تھی اس لیے وہ تیزی سے رخ موڑ کر ٹیبل صاف کرنے لگی کہ بختاور نہ دیکھ سکے۔
"گل نین۔!" بختاور نے پلٹ کر اسے کندھے سے تھام کے اپنی سمت موڑ لیا تھا۔
"بابا کیوں یاد آرہے تھے۔؟"
"بس ایسے ہی دل گھبرا رہا تھا۔"
"کوئی بات ہے تو بتاؤ مجھے۔؟"
"نہیں بختاور بی بی کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔
"دیکھو گل نین مجھے لگتا ہے کوئی بات ہے ضرور' لیکن تم چھپاتی ہو۔"
"آپ مجھے اپنے ساتھ لے چلیں' میں یہاں اکیلی کیسے رہوں گی؟" گل نین نے بمشکل خود کو بات کرنے کے لیے تیار کیا تھا۔
"ارے میری جان' میری گڑیا' مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے تمہیں ساتھ لے جانے میں' لیکن میں یہ ضرور جانتی ہوں کہ وہاں جانے سے تمہیں یا پھر حشم بھائی کو بہت مسئلہ ہوگا' کیونکہ لائبہ بھابھی اور حشم بھائی بھی وہاں انوائیٹڈ ہیں وہ تمہیں وہاں دیکھیں گی تو اسی روز کی طرح جنونی ہو جائیں گی مجھے ڈر ہے کہ وہاں

کوئی تماشا نہ ہو جائے۔" بختاور نے اسے اپنے ساتھ نہ لے جانے کی اصل وجہ بتائی تھی اور گل نین کی رہی سہی امید بھی دم توڑ گئی۔
آج چودہ تاریخ تھی وہ سارے گھر والے مایوں کی رسم میں شریک ہونے کے لیے پہلے جا رہے تھے گل نین نے بھی ساتھ چلنے کا کہا تھا لیکن بختاور نے منع کر دیا تھا اور بختاور کا انکار گل نین کو مایوسی میں مبتلا کر گیا تھا۔
"وہاں بھی تماشا میرا ہی بنے گا' اور یہاں بھی تماشا میرا ہی بنے گا۔" وہ تلخی سے سوچ کر تلخی سے مسکرائی تھی اور بختاور کے ہاتھ اپنے کندھوں سے ہٹا کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔
"گل نین! کیا بات ہے؟ تمہیں میری بات بری لگی ہے؟" بختاور کو اس کا یوں چپ چاپ منہ پھیر کے پلٹ جانا دل پہ لگا تھا۔
"پتا نہیں بختاور بی بی' اب تو اچھے برے کا فرق بھی بھولنے لگی ہوں۔" وہ عجیب سے انداز میں کہہ کر باہر نکل گئی حالانکہ کمرا صفائی مانگ رہا تھا لیکن گل نین اپنی ذات کے غم و فکر میں الجھی صفائی بھی نہ کر سکی اور بختاور سوچتی رہ گئی کہ اب اس شادی سے فارغ ہو کر وہ حشم سے گل نین کے بارے میں کوئی حتمی بات کرے گی کہ آخر اس کا کرنا کیا ہے؟ اگر اس کی کہیں شادی کرنی ہے تو سنجیدگی سے اس بارے میں سوچیں۔ آخر اس طرح کب تک گزارا ہوگا۔؟

☼ ☼ ☼

گھر سے جاتے ہوئے بختاور اسے بہت ساری تسلیاں اور دلاسے دے کر گئی تھی نوریہ' خالہ جان' منیب بھائی بختاور اور بچے سبھی ایک ساتھ گھر سے نکلے تھے البتہ زوہیب ان کے ساتھ نہیں گیا تھا کیونکہ وہ پچھلے تین دن سے پہلے ہی گھر سے غائب تھا۔ شاید اپنے دوستوں کے ساتھ شہر سے باہر عیاشیاں کرنے گیا ہوا تھا سو گل نین گھر پہ اکیلی تھی وہ گھر کا مین ڈور لاک کر کے اپنے کمرے میں آگئی دوپہر کے ایک بجے کا وقت تھا سب کے جانے کے بعد گھر میں کافی پھیلاوا بکھرا ہوا تھا۔ لیکن گل نین کا دل کسی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا جا رہا تھا وہ چاہتے ہوئے بھی کوئی کام نہ نبٹا سکی اور اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی تھوڑی دیر کے لیے پلکیں موند کر بستر پہ لیٹی تو دل اور بھی گھبرا اٹھا تھا یوں جیسے کسی نے دل کا گلا گھونٹ دیا ہو' آنکھ کے پردے پہ ابھرنے والی شبیہ ہی ایسی تھی کہ اس کی ہتھیلیوں اور پیشانی پہ پسینہ پھوٹ پڑا تھا وہ یکدم اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اسے اپنی کیفیت خود بھی سمجھ نہیں آرہی تھی بچپن سے لے کر اب تک اس نے اپنی جس کیفیت کو ہمیشہ چھپا چھپا کر اور دبا دبا کر رکھا تھا پچھلے چند دنوں سے اسی کیفیت نے اسے عجیب بے چین اور بے سکون کر رکھا تھا وہ اضطراری حالت میں پھرتی تھی اسے یوں لگتا تھا جیسے وہ کچھ پانے والی ہے' یا کچھ کھونے والی ہے۔ البتہ کیا پانا تھا اور کیا کھونا تھا یہ تو اللہ ہی جانتا تھا۔!
وہ گھبرائے ہوئے دل کے ساتھ بستر سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئی تھی ننگے پاؤں کتنی ہی دیر گھر کی راہداریوں کے ٹھنڈے فرش پہ ٹہلتی رہی اس کی انہی بے چینیوں کے دوران ظہر کی اذان سنائی دینے لگی اس کے بے چین قدم خود بخود ہی واش روم کی سمت اٹھنے لگے اس نے وضو کیا اور تھوڑی دیر بعد نماز پڑھنے کے لیے کھڑی ہو گئی آدھے پون گھنٹے میں وہ نماز سے فارغ ہوئی تو دل کو کچھ سکون میسر آیا تھا اور اسی سکون کے باعث وہ وہیں ڈرائنگ روم کے صوفے پہ لیٹ گئی وہ اس لیے بھی قدرے مطمئن تھی کہ اس نے مین ڈور لاک کر رکھا تھا۔
لیکن اطمینان کی یہ نیند اس کی زندگی کی سب سے بڑی اور سنگین غلطی تھی اسے سوئے ہوئے نجانے کتنی دیر گزر گئی تھی کہ اچانک وہ نیند میں کسمسا اٹھی اسے اپنے رخسار پہ کسی کا لمس محسوس ہوا تھا اور یہی لمس جب اس کے رخسار سے اس کی گردن تک گیا تو وہ یکدم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی اپنے اوپر جھکے زوہیب کو دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں اور دل جیسے بند

ہو گیا تھا۔

"آپ... ؟" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"خوش قسمتی سے میں ہی ہوں..." وہ خباثت سے مسکرا رہا تھا۔

"لیکن وہ... وہ دروازہ..." گل نین کو دروازے کا خیال آیا تھا اور زوہیب اس کے خیال پہ ہنسنے لگا۔

"تمہارے جیسی دولت گھر میں پڑی ہو تو چور دروازے خود بخود نکل آتے ہیں۔ بہت عرصے سے یہ ڈپلی کیٹ چابی ساتھ لیے پھر رہا تھا کہ شاید کبھی کام آجائے اور دیکھو آج کام آہی گئی..." اس نے کی چین میں جھولتی چابی کو بے ساختہ چوم لیا تھا...

"آپ... کب آئے؟" اس کے الفاظ بے ربط ہو رہے تھے۔

"بہت دیر سے آیا ہوا ہوں اور تمہارے جاگنے کا انتظار کر رہا ہوں پھر سوچا کہ تمہیں جگا ہی لوں اور ابھی جگا ہی رہا تھا کہ تم خود جاگ گئیں..." زوہیب ذو معنی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا اور گل نین کچھ اور سوچ رہی تھی اسے اپنے بچنے کی بس ایک واحد امید نظر آئی تھی جس کے لیے فون کال ضروری تھی اسے فون کے لیے ٹائم نکالنا تھا...

"مم... میں آپ کے لیے کھانا گرم کرتی ہوں' آپ شاور لے کر آجائیں' میں تب تک کھانا لگا دیتی ہوں..." اس کے دماغ نے تیزی سے کام کیا تھا۔

"ہوں! یہ بھی اچھی بات ہے' بھوک تو واقعی لگ رہی ہے' اوکے تم کھانا لگاؤ' میں آرہا ہوں..." زوہیب پتا نہیں کہاں کہاں سے آوارہ گردی کر کے آیا تھا اسے واقعی بھوک لگی ہوئی تھی گل نین کا آئیڈیا پسند آیا تھا اسی لیے اسے کہہ کر خود اوپر چلا گیا اور گل نین لپک کر فون سیٹ کے پاس آگئی اس کی انگلیوں نے تیزی سے نمبر ڈائل کیا تھا دوسری طرف بیل جا رہی تھی۔

"ہیلو حشم خان اسپیکنگ...!" اس نے دوبارہ پوچھا۔

"گل نین بات کر رہی ہوں صاحب..."

"او اچھا... کیا حال ہے؟"

"صاحب آپ میرا حال مت پوچھیں بلکہ میرا..." وہ بھرائی ہوئی آواز میں بول رہی تھی جب درمیان سے لائن کاٹ دی گئی اور ریسیور بھی جھٹکے سے چھین لیا گیا تھا اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی...

"مجھے چکما دے رہی ہو سالی..." زوہیب نے اسے بالوں سے دبوچ کر اپنے سامنے کر لیا تھا...

"چھوڑو مجھے..." وہ یکدم غرائی تھی...

"آج چھوڑنے کی بات نہ کرو' آج تو تم پلیٹ میں سجی سجائی ملی ہو' آج رخصتی کی مایوں کی رسم ہوگی اور تمہاری سہاگ رات..." زوہیب اسے اپنے کمرے کی طرف گھسیٹ رہا تھا...

"ذلیل' کمینے چھوڑو میرا بازو' میں تم پہ تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی..." وہ زوہیب پہ جھپٹ پڑی اور اسی ہاتھا پائی میں سیڑھیوں کے قریب کارنر اسٹینڈ پہ رکھے کئی ڈیکوریشن پیس ایک چھناکے سے زمین بوس ہو کر چکنا چور ہو گئے تھے...

"تم مجھے پسند کرو نہ کرو' میں تو تمہیں پسند کرتا ہوں نا جان من... آج میرا دل تو صرف تمہاری خوشبو سے ہی مہکے گا..." وہ اسے کھینچ رہا تھا...

"ہرگز نہیں... میں مر جاؤں گی لیکن تمہاری گندی اور گھناؤنی خواہشات پوری نہیں ہونے دوں گی چھوڑو مجھے..." وہ یکدم ہاتھ چھڑا کے بھاگی...

"آہ...! زمین پہ بکھرے کانچ کا نوکیلا ٹکڑا اس کے پاؤں میں پیوست ہو گیا تھا اور وہ کراہ اٹھی تھی...

"مجھ سے بچ کے بھاگو گی تو تمہیں ہر راستے پر ایسے ہی کانچ ملیں گے..." زوہیب نے نیچے جھک کے اس کے پیر سے کانچ اک جھٹکے سے نکال کر پھینک دیا تھا اور ساتھ ہی خون کی سرخ دھاریں فرش کو لال کرنے لگیں۔

"آؤ تمہارے مرہم لگا دوں..." وہ اس کی تکلیف کی پروا کیے بغیر اسے کھینچتا ہوا اوپر لے گیا اور فرش پہ خون سے گل نین کے پیروں کے نشان بنتے چلے گئے تھے دوپٹہ سیڑھیوں پہ گرا ہوا تھا...

اس نے لا کر گل نین کو بیڈ پہ دھکیل دیا تھا وہ یکدم پاگل ہو اٹھی تھی اس نے چیخ چیخ کر پورا گھر سر پہ اٹھا لیا تھا لیکن زوہیب چوکیدار اور دوسری ملازم کو چھٹی پہ بھیج آیا تھا اسی لیے مطمئن تھا۔۔۔ گل نین نے اسے لیمپ اٹھا کر مارنے کی کوشش کی لیکن وہ بھیڑیا ہر بار بچ گیا۔۔۔ گل نین نے اس کے شکنجے سے نکلنے کے لیے ہزاروں جتن کر ڈالے تھے لیکن اس کا شیطانی پنجہ بہت مضبوط تھا۔۔۔

"بابا۔۔۔!" اس کی چیخ بہت بلند اور دردناک تھی زوہیب اس کے قریب جھک آیا تھا۔۔۔

"حیشم۔۔۔!" آج دوسری بار وہ تڑپ کے پکاری تھی لیکن حیشم خان دوسری بار بھی اس کے درد سے انجان ہی رہا تھا۔۔۔

"آج پھر حیشم۔۔۔؟" زوہیب نے اس کا چہرہ جبڑے سے پکڑ کر سختی سے اپنے سامنے کیا تھا۔

"ذلیل، کمینے اور کس کو پکاروں؟" گل نین نے اسے نوچ کھسوٹ ڈالا تھا۔

"مجھے پکارو، صرف مجھے، میرا نام لو۔۔۔" وہ خباثت سے ہنسا تھا وہ اسے دھکا دے کر بھاگی لیکن زوہیب نے اسے دروازے سے ہی واپس کھینچ لیا تھا وہ روئی، تڑپی، بھاگی لیکن اپنا بچاؤ نہ کر سکی۔۔۔ اس کی چیخ و پکار دم توڑ گئی تھی۔۔۔ شیطان اس پہ تسلط جما چکا تھا چند لمحوں میں زمین پھٹی نہ آسمان ٹوٹا اور نہ ہی کوئی قیامت آئی لیکن خان بابا کی گل نین دن دہاڑے لٹ گئی اس کے پاؤں سے خون لگاتار بہہ رہا تھا لیکن اس بھیڑیے کو کچھ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا سوائے اپنے ہوس زدہ نفس کے۔۔۔ اور اس کی ہوس کی بھینٹ چڑھنے والی بے حس و حرکت ہو چکی تھی۔۔۔ اس کا خیال رکھنے کے دعوے دار دونوں بہن بھائی نجانے کہاں تھے۔۔۔؟

"حیشم۔۔۔!" اس کے لبوں سے سسکی نکلی تھی اور پھر وہ بے دم ہو کر اک سائیڈ پہ لڑھک گئی۔۔۔!

☆ ☆ ☆

"منیب۔۔۔ منیب۔۔۔!" بختاور اتنے سارے لوگوں میں منیب کو ڈھونڈتی ہوئی باہر لان میں نکل آئی تھی۔۔۔

"منیب۔۔۔!" اس نے منیب کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔۔۔

"کیا بات ہے؟ اتنی پریشان کیوں ہو؟" منیب اس کی پریشان صورت دیکھ کر متفکر ہوا تھا۔

"وہ میں کب سے گھر کے نمبر پہ کال کر رہی ہوں لیکن گل نین کال ریسیو نہیں کر رہی۔۔۔"

"تو اس میں اتنا پریشان ہونے والی کیا بات ہے؟ وہ سو گئی ہو گی۔۔۔"

"نہیں منیب وہ عشاء کی نماز پڑھے بغیر نہیں سوتی اور ابھی تو عشاء کی اذان بھی نہیں ہوئی۔" بختاور کا دل اندر ہی اندر ہول رہا تھا۔۔۔

"دوبارہ ٹرائی کر کے دیکھ لو۔۔۔"

"میں کئی بار ٹرائی کر چکی ہوں پلیز آپ میرے ساتھ واپس گھر چلیں۔۔۔" بختاور نے اس کا بازو کھینچا۔۔۔

"پاگل ہو گئی ہو؟ تھوڑی دیر بعد مایوں کی رسم شروع ہونے والی ہے، مہمان آ رہے ہیں۔۔۔" منیب نے اسے ٹوک دیا تھا۔۔۔

"منیب آپ میری بات سمجھ نہیں رہے، میں نے چوکیدار کے نمبر پہ فون کیا ہے، وہ کہتا ہے زوہیب صاحب نے اسے چھٹی دے کر گھر بھیج دیا تھا وہ اس وقت اپنے گھر میں ہے۔۔۔" بختاور نے منیب کو جن نظروں سے دیکھتے ہوئے بات سمجھائی منیب بھی ٹھٹک گیا تھا۔۔۔

"زوہیب گھر آیا ہوا ہے؟" وہ زیر لب دہرا کے بولا۔۔۔

"منیب! گل نین اکیلی ہے گھر پہ، پلیز میرے ساتھ چلیں۔۔۔" بختاور کی آواز بھرا گئی تھی انجانے خدشے دل کو ہولا رہے تھے۔۔۔

"چلو۔۔۔" منیب بھی زوہیب کی اوباش فطرت کو خوب سمجھتا تھا اسی لیے گل نین کا خیال آتے ہی چل پڑا۔۔۔

"خالہ جان بچوں کا دھیان رکھیے گا، ہم تھوڑی دیر تک آ جائیں گے، کسی کام سے جا رہے ہیں۔۔۔" بختاور خالہ جان کو عجلت میں بتا کر باہر نکل آئی تھی۔۔۔ ان کی گاڑی گیٹ سے نکل رہی تھی جب حیشم کی گاڑی قریب آ کر رکی۔۔۔

"بختاور کہاں جا رہی ہو؟" لائبہ نے اونچی آواز سے پوچھا لیکن اس وقت بختاور کو کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا وہ لائبہ پہ محض ایک تلخ نگاہ ڈال کر رہ گئی اور منیب نے گاڑی آگے بڑھا دی۔۔۔ لائبہ نے حیشم کو دیکھا وہ پہلے ہی لاتعلق بنا بیٹھا تھا۔۔۔

☆ ☆ ☆

"گل نین۔۔۔!" بختاور نے گھر میں داخل ہوتے ہی گل نین کو پکارا تھا لیکن سیڑھیوں کے سامنے والے فرش پہ بکھرے کانچ کے ٹکڑے اور خون کے نشان دیکھ کر اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا منیب کے قدم بھی اپنی جگہ پہ جم سے گئے تھے اور یہی سرخ خون سے نقش پیروں کے نشان سیڑھیوں کے اوپر تک جا رہے تھے۔

"گل نین۔۔۔" بختاور کے قدم لڑکھڑا گئے تھے۔۔۔

"سنبھل کے۔۔۔" منیب نے اسے سہارا دیا لیکن جس کو سہارے کی ضرورت تھی اس کو ابھی تک کسی نے بھی سہارا نہیں دیا تھا۔۔۔

"ہائے میری گل نین۔۔۔" بختاور نے سینہ پیٹ ڈالا تھا۔

"بختاور حوصلے سے کام لو، اسے دیکھو تو سہی وہ ہے کہاں؟"

"کیا ابھی بھی دیکھنے کی ضرورت ہے کہ وہ کہاں ہے؟ کیا آپ کو نظر نہیں آ رہا کہ وہ کہاں ہے؟" بختاور کا دل پھٹ گیا تھا وہ یکدم چیخ اٹھی تھی۔۔۔

"بختاور۔۔۔!"

"بھاڑ میں گئی بختاور۔۔۔" وہ منیب کا ہاتھ جھٹک کر دکھ سے کہتی ہوئی بھاگتی ہوئی اوپر آ گئی اس کے پیروں کے نشان زوہیب کے کمرے تک جا رہے تھے بختاور نے دروازہ دھکیلا اور دروازہ کھلتا چلا گیا تھا اندر کا حال باہر سے ہی نظر آ رہا تھا بختاور کے قدم لڑکھڑا رہے تھے لیکن کیا کرتی تباہ شدہ عمارت کا ملبہ بھی تو اٹھانا تھا۔۔۔

اس نے قریب آ کر گل نین کو حال دیکھا تو منہ سے دبی دبی چیخ نکل گئی تھی اس خبیث، حرام خور نے اسے بری طرح روندا تھا، بری طرح مجروح کیا تھا، برباد کر دیا تھا اسے۔۔۔ بختاور اس کے اوپر جھکی اور اسے بانہوں میں بھینچ کر تڑپ تڑپ کے رو پڑی تھی۔۔۔ وہ بے ہوش پڑی گل نین کو گلے لگائے دھاڑیں مار رہی تھی، بین کر رہی تھی اور منیب اسے سنبھال رہا تھا۔۔۔

"بختاور سنبھالو اپنے آپ کو، گل نین کو اس وقت ٹریٹ منٹ کی ضرورت ہے۔۔۔" منیب نے سمجھ داری سے کام لیا اور بختاور کے ساتھ مل کر اسے اسپتال لے گیا تھا وہ مسلسل زوہیب کے نمبر پہ فون کر رہا تھا لیکن اس کا نمبر آف تھا وہ یقیناً فرار ہو چکا تھا۔۔۔!

☆ ☆ ☆

صبح کے قریب اسے ہوش آیا تھا اس نے بوجھل آنکھیں کھول کر دیکھا بختاور بیڈ پہ اس کے قریب اس کا ہاتھ پکڑے بیٹھی تھی اور بختاور کے آنسو رخساروں پہ بہہ رہے تھے گل نین کی بے حس و حرکت نظریں بختاور کے چہرے پہ ٹھہری ہوئی تھیں بے تاثر اور سپاٹ۔۔۔!

"گل نین! میری گڑیا مجھے معاف کر دو، میں تمہاری مجرم ہوں، میری وجہ سے یہ سب ہوا ہے۔۔۔ میں تمہیں اکیلے چھوڑ کر جاتی، نہ یہ سب ہوتا۔۔۔" بختاور اس کے ہاتھ تھامے رو پڑی تھی۔۔۔

"میں نے تمہیں اپنے گھر لا کر بہت بڑی غلطی کی تھی، تم حیشم بھائی کے گھر رہتیں تو یہ سب تو نہ ہوتا، تمہاری عزت تو محفوظ رہتی، چاہے لائبہ بھابھی کچھ بھی کہتی رہتیں۔۔۔" بختاور ہچکیوں سے رو رہی تھی اور گل نین ساکت سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"کچھ بولو نا گل نین۔۔۔ خدا کے لیے کچھ تو کہو۔۔۔" بختاور نے اسے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

”یہ کیا کررہی ہیں آپ۔۔۔؟“ نرس اندر داخل ہوئی تو بختاور کی حرکت دیکھ کر سختی سے بولی تھی۔

”یہ۔۔۔یہ مجھ سے۔۔۔بات کیوں نہیں کررہی؟“ بختاور کی اپنی حالت غیر ہورہی تھی وہ رات سے مسلسل اس کے سرہانے بیٹھی رورہی تھی اور اب اسے گل نین کی چپ مار رہی تھی۔۔۔

”ابھی وہ ریلیکس نہیں ہیں‘ ابھی تو ہوش میں آئی ہیں‘ تھوڑی دیر صبر کیجیے وہ بات بھی کرلیں گی۔۔۔“ نرس نے اسے تسلی دی اور گل نین کا بی پی چیک کرنے لگی پھر اسے ایک انجکشن دے کر چلی گئی۔۔۔دوپہر بارہ بجے کے قریب ڈاکٹر نے اسے ڈسچارج کردیا تھا۔۔۔

”میں گاڑی نکالتا ہوں‘ تم اسے ساتھ لے کر پارکنگ تک آجاؤ۔۔۔“ منیب کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔۔۔

”چلو گل نین‘ گھر چلو۔۔۔“ بختاور نے اس کا دوپٹہ درست کرتے ہوئے کہا۔۔۔

”گھر۔۔۔؟“ گل نین نے پتھرائی ہوئی سپاٹ نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

”کیا اب کسی تیسرے گھر جانا ہوگا مجھے۔۔۔؟“ دو گھروں سے تو بہت فیض پالیا میں نے۔۔۔؟اس کا سوال بختاور کا کلیجہ چیر گیا تھا وہ تڑپ گئی تھی۔۔۔

”ایسا نہ کہو‘ میری گڑیا میرا دل پھٹ رہا ہے۔۔۔“ اس نے گل نین کی پیشانی چوم لی۔۔۔

”آپ مجھے اتنا بتادیں اب میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟“ لب ولہجہ اور انداز اب بھی سپاٹ ہی تھے۔۔۔

”میں۔۔۔میں تمہیں واپس حیشم بھائی کے گھر چھوڑنے جارہی ہوں‘ ایم سوری میں۔۔۔میں تمہاری حفاظت نہیں کرسکی‘ تم ان کی ذمہ داری ہو وہ اپنی ذمہ داری سنبھال لیں گے‘ انہوں نے تمہیں دانش سے بچالیا تھا وہ تمہیں زوہیب سے بھی بچاسکتے تھے اگر تم ان کے پاس ہوتیں‘ بس میں ہی کچھ نہ کرسکی۔۔۔“ بختاور نے نجانے کیا کیا کہہ رہی تھی لیکن گل نین کے ذہن میں یہی بات گردش کررہی تھی کہ وہ اسے واپس چھوڑنے جارہی ہے‘ اس دیوتا کے پاس جس کی گل نین نے پچھلے کئی برسوں سے پوجا کی تھی دل ہی دل میں چاہتوں کے ہزاروں دیپ جلائے اور خود ہی بجھا دیے لیکن کبھی کسی کو اس دیے کی لو نہیں لگنے دی تھی اب بختاور اسے اسی کے پاس لے کر جارہی تھی وہ پہلے ہی اس پہ نظر نہیں ڈالتا تھا اب تو وہ تھی ہی داغ دار داسی اور وہ دیوتا داغ دار داسی کو بھلا کیسے قبول کرسکتا تھا۔۔۔؟

گل نین بختاور کو انکار بھی نہیں کرسکتی تھی اور نہ ہی کوئی ضد کرسکتی تھی ایک بار پھر اپنا لاشہ اپنے کندھوں پہ اٹھائے‘ جس طرف کو کہا گیا اسی طرف چل دی۔۔۔!

”دیکھو گل نین خدا کے لیے اس بات کو میری خود غرضی مت سمجھنا لیکن اس میں ہم سب کا فائدہ ہی ہے کہ حیشم بھائی کو پتا نہ چلے کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے؟ ورنہ وہ زوہیب کو قتل کرکے خود پھانسی چڑھ جائیں گے پلیز گل نین بہت نقصان ہوگا۔۔۔“ بختاور اس کے سامنے ہاتھ جوڑ رہی تھی۔

”گویا دیوتا کو پتا نہ چلے کہ داسی داغ دار ہے‘ چھپایا جائے۔۔۔“ اس نے تلخی سے سوچا اور سر جھٹک دیا۔۔۔

”خیر اسے تو یہ بھی نہیں پتا کہ اس کی ایک داسی بھی ہے‘ جس نے اسے دیوتا بنا رکھا ہے‘ اگر پتا ہوتا تو شاید یوں در در بھٹکنے کے لیے تو نہ چھوڑتا۔۔۔؟“ وہ بختاور کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی۔۔۔

☼ ☼ ☼

”یہ پھر واپس آگئی۔۔۔؟“ لائبہ بختاور کے ساتھ گل نین کو ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے دیکھ کر بدک گئی تھی۔۔۔

”لائبہ۔۔۔!“ حیشم نے سختی سے کہتے ہوئے اسے گھورا تھا۔۔۔

”تو ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں‘ یہ دوبارہ واپس کیوں آئی۔۔۔؟“

”بھابھی پلیز! اپنا دل نرم رکھیں‘ دل کو پتھر نہ بنائیں‘ ورنہ یہی پتھر آپ کی زندگی کے آئینے میں دراڑ ڈال دے گا۔۔۔“ بختاور بمشکل ضبط کرتے ہوئے بولی تھی۔

”اوہ! تو اب تم مجھے بددعائیں دینے لگی ہو؟“ لائبہ کا ری ایکٹ خالصتاً ”جاہل عورتوں“ جیسا تھا۔۔۔

”میں آپ کو یہ بتارہی ہوں کہ پلیز کسی دکھے دل کی بددعا سے ڈریں۔۔۔“

”ہونہہ! دکھا دل‘ وہ بھی اس کا جو دوسروں کے دل دکھاتی پھر رہی ہے؟“

”لائبہ اپنی زبان بند رکھو ورنہ میرا ہاتھ اٹھ جائے گا۔۔۔“ حیشم اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا تھا اور لائبہ ”ہونہہ“ کرکے پھنکارتی ہوئی ایک سلگتی سی نظر لائبہ پہ ڈال کر وہاں سے ہٹ گئی تھی۔۔۔

”جاؤ گل نین تم اپنے کمرے میں جاؤ۔۔۔“ بختاور نے گل نین کو مخاطب کرتے ہوئے اپنے لہجے کو نارمل رکھا کہ کہیں حیشم کھٹک نہ جائے۔۔۔گل نین نے ان دونوں بہن بھائی پہ ایک نظر ڈالی تھی‘ فقط اک نظر اور پھر وہاں سے ہٹ گئی تھی لیکن اس اک نظر کا تیر دونوں کے دل میں پیوست ہوگیا تھا۔۔۔

”کیا بات ہے بختاور‘ گل نین ٹھیک تو ہے؟“ حیشم کی چھٹی حس اسے چونکا رہی تھی۔

”ج۔۔۔جی۔۔۔وہ دراصل اسے بخار تھا اس لیے اسے یہاں لے آئی ہوں‘ زیادہ پریشانی کی بات نہیں ہے ٹھیک ہوجائے گی۔۔۔“ بختاور نے بمشکل خود کو کمپوز کیا تھا۔

”تم لوگ کل شام کو مایوں کی رسم میں کہاں چلے گئے تھے کیا بات تھی۔۔۔؟“

”وہ بس ایک ضروری کام نمٹانے چلے گئے تھے۔۔۔“

”رات بھر کام نمٹاتے رہے تم لوگ؟ کوئی پریشانی والی بات ہے تو بتاؤ مجھے؟“ حیشم کھوج رہا تھا۔۔۔

”نن۔۔۔نہیں ایسی کوئی بات نہیں‘ میں چلتی ہوں اب‘ آپ گل نین کا خیال رکھیے گا اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔۔۔“ بختاور کہہ کر واپسی کے لیے پلٹی۔۔۔

”اتنی جلدی؟“

”جی وہ باہر منیب میرا انتظار کررہے ہیں‘ ہم نے شادی میں بھی جانا ہے‘ او کے اللہ حافظ۔۔۔“ بختاور جلدی جلدی کہہ کر باہر نکل گئی کہ مبادا وہ اپنا دکھ حیشم کے سامنے رونے ہی نہ بیٹھ جائے اور حیشم حیران پریشان سوچتا رہ گیا کہ آخر یہ سارا چکر کیا ہے؟ منیب یہاں تک آکر بھی اندر نہیں آیا‘ بختاور‘ گل نین کو عجیب مشکوک سی حالت میں چھوڑ کر واپس پلٹ گئی‘ گل نین خاموشی سے روبوٹ کی طرح اندر چلی گئی آخر کیا ہوا تھا ان لوگوں کے درمیان کہ وہ بغیر اطلاع کے اسے چھوڑنے آگئے۔۔۔؟ وہ کتنی دیر وہیں کھڑا سوچتا رہا اور جب رہ نہ سکا تو گل نین کے کمرے میں چلا آیا۔۔۔ آج پہلی بار وہ اس کے کمرے میں داخل ہوا تھا لیکن بہت ساری الجھن اور بہت سارے سوال لے کر۔۔۔!

☼ ☼ ☼

گل نین زیادہ دیر اس کے سوالوں سے بچ نہ سکی پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ اس کے دیوتا نے اس داسی پہ غور کیا تھا‘ اس کے دکھ‘ اس کی پریشانی کو سمجھا تھا اسی لیے اس سے پوچھنے اس کے پیچھے ہی چلا آیا تھا اور آج جب وہ پوچھ ہی رہا تھا تو وہ کیوں نہ بتاتی؟ اسے بختاور کی ہر منت سماجت بھول گئی تھی وہ مزید ضبط نہ کرسکی اور اس کے قدموں میں گر کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔۔۔حیشم ابھی تک اسے پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔۔۔

”گل نین!“ اس نے نیچے جھکتے ہوئے گل نین کو دونوں کندھوں سے تھام کے اپنے سامنے کھڑا کرلیا تھا لیکن اس کا دوپٹہ نیچے فرش پہ ہی پڑا رہ گیا وہ اس کے سامنے بغیر دوپٹے کے کھڑی تھی اور حیشم کی نظریں پتھرا گئی تھیں اس کا جسم بے حد داغ دار ہورہا تھا گردن پہ اور گردن سے نیچے تک زخموں اور خراشوں کے سرخ نشان تھے ویسے ہی دو تین نشان اس کے بائیں رخسار پہ بھی تھے اس کی مجروح حالت بہت کچھ کہہ رہی تھی حیشم کے ہاتھوں کی گرفت کمزور پڑ گئی۔۔۔

"یہ۔۔۔ یہ سب کیا۔۔۔ کیا ہوا ہے گل نین۔۔۔؟"
دیو تا' داسی سے حال پوچھ رہا تھا۔۔۔
"آپ کو نظر نہیں آرہا کہ کیا ہوا ہے؟ کیا ابھی بھی یہ بتانے کی گنجائش ہے کہ "خان بابا" کی برسوں کی کمائی (عزت) چند لمحوں میں لٹ گئی؟ حیشم خان! تمہیں نظر نہیں آرہا کہ خان بابا کی گل نین لٹ گئی؟ برباد ہو گئی' لاوارث عمارت پہ ڈاکہ پڑ گیا۔۔۔؟" اس نے حیشم خان کا گریبان پکڑ لیا تھا اور اسے جھنجھوڑتے ہوئے چیخ چیخ کے بتا رہی تھی۔۔۔
"حیشم خان' جاؤ بتاؤ لائبہ بی بی کو لٹ گئی گل نین' گل نین ایک کھلا برتن تھی اور آوارہ کتا اس برتن میں منہ مار گیا' پلید کر گیا' اب یہ برتن ناپاک ہے' پھینک دو اسے' توڑ دو' گھر میں مت رکھو' پلید ہے۔۔۔" وہ چیخ چیخ کر نڈھال ہو گئی تھی اور نڈھال تو حیشم خان بھی ہو گیا تھا خان بابا کے سامنے کندھے ہی نہیں نظریں بھی جھک گئی تھیں وہ روز قیامت ان کے سامنے جاتا تو کس منہ سے جاتا؟ انہوں نے اپنی ایک بیٹی کی ذمہ داری سونپی تھی اسے اور وہ بھی نہ نبھا سکا' اس کی عزت کی حفاظت بھی نہ کر سکا۔۔۔؟ اس عزت کی حفاظت جس کے لیے خان بابا ذرا دیر کے لیے گھر سے باہر نکلتے تو اکثر کام ادھورا چھوڑ کر واپس بھاگ آتے تھے کہ ان کی گل نین گھر پہ اکیلی ہے۔۔۔ اور آج وہ اکیلی سب کچھ لٹا آئی تھی۔۔۔!
"بتاؤ حیشم خان' اب مجھے کس کے گھر بھیجنا ہے تم نے؟" اس نے حیشم کے گریبان کو جھٹکا دیا تھا اس کی آنکھیں لہو پکار رہی تھیں۔۔۔
"اگر مجھے اس طرح برباد کرنا تھا تو' مجھے واپس بھیج دیتے' میں اکیلی رہ لیتی' تم سے زیادہ میری حفاظت تو قادر خان کر سکتا تھا۔۔۔" وہ اذیت ناک کیفیت سے گزر رہی تھی اسی لیے برداشت کرنا مشکل ہو گیا تھا اک عمر صبر کیا تھا' برداشت کیا تھا اور خود پہ بھی کیا تھا کبھی دل کی حالت کو زبان نہیں دی تھی صرف اس لیے کہ اس کا گھر آباد رہے اور وہ خوش رہے۔۔۔!
"میرا انتظار کرو گل نین۔۔۔" وہ کہہ کر اپنا گریبان چھڑا کر کمرے سے نکل گیا تھا اور گل نین وہیں ڈھے سی گئی تھی۔۔۔!

☼ ☼ ☼

ٹھیک ایک گھنٹے بعد حیشم خان گھر میں داخل ہوا تو اس کے ساتھ چار اور آدمی تھے جنہیں وہ لے کر سیدھا ڈرائنگ روم میں آیا تھا۔۔۔
"بیٹھیے مولوی صاحب! آپ بھی تشریف رکھیے' میں ابھی آتا ہوں۔۔۔" وہ ان کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر باہر نکل آیا تھا۔۔۔
"حمیدہ! ڈرائنگ روم میں چائے سرو کرو۔۔۔" وہ کچن کی طرف جاتی حمیدہ کو آرڈر دے کر گل نین کے کمرے میں آیا تھا وہ دروازے کی آہٹ پہ گھٹنوں سے سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔۔۔
"آؤ میرے ساتھ۔۔۔" حیشم نے آگے بڑھ کے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے ساتھ لیے تیزی سے باہر نکل آیا تھا یہاں تک کہ گل نین کو سوال و جواب کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔۔۔ اور وہ اسے سیدھے ڈرائنگ روم میں لے آیا۔۔۔
"بیٹھو۔۔۔" اس نے گل نین کو صوفے پہ بٹھا دیا۔۔۔
"صاحب۔۔۔؟" گل نین مولوی صاحب اور گواہوں کو دیکھ کر چکرا گئی تھی۔۔۔
"نکاح شروع کیجیے مولوی صاحب۔۔۔" حیشم خان نے اشارہ کیا تھا اور ابھی وہ نکاح پڑھ ہی رہے تھے کہ حمیدہ اندر داخل ہوتے ہی اپنی جگہ پہ جم گئی اور ٹرے وہیں ڈال کر لائبہ کے پاس بھاگی تھی۔۔۔
"لائبہ بی بی۔۔۔ لائبہ بی بی غضب ہو گیا' آپ لٹ گئیں' برباد ہو گئیں۔۔۔" حمیدہ اپنے سینے پہ دو ہتھڑ مار رہی تھی لائبہ بشر کو سلا رہی تھی حمیدہ کی آواز پہ ٹھٹک گئی۔۔۔
"ایسی کون سی قیامت آگئی؟"
"قیامت آگئی لائبہ بی بی' وہ۔۔۔ وہ صاحب باہر گل نین کے ساتھ۔۔۔"

"اور کر بھی کیا سکتے ہیں؟ ہونہہ لیکن اب کی بار ایسا گھر سے نکالوں گی کہ پلٹ کر کبھی واپس نہیں آئے گی ذلیل' کمینی۔۔۔" لائبہ دبے لہجے میں غرا رہی تھی۔۔۔
"لائبہ بی بی اب وہ کہیں نہیں جائے گی' آپ باہر نکل کر دیکھیں تو سہی۔۔۔" حمیدہ نے بمشکل کہا۔۔۔
"کیا مطلب ہے تمہارا۔۔۔؟"
"صاحب نکاح کر رہے ہیں اس کے ساتھ۔۔۔" اس نے بم پھوڑ ہی دیا تھا۔۔۔
"کیا۔۔۔؟" لائبہ کا کیا اتنا بلند تھا کہ بشر سوتے سوتے بھی نیند سے اٹھ گیا تھا لائبہ باہر کو بھاگی تھی۔۔۔
"قبول ہے۔۔۔" گل نین کا تیسرا اور آخری "قبول ہے" اس کی سماعتوں سے ٹکرایا تھا اور پھر مبارک باد کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ لائبہ ڈرائنگ روم کے دروازے میں کسی بت کی طرح ایستادہ تھی تھوڑی دیر بعد وہ سبھی مہمان چلے گئے اور لائبہ اندر آگئی۔۔۔
"حیشم! یہ۔۔۔ یہ آپ نے کیا کیا ہے؟" بشر بری طرح رو رہا تھا لیکن لائبہ کو کچھ احساس نہیں تھا۔۔۔
"نکاح کیا ہے میں نے' گل نین کو بیوی کا درجہ دیا ہے' اس گھر کی مالکن بنایا ہے تاکہ وہ آئندہ در در نہ بھٹکے اور کوئی اس پر بری نظر نہ ڈالے' وہ لاوارثوں جیسی زندگی گزار رہی تھی اب میں اس کا وارث بن گیا ہوں' اب میں اس کا شوہر ہوں اور وہ میری بیوی ہے۔۔۔"
حیشم کا لہجہ پتھریلا سا ہو رہا تھا۔۔۔
"اور۔۔۔ میں۔۔۔ میں۔۔۔؟"
"تم بے فکر رہو تمہیں طلاق نہیں دوں گا اور نہ ہی اس گھر سے نکالوں گا کیونکہ تم جیسی عورت کو برداشت کرنا میری مجبوری ہے تم میرے بچوں کی ماں ہو' مجھے بچوں کا بھی تو کچھ سوچنا ہے' ہاں البتہ اگر تم خود یہ گھر اور بچے چھوڑ کر جانا چاہتی ہو تو میں تمہیں روکوں گا نہیں' تم یہاں رہو یا چلی جاؤ اس فیصلے کا اصل اختیار تمہارے پاس محفوظ ہے تم رہنا چاہتی ہو تو رہو' جانا چاہتی ہو تو دروازے کھلے ہیں شوق سے جا سکتی ہو۔۔۔" حیشم نے دروازے کی سمت اشارہ کیا تھا۔
"لیکن اس گھر میں رہنا ہے تو اتنا یاد رکھنا کہ یہاں اب جو کچھ بھی ہو گا وہ گل نین کی مرضی سے ہو گا اس کی مرضی کے خلاف تم اِدھر کی چیز اُدھر بھی نہیں کر سکتیں' کوئی الزام تراشی کی تو اٹھا کر باہر پھینک دوں گا' آج یہ ساری نوبت تمہاری وجہ سے آئی ہے اس لڑکی کی زندگی برباد کرنے کی ذمہ دار تم ہو' تمہاری وجہ سے اس کی عزت تباہ ہو گئی اور آج مجھ پر فرض بنتا تھا کہ میں خان بابا کی عزت کو اپنا نام دو بولوں میں نے دے دیا۔۔۔ اب اس گھر میں جو مقام اس کا ہے وہ شاید تمہارا کبھی نہیں ہو سکتا۔۔۔ تمہارے پاس دس منٹ ہیں سوچ لو یہاں سے جانا ہے یا رہنا ہے؟" وہ گل نین کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ کمرے میں آگیا تھا گل نین خدا کی رضا پہ ساکت و صامت اور حیران پریشان تھی شاید یہ سب اسی طرح قسمت میں لکھا تھا اور باہر کھڑی لائبہ بھی حیران پریشان تھی اپنی کم عقلی کے ہاتھوں مار کھا کر اپنا ہی گھر اجاڑ بیٹھی تھی۔

تسنیم شریف

کہتے ہیں "فرسٹ امپریشن از والاسٹ امپریشن۔" ہو سکتا ہے یہ بات صحیح ہو مگر میرا تجربہ کچھ اور کہتا ہے۔ میں ایک سرکاری اسپتال میں ہیڈ نرس ہوں اس شعبے میں مجھے ستائیس برس گزر چکے ہیں اسپتال میں بھانت بھانت کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے اور ان کے بدلتے ہوئے رویے اس مقولے کی نفی کرتے رہتے ہیں اور جب کوئی نیا کردار اپنا تاثر بدلتا ہے۔ تو یقین جانیے کہ دل پہ وہ چوٹ پڑتی ہے کہ اسے سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔

سلمٰی بھی ایک ایسا ہی کردار تھی۔ میری اس سے پہلی ملاقات دوران سفر ہوئی تھی مجھے اسپتال جانے کی جلدی تھی۔ اس روز سی این جی اسٹیشن بند تھے لہٰذا پبلک ٹرانسپورٹ کی قلت تھی۔ جونہی میری مطلوبہ بس نظر آئی میں تیزی سے اس کی طرف لپکی۔ وہ بھی بس میں میرے ساتھ ہی چڑھی تھی۔ اتفاق سے ہم دونوں کی سیٹیں بھی ایک ساتھ تھیں۔ بیٹھتے ہی اس نے اپنے سامنے کھڑی لڑکی سے کہا۔

"لاؤ پرس مجھے دے دو۔"

"نہیں ٹھیک ہے۔" بچی نے جواب دیا۔

"دے دو۔۔۔ اتنی دیر کھڑی رہو گی تو تھک جاؤ گی۔"

"کچھ نہیں ہوتا۔" لڑکی جھلا کر بولی تو میں نے مسکرا کر سلمٰی کو دیکھا۔

"یہ آپ کی بیٹی ہے؟"

"جی۔" وہ مسکرائی۔

"کہاں جا رہی ہیں؟"

"اس کا پیپر ہے اسے کالج لے جا رہی ہوں اور آپ؟"

"میں اسپتال میں کام کرتی ہوں۔ وہیں جا رہی ہوں۔"

"اچھا" اس نے سر ہلایا۔ اس کے بعد ہمارے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد میرا اسپتال آگیا۔ میں اترنے لگی تو اس نے مجھے خدا حافظ کہا۔ جواباً" میں بھی مسکرا دی۔

☼ ☼ ☼
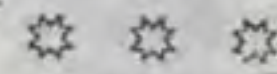
میں اس ملاقات کو تقریباً" بھول ہی گئی تھی جب اچانک میری ملاقات اس سے شادی کی ایک تقریب میں ہوئی۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو پہچان گئے تھے۔ وہ مسکرا کر میرے قریب آگئی۔

"کیسی ہیں؟"

"بالکل ٹھیک، آپ سنائیں۔"

"میں بھی ٹھیک ہوں۔"

"اور آپ کی بیٹی کے پیپر ہو گئے؟"

"پیپرز ہو گئے ہیں بس دعا کریں خدا اسے صحت بھی نصیب کرے۔" وہ رنجور سے لہجے میں بولی تو میں نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ حسین چہرہ، پریشانیوں کی گرد سے اٹا ہوا تھا۔ مجھے اس کی ماں پر بڑا ترس آیا۔

"اسے کیا ہوا؟"

"اسے۔۔۔" اس نے نزدیک پڑی کرسی کھینچی اس پر ڈھے گئی۔ "اسے تھیلیسیمیا ہوا ہے۔"

"اوہ!" میرے لہجے میں تاسف در آیا۔ مجھے واقعی بے حد صدمہ پہنچا تھا۔ وہ اتنی پیاری بچی تھی اور ایسی جان لیوا بیماری۔ میں کچھ بول ہی نہ سکی۔ کچھ دیر ہم دونوں کے درمیان خاموشی طاری رہی۔ اسی اثنا میں کھانا لگ گیا تو میں اسے ٹیبل تک لے آئی مگر اس سے کچھ کھایا ہی نہیں جا رہا تھا۔ اس نے محض سلاد کی پلیٹ میں سے تھوڑا سا کھایا اور ہاتھ کھینچ لیا تو مجھے کہنا پڑا۔

"اگر آپ یونہی بھوکی رہیں گی، اپنا خیال نہیں رکھیں گی تو خود بھی بیمار ہو جائیں گی، پھر اس بچی کو کون سنبھالے گا؟ اس کی خاطر ہی کچھ کھا لیں۔" اتنی دیر میں وہ اپنے آپ کو سنبھال چکی تھی۔

"مجھے ڈاکٹر نے پرہیز بتا رکھا ہے۔"

"آپ کو؟ آپ کو کیا ہوا ہے؟" وہ مجھے کہیں سے بھی بیمار نہیں لگ رہی تھی۔

"میں دل کی مریضہ ہوں۔" اس دفعہ اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"لگتا ہے آپ مجھے حیران کر کے ماریں گی۔" میں نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا تو وہ پھر سے مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ بھی اداسی میں لپٹی ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼
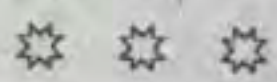
"اماں! آپ نے آج بھی دوا نہیں منگوائی۔" میں نے خالہ ذاکرہ سے پوچھا۔

ان کی بیٹی پچھلے پندرہ دن سے اسپتال میں ایڈمٹ تھی۔ اسے ہیپاٹائٹس سی تھا۔ بیماری خطرناک ضرور تھی مگر قابل علاج تھی۔ کچھ دوائیں حکومت کی جانب سے مریضوں کو فراہم کی جاتی تھیں تو کچھ دوائیں اپنے پلے سے لانا پڑتی تھیں۔ میں خالہ کو اس ضمن میں کئی دفعہ ٹوک چکی تھی مگر نجانے کیوں وہ علاج میں تساہل برت رہی تھیں۔ بروقت علاج نہ ہوتا تو بگڑ بھی سکتا تھا اور آج پانچواں دن تھا، جب انہوں نے اپنی بیٹی کے لیے دوا نہیں منگائی تھی۔ مجھے غصہ آگیا۔

"وہ۔۔۔ میں۔۔۔ میں۔۔۔" ان سے کچھ بولا ہی نہ گیا مگر مجھے اس وقت شدید غصہ آرہا تھا۔ میں ان کے لہجے کی بے بسی محسوس ہی نہ کر سکی اور تن فن کرتی ہوئی چلی گئی۔

مگر رات کو جب میں وارڈ کا چکر لگانے گئی تو نحیف و نزار خالہ ذاکرہ پر مجھے بڑا ترس آیا۔ کڑکتے جاڑے میں وہ کھڑکی کھولے کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھیں۔ یخ بستہ ہوائیں ان کے سفید بال بکھرا رہے تھے مگر انہیں اپنا ہوش ہی نہیں تھا۔ وہ گردوما فیہا سے بے خبر حزن و ملال کی تصویر بنی کسی گہری سوچ میں غرق تھیں۔ میں نے ایک نظر ان کی بیمار بیٹی پر ڈالی۔ اچھی خوبصورت نوجوان لڑکی تھی مگر بیماری کی زردی نے اس کا حسن کملا دیا تھا۔

"اماں۔۔۔" میں نے ہولے سے پکارا تو وہ چونک گئیں۔

"ہاں" مجھے دیکھا تو جھٹ بولیں "میں نے دوائیں منگوالی ہیں۔ کل میرا بیٹا ضرور لے آئے گا۔" میں جانتی تھی کہ وہ جھوٹ کہہ رہی ہیں۔ محض اپنے آپ کو بہلا رہی ہیں۔ دوائیں تو درکنار، وہ تو ایک دفعہ ملنے بھی نہیں آیا تھا۔

"آپ یہاں بیٹھیں۔" میں نے برابر والے خالی بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا تو وہ خاموشی سے میرے ساتھ ہی بیٹھ گئیں۔

"بیٹے سے کب سے ملاقات نہیں ہوئی ہے؟" میں نے آہستگی سے سوال کیا تو ان کے ہونٹ لرز کر رہ گئے۔

میں خاموشی سے منتظر رہی کہ وہ کچھ بولیں۔ میں ان کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی کہ مبادا ان کے آنسو چھلک جائیں۔ چند ثانیوں بعد ان کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"میرے شوہر کے پاس پچیس بھینسیں تھیں۔ چھوٹا سا میرا کنبہ ہے۔ اچھی بسر ہو رہی تھی، پھر بہو آگئی۔"

"بہو آپ کی رشتہ دار ہے؟" میں نے درمیان میں ٹوکا۔ کیونکہ اس سارے عرصے میں میں نے ان کی بہو

کو بھی نہیں دیکھا تھا۔

"نہیں۔" انہوں نے ایک گہری سانس لی۔ "وہ ہماری کچھ نہیں لگتی۔ کسی نے اس کے بارے میں بتایا تھا۔ بن ماں باپ کی بچی تھی بھائیوں کے رحم و کرم پر۔ عمر بھی پکی ہو گئی تھی۔ میں نے ترس کھا کر اپنے بیٹے کی شادی اس سے کر دی۔ مگر اس احسان کا بدلہ اس نے یہ دیا کہ شادی کے تین ماہ بعد ہی الگ ہو گئی۔ میرے آدمی کے مرتے ہی سارا کاروبار بیٹے کے قبضے میں چلا گیا۔ یہ اس کی مہربانی اور احسان ہے کہ روز ایک کلو دودھ دیتا ہے وہ بھی نہ دے تو ہمارا کیا زور...... کیا حق۔"

"جب دودھ دینے آتا ہے تو اسے آپ کی حالت زار نظر نہیں آتی ہے؟"

"خود کہاں آتا ہے۔ میں صبح ساڑھے چار' پانچ بجے سڑک پر جا کر کھڑی ہو جاتی ہوں۔ جب اس کا دودھ کا ٹرک گزرتا ہے تو ڈرائیور مجھے دیکھ کر گاڑی روک دیتا ہے اور اس کے نوکر ایک کلو دودھ دے دیتے ہیں کسی دن دیر ہو جائے تو دودھ سے بھی جاتے ہیں۔ ڈرائیور کوئی ہمارا نوکر تھوڑی ہے کہ انتظار کرے۔ بارش ہو' سردی ہو' دکھ بیماری ہو' کچھ بھی ہو' دودھ لینا ہے تو ٹھیک پانچ بجے سڑک پر کھڑا ہونا ضروری ہے۔ کہنے کو تو میں بڑھیا ہوں مگر سچ کہوں تو اتنے سویرے' سونی سڑک پر مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ رونے لگیں۔

میں ایک بانجھ عورت بچوں کے لیے ترس رہی تھی مگر خالہ بچوں کے ہوتے ہوئے بھی تہی دامن تھیں۔ نہ کوئی غم گسار تھا نہ دلاسا دینے والا۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ انہیں کن لفظوں میں تسلی دوں ان کی ڈھارس بندھاؤں۔ میں ملول دل لیے خاموش بیٹھی رہی۔ شاید ہم دونوں ہی کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼
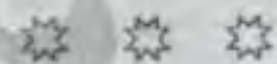
خالہ ذاکرہ کے تیز تیز بولنے کی آواز سن کر میں وارڈ میں گئی تو وہ کسی عورت سے جھگڑا کر رہی تھیں۔ جوان العمر عورت کی پشت میری طرف تھی مگر دونوں کے تلخ لہجے اور جملوں سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ اماں کی بہو تھی بیٹا پھر بھی نہیں آیا تھا۔ بیوی کو رسم دنیا نبھانے کے لیے بھیجا تھا۔ میں خاموشی سے دونوں کا جھگڑا سنتی رہی۔ بالآخر بہو نے اماں کے ہاتھ میں زبردستی ایک نوٹ پکڑایا اور جانے کو مڑی۔

میں دروازے میں کھڑی تھی۔ ہم دونوں کی نگاہیں ملیں تو ہم دونوں ہی سن ہو گئے۔

وہ سلمیٰ تھی۔ وہی سلمیٰ جس کی بیٹی کو خون کی بیماری تھی اور ہر تین ماہ بعد اسے نیا خون لگتا تھا جو زندگی کی رعنائیوں سے بھرپور لطف کشید کرنے کے لیے ایندھن کا کام کرتا تھا۔ گاڑی کی حالت خستہ تھی اور ایندھن کے باوجود جلد ہی اسے کنارے لگ جاتا تھا۔

میرے سامنے وہی سلمیٰ تھی جو خود دل کی مریضہ تھی اور خدا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے سے قاصر مگر پھر بھی...... مگر پھر بھی دولت دنیا کی ہوس اسے حق داروں کا حق دینے میں مانع تھی۔

کاش! اسے احساس ہوتا کہ جس ماں اور بہن کو اس نے فاقے کی دہلیز پر لا پٹخا ہے پرہیز کے نام پر وہ خود بھی ایسے ہی فاقے سے دوچار ہے۔ جسے اس نے دواؤں سے محروم کر رکھا ہے تو اس کی بیٹی دوائیں پا کر بھی صحت مند نہیں۔

کاش! وہ سمجھ سکتی کہ اس کے دامن میں کچھ بھی نہیں سوائے ظلم کے۔ یہ بے مایہ نوٹ جوان کے علاج کا سامان نہ ہو سکے تھے۔ خود اس کے درد کا درماں بھی نہیں تھے۔

مگر شاید وہ یہ سب سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ مجھ سے کترا کر گزر گئی اور میں نے آگے بڑھ کر اس نوٹ کو اٹھا لیا جو اماں نے غصے میں پھینک دیا تھا۔ میری آنکھوں سے دو آنسو نکلے اور اس میلے کچیلے پچاس کے نوٹ میں جذب ہو گئے۔

☼

زمین کے آنسو

نگہت سیما

"آج ہی شام نکاح ؟" احمد رضا کھڑا ہو گیا۔ وہ حیران سا اریب فاطمہ کی ماں کو دیکھ رہا تھا۔

"ہاں! اگر تم اریب فاطمہ سے شادی پر راضی ہو تو آج ہی شام ــــ بڑی مسجد کے مولوی صاحب کی بیوی میری بڑی بہنوں جیسی ہے۔ جب میں بیاہ کر یہاں آئی تھی۔ تب سے انہوں نے مجھے بڑی بہن والا مان دیا ہے۔ بھائیوں کے آنے سے پہلے ــــ بولو راضی ہو تم ؟"

احمد رضا ششدر سا کھڑا تھا۔

"اور ــــ اریب فاطمہ ؟" کچھ دیر بعد اس کے لبوں سے نکلا "کیا وہ اس طرح اس نکاح پر راضی ہو جائے گی ؟"

"اسے ماننا ہی ہو گا۔" ان کی آواز دھیمی تھی۔ ورنہ وہ اپنی منوالیں گے۔

میں نے اریب فاطمہ کے معاملے میں ہمیشہ اپنی منوائی ہے۔ لیکن اس بار نہیں منوا سکی ــــ وہ تینوں اسفند، عظمت اور ان کے ابا تینوں نے ــــ"

انہوں نے سر اٹھا کر احمد رضا کی طرف دیکھا، جو

مکمل ناول

۱۳ — تیرہویں قسط

ابھی تک کھڑا تھا۔ کچھ دیر پہلے مضبوط نظر آنے والی عورت، دل شکستہ اور کمزور نظر آنے لگی۔ اس کی آنکھیں پرنم تھیں۔

"ان تینوں نے میری ایک نہیں سنی اور شیخ صاحب کو ہاں کہہ دی۔ دولت نے تینوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے۔ نہ اس کی عمر انہیں نظر آئی۔ نہ انہوں نے یہ سوچا کہ وہ اس سرزمین پر اجنبی ہے۔ جانے کس ملک سے آیا ہے اور جانے کب بیٹی کو بھی لے کر چلا جائے ہمیشہ کے لیے۔"

آنسو رخساروں پر ڈھلک آئے۔ احمد رضا چپ کھڑا انہیں روتے دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے اس عورت کے دکھ کو کم کرے ــــ یہ عورت جو اس کے باپ کی سیکنڈ کزن تھی۔ لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے سامنے کھڑا شخص اپنوں میں سے ہی ہے۔ انہوں نے آنسو پونچھتے ہوئے احمد رضا کی طرف دیکھا۔

"اور اریب فاطمہ ــــ کیا وہ مان گئی شیخ سے شادی کو ؟"

اس کی سوئی ابھی تک اریب فاطمہ کی رضامندی، نا رضامندی پر اٹکی ہوئی تھی۔

"نہیں! کہاں مانی ــــ تڑپ رہی ہے تب سے پوری رات نہیں سوئی۔ لیکن اس کی کس نے سنی

ہے۔" وہ ایک بار پھر موڑھے پر بیٹھ گیا۔

"تم؟" انہوں نے بغور اسے دیکھا۔ کیا خوبرو ہے..... شکل سے ہی اعلا خاندان کا لگتا ہے۔

انہوں نے سوچا پھر یکایک چونکیں۔

اس کی شکل بہت جانی پہچانی لگ رہی تھی۔ جیسے انہوں نے پہلے بھی اسے دیکھا ہو۔

"تمہاری شکل دیکھی بھالی لگتی ہے بیٹا! تم احمد رضا کی طرح لگتے ہو۔" ان کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "وہ بھی تمہاری طرح تھا گورا چٹا..... انگریز لگتا تھا بچپن میں۔"

احمد رضا گھبرا گیا۔

"نو دس سال پہلے حسن بھائی سے ملاقات ہوئی تھی۔ تب دیکھا تھا احمد کو۔"

"جی.....!"

احمد رضا سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ بیٹھے یا چلا جائے۔ اریب فاطمہ کی والدہ نے شاید اس کا تذبذب جان لیا۔

"ٹھیک ہے۔ عصر کے بعد آجانا۔ وہ تو رات تک واپس آئیں گے۔"

"وہ اریب فاطمہ....." احمد رضا جھجک گیا۔ "اس کی مرضی بھی....."

"ہاں! اریب..... پوچھ لیتی ہوں اس کی مرضی بھی۔"

"اریب فاطمہ.....!" انہوں نے اریب کو آواز دی۔

تھوڑی دیر بعد وہ کمرے کے دروازے پر نظر آئی۔ اس کے پپوٹے سوجے ہوئے تھے۔ چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے ملگجے سے سوٹ کے ساتھ بڑا سا دوپٹا اوڑھا ہوا تھا۔ وہ ہولے ہولے قدم اٹھاتی ہوئی تخت کے پاس آکھڑی ہوئی۔ اس کی جھکی ہوئی لانبی پلکیں بھیگی ہوئی تھیں۔

"اریب فاطمہ! یہ احمد حسن ہے۔" انہوں نے احمد حسن کی طرف اشارہ کیا۔

اس نے جھکی ہوئی پلکیں اٹھائیں اور پھر جھکالیں۔

"اریب فاطمہ! یہ احمد حسن کہتا ہے کہ شیخ مسلمان نہیں کرسچن ہے اور مذہب کی رو سے تمہارا نکاح جائز نہیں ہے اس سے تو....."

ایک دم اس کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی وہ پوری آنکھیں کھولے احمد حسن اور اماں کو باری باری دیکھنے لگی۔

"تو کیا ابا، عظمت اور اسفند کو یہ بات بتائی ہے آپ نے؟ کیا وہ یہ جاننے کے بعد بھی.....؟"

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"نہیں! وہ تو صبح ہی چلے گئے تھے اور احمد حسن تو ابھی آیا ہے۔"

"تو پھر جب وہ آئیں گے تو آپ انہیں بتا دیجیے گا۔ پھر تو....." اس کے اضطراب میں کمی ہوئی۔

"تمہارے ابا نہیں مانیں گے اریب فاطمہ!" انہوں نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ "شیخ کہے گا، احمد حسن جھوٹ بولتا ہے..... اور وہ صرف شیخ کی بات کا اعتبار کریں گے۔"

اس کی آنکھیں بجھ گئیں اور ان میں نمی تیرنے لگی۔

"میں نے سوچا ہے، تمہارے ابا کے آنے سے پہلے احمد حسن سے تمہارا نکاح کردوں۔ یہ بھی راضی ہے تم سے نکاح کرنے کو..... تم بتاؤ! تم کیا کہتی ہو؟"

اریب فاطمہ نے جھٹکے سے سر اوپر اٹھایا اور احمد حسن کی طرف دیکھا اور اس کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

"نہیں۔"

"کوئی جبر نہیں ہے اریب فاطمہ! یہ آپ کی اماں کی تجویز تھی۔ اگر آپ کو منظور نہیں تو ٹھیک ہے۔"

احمد رضا کو لگا، جیسے وہ ایک دم ہلکا پھلکا سا ہو گیا ہو اور ابھی ابھی جس آزمائش میں اسے ڈال دیا گیا تھا، اس سے بخوبی نکل آیا ہو۔ بات یہ نہیں تھی کہ اریب فاطمہ میں کوئی کمی یا خامی تھی۔ بات یہ تھی کہ رچی اس

نکاح کے بعد اس کے ساتھ کیا کرتا..... وہ نہیں جانتا تھا۔ لیکن اپنی طرف ملتجی نظروں سے دیکھتی اس عورت کے سامنے اس کا سر غیر ارادی طور پر ہل گیا تھا۔ احمد رضا کھڑا ہو گیا۔

"تو تمہیں شیخ عبدالعزیز کے ساتھ شادی منظور ہے؟"

اماں کا چہرہ سپاٹ تھا۔ بالکل بے تاثر۔

"نہیں اماں! پلیز نہیں۔" اریب فاطمہ کے ساکت کھڑے وجود میں جنبش ہوئی وہ تیزی سے آگے بڑھی اور زمین پر دو زانوں بیٹھتے ہوئے دونوں ہاتھ ان کے گھٹنوں پر رکھ دیے۔

"نہیں اماں نہیں..... اللہ کے لیے مجھے بچالیں۔ مجھے کسی سے شادی نہیں کرنا نہ احمد حسن سے نہ شیخ عبدالعزیز سے۔" وہ زار و قطار رو رہی تھی۔

"آپ نے ہمیشہ میرے لیے ابا سے جھگڑا کیا اور اپنی بات منوائی۔" اس نے ان کے گھٹنوں پر سر رکھ دیا۔

"لیکن اس بار ہار گئی۔" ان کا لرزتا ہاتھ اس کے سر پر لحہ بھر کو ٹھہرا تھا۔ "تمہارے ابا نے کہا۔ مجھے یہ رشتہ منظور نہیں ہے تو ٹھیک ہے، وہ مجھے طلاق دے دیں گے اور پھر..... اس عمر میں تمہارے لیے، بچوں کے لیے شرمندگی کا باعث نہیں بننا چاہتی اریب فاطمہ!" ان کے آنسو بھی بہنے لگے۔

"پھر بھی..... پھر بھی اگر مجھے یقین ہوتا کہ طلاق کے بعد میں تمہیں بچالوں گی تو میں تمہاری خاطر یہ داغ بھی برداشت کر لیتی۔ لیکن تمہارے ابا نے کہا..... طلاق کے بعد وہ تمہیں شیخ سے بیاہ دیں گے۔"

"اماں.....!" اریب فاطمہ نے دونوں بازو ان کے گھٹنوں کے گرد لپیٹ لیے اور شدت سے رونے لگی۔

"میں نے اپنے دل پر پتھر رکھ لیا اریب فاطمہ! میں نے سوچا شاید تو خوش رہے اس کے ساتھ۔ اتنی دولت ہے اس کے پاس۔ اتنا امیر ہے وہ۔"

"میں بھلا اس کے ساتھ کیسے خوش رہ سکتی ہوں اماں! اس سفید بندر کے ساتھ۔"

اس نے گھٹنوں سے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔

احمد رضا کے ہونٹوں پر بے اختیار مبہم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"آپ نے دیکھا اماں! اس کی آنکھوں میں کتنی غلاظت ہے۔ اماں! وہ شریف نہیں ہے۔ اچھا نہیں ہے۔"

"ہاں! لیکن یہ احمد حسن....." انہوں نے احمد حسن کی طرف دیکھا۔ "یہ تو اچھا لگا مجھے۔ بھلا مانس ہے۔ اپنے احمد رضا کا دوست ہے۔ اسی جیسا..... میں نے لاہور جاتے ہوئے تمہیں بتایا تھا نا کہ تمہارے رشتے کے ایک ماموں لاہور میں رہتے ہیں۔ حسن رضا نام ہے ان کا۔ کبھی کوئی مسئلہ ہو تو....."

احمد رضا کے ہونٹ بھینچ گئے۔

اریب فاطمہ نے رخ موڑ کر شاکی نظروں سے احمد رضا کو دیکھا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو رہا تھا۔

"یہ تو بڑے بے باک صحافی ہیں اماں! ٹی وی پر پروگرام کرتے تھے۔ سچ بولنے کا دعوا کرتے ہیں۔ ان کا تو پروگرام ہی اقبال کے اس شعر سے شروع ہوتا تھا۔

"میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند"

یہ تو مجرم چہروں کو بے نقاب کرنے کا دعوا کرتے ہیں پھر....."

احمد رضا کا سر جھک گیا۔

"پھر یہ اسے کیوں نہیں بے نقاب کرسکتے؟ کیوں نہیں لوگوں کو بتا دیتے کہ وہ ایسا نہیں ہے۔ جیسا نظر آتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں یہ تسبیح اور یہ لمبا چغہ محض دھوکا ہے۔"

احمد رضا نے جھکا ہوا سر اٹھایا۔ اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ اس نے بولنا چاہا۔ لیکن آواز حلق میں ہی پھنس گئی۔ ایسی بے بسی اس نے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔

"آپ کے متعلق تو اخبار لکھتے ہیں کہ آپ بے خوف انسان ہیں۔ امریکا کو برا بھلا کہتے ہوئے نہیں ڈرتے۔ را، موساد، اور سی آئی اے کے بندوں کے

نقاب اٹھانے سے خوف زدہ نہیں ہوتے۔۔۔ تو اب بتا دیں چک والوں کو کہ یہ شخص ڈھونگ رچائے ہوئے ہے۔"

"صحیح تو کہہ رہی ہے یہ۔ آخر میں رجی طیب خان الوینا کو بے نقاب کیوں نہیں کر سکتا۔ کیوں نہیں بتا سکتا کہ یہ لوگ وہ نہیں ہیں' جو نظر آتے ہیں۔ بہت ہوا تو مار ڈالیں گے مجھے۔۔۔ اور اب میں جی کر کروں گا بھی کیا۔۔۔ نہ اماں نہ ابا۔ بس ایک سمیرا اور وہ بھی جانے کہاں کینیڈا۔"

اسے لگا' جیسے اندر سینے میں کوئی زخم ہو گیا ہو۔ جس سے تیزی سے خون بہہ رہا ہو۔ وہ مردہ قدموں سے سر جھکائے مڑا۔

"نہیں اماں! مجھے کسی سے بھی شادی نہیں کرنی نہ اِس سے نہ اُس سے۔۔۔ میں خود بتا دوں گی ابا کو۔۔۔ خود انکار کر دوں گی۔"

وہ ایک دم اٹھی اور تقریباً" بھاگتی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔ احمد رضا نے واپسی کے لیے قدم اٹھایا۔

"یہ اس قدر وجیہہ شخص' اتنی شاندار پرسنالٹی کا مالک۔۔۔ پھر صحافی ہے۔ پڑھا لکھا بھی بہت ہو گا۔ آخر اس سے شادی کرنے سے کیوں انکار کیا اریب فاطمہ نے؟" اماں نے سوچا۔

"لڑکیاں تو اس کے ساتھ کی تمنا کرتی ہوں گی۔ پھر اریب فاطمہ۔۔۔؟"

احمد رضا نے دوسرا قدم اٹھایا۔

"کیا کوئی اور؟" اماں نے گھبرا کر احمد رضا کی طرف دیکھا۔

"احمد۔۔۔!" انہوں نے بے اختیار آواز دی۔

احمد رضا نے مڑ کر ان کی طرف دیکھا۔

"ابھی وہ شاک میں ہے۔ اسفند اچانک اسے جا کر لے آیا میری بیماری کا کہہ کر مجھے بھی نہیں بتایا کہ اسے لینے جا رہا ہے۔ مجھے پتا چل جاتا کہ وہ اسے لینے جا رہا ہے تو میں کوئی تدارک کر لیتی۔ میں ابھی اس سے پھر بات کرتی ہوں۔ سمجھاتی ہوں سمجھ دار ہے۔ سمجھ جائے گی۔۔۔ شیخ یا تم۔ اس کے پاس اور کوئی چوائس نہیں ہے۔۔۔ وہ تینوں اگر اپنی کرنے پر آجائیں تو پھر کسی کی نہیں سنتے۔"

"میں رات میں آؤں گا انکل سے ملنے اور انہیں شیخ عبدالعزیز کے متعلق سب بتا دوں گا' جو جانتا ہوں۔۔۔ پھر جو ہو' سو ہو۔"

"لیکن اگر انہوں نے تمہاری بات کا یقین نہ کیا۔ تم سے ثبوت مانگا تو؟"

وہ اٹھ کر اس کے قریب آئیں اور اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"یاد رکھنا! چار بجے۔۔۔ فاطمہ مان گئی تو میں شہریار کو بھیجوں گی۔۔۔ تم تیار رہنا۔"

احمد رضا کو لگا' جیسے اس کے کندھے پھر کسی بوجھ تلے دبے جا رہے ہوں۔ وہ بوجھل قدموں سے صحن عبور کرتا ہوا گیٹ سے باہر نکل گیا۔

اریب فاطمہ کے گھر سے اپنی رہائش گاہ تک کا فاصلہ اس نے کیسے طے کیا تھا' اسے خبر نہیں تھی۔ وہ بس سر جھکائے چلتا رہا۔ شاید کچھ لوگوں نے اسے سلام بھی کیا تھا۔ جس کا جواب اس نے سر کے اشارے سے دیا تھا۔ وہ اتنے دنوں سے یہاں تھا اور کئی لوگ اسے شیخ کے آدمی کی حیثیت سے جاننے لگے تھے۔ اپنے کمرے میں آتے ہی وہ بیڈ پر گر گیا۔

یہ اس نے کیا کر دیا۔

آخر کیا ضرورت تھی اسے اریب فاطمہ کے گھر جانے کی۔ اس کی بلا سے' اس کی شادی رجی سے ہوتی یا کسی اور سے۔

"لیکن وہ میرے خاندان کی لڑکی ہے اور اس کی شادی ایک غیر مذہب کے شخص سے ہو۔ ایسی شادی جو میرے مذہب میں جائز نہیں ہے۔ یہ میں کیسے برداشت کر سکتا تھا۔"

اس کے دل نے کمزور سا احتجاج کیا۔

"اور تم۔۔۔ تم نے اپنے خاندان کو کون سی عزت بخش دی ہے؟ بڑا نام کمایا ہے؟" کوئی اس کے اندر

بولا۔

"تمہارے خاندان کے لوگ تو تمہیں مرتد کہتے ہوں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی اور کی نبوت کو تسلیم کرنے والا۔"

"ہاں! مجھ سے غلطی ہوئی۔ میں نے غلطی کی۔ ایک ایسے شخص کا رفیق بنا' جو کذاب تھا' جھوٹا تھا۔ لیکن میں نے۔۔۔"

وہ چیخا تھا۔ لیکن اس کی آواز ہونٹوں سے نہیں نکلی تھی ہاں! آنکھیں نم ہو گئیں۔

"میں گناہ گار ہوں' مجرم ہوں۔۔۔ تو اگر میں نے کسی اور کو مجرم اور گناہ گار بننے سے بچانے کی چاہ کی تو کیا غلط کیا؟"

"غلط نہیں کیا تو پھر پچھتا کیوں رہے ہو؟"

اندر سوال و جواب کا سلسلہ جاری تھا۔

"نہیں! پچھتا تو نہیں رہا۔"

"پھر؟"

"ہو سکتا ہے' رجی مجھے معاف کر دے۔ میں اس سے کہوں گا۔ میں اریب فاطمہ سے محبت کرتا ہوں۔ اس لیے ہم نے چوری چھپے نکاح کر لیا۔ ہاں! یہ بھی تو کیا جا سکتا ہے۔ تو اگر شہریار مجھے بلانے آیا تو میں چلا جاؤں گا۔"

"کیا کسی ایسی لڑکی کے ساتھ زندگی گزاری جا سکتی ہے' جس نے مجبوری کے تحت شادی کی ہو؟ محض سمجھوتا؟" دل پھر بے ایمان ہوا۔

"ہاں! جب مقصد اچھا ہو تو۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔"

وہ جیسے فیصلہ کر کے مطمئن ہوا۔ لیکن کبھی اسے لگتا' اس میں ہمت کا فقدان ہے۔ وہ رجی کی مخالفت نہیں برداشت کر سکتا۔ کبھی اسے لگتا' جیسے اسے کسی کی پروا نہیں ہے۔ کسی کا خوف نہیں ہے۔ حتیٰ کہ موت کا بھی نہیں۔ بس اسے اس لڑکی کو بچانا ہے' جو اس کے باپ کے خاندان کی ہے۔ شاید ایسے کفارہ ادا ہو جائے۔

"یا اللہ! کچھ ایسا ہو جائے کہ اریب فاطمہ بچ

جائے۔" اس نے دعا کی۔ پھر اس کے لب مسلسل دعا کرنے لگے۔ وہ آنکھوں پر بازو رکھے لیٹا تھا' جب رچی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اس نے بازو ہٹا کر اسے دیکھا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں! بس ایسے ہی لیٹ گیا تھا۔"

"میں ابھی اسلام آباد کے لیے روانہ ہو رہا ہوں اور پھر وہاں سے کل شام کی فلائٹ سے نیویارک جانا ہے مجھے۔"

"یوں اچانک... خیریت؟"

"اوپر سے آرڈر آیا ہے۔ اسلام آباد میں طیب خان کے بندوں نے ٹکٹ وغیرہ لے کر سیٹ کنفرم کروادی ہے۔" رچی کھڑے کھڑے ہی بات کر رہا تھا۔

"واپسی کب ہوگی؟"

"شاید دو تین ماہ بعد یا اس سے بھی زیادہ ٹائم لگ جائے۔ طیب خان بتا رہا تھا کہ شاید مجھے کچھ عرصہ کے لیے لیبیا یا مصر جانا پڑے۔"

"اور شادی؟ تمہاری شادی؟"

"ہاں! شادی..." رچی نے سر کھجایا۔

"واپس آکر... تم بتا دینا' اسفند اور عظمت کو کہ مجھے ضروری کام سے جانا پڑ گیا ہے۔ شادی کی تقریب واپسی پر ہوگی۔ میں نے تمہارے علاوہ ابھی کسی اور سے شادی کا ذکر نہیں کیا۔ اس کم بخت رباب کی نظر بھی ہے اس لڑکی پر۔ اسفند اور عظمت کو اچھی طرح سمجھا دینا کہ اب وہ میری منگیتر ہے۔"

"جی! اور میں؟"

"تم..." رچی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے لمحہ بھر سوچا۔ "فی الحال تم یہیں رہو۔ تمہیں کب لاہور جانا ہے' الوینا تمہیں بتادے گی۔ فی الحال تم عربی زبان پر عبور حاصل کرو۔ اوکے! میں چلتا ہوں۔"

"بائے...!" احمد رضا کھڑا ہو گیا اور پھر دروازے کے باہر تک رچی کے ساتھ آیا۔

"تم آرام کرو اور اپنا خیال رکھنا۔ تم نہیں جانتے' تم ہمارے لیے سب قیمتی ہو۔ ہم تمہارے متعلق کچھ اور پلاننگ کر رہے ہیں۔ الوینا تمہیں جلد ہی بتا دے گی۔"

اس نے دو انگلیوں سے احمد رضا کے رخسار کو چھوا اور آگے بڑھ گیا۔ احمد رضا نے دھیان نہیں دیا تھا کہ اس نے کیا کہا ہے۔ اس کے اندر پھلجھڑیاں پھوٹ رہی تھیں۔

احمد رضا وہیں کھڑا اسے وسیع احاطے میں کھڑی گاڑی کی طرف جاتے دیکھتا رہا۔ پھر واپس اپنے کمرے میں آیا تو اس کا جی چاہا' وہ خوشی سے ناچنے لگے۔ اللہ نے اس کی دعا سن لی تھی۔ ابھی آنکھوں پر بازو رکھے وہ یہ ہی دعا تو مانگ رہا تھا کہ خود بخود ایسا کچھ ہو جائے کہ اریب فاطمہ کی جان خود بخود ہی چھوٹ جائے اس سفید بندر سے' اس کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"اور اللہ نے میری دعا سن لی۔"

وہ چونکا۔

"کیا اتنی جلدی بھی کوئی دعا قبول ہوتی ہے۔" اسے حیرت ہوئی۔

"اللہ شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے بیٹا!" دادا جان کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

"اور جب ہم دعائیں مانگتے ہیں تو وہ ہماری دعائیں سنتا ہے۔"

"تو مجھے پہلے کیوں خیال نہیں آیا اور میں نے پہلے دعا کیوں نہیں مانگی' امی ابو اور سمیرا سے ملنے کی...؟ اگر میں مانگتا تو کیا وہ میری دعا قبول نہ کرتا۔ لیکن اب... اب کیا فائدہ۔"

اسے لگا' جیسے اس کے دل کا کوئی کونا ٹوٹ کر گرا ہو اور اندر خون رسنے لگا ہو۔

کچھ دیر نچلے ہونٹ کو دانتوں سے کچلتے ہوئے وہ اس درد کو سہنے کی کوشش کرتا رہا' جو اسے اندر ہی اندر اذیت دے رہا تھا۔ پھر اس نے جھک کر بیڈ کے نیچے سے جوتے نکالے اور جوتے پہن کر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

ایک بار پھر اس کے قدم اسفندیار کے گھر کی طرف اٹھ رہے تھے۔ اس بار اس کے قدموں میں تیزی تھی۔

اور ایک بار پھر وہ برآمدے میں اسی موڑھے پر بیٹھا تھا اور اریب فاطمہ کی اماں تخت پر بیٹھی سن رہی تھیں' جو وہ کہہ رہا تھا۔

"تو اللہ نے آپ کی سن لی۔" بات ختم کر کے اس نے بڑے مطمئن انداز میں ان کی طرف دیکھا۔

"رچی کو دو تین ماہ سے زیادہ بھی لگ سکتے ہیں۔ اس دوران آپ اریب فاطمہ کی مرضی سے کوئی اچھا رشتہ دیکھ کر اس کی شادی کر دیں۔"

"اریب فاطمہ کی مرضی...؟" انہوں نے سوچا اور احمد حسن کی طرف دیکھا۔

پتا نہیں اریب فاطمہ کی مرضی کیا ہے۔ گو اس نے کچھ بتایا نہیں تھا۔ لیکن ان کے دل نے گواہی دی تھی کہ کوئی ہے' جس نے اریب فاطمہ کو یہ جرات دی ہے۔ کوئی ہے' جسے اس کے دل نے چن لیا ہے۔

احمد حسن یہ بھی لاکھوں میں ایک ہے۔ اگر اریب فاطمہ...

"اچھا! میں چلتا ہوں۔" وہ کھڑا ہو گیا۔

"بس یہ ہی بتانے آیا تھا۔ کل کسی وقت آکر اسفند یا عظمت کو رچی کا پیغام دے دوں گا۔"

"جیتے رہو بیٹا! خوش رہو۔" وہ بھی کھڑی ہو گئیں۔ پتا نہیں کیوں' اس کے نقوش جانے پہچانے سے لگتے تھے۔

"آتے رہنا کبھی کبھی۔ جب تک یہاں ہو۔"

"جی...!" اس نے ذرا سا رخ موڑ کر دائیں طرف دیکھا۔ اریب فاطمہ سیاہ چادر اوڑھے دروازے میں کھڑی تھی۔

ایک نظر اس کے روئے روئے' ستے ہوئے چہرے پر ڈال کر وہ تیز تیز چلتا ہوا برآمدے سے نکل کر وسیع صحن عبور کرنے لگا۔ اریب فاطمہ ہولے ہولے چلتی ہوئی اماں کے پاس آگئی۔ انہوں نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"کہاں جا رہی ہو؟"

"زینب آپا کی طرف... مجھے ایک کوشش کرنے دیں۔ ناکام ہو گئی تو بے شک احمد حسن سے میری شادی کر دیجیے گا۔ لیکن آج شام نہیں اماں! ایک دو دن کی مہلت دیں مجھے۔" آنسو اس کے رخساروں پر ڈھلک آئے۔

انہوں نے تڑپ کر اسے گلے لگا لیا۔

"سب ٹھیک ہو گیا ہے اریب فاطمہ! شیخ چلا گیا کسی ضروری کام سے ملک سے باہر۔ اب تین چار ماہ تک آئے گا۔ احمد حسن یہ ہی بتانے آیا تھا۔"

"اماں...!" وہ ان سے لپٹ گئی اور اس کے آنسو اور شدت سے اس کی آنکھوں سے بہنے لگے۔

"بس! اب چپ کر جا۔ مت رو۔"

انہوں نے اسے خود سے الگ کر کے اس کے آنسو پونچھے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر تخت پر اپنے پاس بٹھا دیا۔ پھر اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر اس کی پیشانی چومی۔

"اب بتا فاطمہ! وہ کون ہے؟"

"ایک... ایک فلک شاہ۔" اس کی نظریں جھک گئیں "عمارہ پھپھو کا بیٹا... بابا جان کا نواسا۔"

"عمارہ کا بیٹا... مروہ بھابھی کی بھتیجی کا؟"

اس نے سر ہلا دیا۔

"کیا وہ... میرا مطلب ہے تم دونوں...؟ تم ابھی کم عمر ہو۔ کہیں وہ تمہیں دھوکا تو نہیں دے رہا؟"

"نہیں اماں! وہ مجھے پسند کرتے ہیں... اور عمارہ پھپھو' انجی آپا اور انکل فلک شاہ سب آپ کے پاس آنا چاہتے تھے۔ لیکن میں نے منع کر دیا کہ مجھے ابھی اپنی تعلیم مکمل کرنا ہے۔ اس کے بعد۔"

"تمہارا امتحان کب ہے اریب فاطمہ؟" انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

"تین ماہ بعد ہے۔"

"ٹھیک ہے! میں تمہارے ابا سے کہوں گی۔ یوں بھی شیخ تو چلا گیا ہے تو تم امتحان دے لو۔ لیکن میں نے سوچ لیا ہے۔ تمہارے امتحان کے فوراً بعد تمہاری شادی کر دوں گی۔ تم کہہ دینا ان سے' وہ آجائیں۔ وہ کیا "الریان" میں رہتا ہے؟"

"نہیں اماں! وہ بہاول پور میں رہتے ہیں۔ ابھی

شادی پر آئے تھے اور کبھی لاہور آئیں، تب الریان آتے ہیں بابا جان سے ملنے، تھوڑی دیر کو۔"

انہوں نے سرہلایا۔ اطمینان ہوا تھا انہیں۔

"نہا کر کپڑے بدل لو۔ کیسی حالت ہو رہی ہے تمہاری۔ تمہارے ابا آجائیں تو ہو سکتا ہے، کل ہی تمہیں واپس جانا پڑے۔"

"ٹھیک ہے اماں! نہا کر میں زینب آپا سے مل آؤں۔"

انہوں نے لمحہ بھر سوچا اور پھر اجازت دے دی۔ اریب فاطمہ کمرے میں چلی گئی اور وہ تخت پر بیٹھ کر کسی گہری سوچ میں کھو گئیں۔

☼ ☼ ☼

احمد رضا اریب فاطمہ کے گھر سے نکلا تو غیر ارادی طور پر سینٹر کے دفتر چلا آیا۔ شاید وہ رباب حیدر سے ملنا چاہتا تھا۔ شاید رباب خود ہی ذکر کر دے یا ہو سکتا ہے، رباب اس کے متعلق کچھ بتا دے کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔

رباب حیدر کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا تھا۔

"میں آسکتا ہوں؟" احمد رضا نے دروازے پر رک کر پوچھا۔

اس نے کرسی گھمائی اور احمد رضا کو دیکھ کر مسکرایا۔

"ہاں! آجاؤ۔"

احمد رضا کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا ہو رہا تھا؟"

"کچھ نہیں۔" رباب حیدر نے مڑ کر کمپیوٹر کی اسکرین پر نظر ڈالی۔

"یہ دیکھ رہا تھا۔"

"یہ کیا ہے؟" احمد رضا تھوڑا سا جھکا۔

"یہ کسی نے فیس بک پر تصویریں ڈالی ہیں۔ تم بھی دیکھو۔" رباب حیدر نے اپنی کرسی تھوڑی سی ایک طرف کی۔

احمد رضا نے دیکھا۔

ایک کھلی جگہ پر ایک مکروہ صورت شخص کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے کچھ سیدھے سادے دیہاتی بندوں کی قطار سی بنی ہوئی تھی۔ ایک ایک شخص آگے بڑھتا۔ کرسی کے قریب آتا۔ زمین پر بیٹھتے ہوئے اس کرسی پر بیٹھے شخص کو سجدہ کرتا اور پھر اٹھ کر ایک طرف کھڑا ہو جاتا۔ وہ شخص نخوت سے ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھا تھا۔

"یہ کیا بکواس ہے؟" احمد رضا سیدھا ہوا۔ "اور کون ہے یہ شخص؟"

"مجھے کیا معلوم۔" رباب حیدر نے کندھے اچکائے۔

میں نے ابھی دیکھا یہ سب۔ ٹھہرو! نیچے کچھ کمنٹس بھی لکھے ہیں۔"

"بند کرو۔ پتا نہیں کس مذہب سے متعلق ہیں یہ لوگ۔" احمد رضا کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

"اوکے۔" رباب حیدر نے کمپیوٹر آف کیا۔

"یہ ہمارے ہی ملک کے لوگ ہیں میری جان! ان کا لباس نہیں دیکھا تم نے۔"

"جہالت کی انتہا ہے نعوذ باللہ انسان کو سجدہ کرنا۔۔۔ کسی نے ان کو بتایا نہیں کہ گناہ ہے یہ۔" احمد رضا بڑبڑایا۔

"ہمارے ملک کے علما کو اتنی فرصت کہاں کہ ان دور دراز علاقوں میں جا کر انہیں ایجوکیٹ کریں۔ انہیں تو ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے سے فرصت نہیں ملتی۔ ایک فرقہ دوسرے کو کافر قرار دے رہا ہے تو دوسرا پہلے کو۔" رباب حیدر کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"خیر! یہ بتاؤ اس وقت سینٹر کیسے آگئے؟"

"یوں ہی گھر بیٹھے بیٹھے دل گھبرایا تو۔"

"اوکے! تمہاری بات مان لیتا ہوں۔ ویسے اگر تم رچی کے متعلق جاننا چاہتے ہو تو میں بھی اتنا ہی بے خبر ہوں، جتنا تم۔" رباب حیدر نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

"غالباً" اسے کسی خاص مشن پر بھیجا گیا ہے کہیں کسی اور اسلامی ملک میں۔"

"رباب حیدر! کیا تم مسلمان ہو؟" احمد رضا نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

رباب حیدر نے ایک لمحہ سوچا اور پھر مسکرایا۔

"اس لحاظ سے تم مجھے مسلمان کہہ سکتے ہو کہ میں نے مسلمان ماں باپ کے گھر جنم لیا۔ بس اتنا ہی مسلمان ہوں میں۔ پیدائش پر میرے کان میں اذان دی گئی تھی اور مروں گا تو جنازہ پڑھایا جائے گا۔" وہ ہنسا۔

"اور کچھ پوچھنا ہے تو پوچھ لو۔"

"تم اپنی مرضی سے ان لوگوں کے ساتھ شامل ہوئے تھے؟"

"ہنڈرڈ پرسنٹ۔" رباب حیدر نے اپنی ریوالونگ چیئر کو دائیں بائیں گھمایا۔

"میرے والد کا تعلق غزنی سے ہے۔ والدہ کا ہندوستان سے اور میں نیویارک میں پیدا ہوا۔ میرے والدین اب بھی امریکا کی ایک ریاست میں مقیم ہیں۔ جہاں ان کے بڑے ہوٹلز اور مال ہیں۔"

"یعنی تم پاکستانی نہیں ہو۔"

"میں مسلمان ہوں۔۔۔ پاکستانی یا افغانی چہ معنی دارد۔۔۔

"ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے۔" اس نے قہقہہ لگایا اور میز پر پڑی فائل اپنی طرف کھسکا کر کھولی۔

"یہ فائل الوینا نے تمہارے لیے یہاں رکھی ہے۔"

"الوینا یہاں ہے؟" احمد رضا نے پوچھا۔

"ہاں! اندر سینٹر کے ہال میں اس کا لیکچر ہے آج۔"

"کیا ہے اس میں؟"

"تمہارے لیے فیوچر پلان۔"

احمد رضا نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"پوری بات تو تمہیں الوینا بتائے گی۔ لیکن فی الحال تمہیں کسی اور ملک بھجوانے کا پروگرام کینسل کر دیا گیا ہے۔ تمہیں یہاں اپنے ملک میں ہی رہ کر کام کرنا ہے۔"

"کیا یہاں رحیم یار خان میں؟"

احمد رضا نے اپنے دل میں اطمینان محسوس کیا۔ وہ کہیں نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ اسی ملک میں رہنا چاہتا تھا۔

"نہیں! لاہور یا شاید کراچی۔ دراصل ہم یہاں اپنا ایک چینل لانچ کرنا چاہ رہے ہیں اور یہ چینل تم لانچ کرو گے۔ تم ہی اس کے مالک ہو گے۔ ہمارے معاملات تم ہی ڈیل کرو گے۔"

"لیکن میں۔۔۔"

"پس پردہ ہم سب تمہارے ساتھ ہوں گے۔ کیا کرنا ہے۔ کیسے کرنا ہے۔ یہ ہدایات ہم تمہیں دیتے رہیں گے۔ تم اس ملک کے شہری ہو۔ یہ چینل تمہیں ہی لانچ کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے! لیکن اتنا کھڑاگ پھیلانے کی کیا ضرورت ہے۔ "سیمل" سے ہم اپنی مرضی کے پروگرام کر تو رہے تھے۔"

"ان سے ان بن ہو گئی ہے۔ لالچ بڑھ گیا ہے ان کا۔۔۔ جس کو جتنا دو، وہ ھل من مزید کا تقاضا کرتا ہے۔ ان کے پیٹ نہیں بھرتے یار! ابھی بھی۔ رچی نے ہائی کمان کو اپنے چینل کی تجویز پیش کی تھی، جو منظور ہو گئی ہے۔ مستقبل میں ہم اس سے بہت فائدہ اٹھائیں گے۔"

رباب حیدر نے فائل بند کر کے احمد رضا کو دینے کے بجائے دراز میں رکھ دی۔ تب ہی الوینا نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔

"رباب حیدر! کافی کے ایک کپ کے متعلق کیا خیال ہے؟"

"نیک خیال ہے۔" رباب حیدر مسکرایا۔ احمد رضا نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"احمد رضا بھی ہے۔" الوینا مسکرائی۔ "باہر ہی آجاؤ۔۔۔ موسم اچھا ہے۔" وہ واپس مڑتے ہوئے بولی۔

باہر احاطے میں پلاسٹک کی کرسیاں اور میز پڑی ہوئی تھی۔ دھوپ ڈھل چکی تھی اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ باہر کا موسم اندر کی نسبت بہت اچھا تھا۔ احمد رضا ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور احاطے میں لگے

درختوں کو دیکھنے لگا۔

"ہمارے ملک کا ہر گوشہ حسین ہے۔"

اس نے دل ہی دل میں کہا اور رباب حیدر کی طرف متوجہ ہو گیا' جو کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا تھا۔

"رحیم یار خان آنے سے پہلے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ اتنا خوب صورت علاقہ ہے۔" رباب حیدر نے اس کی طرف دیکھا۔

تب ہی الوینا ٹرے میں کافی کے تین کپ رکھے آ گئی۔ ٹرے ٹیبل پر رکھ کر اس نے احمد رضا اور رباب حیدر کو کپ پکڑایا اور خود بھی بیٹھ گئی۔

"تمہارا لیکچر کیسا رہا؟" رباب حیدر نے پوچھا۔

"توقع سے زیادہ کامیاب۔"

"تو۔۔۔؟" اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ پوچھا تھا۔ وہ اب احمد رضا سے اکثر باتیں نہیں چھپاتے تھے۔

"ہیں کچھ ہمارے مطلب کی دو یا تین۔" الوینا نے کافی کا گھونٹ لے کر احمد رضا کی طرف دیکھا' جو نہ جانے کس دھیان میں مگن ہولے ہولے کافی کے سپ لے رہا تھا۔

"یعنی کسی بھی ایشو کو لے کر ہم انہیں آگے بڑھا سکتے ہیں۔"

"شیور۔"

کافی پیتے ہی رباب حیدر اٹھ گیا۔ "مجھے ایک دو ضروری کالز کرنا ہے۔ تم لوگ بیٹھو۔ گپ لگاؤ۔"

"تم نے مجھ سے شادی سے انکار کیوں کیا؟" رباب حیدر کے جانے کے بعد الوینا نے پوچھا۔

"تم جانتی ہو۔"

"میں سمجھتی تھی۔ تم مجھ سے محبت کرنے لگے ہو۔" الوینا اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"میں بھی یہی سمجھتا تھا۔"

"کیا محبت میں دو بچوں کی ماں اور شادی شدہ ہونا معنی رکھتا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"شاید نہیں۔۔۔ لیکن ایک میرڈ عورت سے شادی نہیں ہو سکتی۔"

"میں نے جونی کو طلاق دے دی ہے۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔" احمد رضا نے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور الوینا نے نگاہیں جھکا لیں۔

"نہیں! میں جھوٹ نہیں بول رہی۔ میں نے سچ مچ طلاق دے دی ہے۔" اس نے دونوں کہنیاں میز پر رکھیں اور تھوڑا سا آگے جھکی۔

"احمد رضا! میں شاید تمہیں یقین نہ دلا سکوں۔ لیکن میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ پتا نہیں کب سے۔ لیکن مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔"

احمد رضا نے کچھ نہیں کہا۔ بس سپاٹ نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

ممکن ہے الوینا صحیح کہہ رہی ہو۔ لیکن وہ اس وقت اس کے لیے اپنے دل میں کوئی جذبہ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ الوینا بھی ان ہی میں سے تھی' جن کی وجہ سے وہ اپنوں سے بچھڑا تھا۔ امی اور ابو دونوں بھلا کیسے۔۔۔؟ کیا کوئی حادثہ۔۔۔؟ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔

اس نے غیر ارادی طور پر جیب سے فون نکال کر جنید علی کا نمبر ملایا۔

الوینا نے میز سے کہنیاں ہٹالیں اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

جنید علی نے اگر رچی کو میرے والدین کے متعلق بتایا ہے تو وہ یقینا" جانتا ہو گا کہ کیسے۔۔۔ دوسری طرف بیل ہو رہی تھی۔ جنید نے فون اٹینڈ نہیں کیا تھا۔ اس نے مایوس ہو کر فون آف کر دیا۔ الوینا اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اشتیاق اور لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"رچی کہتا ہے' پاکستانی عورت دنیا کی ساری عورتوں سے زیادہ خوب صورت باوفا اور باحیا ہوتی ہے میں کہتی ہوں' پاکستانی مرد بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ شاید دنیا کے سارے مردوں سے زیادہ اچھے کیئرنگ اور لونگ۔"

احمد رضا کے اپنی طرف دیکھنے پر اس نے کہا۔ اس کے لبوں پر بکھری مسکراہٹ گہری ہو گئی وہ بہت وارفتگی سے احمد رضا کو دیکھ رہی تھی۔ تب ہی رباب حیدر اندر

سے بریف کیس اٹھائے باہر نکلا۔

"چلو الوینا!" وہ ان کے پاس آ کر رکا۔

الوینا کھڑی ہو گئی۔ "ہمیں کسی کام سے جانا تھا۔"

احمد رضا نے سر ہلا دیا۔

"ہم شاید کل تک واپس آئیں گے۔ یہاں مارتھا اور ریف ہیں۔ کوئی مسئلہ ہو تو ان سے کہہ سکتے ہو۔"

"کیا مسئلہ ہو سکتا ہے؟" اس نے نظریں اٹھائیں۔

"احتیاطا" کہا ہے۔"

مارتھا اور ریف اس کی ٹریننگ کر رہے تھے۔ ریف کو عربی زبان پر عبور حاصل تھا۔ اگر وہ پردے کے پیچھے سے بولتا تو لگتا' جیسے کوئی اہل زبان بول رہا ہے۔

الوینا اور رباب حیدر چلے گئے۔ ان دونوں کے جانے کے بعد بھی وہ وہیں بیٹھا رہا۔ کھلی فضا میں بیٹھنا اسے اچھا لگ رہا تھا۔ سینٹر کی عمارت کے ساتھ ہی وہ گھر تھا' جہاں اس کی رہائش تھی۔ لیکن ابھی اس کا گھر جانے کا موڈ نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے ٹانگیں پھیلائیں اور سامنے درخت پر بیٹھی چڑیا کو دیکھنے لگا۔ اس کے پر نیلے نیلے سے تھے۔ وہ بہت دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ کبھی ایک شاخ پر بیٹھتی۔ کبھی دوسری شاخ پر بیٹھ جاتی۔ وہ جب بولی تو اس کی آواز بھی اسے بہت پیاری لگی۔ عام چڑیوں سے مختلف۔۔۔ وہ چڑیا کو دیکھ رہا تھا اور اس کے کانوں میں سمیرا کی آواز آ رہی تھی۔

ہم ہیں نیلی چڑیا
ہاتھ بٹاتا سب کا کام
آؤ ہم کھیلیں اچھے کھیل
ہم ہیں نیلی چڑیا

وہ جب چھوٹی سی تھی اور نئی نئی اسکول میں داخل ہوئی تھی تو گھوم گھوم کر ہاتھ پھیلا کر گاتی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے سمیرا کے بچپن کا یہ منظر بار بار آ رہا تھا اور وہ درخت پر پھدکتی نیلی چڑیا کو دیکھ رہا تھا۔ جب احاطے کا دروازہ کھول کر اریب فاطمہ شہریار کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ اس نے دور سے ہی احمد رضا کو بیٹھے دیکھ لیا تھا۔ اس نے شہریار کو وہیں سے واپس بھیج دیا

اور خود ہولے ہولے چلتی ہوئی احمد رضا کی کرسی کے قریب آ کر رک گئی۔

احمد رضا نے چڑیا پر سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی وہ ہی سیاہ چادر اوڑھے ہوئے تھی۔ جس پر ننھے ننھے شیشے دمکتے تھے۔

"آپ۔۔۔!"

"میں زینب آپا سے ملنے آئی تھی۔ آپ کو دیکھ کر رک گئی۔ مجھے آپ سے سوری کرنا تھا۔"

"کس بات کے لیے؟" احمد رضا نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھائیں۔

"وہ جو میں نے کہا۔ مجھے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ میں بہت تکلیف میں تھی۔۔۔ بہت اذیت میں۔ مجھے کچھ پتا نہیں چلا۔ میں کیا کہہ رہی ہوں۔"

"آپ نے کچھ غلط نہیں کہا تھا اریب فاطمہ!" احمد رضا کی نظریں جھک گئیں۔

وہ اس کے خاندان کی لڑکی تھی اور یوں اس کی طرف اس طرح دیکھنا اسے معیوب لگا۔

"کچھ بھی غلط نہیں۔ میں واقعی کمزور ہوں۔ ان کی طاقت سے ڈرتا ہوں۔ اس کے لیے سوری کہنے کی ضرورت نہیں ہے آپ کو۔"

اریب فاطمہ سر جھکائے چادر کے پلو کو انگلی پر لپیٹ رہی تھی۔

"اور مجھے آپ کا شکریہ بھی ادا کرنا تھا۔ آپ نے شیخ کی حقیقت سے آگاہ کیا۔"

"اٹس او کے۔ اب آپ جائیں اور یہاں مت آیا کریں۔ زینب آپا سے ملنے چھٹی والے دن ان کے گھر چلی جایا کریں۔"

"جی۔۔۔!" اریب فاطمہ نے آہستہ سے کہا اور مڑ گئی۔

"سنیں۔۔۔" احمد رضا کے لبوں سے بے اختیار نکلا "ایک بات پوچھ سکتا ہوں۔"

"جی۔۔۔!" اریب فاطمہ نے رخ موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"اس روز آپ وہاں میرے گھر کسی لڑکی کے ساتھ

آئی تھیں۔ کوئی خاص بات تھی کیا؟"

"اس روز۔۔۔ وہ دراصل یسی ملنا چاہتی تھی آپ سے۔"

وہ ہی ناموں کو مختصر کرنے کی عادت۔ اس نے سمیرا کو یسی کا نام دیا تھا۔ اب الریان میں سب ہی سمیرا کو یسی کہہ کر بلاتے تھے۔

"وہ آپ کی بہت بڑی فین ہے۔ ایک بار پہلے وہ مرینہ کے ساتھ آئی تھی آپ کے گھر۔ لیکن مرینہ اس روز بزی تھی اور وہ بہت بے چین ہو رہی تھی۔ سو مجھے لے کر چلی آئی۔"

"ڈاکٹر مرینہ کے ای کی اسٹوڈنٹ؟" احمد رضا نے پوچھا تو اس نے سر ہلایا۔

"میں بہت سارے دن آپ کا انتظار کرتا رہا۔ آپ لوگ آئیں نہیں پھر۔"

"یسی کی امی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ ان کا آپریشن تھا۔ وہ راولپنڈی چلی گئی تھی اور پھر جب واپس آئی تو ہم دوبارہ گئے تھے۔ آپ کے چوکیدار نے بتایا کہ آپ کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔ کب آئیں گے کچھ پتا نہیں۔"

"کیا کوئی خاص کام تھا؟"

"پتا نہیں۔۔۔ لیکن وہ آپ سے ملنا چاہتی تھی۔ کچھ پوچھنا تھا اسے آپ سے۔"

"کیا نام بتایا تھا آپ نے ان کا؟" اس نے پھر تصدیق چاہی۔

"یسی۔"

وہ تو اس نام کی کسی لڑکی کو نہیں جانتا تھا۔ پھر پتا نہیں کیوں وہ آواز جانی پہچانی سی لگی تھی۔ احمد رضا نے سر ہلا دیا۔ اریب فاطمہ نے جانے کے لیے قدم اٹھایا۔ احمد رضا پھر درختوں کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ ادھر ادھر اس نیلی چڑیا کو تلاش کر رہا تھا، جو ابھی کچھ دیر پہلے شاخوں پر پھدک رہی تھی۔

☼ ☼ ☼
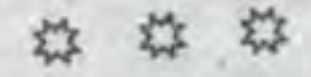
ایبک سوتے سوتے ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پتا نہیں باہر کوئی شور ہوا تھا یا پھر اس کی نیند ہی پوری ہو گئی تھی۔ دائیں ہاتھ سے پیشانی پر بکھرے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے اس نے سامنے کلاک پر نظر ڈالی۔ چھ بج رہے تھے۔ یعنی وہ چار گھنٹے سویا تھا۔ وہ آج ہی تقریباً ایک ماہ بعد بہاول پور سے آیا تھا اور کرنل شیر دل سے مل کر اور ان کے ساتھ لنچ کر کے تقریباً دو بجے انیکسی میں آیا تھا۔ اس کا ارادہ سونے کا نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا، وہ تھوڑا سا آرام کر کے اور تازہ دم ہو کر الریان جائے گا۔ لیکن جب وہ بیڈ پر لیٹا تو اسے پتا ہی نہیں چلا کہ کب سو گیا۔ بیڈ پر بیٹھے بیٹھے اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ ہر چیز ہمیشہ کی طرح ترتیب سے اور صاف ستھری تھی۔ مسز شیر دل ہمیشہ اپنی نگرانی میں انیکسی صاف کرواتی تھیں۔ چاہے وہ یہاں ہو یا نہ ہو۔

وہ حفصہ اور عادل کے ولیمے کے دوسرے ہی دن فلک شاہ اور عمارہ کے ساتھ بہاول پور چلا گیا تھا۔ انجی اور جواد بھی ان کے ساتھ تھے اور پھر یہ پورا ایک ماہ بہاول پور میں ہی گزر گیا تھا۔ کئی کام کرنے والے تھے زمینوں کے معاملات تھے۔ جو نبٹانے تھے اور کئی دوسرے کاروباری مسائل بھی دیکھنے والے تھے اور جب وہ ان سب سے فارغ ہوا تو بابا نے اسے روک لیا۔ اس بار وہ اسے آنے ہی نہیں دے رہے تھے۔

"تم یہیں کیوں نہیں رہ جاتے آبی! اب وہاں تمہارا کیا کام ہے؟"

وہ لمحہ بھر کو چپ ہو گیا تھا۔ وہ کیا کہتا کہ وہاں اریب فاطمہ ہے۔ جسے دیکھے ایک ماہ گزر گیا تھا۔ کبھی کبھی الریان جا کر اریب فاطمہ کو دیکھ لینا اور اس سے ایک آدھ بات کر لینا اس کے لیے کتنا انمول ہوتا تھا۔ لیکن بات صرف اریب فاطمہ کی نہیں تھی۔ ابھی وہ وہیں رہنا چاہتا تھا۔ وہ جو کچھ کرنا چاہتا تھا، وہ یہاں رہ کر ممکن نہیں تھا۔

"ابھی کچھ عرصہ مجھے وہیں رہنے دیں بابا! مجھے ایک پلیٹ فارم مل جائے۔ جہاں سے مجھے اپنے کام کا آغاز کرنا ہے تو پھر آجاؤں گا۔ ابھی مجھے احمد حسن سے بھی ملنا ہے۔ آج کل نہ تو اس کا پروگرام آرہا ہے۔ نہ ہی کوئی آرٹیکل چھپ رہا ہے۔ میں اس شخص کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن ایک مختصر سی ملاقات میں اس کے متعلق میں اندازہ نہیں کر سکا کہ وہ محب وطن ہے یا رازی انکل کے کہنے کے مطابق کسی دشمن ملک کا ایجنٹ۔"

اور فلک شاہ خاموش ہو گئے تھے۔ لیکن ان کے اضطراب اور بے چینی کو محسوس کرتے ہوئے وہ چاہتے ہوئے بھی بہاول پور سے نہیں آ سکا تھا۔ حالانکہ دل اریب فاطمہ کو ایک نظر دیکھنے کے لیے ہمک رہا تھا۔ لیکن وہ ان لمحوں میں فلک شاہ اور عمارہ کو بھی تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ فلک شاہ جہاں اس بات پر خوش تھے کہ سالوں بعد وہ ان سب سے ملے اور عمارہ کو اس کا میکہ ملا۔ وہاں احسان شاہ سے نہ مل سکنے کا دکھ انہیں اندر ہی اندر کاٹتا رہتا۔ یہ ہی حال عمارہ کا بھی تھا۔۔۔ خوشی بھی تھی اور فلک شاہ کے کسی فنکشن میں شریک نہ ہونے کا غم بھی۔ یہ دو متضاد کیفیت دونوں کو مضطرب کیے ہوئے تھیں۔ حالانکہ عبدالرحمٰن شاہ نے یقین دلایا تھا کہ ابھی شانی کچھ سننے کو تیار نہیں۔ لیکن کسی مناسب وقت پر وہ اس سے ضرور بات کریں گے اور پھر ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

"اور یہ سب کچھ کب ٹھیک ہو گا بی! کب شانی کی غلط فہمی دور ہو گی اور کب اس ناکردہ جرم کی سزا ختم ہو گی؟"

انہوں نے اسی کیفیت میں ایبک سے کہا اور ایبک نے انہیں تسلی دی تھی۔ یوں الریان سے صرف بابا جان ہی نہیں سب ہی فون کرتے رہتے تھے۔ ایبک کی بھی اکثر حفصہ، عمر، زبیر وغیرہ اور مصطفیٰ انکل سے بات ہو جاتی تھی۔ اس روز اس نے ہی ان کو فون کیا تھا۔ فون عاشی نے اٹھایا تھا اور عاشی نے اسے الریان کے ہر فرد کے متعلق رپورٹ دی تھی، اریب فاطمہ سمیت۔

"فاطمہ آپی بہت پڑھ رہی ہیں آج کل اور خوش بھی بہت ہیں۔۔۔ میں نے دیکھا ہے، اکثر اکیلے بیٹھی مسکراتی ہیں۔۔۔ اور رابیل آپی کا موڈ کبھی کبھی بہت خراب ہو جاتا ہے اور اکثر اداس نظر آتی ہیں۔"

"وہ کیوں بھئی؟" وہ مسکرایا۔ "کہیں تم نے تو اپنی رابیل آپی کو ناراض نہیں کر دیا؟"

"نہیں! ان کی اپنی مما سے ناراضی ہے۔"

"اچھا۔۔۔!"

"ویسے وہ یہیں آ رہی ہیں۔ آپ خود ہی پوچھ لیں۔" اور وہ فون رابیل کو پکڑا کر چلی گئی۔

"ہیلو رابیل! کیسی ہیں آپ؟ میں ایبک ہوں۔"

"ٹھیک ہوں۔" رابیل کو حیرت ہوئی۔ "پھپھو، انکل، انجی وغیرہ سب ٹھیک ہیں نا؟"

"اللہ کا شکر ہے۔"

پھر اس نے ادھر ادھر کی دو تین باتیں کر کے فون بند کر دیا تھا۔

"یہ عاشی بھی۔" وہ مسکرایا۔ اس نے تکیہ اٹھا کر گود میں رکھا اور اس پر کہنیاں ٹکتے ہوئے اس کی نظر ان صفحات پر پڑی، جو تکیے کے نیچے پڑے تھے۔ اس نے صفحات اٹھا لیے۔

ارے! یہ تو زمین کے آنسو کے اندر کے صفحات ہیں۔ شاید فائل میں سے گر گئے ہوں گے اور مسز شیر دل نے اٹھا کر یہاں رکھ دیے ہوں گے۔" ان کی عادت تھی کہ وہ کوئی غیر ضروری کاغذ بھی ملازم کو پھینکنے نہیں دیتی تھیں، جب تک ایبک دیکھ نہ لے۔ انہیں ہمیشہ یہ خیال رہتا تھا کہ کہیں ایبک کا ضروری کاغذ نہ ہو۔ اس نے صفحات پر نظر ڈالی۔ یہ ترتیب سے نہیں تھے۔

"تھینک گاڈ! یہ ضائع نہیں ہوئے۔"

اس نے ایک صفحے پر نظر ڈالی۔

"پتا نہیں تمہیں کیوں زمین کے آنسو نظر نہیں آتے شاعر! ورنہ زمین تو تب سے رو رہی ہے جب سے حضرت آدم کا پہلا آنسو زمین کی خشک دھرتی پر گرا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے آنسو کے ساتھ ہی زمین نے پہلا آنسو بنایا تھا اور جانتے ہو جب قابیل نے اپنی بیوی عدرہ کے بجائے ہابیل کی بیوی اسدہ کی

خواہش کی تھی تو زمین تب بھی روئی تھی۔ کیونکہ وہ اس کے انجام سے خوفزدہ تھی۔"

ایبک نے پہلا صفحہ سب صفحات کے نیچے رکھا۔ اب ایک اور صفحہ اس کے سامنے تھا اس کی نظریں صفحے پر دوڑ رہی تھیں۔

"اور زمین کا سینہ دکھوں سے چھلنی ہے۔ اس کے آنسو اس کی ہنسی سے زیادہ ہیں۔ لیکن تم نہیں جان سکتے۔ کیونکہ تم نے نہ زمین کے آنسو دیکھے ہیں اور نہ اس کا درد جانا ہے۔ تمہیں کیا خبر کتنا گہرا درد اس کے دل کو چھلنی کرتا ہے۔ تم نے تو بس زمین کے سینے پر ہل چلایا ہے۔ اپنی مرضی کی فصل ملی تو ٹھیک۔ نہ ملی تو زمین کو ہی کوسا۔ اس کے سینے پر عمارتیں کھڑی کیں اور اپنی عظمت کے جھنڈے گاڑے۔" حور عین کہہ رہی تھی اور وہ سر جھکائے سن رہا تھا۔

اس نے یہ صفحہ بھی نیچے رکھا۔

"زمین نے تو کبھی تمہارا ساتھ نہیں چھوڑا۔ تمہارے ہر دکھ پر تمہارے ساتھ مل کر آنسو بہائے۔ جب مکہ کی سرزمین پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو گرم ریت پر لٹا کر اوپر پتھر رکھ کر گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹا جاتا تھا تو زمین روتی تھی، کرلاتی تھی۔

اور جب ابو جہل حضرت سمیہ رضی اللہ عنہ کے پیٹ میں نیزہ گھونپتا تھا اور حضرت سمیہ کہتی تھیں "رب کعبہ کی قسم، میں کامیاب ہو گئی۔" تو زمین ان کا منہ چومتی تھی اور روتی تھی۔۔۔ اور پھر جب حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اپنی عزیز رفیق حیات حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے خون آلود جسم کو اٹھانے کے لیے جھکے تھے اور ابو جہل نے اپنی تلوار ان کی کمر میں اتاری تھی تو زمین نے توحید کے ان نام لیواؤں کو اپنی گود میں بھر کے ان کے خوبصورت چہروں کو اپنے آنسوؤں سے غسل دیا تھا۔"

ایبک نے اس صفحے کو بھی ایک طرف رکھ دیا۔

پتا نہیں میرے اس ناول کو وہ پذیرائی ملے گی۔ جس کی میں توقع رکھتا ہوں۔ پتا نہیں میں اسے اس طرح لکھ پاؤں گا۔ جیسا لکھنا چاہتا ہوں یا کہیں کوئی تشنگی اور ادھورا پن رہ جائے گا۔"

اس نے اگلے صفحے پر نظر ڈالی۔

"تمہیں پتا ہے جب فرعون کے جادوگروں کے سانپوں کو حضرت موسیٰ کا عصا اژدھا بن کر نگل گیا تھا تو ان کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

"ہم رب العالمین اور موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کے رب پر ایمان لائے۔"

"ہاں! پتا ہے۔"

میں بور ہو رہا تھا اور اسے پتا نہیں کیوں تاریخ کے ایوانوں میں گھسنے کا شوق تھا۔

"تو میں تمہیں بتا رہی تھی کہ جب قبطی قوم کے جادوگر اپنے رب پر ایمان لائے تھے تو فرعون کے حکم پر زندہ حالت میں ان کے دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹے گئے تھے اور باقی ماندہ دھڑ کو بڑی بڑی کیلوں سے زندہ حالت میں کھجور کے تنوں میں ٹھونک کر زمین پر گاڑ کر سیدھا کھڑا کر دیا گیا تھا۔ اور زمین ان اہل ایمان پر آنسو بہاتی تھی۔"

"تو۔۔۔" میں نے حور عین کی بات کاٹی۔ "آل فرعون پر عذاب بھی تو نازل ہوئے تھے۔"

"ہاں! قحط مسلط ہوئے۔ طوفان آئے۔ کبھی جوؤں کا، کبھی مینڈکوں کا عذاب اور کبھی ٹڈی دل کا حملہ اور کبھی کنویں خون سے بھر گئے۔ ہر بار حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا مانگ کر اس عذاب سے نجات دلاتے تھے۔"

"ہاں! دعا میں بہت اثر ہوتا ہے۔۔۔ پھر پیغمبروں کی دعا۔" میں نے حور عین کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔۔۔!" اس نے نظریں اٹھائیں۔ "لیکن پتا نہیں مریم کی دعاؤں میں اثر کیوں نہیں تھا۔ پتا نہیں کیوں اس کی دعائیں عرش سے ٹکرا کر پھر اس کی جھولی میں آ گرتی تھیں۔۔۔ اور وہ پھر سے ہاتھ دعا کے لیے اٹھا لیتی تھی۔۔۔ اگر حور عین کہتی۔ "اماں! تمہاری دعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں؟" تو وہ حور عین پر ناراض ہوتی

"تجھے کیا پتا میری دعائیں۔۔۔ آئندہ ایسا مت کہنا۔

ہمارا کام تو بس دعا کرنا ہے قبولیت، نا قبولیت وہ جانے اور ہمیں تو بس صبر کرنا ہے۔ شکر کرنا ہے۔" پتا نہیں اس میں اتنا صبر اور شکر کہاں سے اکٹھا ہو گیا تھا، جو حور عین میں نہیں تھا۔ فریدہ میں نہیں تھا۔ سعدیہ میں نہیں تھا ۔۔۔ وہ صبر اور شکر نہ کر سکیں اور مریم کا آنگن سونا کر کے چلی گئیں۔۔۔ وہ دونوں سعدیہ اور فریدہ۔۔۔ اب رقیہ تھی، جو سب سے بڑی تھی اور اجڑ کر گھر بیٹھی تھی۔

اور رابعہ تھی، جو بارہ سال کی تھی اور خمسہ تھی، پانچویں۔"

ایبک سارے صفحے اکٹھے کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے فائل میں صفحات کے نمبر دیکھ کر انہیں ترتیب سے رکھا اور فائل دراز میں رکھ دی اور پھر کلاک پر نظر ڈالی ساڑھے چھ بج چکے تھے۔

"فریش ہو کر ایک چکر "الریان" کا لگا لوں۔۔۔ بابا جان سے بھی ملنا ہے اور۔۔۔ اور اریب فاطمہ۔۔۔" اس کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"پتا نہیں اس سے بات بھی ہو سکے گی یا نہیں۔ لیکن دیکھ لوں گا تو تسلی ہو جائے گی۔۔۔ اور پھر اب چند ماہ ہی تو رہ گئے ہیں اس کے امتحان میں۔" پھر وہ واش روم کی طرف مڑا ہی تھا کہ بیڈ سائیڈ ٹیبل پر پڑا ہوا اس کا موبائل بج اٹھا۔ اس نے فون اٹھایا۔ دوسری طرف ہمدان تھا۔

"کب سے آئے ہوئے ہو؟" اس کے ہیلو کہتے ہی ہمدان کی آواز آئی۔

"نہ سلام نہ دعا۔ یہ کیا انداز ہے؟ پولیس والوں کی طرح تفتیش شروع کر دی۔"

"وقت دیکھ بے وفا آدمی۔ کب سے آئے ہوئے ہو اور نہ فون، نہ اطلاع۔۔۔ وہ تو پھپھو کا ابھی فون آیا بابا جان کی طرف تو پتا چلا۔ حضرت ایک بجے لینڈ کر چکے ہیں۔" ہمدان نے ناراضی کا اظہار کیا۔

"سو گیا تھا یار! ابھی اٹھا ہوں اور اب باتھ لے کر ادھر ہی آ رہا تھا۔"

"او کے! پھر ملاقات ہوتی ہے۔"

وہ ہمدان کے خلوص و محبت کی دل سے قدر کرتا تھا۔۔۔ اور صرف ہمدان ہی نہیں "الریان" کے سارے باسی ہی بہت مختلف تھے سوائے مائرہ آنٹی کے۔

"بابا یوں ہی تو اسیر نہیں تھے الریان کے۔" لبوں پر مسکراہٹ لیے وہ واش روم کی طرف بڑھ گیا اور کچھ دیر بعد وہ الریان کی طرف جا رہا تھا۔

"الریان" میں کئی خوش خبریاں تمہاری منتظر ہیں۔" ہمدان نے اسے گیٹ پر ریسیو کیا تھا۔

"مثلاً" کیا؟" ایبک نے سیڑھی پر قدم رکھا۔

"ایک تو یہ کہ انکل عثمان مستقل پاکستان آ رہے ہیں۔ اگلے ماہ ان کی جاب ختم ہو رہی ہے۔ بلکہ انہوں نے خود جاب چھوڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"گڈ۔۔۔!" ایبک مسکرایا۔

"اپنے عمر کو بڑی فکر تھی کہ اگر حفصہ دبئی چلی گئی تو "الریان" کا کچن ویران ہو جائے گا اور اس کی وقت بے وقت کی فرمائشیں کون پوری کرے گا۔"

ایبک کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"اور دوسری خوشخبری؟"

"دوسری خوشخبری یہ ہے کہ کل رات ہی نیو میرڈ کپل اپنے طویل ہنی مون سے واپس آ گیا ہے۔۔۔ اور تیسری خوشخبری کا تعلق خاص میری ذات سے ہے۔"

ہمدان نے لکڑی کا بھاری دروازہ کھول کر لونگ روم میں قدم رکھتے ہوئے کہا تو ایبک نے پہلی بار غور سے ہمدان کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں جگنو چمک رہے تھے۔

"کیا؟" ایبک نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"میں صرف تمہیں یہ بات بتانا چاہتا تھا کہ میں نے سمیرا سے بات کی ہے۔" ایبک نے کسی قدر حیرانی سے اسے دیکھا۔

"اس روز یاسین نہیں تھا تو مرینہ کے کہنے پر بابا جان نے مجھے کہا کہ میں اسے ہاسٹل چھوڑ آؤں۔ وہ اپنی امی کی بیماری اور آپریشن کی وجہ سے پورے ایک ماہ بعد آئی تھی۔۔۔ میں بہت خوف زدہ ہو گیا تھا۔ میں نے

سوچا تھا کہ کہیں اس کی منگنی یا شادی نہ ہو گئی ہو۔" اس نے ایبک کی طرف دیکھا۔
"تو اس روز میں نے اس سے کہا کہ میری ماما ان کے گھر آنا چاہتی ہیں۔ لیکن میں پہلے آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں۔ اگر آپ کو کوئی اعتراض ہو تو میں انہیں منع کر دوں گا۔ میں نے حفصہ یا مرینہ سے کہنے کے بجائے خود آپ سے بات کرنا مناسب سمجھا۔"
"اور تیری ماما کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں۔" ایبک ہنسا۔
"ہاں۔۔۔ لیکن وہ جس طرح کی لڑکی ہے، مجھے ایسے ہی بات کرنا مناسب لگا۔"
"اچھا تو پھر اس نے کیا کہا؟"
"اس نے کہا کہ اگر میرے والدین کو اعتراض نہ ہوا تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ لیکن اگر یہ سلسلہ اس کی تعلیم ختم ہونے کے بعد شروع کیا جائے تو وہ یکسوئی سے اپنی تعلیم مکمل کر لے گی۔"
"چلو! تمہاری ٹینشن تو ختم ہوئی۔"
"ہاں! میں اب مطمئن ہوں۔" ہمدان طمانیت سے مسکرایا۔
"لیکن وہ لمبے لمبے ڈائیلاگ، جو تم نے خواتین کے ڈائجسٹوں سے رٹے تھے۔" ایبک نے اسے چھیڑا۔
"بکومت۔" ہمدان نے اسے مکا مارا۔
"وہ تو میں اس میں سے ایک کہانی پڑھ رہا تھا۔ منیبہ کے کمرے میں دیکھا تو یونہی اٹھا لیا۔ اچھی لگی تو ....."
"میں جانتا ہوں یار! مذاق کر رہا تھا۔"
"وہ ایسی لڑکی ہے آپی! کہ اگر میں اس سے محبت کا اظہار کرتا تو شاید اسے کھو دیتا۔ وہ مجھے غلط سمجھ لیتی۔"
"ارے ایبک بھائی! آپ کب آئے؟" منیبہ اپنے کمرے سے نکلی تو اس کی نظر ایبک پر پڑی تھی۔
"ابھی کچھ دیر پہلے ہی آیا ہوں۔"
"اس بار بہت دن لگا دیے آپ نے۔ بچی بہت مس کر رہے تھے ہم سب آپ کو۔"
منیبہ بیٹھی ہی تھی کہ سیڑھیوں سے اترتی عاشی کی نظر ایبک پر پڑی اور اس نے پیچھے مڑ کر بلند آواز میں کہا۔
"رابی آپا! ایبک بھائی آئے ہیں۔"
اور خود تقریباً" بھاگتی ہوئی سیڑھیاں اتر کر ایبک کے پاس آئی۔
"ارے! کیسی ہے ہماری پرنسز۔"
ایبک نے اسے پیار کرتے ہوئے اسے پاس ہی بٹھا لیا۔
"آپ مجھے کب بہاول پور لے کر جائیں گے؟"
"جب تمہاری چھٹیاں ہوں گی۔"
"کیا آپ چھٹیوں میں شادی کریں گے؟"
"نہیں۔" وہ مسکرایا۔ "ان چھٹیوں میں نہیں۔"
"ہاں! مجھے پتا ہے۔"
اس نے سر ہلایا۔ باری باری ہمدان اور منیبہ کی طرف دیکھا اور پھر سر نیچے کر کے یوں مسکرانے لگی۔ جیسے کسی راز کو جانتی ہو۔
شمو کولڈ ڈرنکس لے کر آئی تو منیبہ اٹھی۔
"ایبک بھائی! آپ رات کا کھانا کھا کر ہی جایئے گا اب۔"
ایبک نے سر ہلا کر منیبہ کے بند کمرے کی طرف دیکھا تو عاشی نے شرارت سے آنکھیں پٹپٹائیں اور ایبک کے کان میں سرگوشی کی۔
"وہ نہیں ہیں جنہیں آپ ڈھونڈ رہے ہیں۔"
ایبک نے کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا۔
"فاطمہ آپی اپنے گھر گئی ہیں۔ کل ہی ان کے بھائی لینے آئے تھے۔"
اس نے پھر ایبک کے کان میں سرگوشی کی۔ تب ہی ہمدان کا موبائل بج اٹھا تو وہ موبائل لے کر کچھ فاصلے پر چلا گیا۔
"عاشی! تم بہت خطرناک ہو۔" وہ ہنس دیا۔ وہ بات جو الریان میں کوئی نہیں جانتا تھا۔ عاشی نے جان لی تھی۔
"میں کسی کو نہیں ڈھونڈ رہا تھا۔ ویسے تمہاری فاطمہ آپی گھر کیوں گئی ہیں؟ خیریت تھی نا؟"

"ان کی اماں بیمار تھیں اس لیے۔"
تب ہی ہمدان فون بند کر کے ان کے قریب آیا۔
"یار آپی! تم بیٹھو۔ میں پندرہ منٹ میں آیا۔"
"کیوں خیریت ہے؟" ایبک نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
"ہاں! وہ منیر ہے نا، میرا کولیگ۔ اس کے فادر کی میڈیکل رپورٹ تھیں میرے پاس۔ اسے چاہئیں۔ میں اسے دے کر آتا ہوں۔ یہ ساتھ ہی بلاک سی میں جانا ہے۔"
ایبک نے سر ہلایا تو وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگا اور اوپر سے آتی رابیل سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔
ایبک عاشی کی طرف متوجہ ہوا۔
"شیطان کی نانی! الٹے سیدھے اندازے نہ لگایا کرو۔"
"السلام علیکم!" تب ہی رابیل نے قریب آ کر سلام کیا۔
"وعلیکم السلام!" ایبک نے چونک کر اسے دیکھا اور عادتاً" کھڑا ہو گیا "کیسی ہیں آپ؟"
"فائن!" رابیل بیٹھ گئی تو ایبک بھی بیٹھ گیا۔
"میں بابا جان کے پاس جا رہی ہوں۔" عاشی اٹھ کر عبدالرحمٰن شاہ کے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔
"اور آج کل کیا ہو رہا ہے رابیل!" ایبک نے بات کرنے کی غرض سے پوچھا۔
"کچھ نہیں۔ بوریت ہی ہوتی ہے سارا دن۔ ممی کہہ رہی تھیں۔ ککنگ کلاسز جوائن کر لوں اور میں سوچ رہی ہوں کسی لینگویج کلاس میں ایڈمیشن لے لوں۔ فرنچ یا جرمن یا کوئی اور۔"
"میں نے بھی کچھ عرصہ فرنچ زبان سیکھی تھی۔" ایبک نے اسے بتایا۔
"رئیلی؟" رابیل نے پوچھا۔
"ہوں! رئیلی۔" ایبک مسکرایا۔
رابیل کو اس کے ساتھ بات کرنا اچھا لگ رہا تھا۔
اس روز جب عاشی نے اسے فون دیا تھا کہ ایبک بھائی کے ساتھ باتیں کر لیں تو وہ بہت خوش ہوئی تھی۔
ایبک کا فون کر کے اس کی خیریت پوچھنا بہت اچھا لگا تھا۔ اندر کہیں خوش گمانی کے پھول کھل اٹھے تھے۔ ایبک نے اسے یاد کیا تھا شاید ۔ ورنہ اس سے پہلے تو اس نے بہاول پور جا کر اس سے بات نہیں کی تھی۔ کئی بار اس کا فون ہمدان، عمر اور منیبہ کے لیے آتا تھا۔ لیکن اس نے کبھی اس کا پوچھا تک نہ تھا۔ چہ جائے کہ اس سے بات کرنا۔۔۔ یقیناً" وہ اس سے کچھ متاثر ہوا تھا۔ عادل اور حفصہ کی بارات اور ولیمے کے فنکشن میں سب نے ہی اسے سراہا تھا۔ عمارہ پھپھو اور انجی آپا نے بھی اسے نظر بد سے بچنے کی دعا کی تھی۔۔۔ اور اس کے مقابلے میں اریب فاطمہ بھلا کیا تھی۔
ایبک اسے بتانے لگا کہ جب اس نے فرنچ لینگویج کی کلاس جوائن کی تھی تو ایک سینئر اسٹوڈنٹ نے اسے جو پہلا جملہ سکھایا تھا وہ تھا Joie Gulle اور اس کا مطلب تھا "واہ! کیا کہنے" جبکہ اس نے اس کا مطلب بتایا تھا "یس میم" اور جب وہ میڈم پاولن لیکاولی کی ہر بات کے جواب میں کہتا Joie Gulle تو وہ حیرانی سے اسے دیکھتیں۔
رابیل ہنس رہی تھی اور ایبک کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ تھی۔ جب مائرہ نے لاؤنج میں قدم رکھا۔ کچھ دیر وہ یوں ہی حیران کھڑی رابیل کو مسکراتے اور دلچسپی سے ایبک کی باتیں سنتے دیکھتی رہیں۔ پھر تیر کی طرح آگے بڑھیں۔
"رابی! کیا کر رہی ہو یہاں؟" ان کی آواز بلند بھی تھی اور اس میں غصہ بھی تھا۔
رابیل نے مڑ کر مائرہ کی طرف دیکھا۔
"ایبک سے باتیں کر رہی تھی۔"
ایبک جو احتراماً" کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے مائرہ کو سلام کیا۔ لیکن اسے نظر انداز کر کے وہ رابیل سے مخاطب

ہوئیں۔

"میں نے تمہیں اس لڑکے سے بات کرنے اور بے تکلف ہونے سے منع کیا تھا۔ پھر۔۔۔؟"

رابیل اور ایبک کے چہرے کا رنگ ایک ساتھ بدلا تھا۔ لیکن ایبک میں بلا کا ضبط تھا۔ جبکہ رابیل کے چہرے کا رنگ ہی نہیں بدلا تھا۔ بلکہ وہ بہت غصے سے بولی۔

"ضروری نہیں کہ میں آپ کی ہر فضول بات پر عمل کروں۔" اس کا لہجہ سخت تھا۔

"رابیل پلیز۔۔۔ آپ جائیں۔ اگر آنٹی نے آپ کو منع کیا تھا تو آپ کو مجھ سے بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔"

ایبک نے رابیل کی طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا اور پھر مائرہ کی طرف دیکھا۔

"سوری! مجھے علم نہیں تھا کہ آپ نے انہیں منع کر رکھا ہے۔ ورنہ میں کبھی بھی بات نہ کرتا۔"

"بند کرو یہ ڈراما اور معصوم بننے کی کوشش مت کرو۔" مائرہ کی آواز بلند تھی۔

"جانتی ہوں اچھی طرح سے تم باپ بیٹے کو۔ میٹھی میٹھی باتیں کر کے میری بیٹی کو ورغلانے کی کوشش مت کرو۔"

"مما پلیز۔۔۔" رابیل نے مائرہ کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ لیکن مائرہ نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"یہ خیال ذہن سے نکال دو ایبک فلک شاہ! کہ تم میری بیٹی کو شیشے میں اتار لو گے۔"

احساس توہین سے ایبک کا رنگ سرخ ہو رہا تھا لیکن وہ ضبط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

"مجھے آپ کی ذہنیت پر افسوس ہو رہا ہے میم مائرہ شاہ! یہ آپ کے اپنے ذہن کی اختراع ہے ورنہ میرے لیے رابیل، حفصہ، مرینہ اور انجی میں کوئی فرق نہیں ہے۔"

ایبک نے حتی المقدور اپنے لہجے کو نرم اور دھیما رکھنے کی کوشش کی تھی۔ رابیل کی آنکھوں میں یکدم آنسو آئے تھے۔

"میرے اختیار میں ہو تو تمہیں "الریان" میں قدم بھی نہ رکھنے دوں۔" مائرہ کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی۔

"ممی۔۔۔!" رابیل نے پھر اسے روکنا چاہا تو مائرہ نے اسے ڈانٹ دیا۔

"جاؤ اپنے کمرے میں۔ اب یہاں کھڑی میرا منہ کیا تک رہی ہو۔"

رابیل یکدم مڑی اور تقریباً" بھاگتی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

"اور تم۔" وہ ایبک کی طرف مڑیں۔

"اگر ذرا بھی غیرت ہے تم میں تو آئندہ یہاں قدم مت رکھنا۔"

ایبک نے اسی آہستگی اور نرمی لیکن پورے سکون اور اعتماد سے کہا۔

"یہ میرے نانا کا گھر ہے اور آپ مجھے یہاں آنے سے نہیں روک سکتیں اور نہ ہی میں فلک مراد شاہ ہوں کہ آپ کی کسی چال کا نشانہ بن جاؤں گا۔"

اور تب ہی اس کی نظر لاؤنج کے داخلی دروازے پر کھڑے عبدالرحمٰن شاہ پر پڑی جو چھڑی کا سہارا لیے کھڑے تھے اور ان کے وجود میں واضح لرزش تھی۔

"بابا جان!" ایبک نے دوڑ کر انہیں تھاما اور سہارا دے کر صوفے تک لایا۔ مائرہ نے ایک تیز نظر اس پر ڈالی اور اپنے کمرے کی طرف مڑیں تو کمرے کے دروازے پر احسان شاہ کو کھڑا دیکھ کر لحہ بھر کو ٹھٹکیں اور پھر تیزی سے اندر چلی گئیں۔ احسان شاہ واپس کمرے میں جا چکے تھے۔ ایبک اور عبدالرحمٰن شاہ نے احسان شاہ کو نہیں دیکھا تھا۔ ایبک نے عبدالرحمٰن شاہ کے ہاتھ تھام رکھے تھے جو اب بھی لرز رہے تھے۔

"تم۔۔۔ تم بیٹا! اس کی باتوں کو اپنے دل پر مت لینا، جانتے ہو نا وہ۔"

"جی بابا جان! آپ پریشان نہ ہوں۔ ریلیکس ہو جائیں۔" وہ زبردستی مسکرایا تھا ورنہ مائرہ کے الفاظ زہریلے کانٹوں کی طرح دل میں چبھے جا رہے تھے اور تکلیف دے رہے تھے۔

"بابا صحیح کہتے تھے، مجھے رابیل اور آنٹی سے محتاط رہنا چاہیے لیکن اس میں رابیل کا کیا قصور۔"

"کیا سوچ رہے ہو بیٹا؟" عبدالرحمٰن شاہ کی آواز میں نمی تھی۔ "بیٹا! یہاں آنا مت چھوڑنا۔ مجھ سے ملنے آتے رہنا۔ تم آؤ گے نا بیٹا؟" ان کی بوڑھی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ ملتجی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"تم آتے ہو تو مجھے لگتا ہے، میرے مومی اور عمو آئے ہیں۔ مجھے تمہارے وجود سے ان کی خوشبو آتی ہے۔"

"میں جب تک یہاں ہوں، آپ سے ملنے آتا رہوں گا۔ آپ پلیز پریشان مت ہوں۔" ایبک نے ان کے ہاتھوں کو چوم کر چھوڑ دیا۔

پھر وہ زیادہ دیر وہاں نہیں بیٹھا تھا۔ وہ کم از کم آج کے دن منیبہ، مرینہ اور ہمدان کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔ کیا کچن میں کھڑی منیبہ نے مائرہ آنٹی کی باتیں نہیں سنی ہوں گی۔ وہ اتنا اونچا بول رہی تھیں کہ یقیناً" مرینہ کے کمرے تک بھی ان کی آواز گئی ہو گی۔

پھر وہ بہت دیر تک سڑکوں پر بے مقصد گاڑی دوڑاتا رہا اور پرسکون ہونے کی کوشش کرتا رہا۔ جب وہ گھر پہنچا تو کرنل شیر دل ابھی تک جاگ رہے تھے۔ جوں ہی اس نے اپنے بیڈ روم میں قدم رکھا۔ فون بج اٹھا۔ دوسری طرف کرنل شیر دل تھے۔ جو اس کے آنے کا جان کر مطمئن ہو گئے تھے۔ یہ ان کی عادت تھی جب تک وہ گھر نہ آجاتا تو وہ جاگتے رہتے تھے۔ چاہے اسے کتنی ہی دیر ہو جاتی تھی اور ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں دنیا میں کرنل شیر دل جیسے بے غرض اور بے لوث اور شاید دنیا ان ہی جیسے لوگوں سے قائم ہے۔ کرنل شیر دل کے متعلق سوچتے ہوئے اس کے بے سکون دل کو سکون ملا اور وہ مائرہ کی باتوں کو ذہن سے جھٹک کر چائے بنانے لگا۔

چائے پیتے ہوئے اس کا دھیان اپنے ناول کی طرف چلا گیا تو وہ اس کے متعلق سوچنے لگا اور یہ وہ شعوری کوشش سے کر رہا تھا تاکہ آج شام کے واقعے کو ذہن سے نکال سکے۔ چائے پی کر وہ رائٹنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ گیا اور دراز سے فائل نکال کر ورق گردانی کرنے لگا تاکہ ذہنی طور پر خود کو لکھنے کے لیے آمادہ کر سکے شاید پیچھے سے پڑھتے ہوئے انسپائریشن ہو اور قلم چل پڑے کہ اس وقت نیند بالکل نہیں آ رہی تھی۔ ورق گردانی کرتے کرتے وہ ایک جگہ رکا۔

"تو یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھی جو ملاوٹ اور ناپ تول میں کمی کرتی تھی۔"

"اور یہ سب کچھ تو ہم بھی کر رہے ہیں۔" میں ایک دم تلخ ہو گیا۔ "کچھ بھی خالص نہیں ملتا۔ دودھ پینے کو جی نہیں چاہتا۔ اللہ جانے دودھ کے نام پر کیا ملغوبہ دیا جاتا ہے۔ تو کیا ہم پر بھی عذاب مسلط ہونے والا ہے۔"

میں نے خوف زدہ ہو کر حور عین کی طرف دیکھا تو اس کے ہونٹوں کے کونوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"تو یہ عذاب نہیں تو اور کیا ہے۔"

کیا پہلے ایسا ہوتا تھا جیسے اب ہو رہا ہے اور یہ جو تم ہر وقت روتا روتے ہو کہ تمہیں اچھے حکمران نہیں ملتے تو کیا یہ بھی عذاب نہیں ہے لیکن۔۔۔ خیر ہم جانتے ہو کہ حضرت یرمیاہؑ کی بعثت کے وقت بنی اسرائیل عراق کی آشوری سلطنت کے حکمران بخت نصر کے باج گزار تھے۔ وہ اخلاقی پستی کی انتہا پر تھے اور ان پر بخت نصر کی صورت میں عذاب مسلط کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے حضرت یرمیاہ کو پنجرے میں بند کر دیا تھا۔۔۔ اور پھر یوں ہوا کہ یروشلم کی گلیوں میں بخت نصر کے فوجی دندناتے تھے اور زمین گناہ گاروں اور بے گناہوں کے خون سے رنگین ہوتی تھی۔"

مجھے اب حور عین پر حیرت نہیں ہوتی تھی۔ یقیناً" اس کا مطالعہ میرے علم سے زیادہ تھا۔

"تمہیں ڈر نہیں لگتا شاعر؟"

حور عین بڑی بڑی غزالی آنکھوں میں سہم بھرے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کس بات سے؟" میں نے پوچھا۔
"اپنے لوگوں کی اخلاقی پستی سے اور اس بات سے کہ تمہاری زمین بھی بے گناہوں اور گناہ گاروں کے خون سے رنگین ہوئی جاتی ہے۔"
بیک نے کئی صفحات ایک ساتھ پلٹ دیے۔
"تو جب زمین احد کے شہیدوں کو اپنی گود میں سمیٹتی تھی تو اس کے آنسوؤں سے ان کا خون آلود لباس بھیگتا تھا اور اس خون آلود لباس سے ایسی خوشبو اٹھتی تھی کہ زمین سانس کھینچ کھینچ کر اس خوشبو کو اپنے اندر اتارتی تھی اور اپنے آنسوؤں سے ان کے خون آلود چہروں کو غسل دیتی تھی۔ اور سنا ہے شاعر آج بھی جب زائرین احد کے میدان میں کھڑے ہو کر سانس کھینچتے ہیں تو کبھی کبھی کوئی ایک لمحہ ایسا ہوتا ہے جو ان کی سانسوں میں یہ انوکھی خوشبو اتار دیتا ہے۔
ان غزوات کا احوال تو تم نے اپنی نصاب کی کتابوں میں پڑھ رکھا ہو گا شاعر؟"
میں نے اثبات میں سر ہلایا تو حور عین کی آنکھوں سے تاسف جھانکنے لگا۔
"لیکن افسوس ہماری نئی نسلیں یہ سب نہیں جان پائیں گی کیونکہ اب ان کے نصاب سے یہ سب نکال دیا گیا ہے اور گھروں میں والدین اتنے مصروف ہو چکے ہیں کہ ان کے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ اپنے بچوں کو اپنی تاریخ سے روشناس کرا سکیں۔"
وہ کتنی ہی دیر تک اسی تاسف کی حالت میں سر جھکائے بیٹھی رہی پھر اس نے جھکا ہوا سر اٹھایا اور میری طرف دیکھا۔
"تو ہم غزوہ احد کی بات کر رہے تھے نا؟"
وہ اکثر ایک زمانے کی بات کرتے کرتے دوسرے زمانے میں چلی جاتی تھی لیکن اس وقت اسے یاد تھا کہ ہم غزوہ احد کی بات کر رہے تھے۔
"ہاں...!" میں نے سر ہلا دیا۔
"وہ احد کا میدان تھا شاعر! اور زمین کے ان دیکھے آنسوؤں سے بھرا جا رہا تھا۔
جب وحشی حضرت حمزہ کی طرف بڑھتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ کی لاش پر کھڑے ہو کر کہتے تھے کہ مجھے کبھی اتنا غم اور صدمہ نہیں پہنچا جتنا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے ہوا ہے تو زمین بلکتی تھی۔ اور انصار کی عورتوں کے ساتھ مل کر آنسو بہاتی تھی اور جب ہندہ حضرت حمزہ رضی اللہ کے اعضا کاٹ کر ان کا ہار اپنے گلے میں ڈال کر خوشی کا اظہار کرتی تھی تو زمین کے آنسو اور شدت سے بہنے لگتے تھے۔
اور جب عقبہ کے پتھر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا لب مبارک کٹ گیا تھا اور دائیں طرف کا دانت ٹوٹ گیا تھا۔
اور جب ابن قمیہ کے وار سے خود کی کڑیاں آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے رخساروں میں دھنس گئی تھیں اور عبداللہ بن شہاب وار کر کے اس مبارک پیشانی کو خون آلود کرتا تھا جسے چومنے کو فرشتے بھی بے تاب ہوں تو زمین تڑپتی تھی اور ...
جب طلحہؓ بن عبداللہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سہارا دے کر گڑھے سے اٹھاتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ ان کا ہاتھ تھامتے تھے اور حضرت ابو عبیدہ بن جراح دانتوں سے ان کے رخساروں میں کھبی ہوئی کڑیاں نکالتے تھے اور مالک بن نسان آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے چہرہ مبارک سے خون چوستے تھے تو زمین تڑپتی تھی اور اس کے آنسو رکتے نہ تھے۔"
"ہاں...!" مجھے بھی کبھی کبھی حور عین پر اپنی معلومات کا اظہار کرنا اچھا لگتا تھا۔ "اسی غزوہ میں جب آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے تو حضرت اویس قرنی رضی اللہ نے اپنے سارے دانت توڑ ڈالے تھے۔"
اور حور عین نے میری طرف ایسے دیکھا جیسے کوئی بڑا کسی بچے کو اس وقت دیکھتا ہے جب وہ اپنی معلومات کا رعب جھاڑ رہا ہو۔ میں نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔
ایبک نے قلم اٹھا کر ایک دو جگہ نقطے لگائے اور آخری صفحہ نکالا۔
آخری صفحہ جو بہاول پور جانے سے پہلے اس نے لکھا تھا۔ کچھ دیر وہ اسے دیکھتا رہا... اسے پڑھا۔ ایک بار نہیں دو بار اور پھر قلم اٹھایا۔
"حور عین چلی گئی تھی اور میں کتنی ہی دیر وہاں بیٹھا سوچتا رہا تھا کہ کیا واقعی چودھری فرید اور شیر افگن کے درمیان کوئی ڈیل ہوئی تھی اور کیا یہ ڈیل رابعہ سے متعلق تھی۔ میں یہ جاننے کے لیے بے چین تھا اور حور عین جیسے جا کر آنا ہی بھول گئی تھی اور مجھے بے چینی تھی کہ وہ ڈیل۔
اور پھر بہت سارے دن گزر گئے۔ میں ہر روز اس کا انتظار کرتا رہا۔ وہ کون تھی کہاں سے آتی تھی میں نہیں جانتا تھا۔ پہلی بار میں نے اسے نیچے وادی میں سڑک کے کنارے بیٹھے دیکھا تھا اور پھر وہ اکثر مجھے نظر آنے لگی... کبھی چشمے کے کنارے پتھر پر بیٹھی... کبھی میرے ریسٹ ہاؤس کے ٹیلے کے باہر کسی پتھر پر سوچوں میں گم۔ ہمارے درمیان خود بخود ہی بات چیت شروع ہو گئی تھی۔ وہ کبھی روز آجاتی اور کبھی کئی کئی دن بعد۔ لیکن اتنے زیادہ دن تو اس نے کبھی نہیں لگائے تھے اور میں صرف اس کی وجہ سے رکا ہوا تھا۔ اس کی وجہ سے یا پھر یہ جاننے کے لیے کہ وہ ڈیل کیا تھی جس نے چودھری فرید کو مطمئن کر دیا تھا۔
اس روز بھی میں اپنے ریسٹ ہاؤس کی پتھریلی سیڑھیوں پر بیٹھا سوچ رہا تھا بہت دن ہو گئے مجھے اب واپس کراچی چلا جانا چاہیے جب ایک بڑے پتھر کے پیچھے سے مجھے ایک سیاہ اوڑھنی والا سر نظر آیا اور پھر اس پتھر کے پیچھے سے ہولے ہولے وہ نمودار ہوئی اور پتھروں پر پاؤں رکھتی اپنی مخصوص جگہ کی طرف بڑھی حسب معمول اس کی اوڑھنی کا ایک پلو زمین کو چھو رہا تھا۔ وہ میری طرف دیکھے بغیر ایک پتھر پر بیٹھ گئی اور ذرا فاصلے پر نیچے بہتے چشمے کو دیکھنے لگی۔ میں سیڑھیاں پھلانگتا اس کے قریب آیا اور دوسرے پتھر پر بیٹھ گیا۔
"حور عین! کہاں تھیں تم؟ اتنے دن لگا دیے میں تمہیں بہت مس کر رہا تھا۔" میرے لبوں سے بے اختیار نکلا۔
"طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔" اس نے بس ایک نظر مجھے دیکھا۔
"اب' اب کیسی ہو تم؟ مجھے لگتا تھا جیسے میں نے کچھ کھو دیا ہو۔ حور عین! تم میرے۔"
اپنی ہی جذباتیت سے خوف زدہ ہو کر میں نے بات ادھوری چھوڑ دی اور اسے دیکھا۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ سامنے پہاڑوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔
"میں ٹھیک ہوں۔" ہمارے درمیان خاموشی کا ایک طویل وقفہ آگیا۔ میں نے ایک چھوٹا سا پتھر اٹھا کر نیچے چشمے میں پھینکا اور حور عین کی طرف دیکھا۔
"تم ڈیل کے متعلق جاننے کے لیے بے چین ہو نا؟" وہ بلاشبہ بے حد ذہین تھی اور اندر تک کا حال کھوج لیتی تھی۔
"ہاں وہ ثریا... کیا وہ واپس آگئی تھی؟" میں ہکلایا۔
"ہاں' ثریا آگئی تھی اور چودھری فرید بے حد خوش تھا۔ لگتا تھا اسے فریدہ کی موت کا کوئی دکھ نہ تھا۔ خوش تو ثریا بھی بہت تھی۔ جب وہ اپنی شادی سے ناامید ہو گئی تھی تو اسے چودھری فرید مل گیا تھا جس کی عمر چالیس بیالیس سال سے زیادہ نہ تھی اور ان دنوں وہ ثریا پر دیوانہ وار نثار ہو رہا تھا... اسے ڈیرے اور وہاں کی سرگرمیاں بھی بھولی ہوئی تھیں اور مریم اس پر مطمئن تھی کہ وہ گھر پر ہے۔ اور ثریا کی اور اس کی خاطر داری میں لگی رہتی' یہ بھول کر کہ وہ اس کی بیٹی کا قاتل ہے۔ ان دنوں تو اسے کھڑونچی کی جالیوں میں سے دارو سائیں کو دیکھنا بھی یاد نہیں رہتا تھا لیکن جب رات کو سونے کے لیے لیٹتی تو سماعتیں دارو سائیں کی آواز سننے کو بے تاب ہو جاتیں اور دارو سائیں قبرستان میں فریدہ اور سعدیہ کی قبروں کے پاس بیٹھا جانے کیا سوچتا رہتا۔
ثریا کو اس گھر میں آئے تین ماہ گزر گئے تو چودھری فرید کو ڈیرے کی یاد آئی اور پھر ڈیرے کی راتیں جاگ اٹھیں اور ثریا کمرے سے گھبرا کر برآمدے اور پھر صحن میں نکل آتی۔ بار بار دروازے کی طرف دیکھتی اور ادھر

سے ادھر چکر لگاتی۔

"ثریا! بیٹھ جا۔" مریم اسے سمجھاتی "وہ آج رات نہیں آئے گا۔"

"آپ کو کیسے پتا آپا؟ کیا بتا کر گئے ہیں۔" ثریا بے چین سی ہو کر مریم کے پاس کھڑی ہو گئی جو کھڑونجی کے پاس کھڑی تھی۔

اور اب مریم اسے کیا بتاتی کہ اسے کیسے پتا اور اس نے ابھی ابھی کھڑونجی کی جالیوں میں سے نورو معلن کو تیز سرخ لپ اسٹک لگائے اور گلابی جارجٹ کے سوٹ کے نیچے گلابی ہی اونچی ایڑی کی جوتی پہنے ڈیرے کی طرف جاتے دیکھا ہے۔

"بس مجھے پتا ہے ثریا! تو جا کر آرام سے سو جا۔"

مریم جالی سے باہر دیکھنے لگی تھی جہاں بڑے دنوں بعد دارو سائیں پیپل کے نیچے آکر بیٹھا تھا اور اوپر آسمان کی طرف چہرہ اٹھائے جانے کیا دیکھتا تھا۔

مریم نے ثریا کو کچھ نہیں بتایا تھا لیکن ثریا کو ڈیرے کے راز جاننے میں زیادہ دن نہیں لگے تھے اور اسے نورو اور میراں جیسی عورتوں کے ساتھ چودھری فرید کی شراکت گوارا نہ تھی اس لیے وہ روٹھ کر میکے جا بیٹھی۔

"ہوں۔" "مجھے اطمینان ہوا" جان چھوٹی۔"

حور عین نے عجیب نظروں سے مجھے دیکھا اور چھوٹے چھوٹے کنکر اٹھا کر نیچے چشمے میں پھینکنے لگی۔

"تو کیا ثریا نے طلاق لے لی؟" میں نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"نہیں۔" حور عین نے نفی میں سر ہلایا "ایک روز رابعہ صحن میں کھیل رہی تھی اور چودھری فرید اس روز کئی دنوں بعد ڈیرے سے آیا تھا اور سرخ پایوں والے پلنگ پر بیٹھا بغور اسے دیکھتا تھا۔ اور کسی بلوتی مریم اس کے اس طرح دیکھنے پر سہم سہم جاتی تھی اور رابعہ، مریم کے خوف سے بے نیاز ایک ٹانگ پر اچھلتی ہوئی پاؤں سے مٹی کے گول ٹکڑے کو اگلے خانے میں پھینکتی تھی اور پھر لکیروں سے بچ کر اگلے خانے میں قدم رکھتی اور مسرور ہو کر پیچھے دیکھتی۔ مریم لسی کے گلاس میں مکھن کا پیڑا ڈال کر کانپتے قدموں سے

چودھری فرید کی طرف بڑھی تو چودھری فرید نے ڈپٹتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ تو اسے کھلاتی پلاتی نہیں ہے مریم۔ دیکھ کیسی سوکھی سڑی ہے۔ تیرہ کی ہونے والی ہے اور دس کی بھی نہیں لگتی۔ آخر گھر میں اتنا دودھ مکھن ہوتا ہے کس لیے۔"

مریم کا ہاتھ کانپ گیا اور لسی چھلک کر چودھری فرید کے کپڑوں پر گری اور کچھ سخت بات کہتے کہتے چودھری فرید نے ہونٹ بھینچ لیے۔

"اسے روز دیسی انڈا اور دودھ دیا کر، مرغی بھون کر کھلایا کر۔"

چودھری فرید اپنے کمرے میں چلا گیا تھا اور مریم اسی پلنگ پر سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ بار بار ہاتھ دعا کے لیے اٹھاتی اور پھر گرا دیتی۔ آخر وہ اٹھی اور وضو کر کے جاء نماز پر بیٹھ گئی۔

"تو کیا۔۔۔؟" لفظ میرے حلق میں ہی اٹک گئے۔

حور عین نے کچھ نہیں کہا بس کنکر اٹھا اٹھا کر پانی میں پھینکتی رہی۔ کچھ دیر بعد جب اس نے میری طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں شاید ضبط کی کوشش میں خون رنگ ہو رہی تھیں۔

"ہاں! اس نے ڈیل کی تھی کہ رابعہ جب تیرہ برس کی ہو گی تو۔۔۔ ثریا کو چودھری شیر افگن نے یونہی تو نہیں بھیجا تھا۔"

"نہیں۔" میں کانپ گیا اور تسلی دینے کے لیے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا اور پھر فوراً" ہی ہٹا لیا۔

"جب چودھری فرید نے مریم کو بتایا کہ اب رابی کی رخصتی کرنی ہی ہو گی ثریا تب ہی گھر آئے گی تو مریم نے رابعہ کو اس طرح اپنی گود میں چھپا لیا جیسے وہ دو تین سال کی بچی ہو۔ مریم مرغی کی طرح اسے پروں میں سمیٹے دونوں ہاتھ چودھری فرید کے سامنے جوڑتی تھی اور اس کی آنکھوں سے صرف آنسو بہتے تھے اور ہونٹوں سے کچھ نہ نکلتا تھا تب رقیہ چودھری فرید کے سامنے آکر اس کی زبان بن گئی۔

"ابا! رابی بہت چھوٹی ہے۔ بچی ہے۔"

اور تب بیس سالہ رقیہ کو چودھری فرید نے غور سے دیکھا تھا اور سوچا تھا۔۔۔ رقیہ کی بھی تو بات ہو سکتی تھی اور اسے خیال کیوں نہ آیا لیکن اب کیا فائدہ۔ وہ تو زبان دے چکا اور وہ زبان سے پھرنے والا نہیں اور رقیہ التجا کرتی تھی کہ رابی کو معاف کر دے اور چاہے تو اسے ۔۔۔ وہ راضی ہے۔"

"تو کیا پھر رابعہ یا رقیہ؟" میں از حد بے چین ہو رہا تھا۔

"مریم کی دعائیں بھی تو تھیں نا۔"

حور عین نے جیسے میری بات ہی نہیں سنی تھی اور اپنے آپ میں گم کہہ رہی تھی۔

"اس روز جب شیر افگن نے چودھری فرید کو پیغام بھیجا کہ "اللہ نے تجھے بیٹا دیا ہے۔ اپنا وعدہ پورا کر اور ثریا کو گھر لے جا۔ نہیں تو طلاق بھجوا دے اور بیٹے کو بھول جا۔" تو چودھری فرید بھاگتا ہوا شیر افگن کے گھر پہنچا تھا اور وعدے کی تجدید کر کے لوٹا تھا۔ اس روز وہ بات بے بات ہنستا تھا اور اس کے ہاتھ اپنی مونچھوں پر جاتے تھے۔ اب وہ بھی سر اونچا کر کے چلے گا۔ اس نے بڑی حقارت سے مریم کو دیکھا تھا اور مریم چادر اوڑھے سر جھکائے بنا کچھ کہے گھر سے باہر نکل گئی تھی اور جس وقت فوجا نائی پورے گاؤں میں بتاشے بانٹتا تھا تو مریم قبرستان میں فریدہ کی قبر پر سر رکھے روتی تھی اور ادھر ادھر کوئی قریبی جگہ تلاشتی تھی جہاں رابعہ کی قبر بننے والی تھی۔ رابعہ جو ابھی پورے تیرہ سال کی بھی نہیں ہوئی تھی اور جو سارا دن گڑیوں، پٹولوں سے کھیلتی تھی اور زمین اس کے حوصلے اور صبر پر حیران ہوتی تھی اور قبرستان میں درخت سے ٹیک لگائے بیٹھے دارو سائیں کو مریم نے اٹھتے ہوئے دیکھا تھا اور وہ سعدیہ اور فریدہ کو سلام کر کے ہولے ہولے چلتی دارو سائیں کے پاس آکھڑی ہوئی تھی۔

"دارا شکوہ!" مریم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو دارو سائیں نے سرخ سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا۔

آنکھیں جن میں پہچان کی کوئی رمق نہ تھی۔ جو بالکل خالی خالی اور ویران لگتی تھیں۔

"دارا شکوہ۔"

ایک لڑکی تھی جو اسے پورے نام سے بلاتی تھی لیکن دارو کو کچھ یاد نہ آتا تھا کہ یہ عورت کس کا نام لیتی ہے۔

"میری رابی کے لیے دعا کرو دارا شکوہ۔۔۔ وہ۔" آنسو مریم کے رخساروں پر پھسل رہے تھے۔

دارو سائیں ویران آنکھوں سے اسے تکتا تھا۔ وہ پھر ایک دم اٹھا اور تیز تیز چلتا ہوا قبرستان سے باہر نکل گیا۔

"میری دعائیں۔" مریم سر اٹھا کر آسمان کی طرف تکتی تھی۔ "میری حور عین، میری خمسی کہتی ہے میری دعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں۔ یہ تو صرف تو جانتا ہے مولا!"

اور دعا تو قبول ہو چکی تھی۔

اور اس روز حور عین کو لگا تھا، مریم کی دعائیں کھوئی نہیں تھیں بلکہ کہیں محفوظ تھیں۔

اس روز رابی اور حور عین صحن میں پٹھو گرم کھیل رہی تھیں جب ثریا بیٹا گود میں لیے بڑی شان سے حویلی میں داخل ہوئی تھی اور وہ دونوں کھیل چھوڑ کر بچہ دیکھنے بھاگی تھیں اور چودھری فرید رابی کو ڈانٹتا تھا کہ وہ بچوں کی طرح کیوں کد کڑے لگا رہی ہے اور عین اسی وقت شیر افگن کا بلڈ پریشر ہائی ہوا تھا اور اسے برین ہیمبرج ہو گیا تھا اور ادھر چودھری فرید ثریا کے ساتھ بیٹھا رابی اور شیر افگن کے نکاح کا پروگرام سیٹ کر رہا تھا اور ادھر شیر افگن آخری سانس لے رہا تھا۔ اٹیک کے تیسرے دن وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔"

اور میں نے کتنی دیر کا رکا ہوا سانس باہر نکالا۔

اس روز بھی مریم بہت روئی تھی، پوری رات اور رقیہ ماں کی طرح اس کا سر سینے سے لگا کر تھپکتی تھی اور ہولے ہولے کہتی تھی۔

"اماں ۔۔۔ اماں۔ رابی ہمارے پاس ہے ۔" وہ سوئی رابی کی طرف اشارہ کرتی تھی۔

"زندگی اتنی مشکل کیوں ہے حور عین؟"

میں نے ایک کنکر اٹھا کر نیچے پانی میں پھینکا۔ اس چشمے کا پانی سامنے والے پہاڑ سے ہوتا ہوا نیچے اکٹھا ہوتا تھا۔

"ہاں' زندگی تو مشکل ہے۔"

حور عین اپنی چادر درست کرتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔"

لکھتے لکھتے ایبک کے ہاتھ تھک گئے تو وہ قلم ٹیبل پر رکھ کر انگلیاں دبانے لگا۔

ایبک نے سوچا اپنے لیے کافی کا ایک کپ بنا لے اور کافی پی کر کچھ مزید لکھ لے۔ وہ بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کی انگلیاں دباتے ہوئے اٹھا ہی تھا کہ اس کا فون بج اٹھا۔ اس کی نظریں بے اختیار کلاک کی طرف اٹھیں۔ دو بجنے والے تھے۔ "اس وقت ۔۔۔ یا اللہ خیر۔"

اس نے تیزی سے فون اٹھایا۔ کوئی اجنبی نمبر تھا۔ پھر بھی اس نے اٹینڈ کیا۔

"ہیلو ۔۔۔!" دوسری طرف کسی نے ہلکی سی سسکی لی تھی۔

"ہیلو کون ۔۔۔ کون ہے؟" وہ بے تاب ہوا۔

"میں رابیل ہوں۔"

"اوہ رابیل ۔۔۔!" ایک گہرا سانس لیتے ہوئے ایبک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"آپ کو اس وقت فون نہیں کرنا چاہیے تھا خیریت ہے۔" شدید خواہش کے باوجود وہ فون بند نہیں کر سکا۔

"مما نے جو کچھ کیا۔ میں اس کے لیے بہت شرمندہ ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ پلیز مجھے معاف کر دیجیے۔"

"آپ کا بھلا اس میں کیا قصور رابیل۔" ایبک کا لہجہ نرم تھا۔

"لیکن مجھے نیند نہیں آ رہی۔ بار بار مجھے خیال آ رہا ہے کہ میری وجہ سے مما نے آپ کی انسلٹ کی۔ کاش میں آپ سے بات نہ کرتی۔" وہ رونے لگی تھی۔

"او کے رابیل پلیز' روئیں مت۔"

رابیل کی سسکیاں تیز ہو گئیں۔

"پلیز رابیل! اس طرح رو کر آپ مجھے پریشان کر رہی ہیں۔ میں نے کچھ محسوس نہیں کیا۔"

"عمر کو پتا چلا تو وہ بھی مما سے لڑا۔ میں نے کہا تھا۔ وہ آپ کو فون کر کے معذرت کر لے لیکن اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی پھر میں نے اس سے نمبر لے لیا کہ فون کروں گی لیکن پھر سمجھ نہیں آ تا تھا کیا کہوں ۔۔۔ عمر بھی بہت اپ سیٹ ہے۔" اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"آپ پلیز آرام سے سو جائیں۔ بہت رات ہو گئی ہے اور عمر سے میں خود بات کر لوں گا۔ او کے۔"

"سوری میں نے اس وقت آپ کو ڈسٹرب کر دیا۔"

"کوئی بات نہیں۔"

ایبک نے فون بند کر دیا تھا ۔۔۔ ڈسٹرب تو وہ ہو گیا تھا ۔۔۔ اس لیے کافی پینے اور لکھنے کا ارادہ ترک کر کے وہ بیڈ پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

مائرہ نے کروٹ بدلتے ہوئے آنکھیں کھولیں تو اس نے دیکھا۔ احسان شاہ صوفے پہ بیٹھے تھے اور ان کے ہاتھ میں سگریٹ تھا۔ مائرہ کی نظریں سامنے دیوار پر لگے کلاک پر پڑیں۔ اڑھائی بج رہے تھے۔ تو کیا احسان شاہ ابھی تک سوئے نہیں۔ احسان شاہ سگریٹ نہیں پیتے تھے۔ لیکن کبھی بہت ڈپریس ہوتے تو ایک آدھ سگریٹ پی لیتے تھے۔ مائرہ نے نیم وا آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ وہ جلتا ہوا سگریٹ ہاتھ میں لیے کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

تو کیا احسان شاہ ابھی تک شام کے واقعے کی وجہ سے ڈپریس ہیں۔ مائرہ نے سوچا۔

پتا نہیں ایبک کو رابیل سے بات کرتے اور رابیل کو مسکراتے دیکھ کر انہیں کیا ہو گیا تھا۔ خود پر قابو ہی نہیں رکھ سکی تھیں۔ انہیں خیال ہی نہیں رہا تھا کہ احسان شاہ کمرے میں ہیں اور ان کی آواز یقیناً ان تک جائے گی۔ پہلے ہی اس رات کے بعد وہ کتنی مشکل سے انہیں قائل کر سکی تھیں۔ احسان شاہ اس روز رابیل کے کمرے سے بنا کچھ بات کیے نیچے آ گئے تھے اور پھر اگلے کئی دن تک انہوں نے مائرہ سے بات نہیں کی تھی اور نہ ہی ان کی کسی بات کا جواب دیا تھا۔ حالانکہ کتنی بار انہوں نے بلانے کی کوشش کی تھی۔

"پلیز شانی! میری بات سنو۔ مجھے سمجھنے کی کوشش کرو' اس طرح بلا قصور مجھے سزا مت دو۔"

اس رات جب احسان شاہ سونے کے لیے لیٹے تو وہ بول پڑی تھیں تب احسان شاہ ان کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"میں مانتی ہوں۔ میں نے ٹھیک سے شکل نہیں دیکھی تھی۔ یہ میرے اندر کا ڈر تھا کہ میں نے سمجھا' وہ ضرور فلک شاہ ہو گا۔ تم نہیں جانتے جب سے فلک شاہ ملک ہاؤس میں آ کر ٹھہرا ہے۔ میں خوف زدہ رہنے لگی تھی۔ اس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ وہ اپنی بے عزتی کا بدلہ ضرور لے گا مجھ سے تو۔ میں نے تم سے کبھی ذکر نہیں کیا تھا اس دھمکی کا لیکن اب جب وہ آیا تو میں بہت ڈر گئی تھی۔ میرے لاشعور میں تھا کہ وہ موقعے سے فائدہ اٹھائے گا۔ اس لیے۔ پلیز شانی! میرا یقین کرو وہ۔ میری شادی سے پہلے بھی ایک بار اس نے زبردستی۔"

"بس کرو مائرہ!" احسان شاہ نے انہیں روک دیا تھا۔ "ٹھیک ہے۔"

"میرا یقین کرو۔ میں نے کسی کو دیکھا تھا سیڑھیاں چڑھتے۔ میں نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔"

اور احسان شاہ نے ان کا یقین کر لیا تھا۔ کیونکہ شمو نے بھی اعتراف کر لیا تھا کہ وہ دروازہ کھلا چھوڑ کر چلی گئی تھی اپنے کوارٹر میں اور ہو سکتا ہے کوئی لان کی دیوار پھلانگ کر آیا ہو اور دروازہ کھلا دیکھ کر اندر آ گیا ہو۔ ایسا ہو سکتا تھا۔ احسان شاہ نے مان لیا تھا لیکن مائرہ کا غصہ کم ہی نہیں ہوتا تھا۔ وہ اندر ہی اندر کھولتی رہی تھیں۔ وہ ایسا کچھ نہ کر سکی تھیں جو فلک شاہ کو ہمیشہ کے لیے سب کی نظروں میں گرا دیتا' اس ناکامی نے ان کے اندر غصہ بھر دیا تھا۔ عادل اور حفصہ کی شادی میں ایبک کو سب کے ساتھ ساتھ دیکھ کر وہ جلتیں۔ یہ ایبک ہی تو تھا جس نے ٹوٹے رابطے جوڑے تھے۔

انہیں ایبک پہ بھی غصہ تھا۔ بلکہ وہ نفرت کرتی تھیں صرف ایبک سے ہی نہیں فلک شاہ کے خاندان کے ہر فرد سے اور اب رابیل کو دلچسپی اور شوق سے ایبک کی بات سنتے دیکھ کر وہ بھڑک اٹھی تھیں۔ لیکن پھر احسان شاہ کو دروازے سے اندر مڑتے دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی تھیں اور وہ جو رابیل کے پیچھے جانا چاہتی تھیں کمرے میں آ گئی تھیں۔ احسان شاہ سنجیدہ سے بیٹھے تھے۔

"وہ شانی ۔۔۔!"

وہ اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہی چاہتی تھیں کہ احسان شاہ نے انہیں ٹوک دیا۔

"یہ سب کیا تھا مائرہ؟"

"میں برداشت نہیں کر سکتی شانی! کہ اس شخص کا بیٹا اکیلے میں بیٹھ کر میری بیٹی سے گپ شپ لگائے۔ بیٹا بھی یقیناً ایسا ہی ہو گا جیسا باپ ہے۔"

"تم یہ بات آرام سے بھی کر سکتی تھیں مائرہ!" احسان شاہ نے تاسف سے کہا۔ "اپنی ہی بیٹی کو تماشا بنانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو شانی! لیکن مجھے خود پر اختیار نہیں رہا تھا۔"

"جاؤ' رانی کو دیکھو۔ وہ یقیناً رو رہی ہو گی۔" احسان شاہ نے کہا تھا اور پھر خود ہی منع کر دیا تھا۔

"نہیں اس وقت وہ اپ سیٹ ہو گی بعد میں بات کر لینا۔"

اور انہوں نے اطمینان کا سانس لیا تھا کہ احسان شاہ ان سے ناراض نہیں ہوئے تھے۔ لیکن رات کے اس پہر وہ صوفے پر بیٹھے ہوئے سگریٹ پی رہے تھے۔ تو یقیناً وہ شام کے واقعے کی وجہ سے اپ سیٹ ہوں گے۔

مائرہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"تم سوئے نہیں شانی! طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں۔ ٹھیک ہوں۔ بس نیند نہیں آ رہی تھی۔ تم سو جاؤ۔" احسان شاہ نے جلتا ہوا سگریٹ ایش ٹرے میں مسل کر اس میں ڈال دیا۔

"سوری شانی! شام مجھے ۔۔۔"

"اٹس او کے مائرہ!" احسان شاہ نے ہاتھ اٹھا کر انہیں مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔

"تم خود پر قابو رکھا کرو مائرہ۔ ایبک بابا جان سے ملنے آتا رہے گا پھر بھی۔ اور یہاں سب بچوں سے اس کی دوستی ہے۔ عمر اور زبیر سے بھی۔ رابیل کی پھپھو کا بیٹا ہے وہ اگر اس نے ایبک سے بات کرلی تھی تو یہ ایسی ٹمپر لوز کرنے والی بات نہیں تھی۔" احسان شاہ نے نرمی سے انہیں سمجھایا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو شانی! لیکن میں۔۔۔ اس کی اور ہمدان کی شادی ہو جاتی تو میں بھی مطمئن ہو جاتی۔ کبھی کبھی میرے ذہن میں یہ خیال بھی آتا ہے کہ کہیں ایبک کے ذریعے فلک شاہ انتقام نہ لے۔ تم۔۔۔ تم کیوں نہیں سمجھاتے رابی کو۔ ہمدان میں آخر برائی کیا ہے؟" مائرہ نے پریشانی کا اظہار کیا۔

"مائرہ! میں نے تم سے کہا تھا اب ہمدان اور رابی کی شادی کا ذکر مت کرنا۔ جب وہ ہمدان سے شادی نہیں کرنا چاہتی تو زبردستی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" احسان شاہ بے حد سنجیدہ لگ رہے تھے۔

"میں نے تو سوچا تھا۔ ہماری اکلوتی بیٹی ہے۔ ہمدان اچھا لڑکا ہے۔ ہمدان سے اس کی شادی ہو گئی تو ہمیشہ ہماری آنکھوں کے سامنے رہے گی۔"

احسان شاہ نے مائرہ کے لہجے میں چھپی افسردگی کو محسوس کیا اور تسلی دینے والے انداز میں کہا۔

"زبردستی کی شادیوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا مائرہ پلیز یہ خیال ذہن سے نکال دو اب۔"

مائرہ نے سر ہلاتے ہوئے سائیڈ ٹیبل پر پڑے جگ سے پانی گلاس میں ڈالا اور پانی پیتے پیتے یکدم چونکیں۔

"شانی پلیز' وہ مونا بھابی نے کچھ عرصے پہلے اپنے بھتیجے کے لیے بات کی تھی مجھ سے لیکن تب میرے ذہن میں ہمدان کا خیال تھا ورنہ طاہر ہر لحاظ سے ایک بہترین لڑکا ہے۔ آپ ملے تو ہیں اس سے ابھی جب ہم رحیم یار خان گئے تھے۔"

"ہاں!" احسان شاہ نے سر ہلایا۔

"تو میں بھابی سے بات کروں صبح؟" مائرہ نے پوچھا تو احسان شاہ چونکے۔

"نہیں پہلے رابی کی مرضی پوچھ لو لیکن جلدی مت کرنا۔ ابھی اپ سیٹ ہوگی' وہ دو تین دن تک بات کرنا۔" احسان شاہ نے پاس پڑی کتاب اٹھالی تھی۔

☆ ☆ ☆

جنید علی کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے احمد رضا لونگ روم کے دروازے تک آیا۔ ثمینہ حیدر کو آواز دے کر دو کپ چائے لانے کے لیے کہا اور جنید علی کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔

وہ دونوں ابھی ابھی تقریباً" چار گھنٹے کا سفر کر کے آئے تھے۔ لیکن احمد رضا کو تھکن محسوس نہیں ہو رہی تھی۔۔۔ موٹر وے پر سفر کرتے ہوئے وہ بالکل تھکن محسوس نہیں کرتا تھا بلکہ سارا وقت وہ ارد گرد کے خوب صورت مناظر سے لطف اندوز ہوتا رہتا۔ خوب صورت پہاڑ' سرسبز زمینیں' کینو اور مالٹے کے باغات۔

کل رات وہ جنید علی کے ساتھ موٹر وے کے ذریعے کلر کہار سے کچھ آگے ایک گاؤں میں گیا تھا۔ جنید علی نے کل سہ پہر اچانک ہی اسے فون کیا تھا کہ وہ تیار رہے ایک جگہ جانا ہے کہاں جانا ہے نہ اس نے پوچھا تھا نہ جنید علی نے بتایا تھا۔ وہ عصر سے ذرا پہلے جنید کی گاڑی میں نکلے تھے اور مغرب کے بعد وہاں پہنچے تھے۔ یہ ایک مدرسہ تھا۔ تین منزلہ شاندار عمارت جو گاؤں سے کافی ہٹ کر تھی۔ اتنے چھوٹے سے گاؤں میں آبادی سے ہٹ کر اتنا شاندار اور بڑا مدرسہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا تھا اور اس نے جنید علی سے پوچھا تھا کہ آخر وہ یہاں اس مدرسے میں کیا کرنے آئے ہیں اور جنید علی نے مسکرا کر اسے ٹال دیا تھا۔

"پتا چل جائے گا یار!"

رات انہیں مدرسے میں ہی قیام کرنا تھا۔ یہ جنید علی نے اسے راستے میں بتا دیا تھا۔ "واپسی کل صبح ہو گی۔"

"ٹھیک ہے۔" اس کا کون تھا جسے اس نے بتانا تھا۔

انہیں فوراً" ہی دو نوجوان لڑکوں نے ایک کمرے میں پہنچا دیا تھا۔

"مفتی صاحب سے رات کے کھانے پر ملاقات ہو گی۔ ابھی آپ آرام کریں۔"

اور جب وہ ڈرائنگ روم کی طرف جا رہے تھے تو اس کی ملاقات طیب خان سے ہوئی تھی۔ طیب نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔

"ہیلو احمد رضا کیسے ہو؟"

"فائن!" وہ حیران ہوا تھا۔

"تم کتنا بھی بھیس بدل لو' طیب خان کی نظریں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ یہ رچی بھی۔" وہ ہنسا تھا۔ "میں نے جب رحیم یار خان میں پوچھا تھا کہ کیا احمد حسن ہی احمد رضا ہے تو ٹال گیا تھا۔ لیکن جب میں نے تمہارے ساتھ پروگرام کیا تھا تب ہی پہچان لیا تھا تمہیں کہ احمد حسن کے بھیس میں احمد رضا ہے۔ ہاں۔۔۔ لیکن اس نے مجھ سے کہا تھا کہ جلدی ہی مجھے تمہارے ساتھ مل کر کام کرنا ہے اور جب تم مجھے ملو گے تو خود ہی جان لو گے کہ احمد حسن کون ہے۔"

"ہاں آگ اور پانی کا میل ہو تو نہیں سکتا لیکن رچی بہادر سب کچھ کر سکتا ہے۔۔۔ مجھے حکم ملا تھا کہ مجھے تمہارے ساتھ لاہور میں رہ کر کام کرنا ہے لیکن پھر آرڈر آیا کہ فی الحال نہیں۔ فی الحال جو کر رہے ہو۔ وہی کرو۔"

"ہاں رچی نے مجھے تمہارے وڈیو کلپس دکھائے تھے۔" وہ سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آہاہا!" وہ پھر ہنسا "تو رچی نے تمہیں دکھانے کے لیے وہ کلپس منگوائے تھے۔"

"مجھے لگا تھا تم خدائی یا نبوت کا دعوا کرنے والے ہو۔"

"ارے نہیں۔" طیب خان نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا تھا۔ "اس میں مارے جانے کا رسک ہے۔ سرپھروں کی کمی نہیں ہے یہاں تمہارے اس ملک میں۔"

"ہاں!" اسے ایک دم حسن رضا کا خیال آیا تھا۔ سرپھروں کی واقعی کمی نہیں ہے اس ملک میں اگر حسن رضا سرپھرے نہ ہوتے تو بھلا یوں اس طرح ہاتھ پکڑ کر اسے گھر سے نکال کر دروازہ بند کر دیتے۔"

"کیا سوچ رہے ہو دوست۔ پیری فقیری میں ایسا کوئی رسک نہیں ہے۔ بہت ہوا تو یہی کہہ لیں گے کہ پیر جھوٹا ہے بس۔۔۔ یوں سر قلم کرنے کو کوئی بے چین نہیں ہو گا۔"

"دیکھے تھے تمہارے پرستار۔"

"میں تو خود حیران ہوتا ہوں ان کی دیوانگی پر۔" طیب خان نے تبصرہ کیا تھا۔ "ویسے ہمیں مل کر ہی کام کرنا ہے لیکن فی الحال دور دور رہ کر۔"

طیب خان نے مزید بات نہیں کی تھی اور کوریڈور سے ایک طرف مڑ گیا تھا۔

"کھانے پر ملاقات ہوتی ہے پھر۔"

جنید علی خاموش رہا تھا۔

اور پھر کھانے کی ٹیبل پر ہی اس کی ملاقات اختر مسعود سے ہوئی تھی۔ جنید علی نے اس کا تعارف کروایا تھا۔

"یہ مفتی اختر مسعود صاحب ہیں اس درس گاہ کے سربراہ۔ ان ہی کی نگرانی میں سب کچھ ہوتا ہے یہاں۔"

اختر مسعود نے چغہ پہنا ہوا تھا اور سر پر پگڑی تھی۔ اسے اختر مسعود پسند نہیں آیا تھا۔ وہ اسے کسی لومڑی کی طرح چالاک لگا تھا اور اس کی نظریں اسے اپنے وجود میں اترتی محسوس ہوئی تھیں۔

اختر مسعود سے اس کی زیادہ بات نہیں ہوئی تھی طیب خان کے آنے کے بعد کھانا خاموشی سے کھایا گیا تھا۔ پھر اختر مسعود کے کہنے پر دو لڑکوں نے انہیں درس گاہ دکھائی تھی۔ فی الوقت اس میں تین سو طلبا تھے۔ احمد رضا کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ ایک کمرے میں بڑی عمر کے طلبا بھی تھے۔ جن کی عمریں پچیس چھبیس سال سے زیادہ لگتی تھیں۔

"کیا یہ بھی پڑھتے ہیں؟" اس نے جنید علی سے پوچھا تھا۔

"علم حاصل کرنے کے لیے عمر کی تو کوئی قید نہیں ہوتی احمد رضا؟" جنید علی نے آہستگی سے کہا تھا۔

آج صبح ناشتے کے بعد وہ وہاں سے روانہ ہوئے تھے آتے ہوئے طیب خان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ہاں اختر مسعود انہیں خدا حافظ کہنے گیٹ تک آیا تھا۔

"اب ہم آپ سے رابطے میں رہیں گے۔" اختر مسعود نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا اور اس کی گرفت اتنی سخت تھی کہ کتنی دیر تک احمد رضا کی انگلیاں درد کرتی رہی تھیں۔

ایک ہفتہ قبل ہی وہ رحیم یار خان سے واپس آیا تھا۔ الوینا اور رباب حیدر نے اسے بریف کیا تھا کہ اسے فی الحال ابھی لاہور میں ہی رہنا ہے۔ اور خود کو ایک محب وطن پاکستانی ثابت کرنا ہے۔ پھر سے کام اور آرٹیکل لکھنے ہیں اور ایسے لوگوں سے تعلق رکھنا ہے جن کی حب الوطنی میں شک نہیں کیا جاسکتا۔ ان طلبا سے دوبارہ رابطہ کرنا ہے جو دو ماہ پہلے اس کے گھر آیا کرتے تھے۔

اس کے بعد دوسرا مرحلہ چینل لانچ کرنے کا ہے۔ ہدایات اسے ساتھ ساتھ ملتی رہیں گی۔

"تو احمد رضا! تمہاری اب ساری زندگی منافقت اور بہروپ میں گزرنی ہے۔"

اس نے ایک گہرا سانس لے کر جنید علی کی طرف دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو یار؟" جنید علی مسکرایا۔

"کچھ نہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ ہم وہاں کیوں گئے تھے۔"

"فی الحال تو تمہیں ان سے ملوانا مقصود تھا۔ حیرت ہے تم پانچ سالوں سے ان کے ساتھ ہو اور نہیں سمجھے ہو کہ ان کا نیٹ ورک پورے ملک میں پھیلا ہوا ہے۔ بہت مربوط نظام ہے۔ کس کو کس سے ملوانا ہے۔ کس سے رابطہ رکھنا ہے' اس کے آرڈر اوپر سے آتے ہیں۔"

"کیا اختر مسعود بھی ان کا آدمی ہے؟" اس نے پوچھا۔

جنید علی نے لحہ بھر کے لیے سوچا اور پھر آہستگی سے بولا۔

"احمد رضا! یہ شخص اختر مسعود وہ بندہ ہے جسے افغانستان کا صدر بنانے کا سوچا جا رہا تھا۔ لیکن پھر شاید یہ سوچ کر ارادہ ملتوی کر دیا گیا کہ اس طرح وہ ایک اچھے ایجنٹ سے محروم ہو جائیں گے۔ یہ ہے تو افغانی لیکن پاکستان آنے سے پہلے جرمنی میں رہائش پذیر تھا۔"

"کیا حساس ادارے اور ایجنسیاں نہیں جانتیں کہ یہ شخص ایجنٹ ہے سی آئی اے کا؟"

"سب جانتے ہیں لیکن ــــ" جنید علی کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "تم اس پر مت سوچو۔ ہم بھی تو ان کا دیا کھاتے ہیں۔"

اور اس کے اندر کہیں ندامت کے آنسو گرنے لگے تھے۔وہ ہونٹ بھینچے بیٹھا تھا۔

ثمینہ حیدر ٹرالی گھسیٹتی ہوئی اندر آئی اور چائے بناتے ہوئے اس نے احمد رضا کی طرف دیکھا۔

"سر! ایبک فلک شاہ کا فون آیا تھا' وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ انہیں ٹائم دے دیں کل شام کا۔" احمد رضا نے اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیا۔

"ایبک فلک شاہ؟" ثمینہ حیدر کے جانے کے بعد جنید علی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو احمد رضا نے اسے پہلی ملاقات کی تفصیل بتادی۔

"لیکن یہ تو اور مزاج کا بندہ ہے۔ میں نے اس کے کالم پڑھے ہیں۔ وہ کسی اور نام سے کالم لکھتا ہے۔ لیکن کچھ عرصے پہلے ہی اس اخبار کے ایڈیٹر نے مجھے بتایا تھا کہ دراصل یہ ایبک فلک شاہ ہے۔ کیا رچی نے تمہیں منع نہیں کیا اس سے ملنے سے؟"

"نہیں' اس کا خیال ہے کہ ایسے لوگوں سے ملنا فائدہ مند ہوگا۔"

"ہوں۔" جنید علی نے سر ہلایا تھا۔

احمد رضا چائے پیتے ہوئے سوچنے لگا کہ کیا وہ جنید سے پوچھے' ابو اور امی کے متعلق اور اگر اس نے کہہ دیا کہ یہ سچ ہے تو ـــ وہ جب سے رحیم یار خان سے آیا تھا' مسلسل اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن جنید علی نے سم تبدیل کرلی تھی اور کل شام اچانک وہ خود ہی آگیا تھا اور کل وہ پوچھ نہیں سکا تھا تو کیا اب پوچھ لے۔

اس نے چائے کا خالی کپ میز پر رکھا۔

"جنید علی! ایک بات پوچھوں؟"

"ضرور۔" جنید علی مسکرایا' تب ہی اس کا فون بج اٹھا۔

"ہیلو' ہاں کب؟ کہاں؟" دوسری طرف کی بات سن کر وہ کہہ رہا تھا پھر وہ ایک دم فون آف کر کے کھڑا ہو گیا۔

"گھر سے فون آیا ہے۔ میرے بڑے بھائی کے متعلق کوئی اطلاع ملی ہے۔ کسی کا فون آیا تھا گھر پر۔ او کے پھر ملتے ہیں۔"

وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

احمد رضا کچھ دیر وہیں لونگ روم میں بیٹھا رہا۔ وہ جب سے لاہور آیا تھا' مسلسل سوچ رہا تھا "کیا خبر رچی نے جھوٹ بولا ہو۔ مجھے ضرور جنید علی سے تصدیق کرنی چاہیے۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا پھر اس نے میرے بجائے رچی کو کیوں بتایا' شاید اسے حوصلہ نہیں ہو رہا ہوگا مجھے ان کی موت کی اطلاع دینے کا ـــ" اس نے سوچا اور دل پر آنسو گرنے لگے۔ "لیکن مجھے جنید سے ایک بار خود بھی بات کرنا چاہیے۔" وہ اٹھا اور ثمینہ حیدر کو آواز دی۔

"مس ثمینہ! میں اپنے بیڈ روم میں جا رہا ہوں ریسٹ کرنا چاہتا ہوں ـــ مجھے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ کوئی آئے تو بتا دیجئے گا۔ گھر پر نہیں ہوں۔"

"سر! لنچ تقریباً" تیار ہے۔ لنچ کر کے ریسٹ کر لیجئے گا۔"

"نہیں ـــ مجھے لنچ نہیں کرنا۔ ملازمین کو کھانا دے دیجئے گا۔"

بیڈ روم میں آکر کچھ دیر وہ یونہی بیڈ پر بیٹھا رہا۔ پتا نہیں ابو نے مجھے آخری لمحوں میں یاد کیا ہو۔ کیا پتا انہوں نے مجھے معاف کر دیا ہو۔ ہو سکتا ہے انہوں نے مجھے یاد کیا ہو لیکن معاف؟ کیا وہ مجھے معاف کر سکتے ہیں؟

میں تو ان کی نظر میں مرتد ہو چکا تھا

سمیرا اگر مل جاتی تو وہ بتا سکتی۔ کاش سمیرا!

یکدم کسی خیال نے اسے چونکا دیا۔ وہ اٹھا اور لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھ گیا۔ کیا وہ اسے فیس بک پر تلاش کر سکتا ہے۔ سمیرا نام کی بے شمار لڑکیاں ہیں۔ اس نے چند لڑکیوں کو چیک کیا اور پھر مایوس ہو کر لیپ ٹاپ بند کر دیا۔ اور بیڈ سائیڈ ٹیبل سے اخبار اٹھالیا۔ جو غالباً" ثمینہ حیدر نے معمول کے مطابق اس کے بیڈ روم میں رکھ دیے تھے۔

آج سفر میں ہونے کی وجہ سے وہ اخبار نہیں پڑھ سکا تھا۔ ایک اردو اخبار ہاتھ میں لے کر اس نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائی تو اس کی نظر تکیے کے پاس پڑے اپنے فون پر پڑی۔ وہ کل جنید کے ساتھ جاتے ہوئے اپنا فون یہاں چھوڑ گیا تھا۔ اس نے فون اٹھا کر نمبر چیک کیے۔ تین چار مس کالیں تھیں لیکن سارے نمبر انجان تھے۔

ریسیوڈ کال میں سے آخری کال جنید کی تھی۔ یہ جنید کا نیا نمبر تھا۔ نمبر محفوظ کرتے ہوئے اس کی نظر ایک اور نمبر پر پڑی۔ جس کے ساتھ نام نہیں تھا۔ یہ نمبر بھلا کس کا محفوظ کیا تھا میں نے۔ ایک لحہ کے لیے اس نے سوچا اور پھر اسے یاد آگیا کہ یہاں آنے سے پہلے وہ اریب فاطمہ کی والدہ سے ملنے گیا تھا۔ انہوں نے اسے بتایا تھا کہ اریب فاطمہ لاہور چلی گئی ہے اور اس کے ابا اس بات پر راضی ہو گئے ہیں کہ شیخ کی واپسی تک وہ پڑھ لے۔ اس دوران اگر اس کا امتحان ہو جاتا ہے تو ٹھیک ورنہ اگر شیخ پہلے آگئے تو اسے واپس آنا ہوگا۔ انہوں نے اس کا نمبر لیا تھا اور اس نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر کوئی ایسا مسئلہ ہوا تو وہ فون کر دیں وہ آکر خود سب کو شیخ کی حقیقت بتا دے گا۔ احتیاطاً" اس نے ان سے بھی نمبر لے لیا تھا کہ کبھی کبھار خود ہی فون کر کے

خیریت معلوم کرلیا کرے گا۔
وہ اپنے ابو کی اس سیکنڈ کزن کے لیے دل میں بہت احترام محسوس کررہا تھا اور اسے ان کے پاس سے ماتا کی خوشبو آتی تھی۔
یقیناً" وہ بہت اچھی ماں ہوں گی۔ اس کی امی کی طرح شفیق مہربان اور محبت کرنے والی۔
اس نے اس نمبر کو اسفند یار کے نام سے محفوظ کیا اور پھر اخبار اٹھایا۔ سرسری نظروں سے خبریں دیکھتے ہوئے اس نے اندر کا صفحہ نکالا۔ اور اس کی نظریں ایک آرٹیکل پر رک گئیں۔
جھوٹے نبی مسلیمہ کذاب سے لے کر اسماعیل کذاب تک"
وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔
مسلیمہ کذاب کو حضرت ابوبکرؓ کی فوج نے مارا تھا۔ یہ جھوٹے نبوت کے دعوے دار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بھی اٹھے تھے جسے طلحہ بن خویلد اور اسود الانسی۔ لیکن یہ بعد میں تائب ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے تھے۔
"تو کیا میں بھی۔ کیا میری توبہ قبول ہوجائے گی؟"
اس نے سوچا اور مضمون پر نظر ڈالی۔ یہ ایک طویل فہرست تھی۔ راشد خلیفہ' جوزف اسمتھ' سیف بن سید' محمد بن فاراج۔ مرزا عباس ابو منصور عیسیٰ وغیرہ سب ہی دردناک انجام سے دوچار ہوئے تھے۔ راشد خلیفہ اور جوزف کو پھانسی ہوئی تھی۔ کچھ جیل میں مرگئے اور کچھ...... اس کی نظر آخری لائن پر پڑی۔
"اسماعیل کذاب خود تو جیل میں مارا گیا لیکن اس کے حواری کہاں ہیں۔ کیا ان میں سے بھی کوئی نبوت کا دعوا کرنے والا ہے۔"
احمد رضا نے گھبرا کر اخبار رکھ دیا۔
"نہیں میں ایسا نہیں ہوں۔ میں اسماعیل کذاب کو نبی نہیں مانتا۔ میں نے کبھی بھی اسے نبی نہیں مانا تھا۔ میں تو بس۔"
اس کا جی چاہا' وہ چیخ چیخ کر ساری دنیا کو بتائے۔ لیکن اس [illegible] بھنچے ہوئے تھے۔

"اور اگر میں تائب ہوا تو معاف کردیا جاؤں گا۔"
وہ اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔
"شاید۔ شاید معاف کردیا جاؤں۔"
لیکن یہ جال جو ہر گزرتے دن کے ساتھ میرے گرد اپنا دائرہ تنگ کرتا جارہا ہے۔ کیا میں اس جال سے نکل سکوں گا۔ کیا وہ سب جو کھو گیا ہے' مجھے واپس مل جائے گا۔ کیا میں اب عمر بھر ان لوگوں کے ہاتھوں میں کھیلتا رہوں گا۔ یہ لوگ جو اس ملک میں جانے کیا کیا کررہے تھے اور کیا کیا کرنا چاہتے تھے۔ وہ جب رحیم یار خان میں تھا تو اس نے رباب حیدر کو الوینا سے کہتے سنا تھا۔ وہ پوچھ رہا تھا۔
"وہ لڑکی کیا اتنی بولڈ ہے کہ ہم اس سے وہ سب کہلوا سکیں جو چاہتے ہیں۔"
"یقیناً"۔" الوینا نے اسے یقین دلایا تھا۔
"تو پھر اس پر کام کرو۔ ریپ کرواؤ۔ چہرے پر تیزاب ڈالو اور اچھی طرح تیار کرکے۔ میڈیا کے سامنے لاؤ۔ اس کے والدین کو بھی مٹھی میں لو۔"
"پتا نہیں' یہ مجھ سے کیا کروائیں گے۔"
وہ وحشت زدہ سا کچھ دیر کمرے میں ٹہلتا رہا پھر بیڈ پر لیٹ گیا۔ کانوں میں رچی کی آواز گونجی۔ اس روز وہ بہت نشے میں تھا۔
"دیکھنا رضی! ایک روز ہم تمام عالم اسلام کے ذخائر پر قابض ہوں گے۔"
اور اس روز اسے پہلی بار یقین آیا تھا کہ رچی اندر سے مسلمان نہیں ہوا۔ اس کا قبول اسلام محض ایک بہروپ ہے۔ اور اب رچی کو لیبیا بھیج دیا گیا تھا اور پتا نہیں وہ وہاں کس سازش کے تانے بانے بن رہا تھا۔
اس نے اپنی آنکھوں پر بازو رکھ کے آنکھیں بند کرلیں۔ لیکن نیند آنکھوں سے بہت دور تھی۔ وہ خالی الذہن سا لیٹا رہا۔ شام ہوگئی تھی جب وہ اٹھا۔ ثمینہ حیدر لاؤنج میں جانے کے لیے تیار بیٹھی تھی۔
"سر! اسمٰعیل سے کال آئی تھی"
ایک اخبار کے آفس سے بھی فون آیا تھا۔
اور ڈاکٹر فرینہ شاہ کا بھی' وہ آپ سے ملنا چاہتی

تھیں۔ میں نے سنڈے کا کہہ دیا تھا۔"
"ٹھیک ہے۔" اس نے بے دھیانی سے اس کی بات سنی۔
"آپ جائیں۔" ثمینہ حیدر کے جانے کے بعد وہ بھی باہر نکل آیا۔ دو کم عمر لڑکیاں ٹہل رہی تھیں۔ ایک بچہ ٹرائیسکل دوڑا رہا تھا۔ یہاں عموماً" سکون رہتا تھا۔ رہائشی علاقہ ہونے کی وجہ سے ٹریفک کم تھی۔ وہ کچھ دیر اپنے گیٹ کے باہر بے مقصد کھڑا رہا۔
وہ کیوں باہر آیا تھا۔ نہیں جانتا تھا۔
اسے کہیں جانا بھی نہیں تھا پھر؟ اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو حاجی صاحب اسے اپنے گیٹ سے نکلتے نظر آئے۔
"حاجی صاحب۔" وہ تیزی سے ان کی طرف لپکا۔
حاجی صاحب بڑے تپاک سے اس سے ملے۔
"ارے میاں! کہاں غائب تھے آپ؟"
"بس۔ وہ کہیں باہر چلا گیا تھا۔ جانے سے پہلے ملنے آیا تھا آپ سے۔ آپ نہیں تھے۔"
"بس بیٹا...... کراچی گیا ہوا تھا تو انہوں نے آنے ہی نہیں دیا۔"
"آیئے چلیں۔ بیٹھتے ہیں کچھ دیر۔" حاجی صاحب اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لان میں لے گئے۔
"حاجی صاحب اگر میں تائب ہوجاؤں تو کیا بخش دیا جاؤں گا۔ معاف کردیا جاؤں گا۔" وہ پوچھنا چاہتا تھا۔ بار بار اس کے لبوں پر آتا اور پھر لفظ اندر ہی اندر دم توڑ دیتے تھے۔"
"پریشان لگ رہے ہو احمد حسن سچی بات ہے ہر سچا مسلمان پریشان ہے۔ واقعہ ہی ایسا ہے۔"
"کیسا واقعہ؟" اس نے سوالیہ نظروں سے حاجی صاحب کو دیکھا۔
"یہی میاں خاکوں والا۔ مجھے تو ساری رات نیند نہیں آئی۔"
وہ الجھی نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔
"کیسے خاکے؟" وہ تو کچھ نہیں جانتا تھا۔
"یہی دو دن پہلے 30 ستمبر کو ڈنمارک کے اخبار

بولاند پوسٹن میں خاکے چھپے اور پھر انٹرنیٹ کے ذریعے انہیں پھیلا دیا گیا۔"
وہ خالی الذہن سا حاجی صاحب کی باتیں سن رہا تھا۔
"میاں تم...... تمہارا قلم کیوں خاموش ہے۔ احتجاج کرو۔ لکھو۔ یہ بھی جہاد ہے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا ثبوت دو۔ تمہارے پاس قلم کی طاقت ہے۔ ہم جیسے تو بس باتیں ہی کرسکتے ہیں۔"
اس نے حاجی صاحب کی طرف دیکھا۔ جن کی پیشانی پر سجدوں کا نشان ہو دمکتا تھا۔
"اور میں...... میرا قلم۔ میں اس قابل ہوں میں جو اس مخصوص کے گروہ میں شامل ہوا... نہیں۔"
آنسو قطرہ قطرہ کرکے اس کے اندر گرنے لگے۔ وہ کچھ دیر حاجی صاحب کی باتیں سنتا رہا پھر انہیں پھر ملنے کا کہہ کر ان کے گھر سے نکل آیا اور یونہی بے مقصد سڑک پر ایک طرف چل پڑا۔ بہت دیر تک چلنے کے بعد اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔ وہ کہاں جارہا ہے اور کیوں؟ اس کی منزل کہاں ہے...... شاید کہیں نہیں۔
وہ اپنی منزل کھوچکا...... پھر......
حاجی صاحب کہہ رہے تھے میں لکھوں لیکن میں کیا لکھوں گا...... میرا وجود...... میری ذات۔ وہ واپس مڑا۔
میرے لفظ کھوکھلے ہوں گے۔ جذبوں سے خالی...... بے روح۔
نہیں...... جذبہ تو ہے۔ اندر کہیں آگ لگی ہے۔ شعلے بھڑکتے ہیں۔ کیسے لوگ ہیں گھٹیا۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کچھ کہنے کی ہمت کیسے کی۔ اس نے زور سے مٹھیاں بھینچیں اور قریبی گھر کی دیوار پر مکا مارا۔
گھر آکر وہ کچھ دیر لاؤنج میں بیٹھا رہا۔
ملازم لڑکے نے کھانے کا پوچھا لیکن اس نے منع کردیا۔ دن کو بھی اس نے کھانا نہیں کھایا تھا لیکن ابھی بھی اسے بھوک محسوس نہیں ہو رہی تھی...... وہ ملازم

لڑکے کو کھانے کا منع کر کے اپنے بیڈ روم میں آگیا۔ اس نے لیپ ٹاپ اٹھایا۔ لیکن پھر اسے جنید کا خیال آ گیا۔ وہ جنید سے ابو امی کے متعلق پوچھنا چاہتا تھا۔ اس نے فون اٹھا کر جنید کا نمبر ملایا۔

"ہیلو۔"

جنید کی آواز بھاری تھی اور پیچھے بہت شور تھا۔ شاید کوئی رو رہا تھا۔

"جنید علی! میں احمد حسن۔"

"احمد۔۔۔ احمد!" جنید رو رہا تھا۔ "میرے بڑے بھائی کا پتا چل گیا۔ وہ کتنے سالوں سے جیل میں تھا۔ غیر قانونی ذریعے سے لے جانے والے نے اسے امریکہ کے بجائے جیل پہنچا دیا۔ میری ماں اب ساری زندگی انتظار کرتی رہے گی۔ وہ لوگ اس کی ڈیڈ باڈی بھجوا رہے ہیں۔ وہاں ایک فلاحی تنظیم ہے۔ اس نے انتظام کیا ہے ڈیڈ باڈی بھجوانے کا۔"

جنید علی رو رہا تھا اور احمد رضا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے تسلی دے اسے۔ اسے جنید علی کی بات یاد آ رہی تھی۔

"میری ماں آنکھیں دہلیز پر رکھے بیٹھی رہتی تھی احمد حسن! کہ اس کا بیٹا ایک دن۔"

اور کیا پتا کوئی فلاحی تنظیم اس کی ڈیڈ باڈی بھی کسی دن۔۔۔ اس کی ماں نے بھی شاید اپنی آنکھیں دہلیز پر رکھ چھوڑی ہوں۔ لیکن رچی کہہ رہا تھا کہ وہ اب دنیا میں نہیں رہے اور اسے جنید علی سے تصدیق کرنا تھی لیکن اب اس وقت کیا یہ مناسب تھا۔

"اپنے گھر کا ایڈریس سمجھاؤ جنید! میں آ رہا ہوں تمہارے پاس۔"

اس نے ایک گہری سانس لی۔

جنید علی نے ایڈریس سمجھایا اور وہ فون آف کر کے باہر نکل آیا۔

☼ ☼ ☼

"امی!" سمیرا نے زبیدہ کے بازو پر ہاتھ رکھا تو زبیدہ نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"کیسی ہیں آپ؟"

"وہ۔۔۔ وہ ملا تجھے۔۔۔ واپس آیا۔۔۔ چینل والوں سے پتا کرنا تھا۔ کہاں گیا؟"

"امی! میں دوبار گئی تھی مرینہ کو لے کر اس کے گھر۔ وہ ملک سے باہر چلا گیا ہے شاید۔ جیسے ہی آئے گا میں جاؤں گی ملنے۔"

"اچھا۔۔۔!" زبیدہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ سمیرا افسردگی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ دو ماہ پہلے ان کا پتے کا آپریشن ہوا تھا۔ وہ پورے پندرہ دن کی چھٹی لے کر آئی تھی۔ آپریشن کوئی ایسا خطرناک نہ تھا۔ لیکن ان کی صحت بحال نہیں ہو رہی تھی۔ وہ روز بروز کمزور ہوتی جا رہی تھیں اور ڈاکٹر سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ کیوں؟ بظاہر سب ٹیسٹ ٹھیک تھے۔

سمیرا پریشان سی انہیں دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے پھر آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"منع کیا تھا تمہیں ہر ویک اینڈ پر نہ آیا کرو۔ تمہاری پڑھائی کا حرج ہوتا ہے۔"

"آپ بھی تو اپنا خیال نہیں رکھ رہیں۔ ابو نے بتایا ہے آپ کچھ کھا پی نہیں رہیں۔"

"جی نہیں چاہتا کچھ کھانے کو اور تو میری فکر مت کر سمیرا! تیری پڑھائی میری صحت سے زیادہ اہم ہے۔"

"نہیں! میرے لیے آپ کی صحت و زندگی ہر چیز سے زیادہ اہم ہے۔ اگر آپ اپنی صحت کا خیال نہیں رکھیں گی تو میں پڑھائی چھوڑ دوں گی۔ میں واپس نہیں جاؤں گی۔"

"ایسا نہ کہو سمیرا! ہم نے تم دونوں کے لیے خواب دیکھے تھے۔" ان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"تو پھر وعدہ کریں، آپ ابو کو تنگ نہیں کریں گی اور صحیح طرح سے کھائیں پئیں گی۔" انہوں نے سر ہلا دیا۔

"بیٹا! صبح میں نے سوپ بنایا تھا، لے آؤں؟" حسن

رضا نے سمیرا سے پوچھا تو سمیرا نے سر ہلا دیا اور خود کرسی پر بیٹھ گئی۔

جب سے زبیدہ کا آپریشن ہوا تھا۔ وہ ہر ہر ویک اینڈ پر آ جاتی تھی۔ ڈائیوو سے یا کوچ سے۔ جمعے کو کالج سے نکل کر وہ سیدھی ڈائیوو کے اڈے پر آتی تھی۔ مرینہ اپنے ڈرائیور کے ساتھ اسے چھوڑ جاتی تھی۔ چونکہ رات ہو جاتی تھی۔ اس لیے حسن رضا اسے لینے آ جاتے تھے۔ اتوار کو دو، تین بجے وہ واپسی کے لیے ڈائیوو پر بیٹھتی وہاں مرینہ ڈرائیور یا ہمدان کے ساتھ اسے لینے آئی ہوتی۔ اسے مرینہ کی دوستی پر فخر تھا۔ الریان۔۔۔ میں بابا جان، حفصہ، مصطفیٰ انکل، منیبہ، ثنا آنٹی سب بے حد مخلص اور محبت کرنے والے تھے۔ وہ حیران ہوتی تھی۔ کیا آج کل کے دور میں بھی ایسے بے غرض لوگ ہوتے ہیں۔ ہمدان کے خیال سے اس کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

حسن رضا سوپ لے آئے تھے۔ سمیرا نے ان کے ہاتھ سے باؤل لے لیا۔

"امی! اٹھیں، پی لیں یہ۔"

اس ویک اینڈ پر اس کا آنے کا بالکل ارادہ نہیں تھا۔ بلکہ اسے احمد حسن سے ملنے جانا تھا۔ وہ واپس آ گیا تھا اور مرینہ نے ثمینہ حیدر کو فون کر کے ٹائم بھی لے لیا تھا۔ لیکن پھر جب ابو نے بتایا کہ وہ تین دن سے کچھ کھا پی نہیں رہی ہیں تو وہ بھاگی چلی آئی۔ حسن رضا نے سہارا دے کر زبیدہ کو اٹھایا۔

"جیسے ہی تجھے پتا چلے سمیرا! کہ احمد حسن پاکستان آ گیا ہے تو فون کر دینا۔ میں اور تیرے ابو آ جائیں گے۔ گھر تو تو نے دیکھ لیا ہے نا اس کا؟" ان کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"جی امی! میں فون کر دوں گی۔ لیکن پہلے آپ اپنی صحت بنائیں، تاکہ سفر کر سکیں۔"

"ٹھیک ہے۔" زبیدہ نے سر اٹھا کر حسن رضا صاحب کی طرف دیکھا۔

"آپ لے چلیں گے نا مجھے؟" حسن رضا صاحب نے سر ہلایا۔

"آپ مانیں یا نہ مانیں۔ لیکن وہ میرا احمد رضا ہے۔ رتی بھر بھی شک نہیں ہے مجھے اس میں۔"

اور حسن رضا صاحب نے نادم سا ہو کر سر جھکا لیا۔ وہ اکثر سوچتے تھے کہ احمد رضا صرف ان کا بیٹا تو نہیں تھا۔ زبیدہ کا بھی بیٹا تھا۔ انہیں اس کے متعلق تنہا فیصلہ کرنے کا حق نہیں تھا۔ زبیدہ ابھی تک ان کی طرف دیکھ رہی تھیں اور ان کی آنکھوں میں نمی پھیلتی جا رہی تھی۔

"آپ صحیح کہہ رہے ہیں نا؟"

انہوں نے سر ہلاتے ہوئے ان کا بازو تھپتھپایا اور باہر چلے گئے۔ زبیدہ نے لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔

سمیرا وہیں کرسی پر بیٹھ کر احمد حسن کے متعلق سوچنے لگی۔ زبیدہ کی طرح اسے بھی یقین تھا کہ احمد حسن ہی احمد رضا ہے اور اس یقین پر اریب فاطمہ نے مہر لگا دی تھی۔ جب گاؤں سے واپس آ کر اس نے بتایا تھا کہ احمد حسن کو دراصل حسن رضا صاحب کی تلاش ہے جو اماں کے کوئی کزن ہیں اور اسفند نے اماں سے احمد حسن کا ذکر اس لیے کیا تھا۔ وہ شاید حسن رضا صاحب کے بیٹے کا دوست ہے اور اریب فاطمہ نے ہی اسے بتایا تھا کہ ان دنوں وہ رحیم یار خان کے گاؤں چک نمبر 151 میں ہے۔ اس نے دیکھا تھا وہاں اسے اور جب مونا، رشیدہ سے پتا چلا تھا کہ وہ لاہور آ گیا ہے تو وہ بے چین ہو گئی تھی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ سمیرا کی حیثیت سے بغیر عبایا کے جائے گی اور اس کا ردعمل دیکھے گی۔ لیکن اسے امی کی وجہ سے لاہور آنا پڑ گیا تھا۔ زبیدہ سے اس نے جان بوجھ کر کہا تھا کہ وہ ملک سے باہر ہے۔ ورنہ وہ لاہور جانے کی ضد کرنے لگتیں۔ اس نے جھک کر دیکھا۔ وہ سو گئی تھیں۔ وہ اٹھی اور آہستگی سے دروازہ بند کر کے باہر آ گئی۔

حسن رضا لاؤنج میں بیٹھے تھے اور ان کے ہاتھ میں والٹ تھا۔ وہ غالباً اخبار کا وہی ٹکڑا دیکھ رہے تھے۔

"ابو۔" سمیرا نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اخبار کا ٹکڑا ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا۔

"یہ جھوٹ ہے۔ وہ زندہ ہے۔ امی ٹھیک کہتی ہیں۔ وہ احمد رضا ہی ہے۔"

"تم اس سے ملی تھیں؟" انہوں نے نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں گئی تھی اپنی فرینڈز کے ساتھ۔ لیکن حجاب اور عبایا میں تھی۔ اس نے مجھے نہیں پہچانا۔"

وہ کچھ دیر بے یقین سے اسے دیکھتے رہے۔

"آپ کی ایک کزن جو ضلع رحیم یار خان کے چک نمبر 151 میں رہتی ہیں۔ وہی کینیرڈ کالج والی سائرہ۔"

حسن رضا نے آہستگی سے کہا۔ "ہاں!"

"ان کی بیٹی میری دوست ہے۔ لاہور میں پڑھتی ہے۔" وہ انہیں تفصیل بتانے لگی۔

"میں واپس جا کر اس سے ملوں گی۔ مل لوں ابو؟"

وہ کچھ دیر اسے دیکھتے رہے۔ پھر ایک گہری سانس لی۔

"ٹھیک ہے۔ لیکن اس سے پوچھنا کہ کیا وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم مانتا ہے؟ اگر اس نے کہا "ہاں" تو پھر ہمیں بتانا۔۔۔ ورنہ یہ مت بتانا کہ احمد رضا زندہ ہے اور اب سو جاؤ۔ سحری میں اٹھنا بھی ہے۔" انہوں نے جھک کر اخبار کا ٹکڑا اٹھا کر والٹ میں رکھا اور لاؤنج سے باہر نکل گئے۔

☆ ☆ ☆

قریبی مسجد میں سحری کے لیے سائرن بج رہا تھا۔ احمد رضا کی آنکھ سائرن کی آواز سے کھلی تھی۔ وہ رات بہت دیر سے سویا تھا۔ پھر بھی اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ کچھ دیر وہ یوں ہی بیڈ پر لیٹا سائرن کی آواز سنتا رہا۔ کتنے سالوں سے وہ ہر چیز سے دور ہو گیا تھا۔ نماز اور روزوں کا اس کے گھر میں کتنا اہتمام ہوتا تھا۔ بہت بچپن۔۔ سے ہی اسے رمضان کا احترام کرنا اور روزے رکھنے کی عادت ڈالی گئی تھی۔

وہاں سمن آباد والے گھر میں سحری کی کتنی رونق ہوتی تھی۔ مسجد کے سائرن کے ساتھ ہی ڈھول بجانے والا عین اس کی کھڑکی کے نیچے آ کر ڈھول بجاتا اور جاگو، جاگو کی آواز لگاتا آگے چلا جاتا تھا۔ لیکن وہ جاگنے کے باوجود اس وقت تک بیڈ پر لیٹا رہتا، جب تک سمیرا اسے بلانے نہ آتی۔ وہ اٹھ کر کھڑکی کھول کر ایک بار ضرور گلی میں جھانکتا۔ گلی میں وہی دہی والی دکان پر لوگوں کی آوازیں، شور۔۔۔ پھر سیڑھیاں اترتے ہوئے پراٹھے اور آملیٹ کی خوشبو۔۔۔

اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ اسے لگا جیسے ابھی سمیرا اسے بلانے آئے گی اور وہ جان بوجھ کر سونے کی ایکٹنگ کرے گا۔

لیکن سمیرا۔۔۔ دل میں کہیں درد اٹھا تھا۔

اس نے آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد منہ ہاتھ دھو کر وہ کچن کی طرف جا رہا تھا۔ کچن سے دودھ کا ایک گلاس اور ایک سلائس لے کر وہ واپس کمرے میں آ گیا۔ دودھ پی کر اس نے کھڑکی کھول کر باہر دیکھا۔ باہر بالکل خاموشی اور سکون تھا۔ اسے ایک بار پھر سمن آباد کی رونق یاد آ گئی۔ کیسے سحری ہوتے ہی زندگی جاگ اٹھتی تھی وہاں۔ کھڑکی بند کر کے اس نے پانی پیا اور روزے کی نیت کی اور بیڈ پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گیا۔

"لکھو۔۔۔ احمد حسن لکھو۔۔۔ تمہارے پاس قلم ہے۔ اگر تم جیسے باشعور لوگ بھی احتجاج نہیں کریں گے تو پھر کون کرے گا؟" حاجی صاحب کی آواز اس کے کانوں میں آئی۔

وہ میکانیکی انداز میں اٹھا اور ٹیبل پر آ کر بیٹھ گیا۔ قلم اٹھایا۔ دراز سے پیپرز نکالے اور لکھنے لگا۔

وہ کیا لکھ رہا تھا۔ اسے خود بھی نہیں پتا تھا۔ بس لکھتا جا رہا تھا۔

آخری جملہ لکھ کر اس نے قلم رکھا تو فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ اس نے وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔

"کیا میں اس قابل ہوں؟"

اس نے نیت کے لیے ہاتھ اٹھائے اور پھر نیچے گرا دیے۔

(آخری قسط آئندہ ماہ)

کسٹمر سروسز کا جتنا دل آویز نام ہے۔ اتنا ہی چخ چخ والا پروفیشن ہے۔ اس اندازے کی تصدیق روز بروز منجھے ہوتے فرحان کو دیکھ کر با آسانی کی جا سکتی ہے۔

اس پر مستزاد لاہور کی بے ہنگم ٹریفک۔ گاڑیوں کی بے مہری "پی پاں" سے بچنا ہے تو گاڑی میں اے سی لگوا لو بھی۔ مگر فرحان کی جیب ابھی اس عیاشی کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ بھانت بھانت کے لوگوں سے ڈیلنگ کرنے، ہر طرح کی "پی۔ پاں" کا پگھلا سیسہ کانوں میں انڈیلنے، دھواں اور گرد پھانکنے کے بعد جب وہ گھر پہنچتا تو پارہ سو سے اوپر ہوتا۔ لیکن گھر میں داخل ہوتے ہی اپنی محض ایک سال پرانی بیوی کو دیکھ کر اور خاص طور پر اس کے ہاتھ کا لذیذ کھانا کھا کر تو پارہ الٹے قدموں بھاگتا۔ ایک میٹھی سی ٹھنڈک اس کے اندر تک اتر جاتی۔ آج بھی لذیذ ترین بریانی کھا کر فرحان پر عجیب سا خمار چھا گیا۔

"سگھڑ بیوی بھی ایک نعمت ہے۔" وہ اعتراف کرتا، مگر دل میں۔ وہ واش روم سے نکلا تو کمرے میں

سارہ جبیں

داخل ہوتی ارم کو دیکھ کر مسکرا اٹھا۔ مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیتی وہ اور بھی حسین لگی۔ اگر کوئی خوب صورت ہونا چاہتا ہے تو وہ دل سے مسکرانا سیکھ لے۔ آزمائش شرط ہے۔

فرحان ریموٹ ہاتھ میں لیے بیڈ پر بیٹھ چکا تھا۔ مگر وہ رائٹنگ ٹیبل پہ شاید کچھ پیپرز تلاش کر رہی تھی۔ فرحان ٹی وی آن کر کے ٹاک شو میں پوری طرح منہمک ہو چکا تھا کہ سماعتوں سے حسین آواز ٹکرائی مگر الفاظ۔

"فرحان! یہ پڑھیں۔" وہ کچھ پیپرز فرحان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ مگر اس تین لفظی جملے نے فرحان کے چہرے کے تیس زاویے بنا ڈالے۔

"ارم یار! میں پڑھ چکا ہوں۔" چھری سامنے دیکھ کر جیسے بکرے کی حالت ہوتی ہے' کم و بیش ویسی ہی حالت فرحان کی تھی۔

"فرحان! آپ نے نہیں پڑھا۔" وہ زور دیتے ہوئے بولی۔

"پڑھا تو تھا رات کو۔ یاد نہیں کیا؟" اسے یاد کرواتے ہوئے بولا۔

"لیکن فرحان! یہ آخری دو صفحے تو نہیں پڑھے۔ یہ تو میں نے آج لکھے ہیں۔" پیپرز اس نے فرحان کے ہاتھ میں زبردستی پکڑا دیے۔

جی ہاں! آپ ٹھیک سمجھے۔ مسز ارم فرحان' ایک جانی پہچانی بلکہ مانی ہوئی افسانہ نگار تھیں۔ مگر فرحان کو کون سمجھاتا۔ فرحان کا بگڑتا منہ دیکھ کر ارم کا منہ بھی بگڑ گیا۔

"آپ کو خوشی نہیں ہوتی کہ آپ کی بیوی ایک مشہور افسانہ نگار ہے؟" جذباتی بلیک میلنگ ہمیشہ سے اس کا پہلا ہتھیار تھی۔

"خوشی ہوتی ہے ڈیر! کیوں نہیں ہوتی۔ لیکن اگر تم مجھے افسانہ پڑھنے کی مشقت سے نہیں گزاروگی نا۔ تب تو مجھے بے انتہا خوشی ہوگی۔" وہ اس کی غصیلی آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔ "کیا تم مجھے بے انتہا خوش نہیں دیکھنا چاہتیں؟" پہلا ہتھیار ٹوٹے ٹوٹے ہو چکا تھا۔ لیکن ارم ہتھیاروں سے لیس تھی۔ دوسرا ہتھیار تیار تھا۔ دھونس و زبردستی کا اور اب تک کا کامیاب ترین ہتھیار تھا اس کا۔

"میں چائے بنانے جا رہی ہوں۔ میرے آنے تک پڑھ لیں۔"

دھونس سے کہتی وہ کمرے سے جا چکی تھی اور اسے یقین تھا کہ جب وہ واپس آئے گی تو افسانہ پڑھا جا چکا ہوگا اور وہ صحیح تھی۔ فرحان واقعی افسانہ پڑھ رہا تھا۔ کیونکہ اسے ابھی تعریفی تبصرہ بھی کرنا تھا۔ تنقیدی تبصرہ نہ کرنے کی دو وجوہات تھیں۔

ایک تو فرحان ادب سے بے بہرہ آدمی تھا۔ ارم کی اعلا سطح کی معیاری اردو اس کی سمجھ میں کم ہی آتی اور اگر آ بھی جاتی تو وہ اختلاف کرنے سے پرہیز کم ہی کرتا تھا۔ کیونکہ اس کے جواب میں اسے مزید اعلا سطح کی اردو سننا پڑتی۔ مگر دوسری وجہ اس سے بھی زیادہ اہم تھی اور وہ تھی ارم کی ناراضی۔ اب وہ بارہ ماہ کی نئی نویلی' تازہ ترین بیوی کی ناراضی تو مول نہیں لے سکتا تھا نا۔ لہٰذا "ایک چپ' سو سکھ" کہاوت اس نے ٹائی کی گرہ سے باندھ رکھی تھی۔

ایک شمارے میں اگر بیوی صاحبہ کا افسانہ چھپتا تو اگلے شمارے میں تعریفی خطوط چھپ جاتے۔ جو فرحان کو زیادہ عرق ریزی سے پڑھنے پڑتے۔ بلکہ پڑھوائے جاتے۔ آپ سب تو جانتے ہیں تعریف خواتین کی کمزوری ہوتی ہے اور فرحان کی زوجہ محترمہ بھی ایک خاتون تھیں۔ وہ نہ صرف تعریف وصولتی۔ بلکہ اسے بھی پڑھا پڑھا کر باور کراتی کہ "دیکھو میری کیا اہمیت ہے۔"

وہ چائے لے کر آ چکی تھی۔ اس یقین کے ساتھ کہ فرحان افسانہ پڑھ چکا ہوگا اور اس کا یقین سو فیصد درست تھا۔

"یہ لیں جناب! چائے۔ کیسا لگا؟" اس کا اشارہ افسانے کی طرف تھا۔

"میں ایک بات سوچ رہا ہوں ارم!" اس کی سنجیدگی سے لگ رہا تھا کہ افسانے نے کچھ زیادہ ہی اثر کر دیا ہے اس پر۔

"کیا؟" پرشوق لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ تعریف کے لیے بالکل تیار ہے۔

"یار! میں سوچ رہا ہوں۔ اگر خدانخواستہ تم ٹیلر ہوتیں۔" غیر متوقع بات پر ارم کی بھنوؤں کا زاویہ بدل گیا۔ لیکن وہ بات جاری رکھے ہوئے تھا۔

"تو تم جو کپڑے سیتیں' وہ پہلے مجھے پہننے پڑتے۔"

"فرح۔۔۔ا۔۔۔ا۔۔۔ن!" تنبیہی انداز میں اس کے مختصر سے نام کو طویل ترین کرتے ہوئے وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔ فرحان بھی مسکرا رہا تھا۔

"بتائیں نا! کیسا لگا؟" وہ دونوں چائے ختم کر چکے تھے۔

"اچھا تھا یار! تم برا لکھ سکتی ہو بھلا؟" ٹی وی کا والیوم بڑھا دیا۔

"اچھا کون سی بات زیادہ اچھی لگی؟" اسے شک گزرا' شاید پڑھا ہی نہ ہو۔

"یار! میں بھول گیا۔ صبح مجھے بادام کھلا کر بھیجا کرو۔" اب وہ اسے تنگ کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ارم بہت اچھی عادات کی مالک تھی اور فرحان اس کی سب عادتوں سے خوش تھا۔ سوائے افسانے پڑھوانے کے۔ بلکہ وہ اکثر کہتا۔

"تم مجھے افسانے نہیں' بلکہ پٹیاں پڑھاتی ہو۔" کیونکہ اس کی اکثر تحریروں میں میاں' بیوی بنیادی کردار ہوتے اور افسانے کے اچھے اختتام کے لیے شوہر کو ہی اچھا ہونا پڑتا۔ فرحان اکثر ارم پر رشک بھی کرتا۔ کیونکہ ارم میں روحانیت بہت تھی۔ اس کے مطالعے میں زیادہ اسلامی کتب ہوتیں۔ بلکہ اسلام کے لیے تو وہ اکثر اوقات بہت جذباتی ہو جاتی۔ توہین رسالت کے واقعات پر اس کی آنکھیں ہی نہیں' دل بھی خون کے آنسو روتا۔ خودکش حملوں پر وہ پریشان ہو جاتی اور پھر دنوں ۔۔۔ ان معصوم اور بے گناہ لوگوں کی مغفرت کی دعا اور قرآن خوانی کرتی رہتی۔

دہشت گردی کے واقعات میں علماء شہادت پر وہ اتنا روتی کہ الامان۔ حالانکہ وہ انہیں ذاتی طور پر نہیں جانتی ہوتی تھی۔ لیکن وہ کہتی کہ جتنے زیادہ نیک لوگ دنیا سے رخصت ہوتے جائیں گے "اتنی زیادہ بے برکتی ہوگی۔ فرحان از حد متاثر ہوتا۔ فرحان کا خیال تھا کہ چونکہ وہ رائٹر ہے۔ اس لیے اس کا مشاہدہ اور احساسات دوسروں سے ہٹ کر ہیں۔ اس لیے وہ زیادہ محسوس کرتی ہے اور تھا بھی ایسا ہی۔ اس کی بعض باتوں پر تو فرحان حیران ہی ہو جاتا۔ وہ پین یا بال پوائنٹ بیڈ پر یا چیئر پر نہیں رکھتی تھی۔ اگر غلطی سے فرحان رکھ دیتا تو فوراً" اٹھا لیتی۔ فرحان کے پوچھنے پر کہنے لگی۔

"نہیں فرحان! یہ قابل عزت چیز ہے۔ قابل محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس کا ذکر ذریعہ علم کے طور پر کیا ہے۔ اس لیے اس کی تکریم ہم پر فرض ہے۔"

اس کی اچھی بات یہ تھی کہ دوسروں پر اپنا علم ٹھونسا نہیں کرتی تھی۔ بلکہ غیر محسوس طریقے سے دوسروں کو اپنا گرویدہ بناتی۔ تب ہی تو ہر دلعزیز رائٹر تھی۔ اگر نماز کا وقت ہوتا اور فرحان ٹی وی دیکھ رہا ہوتا تو یہ نہ کہتی کہ "فرحان! نماز کا وقت ہے اور آپ ٹی وی دیکھ رہے ہیں۔" یا اور رسمی نصیحتیں۔ بلکہ وہ کہتی۔

"فرحان! آپ ٹی وی دیکھیں۔ میں بس ابھی نماز پڑھ کر آئی۔" اور یہ جملہ فرحان کو چھیے بغیر اسے بھی نماز پڑھنے پر مجبور کر دیتا۔ وہ اسے آہستہ آہستہ غیر محسوس طریقے سے اپنے رنگ میں رنگتی جا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

فرحان کے آفس جانے کے بعد وہ گھر کا سارا کام کرتی۔ کچھ لکھتی' کچھ پڑھتی اور اگر کچھ بھی کرنے کو نہ ہوتا تو فرحان کو ایس ایم ایس کرتی رہتی۔ اس کا پہلا ایس ایم ایس ملتے ہی فرحان سمجھ جاتا کہ اس کی بیگم صاحبہ فارغ وقت کو صرف کرنے جا رہی ہیں اور پھر

اس کی توقع کے عین مطابق ایس ایم ایس کی آمد کا ایک طویل سلسلہ جاری ہوجاتا۔ فرحان کو موبائل کمپنیز پر رہ رہ کر غصہ آتا۔ جنہوں نے پیکجز کا جھانسا دے کر عوام کی مت ماردی ہے۔

ارم کے زیادہ تر میسجز شاعری سے متعلق ہوتے یا احادیث و درود شریف یا اقوال زریں۔ اکثر میسجز وہ فرض کی ادائی کے طور پر فارورڈ کرتی۔ مثلاً "اس طرح کے میسج کہ پورا درود شریف لکھا ہوا ہوتا اور پھر لکھا ہوتا۔ یہ میسج مزید دس لوگوں کو بھیجیں۔ وہ دس لوگ مزید دس کو بھیجیں گے اور اس طرح ایک چین (chain) چل نکلے گی تو سوچیں! آج کتنے لوگ درود شریف کی برکت سے مستفید ہوں گے۔"

یہ اور اسی طرح کے اور میسجز وہ عقیدت کے طور پر فارورڈ کرتی کہ ثواب کا کام ہے۔ ہماری وجہ سے لوگ درود شریف پڑھیں اور پھیلائیں۔ فرحان اکثر کہتا۔

"یار! یہ موبائل کمپنیز کی کارستانی ہے۔ وہ کسٹمرز کو ٹریپ کرتے ہیں۔" تو اس کا جواب ہوتا۔

"کوئی بات نہیں فرحان! دس ایس ایم ایس سے ہمارا کیا جاتا ہے۔ ثواب ہی ملتا ہے نا۔" فرحان چپ ہوجاتا۔ مگر آج فرحان چپ نہ رہ سکا۔ اس کا پارہ اونچا ہوگیا۔ بات ہی ایسی تھی۔

آج صبح فرحان کو نکلے ابھی آدھا گھنٹہ ہی ہوا ہوگا کہ ارم کو ایسا ایس ایم ایس ملا۔ جس کو آگے بھیجنا ارم فرض کی ادائی سمجھا کرتی تھی۔ اس نے عقیدت سے پڑھا اور فارورڈ کرنے لگی۔ مگر سینڈنگ فیل کے میسج نے اسے یاد دلایا کہ اس کے موبائل میں بیلنس نہیں ہے۔ ارم کو بہت کوفت ہوئی۔ میسج فارورڈ کرنا بہت ضروری تھا۔ ورنہ۔۔۔ اللہ نہ کرے۔ وہ بے اختیار جھرجھری لے کر رہ گئی۔ وہ سارا دن بہت بے چین رہی۔ خود کبھی اکیلی مارکیٹ گئی نہیں تھی۔ ورنہ شاید کارڈ لا کے لوڈ کرتی۔ سارا دن اللہ سے خیر کی دعائیں مانگتے گزارا۔ اللہ اللہ کر کے فرحان کے آنے کا وقت ہو ہی گیا۔

"آپ کے موبائل میں کتنا بیلنس ہے۔" سلام کا جواب دیتے ہی ارم گویا ہوئی۔

"کیوں بھئی؟ خیریت؟" اس کے اچانک پوچھنے پر فرحان کو حیرت ہوئی۔

"مجھے بیس روپے کا شیئر (Share) چاہیے۔ ایک میسج آیا ہے اسے۔ فارورڈ کرنا ہے۔" وہ مسکرا اٹھا۔ اپنی عقیدت مند بیوی کی بے چینی کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ اس نے موبائل ٹیبل پر رکھا۔

"لے لو۔ مگر صرف بیس روپے ہی۔۔۔ اوکے۔" واش روم میں گھستے ہوئے فرحان بولا۔ جب وہ باہر نکلا تو وہ مطمئن تھی۔ یعنی فرض ادا ہوچکا تھا۔

"شکر ہے! میسج فارورڈ کردیا ہے۔ تیرہ لوگوں کو۔ ورنہ پتا نہیں کیا ہوجاتا۔" وہ کھانا ٹیبل پہ لگاتے ہوئے بولی۔

"کیا میسج تھا؟ میں بھی تو دیکھوں۔" وہ وہیں ٹیبل سے اس کا موبائل اٹھا کر پڑھنے لگا۔ پڑھنے کے دوران اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ غضب ناک تھے۔

میسج تھا۔ "ایک عورت نے خواب میں دیکھا کہ اس کو پیاس لگی ہوئی ہے اور اسے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا پانی پلا رہی ہیں۔ صبح جب وہ اٹھی تو اس کے سرہانے ایک کاغذ کا ٹکڑا رکھا ہوا تھا۔ جس پر لکھا تھا کہ یہ معجزہ تیرہ لوگوں کو بیان کرو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ ایک آفیسر نے یہ میسج تیرہ لوگوں کو بھیجا اور اس کی پروموشن ہوگئی۔ ایک بزنس مین کو یہ میسج ملا تو اس نے ڈیلیٹ کردیا تو اس نے اپنا سب کچھ تیرہ دنوں میں کھو دیا۔ یہ میسج آپ بھی تیرہ لوگوں کو بھیجیں اور دیکھیں! آپ کی زندگی میں کیا ہوتا ہے۔"

"ارم۔۔۔ ارم۔" کچن سے برتن لاتی ارم حیران ہوئی۔ کیونکہ فرحان نے آج تک اسے اتنے غصے سے نہیں پکارا تھا۔

"یہ میسج فارورڈ کیا ہے تم نے؟" موبائل اس کی حیران آنکھوں کے سامنے کرتا وہ غصے سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں۔۔۔ مگر کیا ہوا؟" وہ حقیقتاً ڈر گئی تھی۔

"مجھے حیرت ہورہی ہے ارم! ایک پڑھی لکھی باشعور عورت، جس پر میں رشک کرتا ہوں، اتنی کم عقلی کا مظاہرہ بھی کرسکتی ہے۔ جہالت کی حد تک جاسکتی ہے۔" صدمے میں گھرا وہ پوچھ رہا تھا۔ وہ سمجھی تیرہ لوگوں کو اتنا لمبا ایس ایم ایس کرنے پر غصے میں ہے۔

"فرحان! کیا ہوگیا ہے آپ کو؟ ایک ایس ایم ایس ہی ہے نا۔ ثواب ہی۔۔۔"

"ایمان سے زیادہ عزیز ہے تمہیں یہ ثواب؟" وہ اس کی بات کاٹ کر غصے سے بولتا اسے لاجواب کرگیا۔

"ک۔۔۔ کیا۔۔۔ مطلب؟" وہ ہکلا ہی تو گئی۔

"اچھی یا بری تقدیر پر ایمان ہے تمہیں یا نہیں؟" وہ مسلسل حیران ہورہی تھی۔

"میں مسلمان ہوں فرحان!" گویا یقین دلایا جارہا ہو۔

"تم مسلمان ہو۔ لیکن سمجھتی ہو کہ یہ میسجز انسان کی تقدیر بناتے ہیں۔ ہے نا؟" ارم کو بہت کچھ غلط لگنے لگا۔ اس کی نگاہ جھک گئی۔ وہ کچھ بول ہی نہ سکی۔

"یعنی کہ اگر تم تیرہ لوگوں کو یہ ایس ایم ایس نہ بھیجتیں تو کچھ غلط ہوجاتا ہے نا؟" اب وہ آرام سے پوچھ رہا تھا۔

"دیکھو ارم! تم تو باشعور ہو یار! یہ اسلام دشمن عناصر کی سازش ہے۔ ہم مسلمان جو پہلے ہی کمزور حالات کا شکار ہیں۔ یہ ہمارا ایمان بھی کمزور کرنا چاہتے ہیں اور ہم ان شیطانی بہکاوؤں میں آکر نہ صرف ان کے سازشی مقاصد پورے کررہے ہیں۔ بلکہ ان کی مالی معاونت بھی کررہے ہیں۔ شیطان کبھی یہ نہیں کہے گا کہ میں شیطان ہوں۔ میرے پیچھے چلو۔۔۔ بلکہ وہ انسان کو اس طرح بہکائے گا کہ وہ شیطانی کام نیکی سمجھ کرنے لگے گا۔ یہ موبائل کمپنیز جو یہودی اور صیہونی تسلط میں ہیں۔ یہ ہمارے ایمان کو کمزور کرنے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں۔" اس نے اپنی شرمندہ سی بیوی کا ہاتھ تھام لیا۔

"اور سوچو! معجزے تو نبیوں پر ہوتے تھے۔۔۔ یقین ہے نا اس بات پر؟ اسلام ظاہر کا نہیں، باطن کا دین ہے۔ اعمال کا دارومدار نیتوں پہ منحصر ہے۔ ارم! ایمان کی جڑیں اپنے دل میں اتنی مضبوط رکھنی چاہئیں کہ کوئی شیطانی آندھی انہیں ہلا نہ سکے۔" اس نے آنکھوں میں محبت لیے اس کو دیکھا جو نگاہ تک نہ اٹھا پا رہی تھی۔ اب وہ اس کی شرمندگی دور کرتا جارہا تھا۔ کیونکہ اسے پتا چل گیا کہ اس کی عقل مند بیوی اس کی بات سمجھ چکی تھی۔

"یہ عورت جس نے خواب میں حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاتھ سے پانی پیا۔ اس کا کوئی پتا ٹھکانا تو ہوگا نا! جس نے تمہیں یہ میسج کیا ہے۔ اسی سے اس کا ایڈریس لو۔ ہم ملنے چلیں گے اسے۔ کیا خیال ہے؟"

"آئی ایم سوری فرحان! میں نادانستگی میں گناہ کررہی تھی۔ لیکن نیکی سمجھ کر۔" وہ باقاعدہ رو رہی تھی۔

"ڈیئر وائف! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، قرآن پاک کی آیات نشانیاں ہیں۔ مگر ساتھ یہ بھی فرمایا کہ عقل والوں کے لیے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات کتنی بری لگی ہوگی کہ اس کی عقل مند بندی کیا بیوقوفانہ کام کررہی ہے۔" وہ ماحول پر چھائی کثافت دور کررہا تھا۔

"فرحان! کتنے لوگ ہیں، جو اللہ کی ناراضی سے بچنے کے لیے میسجز فارورڈ کرتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ اللہ کی ناراضگی مول لے رہے ہوتے ہیں۔ میں سوچ رہی ہوں۔ اس عنوان پر بھی ایک افسانہ لکھوں۔" وہ مصمم ارادہ کرتے ہوئے بولی۔

"اوہ نو۔" فرحان کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"کیا ہوا؟" ارم پریشان ہوگئی۔

"یعنی ایک اور مشقت کے لیے تیار رہوں۔" وہ اس کی بات اب بھی نہیں سمجھی اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"تمہارا نیا افسانہ پڑھنے کی مشقت۔" دونوں کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ مگر اس کے دل نے بے اختیار دعا کی۔

"اے اللہ! ایمان کی جڑوں کو ہمارے دلوں میں مضبوط رکھنا۔ آمین۔" ✿

تشنہ کامی کا یہ الزام اُتارا جائے
اک سمندر مرے ہونٹوں سے گزارا جائے

آج خوابوں کے بدن خون میں تر ہوتے ہیں
آج مقتل کو بڑی دھج سے سنوارا جائے

زندگی تُو تو گوارا ہے مگر اس کے بغیر
مسئلہ یہ ہے تجھے کیسے گزارا جائے

اپنے گھونگھٹ میں وہ اک جنگ لیے بیٹھی ہے
اس کی جانب بھی کوئی تختِ ہزارا جائے

میں حسینی بھی ہوں، تشنہ بھی ہوں، سچا بھی ہوں
مجھ کو پانی سے بہت دُور نہ مارا جائے

عرفان صادق

عشق و مستی کی جب بھی کوئی بات نکلی، سدا چُپ رہا
تذکرے جب بھی اہلِ وفا کے ہوئے، فلسفہ چُپ رہا

روح امرِ الٰہی ہے، اتنا صحیفوں میں تحریر ہے
اس سے آگے کی تفسیر ہم کیا کریں، جب خدا چُپ رہا

طاقِ زرّیں میں ضو پاشیوں کے لیے سارے تیار تھے
جب سرِ راہ جلنے کی بات آئی تو ہر دیا چُپ رہا

رات دن کچھ مسافر یہاں سے کہیں اور جاتے تو ہیں
وہ گئے کون سی منزلوں کی طرف، نقشِ پا چُپ رہا

نام مقتول و قاتل کا سارے قبیلے کو معلوم تھا
کس لیے خونِ ناحق بہایا گیا، خوں بہا چُپ رہا

جانے کیوں وہ جواز اپنے افعال کا پیش کرتا نہیں
لاکھ ترکِ تعلق کا پوچھا سبب، بے وفا چُپ رہا

بے تکلف نہیں ہو سکا مجھ سے شاہین چہرہ مرا
جب بھی نظریں ملیں، دوستانہ ہنسی ہنس دیا، چُپ رہا

حمیدہ شاہین

کہیں سے کوئی روشنی، کہیں سے کوئی راگنی

ستم، الم کے زخم سب
فریب خوردہ شہر کے
نصیب میں لکھے گئے
ہر ایک رنگ خار زارِ جبر
میں اُگا ہوا
لہو میں تر، عذابِ جاں کی سند بنا ہوا
ہر ایک در یہ دہشتوں کی مُہر سے ڈھکا ہوا
ہر ایک لب شگفتگی کی رونقوں سے ہے تہی
ہر ایک آنکھ سیلِ اشک کی خبر بنی ہوئی
یہ جنگلوں کا ماجرا، درندگی کی داستاں
یہ خوں کی بُو، یہ وحشتوں کی قہرناک داستاں
حیاتِ آدمی کی پیش رفت پر کمند ہے
کہاں ہے پیار کی دھنک، خوشی کی دل ربا کھنک
کہاں ہے وہ تمدنوں کے عطر کی جواں مہک
جو آدمی کے بے بہا سفر کی کائنات ہے
یہ کائنات حُسن ہے، یہ کائنات عشق ہے
یہ چاہتوں کے سائباں کی نرم، میٹھی چھاؤں ہے
یہ سائباں جلے نہ یوں، یہ چھاؤں تاابد رہے
کہیں سے کوئی روشنی
کہیں سے کوئی راگنی
اُمنڈ کے آئے اور یہ
ملال کی رگوں سے کلفتیں نچوڑ لے
فریب خوردہ شہر کو صلیب سے اُتار لے

احفاظ الرحمٰن

قدم قدم پہ جہنم سہارتا ہوا میں
تمہارے ہجر سے خود کو گزارتا ہوا میں

یہ پور پور اذیت میں ڈالتے ہوئے تم
یہ سانس سانس محبت پکارتا ہوا میں

پھر ایک رات اذیت سے مر گیا تھا کہیں
تمہارے عشق کو اندر سے مارتا ہوا میں

عجب نہیں ہے کسی روز قتل ہو جاؤں
تمہاری جان کا صدقہ اُتارتا ہوا میں

مُعاف کرنا تیرا ساتھ دے نہیں پایا
پلٹ رہا ہوں محبت میں ہارتا ہوا میں

میثم علی آغا

شگفتہ جاہ

رنگ رنگ پھول

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا۔
"کون سا آدمی افضل ہے؟"
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"ہر صاف دل والا، سچی زبان والا۔"
صحابہؓ نے عرض کیا۔ "سچی زبان والا تو ہم جانتے ہیں۔ صاف دل والا کون ہوتا ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "پرہیزگار، پاک باز، جس (کے دل) میں نہ کوئی گناہ ہو، نہ زیادتی، نہ کینہ، نہ حسد۔"
فوائد و مسائل،۔
1۔ دل کی صفائی اور پاکیزگی آخرت میں نجات کا باعث ہے۔
2۔ متقی آدمی دوسروں سے افضل ہے۔
3۔ کینے کا مطلب ہے، دل میں ناراضی رکھنا تاکہ موقع ملنے پر بدلہ لیا جاسکے۔ یہ بہت ہی بُری عادت ہے۔

بت خانہ بھی رہا کبھی یہ کعبۂ دل،

علامہ حلبیؒ نے سیرت حلبیہ میں مشہور صحابی حضرت خوات بن جبیرؓ کے متعلق لکھا ہے کہ،
"اسلام لانے سے قبل ایک دن وہ چند عورتوں کے پاس سے گزرے۔ ان عورتوں کے حسن نے دل موہ لیا۔ ان کے پاس بیٹھنے کے لیے یہ بہانا تراشا کہ میرا اونٹ بھاگ گیا ہے۔ میرے ساتھ تم رسی بٹ دو۔ اس بہانے سے حضرت جبیرؓ ان عورتوں کے پاس بیٹھ گئے۔
اتفاقاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت حال سمجھ گئے اور خاموشی کے ساتھ وہاں سے گزر گئے۔ بعد میں حضرت جبیرؓ اسلام لے آئے تو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے ان سے پوچھا۔
"آپ کے بھاگنے والے اونٹ کا کیا بنا۔۔۔؟"
حضرت جبیرؓ نے کیا خوبصورت جواب دیا۔
"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اسے اسلام نے باندھ لیا۔"

مسرت الطاف احمد۔ کراچی

میں اور تم،

ایک مرتبہ خلیل جبران اپنی بیوی کو تصویر بناتے ہوئے دیکھ رہے تھے جس میں وہ رنگ بھر رہی تھی۔ اچانک خلیل جبران نے اپنی بیوی سے کہا۔
"سات الفاظ میں دنیا کی تعریف کرو۔"
ان کی بیوی نے سوچ کر جواب دیا۔
"قدرت، حسن، زندگی، پیار اور دھرتی۔"
اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوگئی اور پھر اپنے محبوب شوہر سے کہا۔
"باقی دو الفاظ تم بتا دو۔"
خلیل جبران نے کہا۔ "باقی دو الفاظ ہیں، میں اور تم۔ اگر یہ دو الفاظ نہ ہوتے تو ان پانچ الفاظ کے بھی کوئی معنی نہیں تھے۔"

مسرت الطاف احمد۔ کراچی

مساوات و سلام،

جنگ قادسیہ سے پہلے ایک لڑائی میں ایران کا سردار جابان نامی گرفتار کیا گیا۔ اُس نے کسی مسلمان کو دھوکا دے کر امان لے لی۔ لوگ اسے ابو عبیدہؓ سپہ سالار اسلام کے پاس لائے اور کہا یہ ایرانیوں کا سردار ہے اس کو قتل کرنا ضروری ہے۔ ابو عبیدہؓ نے کہا جب ایک مسلمان اسے امان دے چکا ہے تو میں اس کو سزا نہیں دے سکتا۔ مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں جو عہد ایک مسلمان نے کیا وہ سب پر نبھانا لازم ہے۔
(اقتباس: مخزن اخلاق مولانا رحمت اللہ سبحانیؒ)

عروسہ شہوار۔ جہلم

پیش بندی،

جاوید نے شمع سے پوچھا۔ "اگر تمہیں مجھ سے محبت تھی تو تم نے میرے پہلی مرتبہ اظہار محبت کرنے پر نا رضگی کیوں دکھائی تھی؟ تم نے تو مجھے بالکل ہی مسترد کر دیا تھا۔"
"میں دیکھنا چاہتی تھی کہ تم کیا ردِ عمل دکھاتے ہو۔" شمع نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
"لیکن یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ میں تمہارے جواب پر مایوس ہو کر چلا جاتا اور پھر کبھی لوٹ کر نہ آتا۔"
"ایسا نہیں ہوسکتا تھا۔۔۔ میں نے دروازے کو تالا لگا رکھا تھا۔" شمع نے اطمینان سے جواب دیا۔

مسرت الطاف احمد۔ کراچی

ناک،

مشہور ناول نگار تھامس ہارڈی نے اپنے ایک ناول میں اپنی ہیروئن کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔
"سینکڑوں خوبصورت آنکھوں اور دلکش ہونٹوں کے مقابلے میں خوبصورت ناک بس ایک ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔"
نپولین اس بارے میں بڑی ٹھوس رائے رکھتا تھا کہ "جس کی ناک بڑی ہو وہ بڑے عظیم کارنامے سرانجام دے سکتا ہے۔ مجھے ایسا ایک آدمی دے دو جس کی ناک بڑی ہو۔"

آسیہ جاوید۔ علی پور چٹھہ

غم،

بقراط سے کسی نے پوچھا کہ کیا سبب ہے کہ آپ کبھی غمگین نہیں ہوتے؟
اس نے کہا۔ "میں اپنے پاس کوئی چیز نہیں رکھتا جس کے تلف ہو جانے کا غم ہو۔"

عائشہ۔ گوجرہ

دلچسپ بات،

ہومر اور سقراط کا شمار دنیا کے عظیم ترین فلسفیوں میں ہوتا ہے لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ ان دونوں عظیم فلسفیوں نے اپنی زندگی میں ایک سطر بھی نہیں لکھی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لکھنا تو دور کی بات ہے، پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے۔

ندا، فضہ۔ فیصل آباد

وجۂ انتخاب،

عام طور پر عورتیں ایسے مردوں کے ساتھ خوش رہتی ہیں جو بڑے مستعد اور مضبوط ہوں۔ اس کے برعکس مرد ان عورتوں کے ساتھ خوش رہتے ہیں جو بڑی مشفق ہوں اور مرد کی رہنمائی قبول کریں۔ یوں کہنے کو نوجوان لڑکیاں یہ ضرور کہتی ہیں کہ ہم اس مرد سے شادی کریں گے جس پر ہمارا حکم چلے لیکن واقعتاً ایسا نہیں ہوتا۔ میں نے آج تک کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو اپنے خاوند کی مستعدی اور ہمت کی قائل تو نہ ہو اور پھر اس کے ساتھ خوش بھی ہو۔ غالباً کوئی ایسا مرد بھی نہیں ہے جو مردمار قسم کی عورت کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی بسر کرسکے۔

کشکول،

"مانگو کیا مانگتے ہو؟"
درویش نے اپنا کشکول آگے کر دیا اور عاجزی سے بولا۔
"حضور! میرا کشکول بھر دیں۔"
بادشاہ نے فوراً اپنے گلے کے ہار اتارے پھر

انگوٹھیاں اُتار دیں۔ جیب سے سونے چاندی کی اشرفیاں نکالیں اور درویش کے کشکول میں ڈال دیں لیکن کشکول بڑا تھا اور مال و متاع کم۔ لہٰذا اس نے فوراً خزانے کے انچارج کو بلایا۔ انچارج ہیرے جواہرات کی بوری لے کر حاضر ہوا۔ بادشاہ نے پوری بوری الٹ دی لیکن جوں جوں جواہرات کشکول میں گرتے گئے کشکول بڑا ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ تمام جواہرات غائب ہوگئے۔

بادشاہ کو بے عزتی کا احساس ہوا۔ اس نے خزانے کے منہ کھول دیے لیکن کشکول بھرنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ اس کے بعد درباریوں اور تجوریوں کی باری آئی لیکن کشکول خالی رہا۔ ایک ایک کرکے سارا شہر خالی ہوگیا لیکن کشکول خالی رہا۔

آخر بادشاہ ہار گیا درویش جیت گیا۔ درویش نے کشکول بادشاہ کے سامنے الٹ دیا۔ مسکرایا اور واپس مڑ گیا۔ بادشاہ پیچھے بھاگا اور ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔

"حضور! مجھے صرف اتنا بتا دیں یہ کشکول کس چیز کا بنا ہوا ہے؟"

درویش مسکرایا۔ "اے نادان! یہ خواہشات سے بنا ہوا کشکول ہے، جسے صرف قبر کی مٹی بھر سکتی ہے۔"

رضوانہ شکیل راؤ۔ لودھراں

زاہد،

ایک بادشاہ نے منت مانی کہ اگر اس کی ضرورت پوری ہوگئی تو وہ شہر کے زاہدوں میں رقم تقسیم کرے گا۔ اس کی ضرورت پوری ہوگئی تو اس نے اپنے وزیر کو رقم دی کہ اسے زاہدوں میں تقسیم کردو۔ وزیر شام کو واپس آیا اور بادشاہ کے سامنے رقم رکھی اور کہا۔

"شہر میں کوئی زاہد نہیں ملا۔"

بادشاہ نے کہا۔ "شہر میں تو سینکڑوں زاہد ہیں۔"

وزیر نے جواب دیا۔ "جو زاہد ہے وہ لیتا نہیں اور جو لیتا ہے وہ زاہد نہیں۔"

فوزیہ ثمر بٹ۔ گجرات

فرمودات آئن اسٹائن،

- اپنا ہاتھ ایک منٹ کے لیے گرم چولہے پر رکھو تو یوں محسوس ہوگا گویا گھنٹے بھر سے وہاں رکھا رہا ہے۔ کسی خوبصورت لڑکی کے ساتھ ایک گھنٹہ گزارو تو یوں لگے گا جیسے ابھی ایک منٹ ہی گزرا ہے۔ یہی نظریۂ اضافیت ہے۔
- اگر حقائق کسی نظریے پر پورے نہیں اترتے تو حقائق بدل ڈالو۔
- روزِ ازل سے عظیم انسانوں کے نظریات کو اوسط درجے کے ذہنوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔
- بے وقوفی! ایک کام کو بار بار کرنا اور ہر بار مختلف نتائج کی توقع رکھنا۔
- دانش ور وہ ہے جو مسائل کو درست طریقے سے حل کرلے نابغہ وہ ہے جو انہیں پیدا ہی نہ ہونے دے۔
- جس شخص نے کبھی کوئی غلطی نہیں کی، اس نے کبھی کچھ نیا کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔
- میں نہیں کہہ سکتا کہ تیسری جنگِ عظیم میں کون سے ہتھیار استعمال ہوں گے مگر یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ چوتھی جنگِ عظیم پتھروں اور ڈنڈوں سے لڑی جائے گی۔
- عقل مندی اور بے وقوفی میں فرق یہ ہے کہ عقل مندی کی ایک حد ہوتی ہے۔
- مرد عورتوں سے اس لیے شادی کرتے ہیں کہ وہ ہمیشہ ایسی ہی رہیں گی جیسے وہ شادی کے وقت ہیں۔ اور عورتیں مردوں سے اس لیے شادی کرتی ہیں کہ شادی کے بعد وہ بدل جائیں گے افسوس کہ دونوں کو بعد میں مایوسی ہوتی ہے۔
- صرف دو چیزیں لامحدود ہیں۔ کائنات اور حماقت۔ کائنات کے بارے میں مجھے ابھی تک سوفیصد یقین نہیں۔

کرن، بینش۔ کراچی
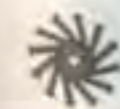
خالدہ جیلانی

نوشین اقبال نوشی ——— گاؤں بدر مرجان

ہم تمہیں بھولنے کا سوچیں گے
جب کبھی دل پر اختیار ہوا

اُم رومان ——— عبدالحکیم

کوئی آہٹ نہ کوئی چاپ، نہ کوئی آواز
دل کی گلیاں میری سنسان ہیں آئے کوئی

رافعہ ارشین ——— لیاری، کراچی

سدا جکڑے رہے قسمت کی جو زنجیروں میں
ہمارا نام بھی شامل ہے ان اسیروں میں
وہ جس کے ساتھ ہی خواہش اڑان بھرتی ہے
اسی کا نام نہیں ہاتھ کی لکیروں میں

انیقہ رانا ——— چکوال

منتظر میرے زوال کے ہیں
میرے اپنے بھی کمال کے ہیں

رافعہ ارشد ——— گھارو

اے حسرتِ نگاہ یہ کیا راز ہے آخر
وہ سامنے آتے ہیں تو دیکھا نہیں جاتا

آنسہ شبیر ——— گجرات

وہ بھی کیا عجب شخص تھا کہ جس کی ذات پر
جب اعتبار بڑھ گیا تو اختیار نہ رہا

زوباریہ خالد ——— لاہور

یہاں الفاظ بکتے ہیں تجارت ہے تخیل کی
محبت ایک پیشہ ہے تمہارے شہر میں محسن

صبیحہ اقبال ——— کوٹری

سر چھپانے کی جگہ مانگو تو سر مانگتے ہیں
ربطِ باہم کے لیے خونِ جگر مانگتے ہیں
ہو سکے تم سے تو اخلاص کی کلیاں دے دو
زر و گوہر نہ کوئی شمس و قمر مانگتے ہیں

آمنہ عائشہ، عائشہ خان ——— ہری پور

ہزاروں حادثے تجھ پر قیامت بن کے ٹوٹے ہیں
تو اس پر بھی سلامت ہے دل خوش فہم کیا کہنا

افشاں خان، عطیہ حق نواز ——— شاہ پور چاکر

عجب پہیلی ہے یہ ہاتھ کی لکیروں میں
سفر لکھے ہیں مگر راستہ نہیں لکھا
خیال و خواب کے منظر رقم سب ہی نے کیے
جو چشم دید تھا وہ واقعہ نہیں لکھا

جبین تقاضی ——— سکرنڈ

تم نے سونا بنا کے مٹی سے
مجھ کو مٹی کے بھاؤ بیچ دیا

کومل جویشہ ——— ملتان

یہ کیا کہ عقل کی انگلی پکڑ کر چلتے رہتے ہو
کبھی دل کی بھی بہ وقتِ ضرورت مان لیتے ہیں

نوال افضل گھمن ——— گجرات

ذرا سی دیر کو آئے تھے خواب آنکھوں میں
پھر اس کے بعد مسلسل عذاب آنکھوں میں
وہ جس کے نام کی نسبت سے روشن تھا وجود
کھٹک رہا ہے وہ ہی آفتاب آنکھوں میں

شافعہ نعیم ——— ڈسکہ

میں تو غزل سنا کے اکیلا کھڑا رہا
سب اپنے اپنے چاہنے والوں میں کھو گئے

ناہید کوثر ——— میرپور خاص

کوئی دریچہ کھلے یا مجھے ہنسی آئے
کسی طرف سے تو کمرے میں روشنی آئے
تم آگئے ہو تو جی بھر کے آج میں ہنس لوں
پھر اس کے بعد خدا جانے کب ہنسی آئے

فرخ فاطمہ اشرف ______ حویلی لکھا، اوکاڑہ

تمہارے عشق میں ہم پر جو حال گزرے ہیں
ملا جلا کے کوئی بیس سال گزرے ہیں
یہ چار دن کی محبت تو بے نہیں جاناں
شمار کر لو کہ کتنے ملال گزرے ہیں

صدف خالد ______ بہاول نگر

اس قدر زیست کی راہوں نے تھکایا ہے مجھے
کون بچھڑا ہے کہاں، کون ملا، یاد نہیں

افشاں خان ______ شاہ پور چاکر

تھی اس قدر عجیب مسافت کہ کچھ نہ پوچھو
آنکھیں ابھی سفر میں تھیں کہ خواب تھک گئے

اقصیٰ منیر ______ مردان

یہ جو پانی میں چلا آیا سنہری ساغر ود
اس نے دریا میں کہیں پاؤں اتارا ہوگا

فوزیہ عظیم ______ کوئٹہ

کسی کا پیار کسی کی دعا ضروری ہے
دیارِ حبس میں تازہ ہوا ضروری ہے

فرح انور ______ مظفر گڑھ

یہ جو بے ساختہ سے ہیں قہقہے مرے دل کو لگے ہیں بوجھ سے
وہ جو اپنے حال میں مست ہو مجھے اس ہنسی کی تلاش ہے
یہ جو میل جول کی بات ہے، یہ جو مجلسی حیات ہے
مجھے اس سے کوئی غرض نہیں، مجھے دوستی کی تلاش ہے

صبا اعجاز ______ پیر پور خاص

آہٹ پہ میرے پاؤں کی دھیرے سے چونک کر
دیکھا ہے اس نے مڑ کے مجھے اس ادا کے ساتھ
پھیلی ہے جسم و جاں میں عجب ایک سرخوشی
خوشبو سی کوئی اڑنے لگی ہے ہوا کے ساتھ

کرن فاروق ______ چشتیاں

کرچیاں لگی دیکھیں ہر طرف منڈیروں پر
آب و دانہ کیا دیں گے ایسے گھر پرندوں کو

سیدہ لوبا سجاد ______ کہروڑ پکا

درد کی دل پہ حکومت تھی کہاں تھا اس وقت
جب مجھے تیری ضرورت تھی کہاں تھا اس وقت
دل کے دریاؤں میں اب ریت ہے صحراؤں کی
جب مجھے تجھ سے محبت تھی کہاں تھا اس وقت

ملیحہ طاہر ______ جہلم

کس کو کہتے ہیں محبت نہیں معلوم ہمیں
اک تمنا سی ہے جو دل سے نکلتی ہی نہیں

حرا قریشی ______ بلال کالونی ملتان

اب شبِ ہجر بھی نہیں آتی
ان دنوں ہم بہت اکیلے ہیں
راکھ کے ڈھیر جیسے سرد مکان
چاند ان بدلیوں میں رہتے ہیں

سمیرا انور ______ جھنگ

ہمیں ان موسموں کی کیا خبر ملتی اگر ہم بھی
گھٹن کے خوف سے آب و ہوا تبدیل کر لیتے
جدائی بھی نہ ہوتی زندگی بھی سہل ہو جاتی
جو ہم اک دوسرے سے مسئلہ تبدیل کر لیتے

ثمینہ عطاری، صبا نوشاہی ______ ڈوگہ

خود سے کھینچا ہو کوئی زہر کا بھالا ہم نے
اس طرح اس کو کلیجے سے نکالا ہم نے
ضد یہ آجائے کبھی بات پر بچے جیسے
دل تیرے بعد کچھ اس طرح سنبھالا ہم نے

فوزیہ ثمر بٹ ______ گجرات

ان کو دل میں سنبھال کے رکھو
ان کو سوچو بہت قرینوں سے
چند سانسوں سے ٹوٹ جاتے ہیں
لفظ نازک ہیں آبگینوں سے

طیبہ وسیم ______ مکیانہ، گجرات

ہجوم میں تھا وہ شاید نہ رو سکا ہوگا
مگر یقین ہے شب بھر نہ سو سکا ہوگا
وہ شخص جس کو سمجھنے میں مجھے عمر لگی
بچھڑ کر مجھ سے کسی کا نہ ہو سکا ہوگا

ارم بتول ______ حیدر آباد

میں ہوں اخبارِ محبت میری پیشانی پر
روز اک اس کے مرنے کی خبر لگتی ہے

ارم کمال ______ فیصل آباد

مزاج اپنے بہت مختلف سہی پھر بھی
ہمارے بیچ محبت کا پاس رہتا ہے

نوشین اقبال نوشی کی ڈائری سے

سچ کڑوا اور حقیقت اکثر تلخ ہی ہوا کرتی ہے جو اکثر ان کہی رہ جاتی ہے۔ جون ایلیا کی یہ غزل ایسی بہت سی تلخ حقیقتیں آشکار کر رہی ہے۔

یہ پیہم تلخ کلامی سی رہی کیا؟
محبت زہر کھا کر آئی تھی کیا؟

مجھے اب تم سے ڈر لگنے لگا ہے
تمہیں مجھ سے محبت ہو گئی کیا؟

شکستِ اعتمادِ ذات کے وقت
قیامت آ رہی تھی، آ گئی کیا؟

مجھے شکوہ نہیں بس پوچھنا ہے
یہ تم ہنستی ہو اپنی ہی ہنسی کیا؟

پڑے ہیں ایک گوشے میں گماں کے
بھلا ہم کیا، ہماری زندگی کیا؟

میں اب ہر شخص سے اکتا چکا ہوں
فقط کچھ دوست ہیں اور دوست بھی کیا؟

ابھی ہونے کی باتیں ہیں سو کر لو
ابھی تو کچھ نہیں ہونا، ابھی کیا؟

یہی پوچھا کیا آج دن بھر میں
ہر اک انسان کو روٹی ملی کیا؟

رمان صابر کی ڈائری سے

میری ڈائری میں تحریر یہ غزل آپ سب قارئین بہنوں کی نذر۔

چپ چپ رہنا کچھ نہ کہنا یہ بھی ایک اداسی ہے
ہنس کے سارے صدمے سہنا یہ بھی ایک اداسی ہے

بیٹھے بیٹھے کھو سا جانا یونہی دور خیالوں میں
چلتے چلتے ہنستے رہنا یہ بھی ایک اداسی ہے

دل کی باتیں سن کر ہنسنا یہ تو سب کی عادت ہے
غم کی بات پہ ہنستے رہنا یہ بھی ایک اداسی ہے

مار کے کنکر لہریں گننا، بیٹھ کے جھیل کنارے پر
کچھ لوگوں کا ہے یہ کہنا یہ بھی ایک اداسی ہے

سمیرا انور کی ڈائری سے

نوشی گیلانی میری فیورٹ شاعرہ کبھی تتلیوں سے باتیں کرتی ہیں تو کبھی ہوا سے دوستی کر لیتی ہیں۔ ان کی یہ غزل ان کے احساسات کا اظہار کرتی نظر آتی ہے۔

گلی کوچوں میں برگِ خشک کی صورت بکھرنا تھا
ہوائے دوستی کا کوئی تو انجام ہونا تھا

جنوں کے شہر میں لیکن ہماری ہار لازم تھی
اِدھر اک شاعرہ تھی اُس طرف سارا زمانہ تھا

یہ ساری عمر کس آشفتگی میں رائیگاں کر دی
اُسی کو یاد رکھا ہے جسے دل سے بھلانا تھا

عجب وحشت کا عالم ہے سمجھ میں کچھ نہیں آتا
سفر کی شب مسافر کو کہاں خیمہ لگانا تھا

وہ جب اوجھل ہوا تو ہم بھی اپنے آپ سے چونکے
اُسے آواز دینا تھی، اُسے واپس بلانا تھا

کہکشاں ارجمند کی ڈائری سے

فیض کی ایک مترنم غزل جس میں نزاکت آفرینی بھی ہے اور رعنائیٔ خیال بھی، احساس کی گہرائی بھی ہے اور نغمہ گری کا افسوں بھی۔

چاند نکلے کسی جانب تیری زیبائی کا
رنگ بدلے کسی صورت شبِ تنہائی کا

دولتِ لب سے پھر اے خسروِ شیریں دہناں
آج ارزاں ہو کوئی حرف شناسائی کا

گرمیٔ رشک سے ہر انجمنِ گل بدناں
تذکرہ چھیڑے تیری پیرہن آرائی کا

صحنِ گلشن میں کبھی اے شہِ شمشاد قداں
پھر نظر آئے سلیقہ تیری رعنائی کا

ایک بار اور مسیحائے دلِ دل زدگاں
کوئی وعدہ کوئی اقرار مسیحائی کا

دیدہ و دل کو سنبھالو کہ سرِ شامِ فراق
سازو سامان بہم پہنچا ہے رسوائی کا

کرن منظور کی ڈائری سے

میری ڈائری میں تحریر شعیب بن عزیز کی یہ غزل جس کے پہلے شعر کا ایک مصرعہ زبان زدِ عام بن چکا ہے۔ آپ سب قارئین کی نذر۔

اب اُداس پھرتے ہو سردیوں کی شاموں میں
اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں

اب تو اس کی آنکھوں کے میکدے میسر ہیں
پھر سکون ڈھونڈو گے ساغروں میں جاموں میں

دوستی کا دعویٰ کیا؛ عاشقی سے کیا مطلب
میں تیرے فقیروں میں، میں تیرے غلاموں میں

جس طرح شعیب اُس کا نام چن لیا تم نے
اس نے بھی ہے چن رکھا ایک نام ناموں میں

1۔ دل کی صدا بن کر جو شعر یا اشعار ہمارے لبوں پر رہتے ہیں اور اکثر ہم گنگناتے بھی ہیں... کیونکہ ہم بہت اچھے باتھ روم اور کچن سنگر بھی ہیں، پلیز وہ آپ بھی گنگنایئے۔

جو خیال تھے نہ قیاس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
میری زندگی کی جو اساس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
جنہیں مانتا ہی نہیں یہ دل وہی لوگ ہیں میرے ہم سفر
مجھے ہر طرح سے جو راس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے
ہمیں لمحہ بھر کی رفاقتوں کے عذاب اور ستائیں گے
میری عمر بھر کی جو پیاس تھے وہی لوگ مجھ سے بچھڑ گئے

2۔ افتخار عارف کی شاعری جو دل و جان سے پسند ہے اس غزل کی وجہ سے متعارف ہوئی اور پھر ہم نے معرکہ مار کر ان کی تمام کلیکشن بھی اکٹھی کر لی۔

خواب کی طرح بکھر جانے کو جی چاہتا ہے
ایسی تنہائی کہ مر جانے کو جی چاہتا ہے
گھر کی وحشت سے لرزتا ہوں مگر جانے کیوں
شام ہوتی ہے تو گھر جانے کو جی چاہتا ہے
ڈوب جاؤں تو کوئی موج نشاں تک نہ بتائے
ایسی ندی میں اتر جانے کو جی چاہتا ہے
کبھی مل جائے تو رستے کی تھکن جاگ پڑے
ایسی منزل سے گزر جانے کو جی چاہتا ہے
وہی پیماں جو کبھی جی کو خوش آئے تھے بہت
ان ہی پیماں سے مکر جانے کو جی چاہتا ہے

3۔ میرے جیون ساتھی نے پہلی ملاقات پر یہ شعر پڑھا تھا۔

جو اس کے چہرے پر رنگِ حیا ٹھہر جائے
تو سانس، وقت، سمندر، ہوا ٹھہر جائے
وہ مسکرائے تو ہنس ہنس پڑیں کئی موسم
وہ گنگنائے تو بادِ صبا ٹھہر جائے

4۔ نصرت فتح علی خاں مرحوم کی آواز میں ہے جو میں نے اپنی USB میں 10 مرتبہ DownLoad کی ہے لگاتار سننے کے لیے۔

میرا غم اور میری ہر خوشی تم سے ہے

روشن حرف وہ سارے

نوال افضل گھمن

جانِ من یہ میری زندگی تم سے ہے
اے میری جانِ جاں اے میری مہرباں
تم سے رنگین ہیں یہ زمین آسماں
تم سے آباد ہے میرے دل کا جہاں
تم میرا چاند ہو چاندنی تم سے ہے
تو نشانی محبت کی منزل کی ہے
تیرے دم سے حسین انجمن دل کی ہے
ساری رونق تمہی سے محفل کی ہے
شمعِ محفل ہو تم روشنی تم سے ہے
فیصلہ ہے یہی بات ہے یہ اٹل
حسن والوں میں تیرا نہیں ہے بدل
گیت کا حسن ہو، تم ہو جانِ غزل
شاعروں کی حسین شاعری تم سے ہے

کلاسیکی شعرا میں سے کسی ایک کا انتخاب خاصا مشکل کام لگا۔ مگر جناب آپ کے لیے شکیل بدایونی کی جس غزل کا انتخاب کیا ہے۔ یقیناً "میری طرح آپ سب کو بھی بے حد پسند آئے گی۔

مرے پر مذاق فقرے مرے کام آگئے ہیں
کہ ہنسی ہنسی میں اکثر وہ شکست کھا گئے ہیں
نہ گریز یا توجہ، یہ ندامتوں کا عالم
کبھی سامنا ہوا ہے تو نظر بچا گئے ہیں
جو نہاں ہیں دل میں نالے وہ تو روک لوں میں ناصح
مگر ان کو کیا کروں میں جو زباں پر آگئے ہیں
بڑے کار ساز نکلے غمِ عاشقی کے شعلے
جو بچا رہے تھے دامن وہی زد میں آگئے ہیں
مجھے کر دیا ہے جب بھی غمِ زیست نے پریشاں
وہ شکیل مسکرا کر میرا دل بڑھا گئے ہیں

خط بھجوانے کے لیے پتا
خواتین ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
Email: info@khawateendigest.com
khawateendigest@hotmail.com

حنا سلیم اعوان، کنزیٰ شاہین اعوان، گاؤں آخون باندی۔ تحصیل و ضلع ہری پور ہزارہ

اس بار سیلابی ریلے سے ہم لوگ بھی محفوظ نہیں رہ سکے۔ زیادہ نقصان تو نہیں ہوا یعنی جانی نقصان۔ البتہ سیلابی ریلا دریائے دوڑ کے اوپر آمدورفت کے لیے بنے پل، مکئی، کچالو، بھنڈی، گوبھی، کریلے، چرنڈے کی فصلوں اور امرود، لوکاٹ کے باغات کو اپنے ساتھ بہا کر لے گیا۔ مالی نقصان تو بہرحال کبھی نہ کبھی پورا ہو ہی جاتا ہے۔ ساتھ والے گاؤں لبان باندی (جو کہ یونین کونسل شاہ مقصود کا سب سے بڑا اور گنجان آباد گاؤں ہے) میں چار بہن بھائی چھت گرنے سے جاں بحق ہو گئے اور ایک شخص ہمارے گاؤں کا دریائے دوڑ کے سیلابی ریلے کے ساتھ بہہ گیا اور ایک ہفتے بعد اس کی لاش ایدھی والوں سے ملی۔ ان لوگوں کی مشکلات کا بخوبی اندازہ ہوا جو ہر سال سیلاب سے متاثر ہوتے ہیں۔

اب آتے ہیں شمارے کی طرف۔ قسط وار ناولز تو بہت توجہ اور لگن سے پڑھتے ہیں۔ اس بار کوئی بھی اسٹوری من کو بھائی نہیں ہے۔ ہم تو لمبے لمبے، عید کی خوشیوں، قہقہوں، رنگینیوں سے مزین ناولز کے منتظر تھے۔ ذرا مزا نہیں آیا۔

بس سائرہ رضا کی "اصل حکایت" بہت زبردست تھی نفیسہ بیگم کے لان میں بہار دکھاتے کھیت نے تصور کی آنکھ سے دیکھنے پر بھرپور مزا دیا۔ مہندی کے ڈیزائن بے حد پیارے لگے۔ اتنے پیارے ڈیزائن دے کر آپ نے ہمارا دل ہی لوٹ لیا ہے۔ اقرار الحسن اور نازیہ ملک سے ملاقات اچھی رہی۔ خاص کر "سرِعام" کے اینکر اقرار الحسن سے ملاقات اچھی لگی۔

ج ۔ حنا اور کنزیٰ! ہر سال بارشوں کے موسم میں بھرے دریا اُمڈ پڑتے ہیں۔ کھڑی فصلیں زیرِ آب آجاتی ہیں۔ کچے مکان زمین بوس ہو کر اپنے مکینوں کو بے گھر کر دیتے ہیں۔ سیلابی پانی کا آنا زحمت نہیں رحمت ہے بشرطیکہ انتظامیہ صحیح منصوبہ بندی کرے لیکن ہمارے ہاں جب بھی حکومت بنتی ہے تو اس کو گرانے کی سازشیں پہلے شروع ہو جاتی ہیں۔ میڈیا ان کوششوں میں پورا ساتھ دیتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ حکمران عوام کی بہبود کی منصوبہ بندی کے بجائے حکومت بچانے کے لیے جوڑ توڑ میں زیادہ مصروف رہتے ہیں۔

ہمیں افسوس ہے کہ اس بار کوئی بھی کہانی آپ کو متاثر نہ کر سکی۔ لیکن آپ کی اس بات سے متفق نہیں کہ تمام کہانیاں سنجیدہ تھیں اس بار عفت سحر طاہر اور صبا سحر اور سائرہ رضا کی تحریریں ہلکی پھلکی اور پُرمزاح تھیں۔

ام رومان ۔۔۔ عبدالحکیم

خواتین ڈائجسٹ اس بار بہت انتظار کروانے کے بعد پندرہ کو ملا، اس کے بنا عید بھی پھیکی پھیکی سی لگی۔ سرورق بہت اچھا لگا۔ دونوں ماڈلز بہت پیاری لگ رہی تھیں بس مہندی کی کمی تھی۔ کرن کرن روشنی سے مستفید ہونے کے بعد عنیزہ سید کی طرف آئی یہ ناول بہت اچھا جا رہا ہے کچھ تلخ حقیقتیں آشکار ہو رہی ہیں، میری خواہش ہے کہ سعد کی ساری الجھنیں دور ہو جائیں اور اختر کی یہ بات "زن پالو یا من" سچ نہ ہو بلکہ سعد کو دونوں چیزیں ملیں۔ ماہ نور بھی اور اس کی ماں بھی، آپی ماہ نور پہ بہت ترس آتا ہے

پلیز اس چھوٹی سی لڑکی کی الجھنیں بھی سلجھا دیں۔ نگہت سیما کا "زمین کے آنسو" بھی بہت اچھا جا رہا ہے پلیز آپی اریب فاطمہ ہر صورت ایک کی ہونی چاہیے اور احمد رضا کو اس دلدل سے باہر نکال دیں آمنہ ریاض کا ماہ تمام بھی اچھا لگا۔ اگلے ڈائجسٹ کا شدت سے انتظار رہے گا۔ خاتون کی ڈائری سے کلثوم زائے اور نیلم شہزادی کے جوابات پسند آئے۔ نازیہ ملک سے ملاقات بھی خوب رہی۔

ج ۔ ام رومان! خواتین کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔ امید ہے آئندہ بھی خط لکھ کر اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیں گی۔

فضہ بتول ۔۔۔ اسلام آباد

خواتین ڈائجسٹ کو اس وقت اردو ادب کی حیات کا ضامن کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ آپ کی کاوشیں داد و تحسین کے لائق ہیں۔ ڈائجسٹ کا معیار اعلا اور انداز لاجواب ہے۔ رسالہ نہ صرف معلوماتی ہے، بلکہ دلچسپی کا ایک اچھوتا عنصر لیے ہوئے ہے۔ تمام سلسلے بہت اچھے اور قابل تعریف ہیں۔ اس ڈائجسٹ کی بہترین خوبی یہ ہے کہ اس نے جس طرح نوعمر مصنفین کو میرٹ پہ جگہ دی ہے، اس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی اس کی وجہ سے مزید خواتین میں بھی لکھنے کی حوصلہ افزائی ہو رہی ہے۔

قائداعظم ریزیڈنسی کے حادثے کے بعد سے میرا قلم بے چین تھا کہ بابائے قوم کی رہائش گاہ کی بے حرمتی پہ کچھ لکھوں۔

یہ صرف میری تحریر نہیں ہے، یہ اٹھارہ کروڑ عوام کی دلوں کی آواز ہے۔

ج ۔ پیاری فضہ! خواتین کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ خواتین ڈائجسٹ میں افسانے یا ناولٹ شائع کیے جاتے ہیں۔ آپ نے کالم یا مضمون کے انداز میں لکھا ہے۔ یہ تحریر ہمارے پرچے کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی آپ سے اس لیے معذرت خواہ ہیں۔ آپ کچھ اور لکھیں

صبیحہ مغل، مدیحہ مغل ۔۔۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ

پلیز زمین کے آنسو، کہانی میں اریب فاطمہ اور ایک فلک شاہ جدامت کرنا ورنہ میں بہت روؤں گی۔ پلیز اور ہاں مجھے پتا ہے ہمدان اور سمیرا کی شادی ہو گی اور اب پلیز احمد حسن کو اپنے گھر والوں سے ملوا دیں اور مجھے رچی بہت برا لگتا ہے۔ پتا نہیں اس کا کیا مقصد ہے اور جلدی سے اس کی اصلیت بھی بتا دیں اور میری موسٹ فیورٹ اسٹوری ہے۔ "ماہ تمام" پلیز شفا کے ساتھ اب اور زیادہ برا نہیں ہونا چاہیے۔ اس کی بھابھی کو اچھا کر دیں۔ باقی تمام ڈائجسٹ بھی بہت اچھا ہوتا ہے۔ پلیز میری ایک ریکویسٹ ہے کہ پاکستانی گلوکار نعمان خالد کا انٹرویو شائع کریں پلیز جنہوں نے دیسی ٹھمکا گایا۔

اور پلیز میری تمام قاری بہنوں سے گزارش ہے کہ میرے پیپر ہونے والے ہیں میرے حق دعا ضرور کیجیے گا۔

ج ۔ صبیحہ اور مدیحہ! خواتین کی محفل میں خوش آمدید۔ پلیز آپ روئیں نہیں، نگہت سیما تک ہم آپ کی فرمائش پہنچا رہے ہیں۔ نعمان خالد کے انٹرویو کی فرمائش نوٹ کر لی ہے۔ پلیز آپ ہمیں آئندہ بھی خط لکھ کر اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا۔

مسز ہدایت علی شاہ ۔۔۔ ملتان

11 مئی کے حوالے سے میری تحریر کو جون کے شمارے میں جگہ دی اس کے لیے بے حد شکریہ اور اس تحریر میں غلطیوں کی تصحیح کے لیے اس سے بھی زیادہ شکریہ۔

آپ کی اس مہربانی سے مجھے بہت حوصلہ ملا ہے کہ میں مزید لکھ سکوں افسانہ لکھنا تو شاید میرے بس کی بات نہیں

لیکن میرے ذہن میں بہت سارے موضوعات آتے رہتے ہیں۔ کیا میں کالم ٹائپ تحریریں لکھ کر بھیج سکتی ہوں

اعتذار

اس ماہ آمنہ ریاض کے ناول "ماہِ تمام" کی قسط چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر شاملِ اشاعت نہیں ہے۔ آپ اگلے ماہ یہ قسط پڑھ سکیں گی اِن شاءاللہ۔

؟

عنیزہ سید کا ناول لاجواب ہے۔ ایسے کیئراور پرفیکٹ کرداروں پر مشتمل ناول کو تخلیق کرنے والی عنیزہ سید کے بارے میں بھی کچھ بتائیے وہ کیا کرتی ہیں مطلب پروفیشن ان کا کیا ہے۔ میرڈ ہیں کیا؟ بچے وغیرہ۔ در حقیقت ان سے ملنے کو دل کرتا ہے۔

سردار چچا کی اولاد نہیں ہے اور پھر بھی اتنے صابر شاکر ہیں۔ ان کو اللہ نے مال دولت بھی عطا کی ہے اور چچی صابرہ بھی نیک فطرت ہیں تو پھر وہ دوسری شادی کیوں نہیں کرتے۔

ماہ تمام کا اینڈ ایسا ہو کہ تمام جھوٹ بولنے والی خواتین کو سبق مل جائے۔ ایسی عورتیں خاندان میں فساد پھیلاتی ہیں۔ پشتو کا محاورہ ہے کہ "جب تک سچ پہنچتا ہے تب تک جھوٹ پورے گاؤں کو برباد کرچکا ہوتا ہے۔"

احادیث کا سلسلہ شامل کرنے پر اللہ اجر دے اور ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

ج - مسز ہدایت! پہلی بات تو یہ کہ آپ کی اپنی بھی ایک شناخت ہے آپ اپنا نام ضرور لکھا کریں۔ اپنی تحریریں بھجوادیں۔ پڑھ کر بتا سکتے ہیں شائع ہو سکتی ہیں یا نہیں۔

عنیزہ سید ایک اسکول میں پرنسپل ہیں۔ شادی شدہ ہیں۔ ان کے دو بچے ہیں۔ بیٹی اسلام آباد میں یونیورسٹی میں پڑھتی ہے اور بیٹا سیکنڈ ایر کا طالب علم ہے عنیزہ سید ماشاء اللہ بہت باصلاحیت ہیں یہ تمام ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے نبھا رہی ہیں اور ساتھ ساتھ ناول بھی لکھ رہی ہیں۔

سردار چچا کی اولاد نہیں ہے، لیکن ضروری تو نہیں کہ اولاد نہ ہو تو ہر مرد دوسری شادی کے بارے میں سوچے اگر قسمت میں اولاد نہیں ہے تو چار شادیاں کرلیں تب بھی اولاد نہیں ہوگی ویسے انہوں نے کھاری کو اپنا بچہ سمجھ کر ہی پالا ہے۔

رافعہ ارشد۔۔۔ لیاری کراچی

خواتین ڈائجسٹ سے وابستگی کب ہوئی تو جناب! میری امی تو خواتین کی شروع سے ہی خاموش قاری رہی ہیں۔ میں نے 7th کلاس سے خواتین پڑھنا شروع کیا ہے اور اب میں فرسٹ ایئر کے امتحان سے فارغ ہوئی ہوں۔ اگست کا شمارہ 8 تاریخ کو ملا۔ ٹائٹل عید کی مناسبت سے بہت اچھا لگا لیکن اگر ماڈلز کے ہاتھوں میں مہندی لگی ہوتی تو کیا بات تھی۔ "کرن کرن روشنی" پڑھ کر دل روشن ہو جاتا ہے۔ عید کے حوالے سے سروے "روشن ہے صبح عید" میں سب کے جوابات پسند آئے۔ "جو رکے تو کوہ گراں تھے ہم" میری امی کا فیورٹ ناول ہے۔ مجھے سعد سلطان کا کردار بہت اچھا لگتا ہے "زمین کے آنسو" بہت اچھا ناول ہے۔ احمد رضا کو اس کے گھر والوں سے ملوا دینا پلیز نگہت سیما جی۔ اقرار الحسن سے ملاقات اچھی رہی۔ ان کے چہرے پر واقعی بہت معصومیت ہے۔ مجھے "میرے خواب لوٹا دو" کی آخری قسط کا شدت سے انتظار تھا "زنگ آلود آئینے" رشک حبیبہ جی کا ناول پسند آیا۔ "اصل حکایت" سائرہ جی آپ کی تو کیا بات ہے۔ ہمیشہ کی طرح بیسٹ۔ "ماہ تمام" آمنہ جی کا ناول اچھا جا رہا ہے۔ افسانے سارے ہی اچھے تھے لیکن "دھنک کے رنگ" زبردست تھا۔ آخر کار ازمیر بٹ سے ملوا دیا عفت سحر جی شکریہ آپ کا۔ "بیاض دل" میں عید کے حوالے سے اشعار پسند آئے اور مہندی کا ایک ڈیزائن تو ٹرائی بھی کرلیا۔ غرض کہ اگست کا شمارہ عید نمبر بیسٹ رہا۔

ج - پیاری رافعہ! آپ کی امی تو خاموش قاری رہیں۔ آپ نے ہمیں خط لکھ کر اپنی رائے سے آگاہ کیا تو بہت خوشی ہوئی۔ خواتین ڈائجسٹ بلاشبہ نسلوں تک سفر کر رہا ہے اور ہر گھر کا پسندیدہ پرچا ہے۔

نگہت عبداللہ کے ناول کی آخری قسط اس ماہ شامل ہے۔ پڑھ کر اپنی رائے سے آگاہ کیجیے گا۔

ارم خان۔۔۔ کراچی

کئی دفعہ اپنی رائے دینے کا سوچا خط کے ذریعے، مگر دل میں ڈر تھا کہ کہیں خط میں الفاظ کے نامناسب چناؤ پر آپ میرا خط شائع ہی نہ کریں۔

میں یہ بتانا چاہوں گی کہ میرا تعلق آپ کے ڈائجسٹوں سے تقریباً تیرہ چودہ سال کی عمر سے ہے۔ دس سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ آج کل خواتین میں دو کہانیاں کافی پسند آرہی ہیں ایک "زمین کے آنسو" اور دوسری "میرے خواب لوٹا دو" ماشاء اللہ بہت پیاری کاوش ہیں یہ دونوں کی ۔۔۔ باقی سارے سلسلے بھی خواتین کے پسند ہیں مگر "میری بیاض سے" سب سے پہلے پڑھتی ہوں۔

ج - پیاری ارم! آپ نے اپنے ڈر کی وجہ سے آج تک ہمیں خط نہ لکھا، اس طرح کے ڈر اور منفی سوچوں کی وجہ سے ہم بہت سے کام جو کرسکتے ہیں نہیں کرپاتے۔ زندگی میں کامیابی کے لیے سب سے اہم یہ ہے کہ اپنے ذہن سے منفی سوچوں کو نکال دیں۔

خواتین ڈائجسٹ کی پسندیدگی کے بارے میں جان کر خوشی ہوئی۔ نگہت سیما اور نگہت عبداللہ تک اس کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچا رہے ہیں۔

سمیرا انور۔۔۔ جھنگ

چاند رات کو جگمگاتا خواتین ڈائجسٹ ملا تو اسے دیکھ کر خوشی کی انتہا نہ رہی کیونکہ عید کے تینوں دن بہت اچھے گزرنے تھے۔ سرورق دلکش تھا۔ عید نمبر کا ٹیگ دیکھ کر ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔ رشک حبیبہ کے مکمل ناول "زنگ آلود آئینے" پڑھ کر لیکن کچھ مختصر سا لگا "زمین کے آنسو" میں کمپوزنگ میں جو غلطی ہوئی۔ اس کی نگہت سیما کی طرف سے تصحیح دیکھ اپنی ذہانت کا ادراک ہونے لگا۔ آخر تاریخ کی طالبہ ہوں۔ کہانی میں بہت سے انکشافات ہوتے دیکھ کر اچھا لگا۔ پلیز نگہت آپا اریب فاطمہ کے ساتھ کچھ برا نہ ہو۔ آمنہ آپا کا ماہ تمام بہت زبردست جا رہا ہے۔ سمیر اور تقی کی حرکتیں مسکرانے پر مجبور کردیتی ہیں۔ ساہر کا منصوبہ ناکام ہوتے دیکھ کر خوشی ہوئی افسانے سب ہی اچھے تھے۔ آپی آسیہ مرزا سے بھی کوئی ناول لکھوائیں۔ اور شازیہ چوہدری کے "شہر دل کے دروازے" تیرے نام کی شہرت کے علاوہ بھی کوئی مکمل ناول کتابی شکل میں ہے۔

ج - پیاری سمیرا! ہمیں افسوس ہے کہ آپ کا پچھلا خط شامل نہ ہوسکا اور آپ کو مایوسی ہوئی۔ ہمیں موصول ہونے والے تقریباً تمام خطوط میں اریب فاطمہ کی شادی ایبک کے ساتھ کرانے کی فرمائش کی گئی ہے۔ تمام قارئین کی ہمدردیاں اریب فاطمہ کے ساتھ ہیں۔ یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ کہانی میں لوگ جس طرح ان دو افراد کو ملانے کے متمنی رہتے ہیں جو ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ حقیقی زندگی میں ایسا بالکل نہیں ہوتا بلکہ ہر طرف سے ان کی مخالفت کی جاتی ہے اور ان کی راہ میں روڑے اٹکائے جاتے ہیں۔ قارئین ہمیں بتائیں کہ اس رویہ کی کیا وضاحت ہوسکتی ہے۔

شازیہ چودھری کی یہ دو کتابیں ہی شائع ہوئی ہیں۔

ثمینہ کوثر عطاری۔۔۔ ڈوگہ گجرات

8 اگست کی تپتی دوپہر میں خواتین ملا جسے دیکھ کر گرمی کی شدت اڑن چھو ہو گئی اور ساتھ میں بھائی کی طرف سے ملنے والی عیدی بھی۔ کیونکہ وہ خواتین جو لے آیا تھا۔ سب سے پہلے "کرن کرن روشنی" پڑھا بے شک یہ بہت اچھی کاوش ہے لوگوں کو نیک اعمال کرنے کی طرف راغب کرنے کی۔ اور پھر گئے مہندی کے ڈیزائن کی طرف جنہیں صبا نے فوراً "ہاتھوں پہ نقل کرلیا۔ پھر "زمین کے آنسو" پڑھا پہلے دن کی طرح بہت مضبوط گرفت نگہت جی ہر قسط مزید تجسس پھیلا رہی ہے۔ اب احمد رضا اور اریب۔۔۔ تو پھر لگتا ہے، ماں تو عشق کی بازی ہار گئی تھی پر رابیل ضرور جیت جائے گی کیونکہ اریب تو جگہ خالی کررہی ہے پر مجھے لگتا ہے اریب کے ذریعے ہی احمد رضا سمیرا تک پہنچ پائے گا اور نگہت جی پلیز رجی کا قصہ تمام کردیں۔ نگہت عبداللہ صاحبہ شمشیر علی اور اریبہ کو ہم نے بہت مس کیا آخری قسط کا جھانسا دے کے آپ کہاں غائب ہو گئیں؟ صدف آصف کی تحریر بہت اچھی تھی اگر ہر کوئی یتیم بچیوں کا خیال کرے تو کوئی غریب لڑکی ایسی نہ رہے۔ جس کی شادی جہیز کی وجہ سے نہ ہو پائے۔ صبا سحر کی تحریر ہلکی پھلکی تھی۔ منظر کا شادی کا خواب اور ابا کا کوثر کو یاد کرنا لبوں پہ مسکراہٹ کھلا گیا۔ ناولٹ میں "ماہ تمام" کے بہت کم قہقہے تھے۔ آمنہ صاحبہ کچھ زیادہ لکھا کریں پورے مہینے کا انتظار کیا ہوتا ہے ہم نے۔ کچھ قدر کریں ہماری۔ ساہر تو کچھ زیادہ ہی خار کھائے بیٹھی ہے ویسے آمنہ صاحبہ شفا جیسی سید ھی نند چراغ لے کے ہی ڈھونڈنی پڑے گی۔ آج کے دور میں پھر "اجلے من" پڑھا اچھی اسٹوری تھی، واقعی دل صاف ہو تو ہر چیز اچھی لگتی ہے پر ایک بات کہنا چاہوں گی یہ فقرہ "اللہ میاں کی گائے" کیوں استعمال کیا جاتا ہے میرے خیال میں یہ نہیں ہونا چاہیے۔ کیوں گائے صرف انسانوں کی ہوتی ہیں اللہ عزوجل تو ان سے مبرا ہیں۔

عفت سحر کی تحریر بس سو سو ہی تھی۔ حیا بخاری کا ناولٹ بہت زبردست تھا واقعی جو نظر آتا ہے بھی کبھی سچ وہ نہیں ہوتا بلکہ حقیقت کچھ اس کے برعکس ہوتی ہے۔ سمیرا کی ماں پہ بہت غصہ آیا گیا۔ پیسہ اتنا اٹریکٹ کرتا ہے کہ بندہ اپنے آپ کا سودا کردے؟ بہرحال شاویز کو اچھی

سزا ملی۔ سائرہ رضا تو اتنے حساس موضوعوں چنتی ہیں کہ بندہ سوچ بھی نہیں سکتا اور لکھتی اتنا خوب صورت ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ رشک حبیبہ کا تبصرہ ادھار۔ شعر ثمرین کا پسند آیا۔ ڈائری سے کومل کا انتخاب اچھا لگا دستر خوان بہت زبردست تھا سروے کچھ خاص نہیں لگا۔

ج - پیاری ثمینہ! تفصیلی تبصرہ بہت اچھا لگا۔ غلطیوں کی نشان دہی کے لیے شکریہ۔ محاورے کسی بھی زبان کے مطابق ہوتے ہیں۔ ورنہ تمام انسان اور تمام جانور بشمول گائے اللہ تعالیٰ کے ہی ہیں۔ ہم سب اسی معبود کی تخلیق ہیں۔

حمنہ حبیب ــــ عبدالحکیم

ٹائٹل اچھا تھا۔ اس کے بعد "جور کے تو کوہ گراں تھے ہم" کی طرف آئے۔ یہ ناول بلاشبہ بہت زبردست جا رہا ہے۔ سعد کا ماہ نور کو اگنور کرنا اچھا نہیں لگا اور جو باتیں سعد نے سارہ خاں سے کیں وہ ماہ نور سے کرنی چاہیے تھیں سعد کو کم از کم ماہ نور کو انفارم کرنا چاہیے تھا کہ وہ کہاں ہے ..... سعدیہ یقیناً" سعد کی بہن ہے ..... فلزا ظہور بلال سلطان کی بیوی ہیں۔ اس کے بعد "زمین کے آنسو" کی طرف آئے۔ نگہت جی "اریب فاطمہ" کا نکاح کسی صورت احمد رضا سے نہ ہو اور سمیرا کی کسی طرح احمد رضا سے ملاقات ہو جائے اور مائرہ کو تو ایسی سزا دیں کہ یاد رکھے ..... سائرہ رضا کا مکمل ناول بہت اچھا تھا۔

ج - حمنہ! خواتین کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ آپ کی فرمائش تقریباً" ہمارے سب قارئین کی خواہش ہے ان سطور کے ذریعے نگہت سیما تک پہنچا رہے ہیں۔

عنیزہ سید کے ناول میں سعد نے ماہ نور کے بجائے سارہ خان کو اہمیت دی کیونکہ وہ سعد پر انحصار کرتی ہے اور دنیا میں سعد کے سوا اس کا کوئی نہیں۔ باقی آپ کے اندازے کس حد تک درست ہیں یہ تو آگے چل کر ہی پتا چلے گا۔

عائشہ خان ــــ ٹنڈو محمد خان

سب سے پہلے ٹائٹل دیکھا بہت بہت پیارا لگا دیکھ کر میں فریش ہو گئی۔ اتنا کلر فل گرین ماڈل بہت پیاری لگی۔ مدیحہ رضوی سے ملتی جلتی۔ سب سے پہلے ناول میں زمین کے آنسو پڑھا۔ نگہت سیما نے اس قسط میں بہت معلوماتی باتیں لکھیں۔ ویسے پورا رمضان ٹی وی پر بھی کسی نہ کسی چینل پر اسلامی معلومات میں اضافہ ہو تا رہا ہے۔

خیرام رومان کی بات سچ ہو گئی۔ رجی پرابلم بن رہا ہے۔ اریب فاطمہ کی جوڑی ایبک سے ہی بنائیے گا پلیز۔ ضروری نہیں کہ دولت مند لڑکی ہی جیتے۔ رابیل مجھے ہیروئن کے طور پر پسند نہیں۔ اس کا بھی اپنی ماں کی طرح داؤ پیچ کھلنے کا ارادہ ہے۔

"ماہ تمام" بہت زبردست چل رہی ہے۔ ساہر بھابھی کی سوچ پر افسوس ہوا۔ تقی اور والد صاحب کی نوک جھونک پر بے اختیار ہنسی تو آتی ہے مگر میرے دل پر بھی بوجھ ہو جاتا ہے۔ کوئی بیٹا اپنے باپ سے اس حد تک مذاق کر سکتا ہے۔ جو بدتمیزی کے زمرے میں آتا ہے۔ خاص طور پر اپنے والد کے متعلق موت کے مذاق حد سے زیادہ پسند نہیں۔ اک تمیز ہونا چاہیے بیٹے میں۔ "روشن ہے صبح عید" تمام بہنوں کے جواب اچھے لگے۔ صرف سنبل ملک کی یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ قریبی مسجد میں باجماعت نماز کی ادائی۔ عورتوں کو اس طرح نماز پڑھنا چاہیے کیا؟ مجھے اس لیے حیرت ہوئی کہ شاید یہ ہمارے یہاں نہیں ہوتا۔

ج - پیاری عائشہ! اریب فاطمہ اور ایبک کا ملاپ ہو گیا ایبک کی جوڑی رابیل کے ساتھ بنے گی۔ آپ کو یہ جاننے کے لیے صرف ایک ماہ انتظار کرنا پڑے گا۔ آئندہ ماہ زمین کے آنسو کی آخری قسط ہو گی۔

آمنہ ریاض کے ناولٹ میں باپ بیٹے کا مذاق آپ کو تمیز کے دائرے سے باہر محسوس ہوا' دراصل جہاں بڑے بچوں پر بے جا تنقید کرتے ہیں اور ان پر ہر وقت بلاوجہ روک ٹوک کرتے ہیں وہاں بچوں کے دلوں سے ان کا احترام اٹھ جاتا ہے۔ تقی خود سر نہیں ہے لیکن اپنی عزت کرانے کے لیے والد صاحب کو بھی تھوڑی سی بردباری اختیار کرنا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خواتین عید کی نماز پڑھنے عید گاہ جاتی تھیں۔ اس بارے میں بخاری اور مسلم میں احادیث ہیں۔ اب بھی بہت سی جگہوں پر عید کی نماز کے لیے خواتین کا اجتماع ہوتا ہے۔

اس وقت مختلف چینلز اسلام کے بارے میں پروگرام کر رہے ہیں جن کی صحت مشکوک ہے۔ اسلام کے بارے میں صحیح معلومات کے لیے قرآن و حدیث بہترین ذریعہ ہیں۔

رضوانہ مشہود ــــ اورنگی ٹاؤن کراچی

آج سے ڈیڑھ سال پہلے "رضوانہ خان" کے نام سے لکھتی رہی ہوں۔ یہ تو یاد نہیں کہ خواتین اور شعاع کا مطالعہ کرتے کتنا عرصہ گزر گیا۔ ہاں! یہ جانتی ہوں کہ اپنے بچپن سے گھر میں دیکھتی رہی ہوں۔ میٹرک کے بعد باقاعدہ پڑھنا شروع کیا۔ جو شادی کے ڈیڑھ سال کے عرصے کے بعد بھی جاری و ساری ہے۔ جب شادی ہوئی تو بہت سے انجانے خدشات کے ساتھ ایک بہت بڑا خدشہ یہ بھی تھا کہ نہ جانے سسرال والے کیسی عادات کے مالک ہوں گے؟ مشہود کا مزاج کیسا ہو گا' ڈائجسٹ پڑھ بھی پاؤں گی کہ نہیں؟ لیکن اللہ کو نہ جانے میری کون سی بات پسند آئی کہ اس نے اتنے اچھے کو آپریٹو اور انڈر اسٹینڈنگ شوہر کا ساتھ عنایت کر دیا۔ جیسے ہی خواتین آتا ہے' مجھے لا کر دے دیتے ہیں۔ پھر چاہے کسی بھی وقت پڑھوں۔ اعتراض نہیں کرتے۔ ڈسٹرب نہیں کرتے (ویسے میں بھی تمام کاموں سے فارغ ہو کر پڑھتی ہوں) اس خط کو لکھنے کا محرک بھی یہ ہی ہے کہ یہ بتا سکوں کہ ان دونوں پرچوں نے زندگی کے قدم قدم پر میری بہت رہنمائی کی۔ ہمت حوصلہ بڑھایا۔ ذہن کو وسعت اور سوچوں کو مثبت رخ دیا۔ اللہ آپ سب کو اس کی جزائے خیر دے۔ (آمین)

ج - پیاری رضوانہ! زندگی کے نئے موڑ پر کامیابی کے لیے مبارک باد اور دعائیں۔ یہ بلاشبہ آپ کی خوش نصیبی ہے کہ آپ کو ایک خیال رکھنے والے ہم سفر کا ساتھ نصیب ہوا اور آپ بھی ان کا خیال رکھتی ہیں۔ آپ خواتین کے لیے لکھیں۔ قابل اشاعت ہوا تو ضرور شامل ہو گا۔

خواتین نے آپ کی سوچوں کو مثبت رخ دیا آپ کی رہنمائی کی۔ یہ ہماری سب سے بڑی کامیابی ہے۔

شمائلہ نصیر عاجز ــــ گاؤں کریا اسلام آباد

عید نمبر پڑھا تو لطف آگیا۔ پچھلے ماہ سائرہ رضا کا افسانہ شامل تھا "انصاف اور مصنف" پوائنٹ بڑا اہم ہے۔ ہمارے معاشرے کی حد سے بڑھی جہالت کو بے پردہ کرتا ہوا۔ قرآن اکثر و بیشتر ہمارے معاملات میں غلاف میں لپٹی کتاب جیسا ہے جو مقدس تو ہے مگر دور دور۔ ہم پڑھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔

"ماہ تمام" آمنہ ریاض کی تحریر اچھی تو ہے لیکن منفرد نہیں۔ اس دور میں سمیرا اور ثمر نے منگنی ہو جانے کے باوجود ایک دوسرے کی تصویر تک نہیں دیکھ رکھی کیا۔ "جور کے تو کوہ گراں تھے ہم" اف سسپنس ویسا ہی اثر مگر آہستگی جس پر مجھے تو خیر اعتراض نہیں۔

ج - شمائلہ! آپ کے خطوط پڑھ کر ہمیں اندازہ تھا کہ آپ میں افسانہ نگاری کی صلاحیت ہے۔ ہمارا اندازہ درست ثابت ہوا۔ آپ کا افسانہ قابل اشاعت ہے۔ آپ مزید لکھیں' ہمیں لگتا ہے کہ آپ بہت اچھا لکھ سکتی ہیں۔

خواتین کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

عمارہ تابی ــــ زیارت کاکا صاحب

کہانیوں پر تبصرہ کرنے سے پہلے میں ایک بات پوچھنا چاہوں گی کہ جولائی کے شمارے میں خاتون کی ڈائری میں ماریہ سید واجد علی سے ایک انتخاب بھیجا تھا۔ پروین شاکر کے نام سے۔ مجھے نہیں لگا کہ یہ غیر معیاری سی نظم پروین شاکر کی ہے' کسی بہن کو معلوم ہو کہ یہ غزل ان کی کس کتاب سے ہے تو بتا دیں۔ عنیزہ سید' واہ کیا لکھتی ہیں تعریف کے لیے الفاظ نہیں۔ میرے پاس عنیزہ کے پاس لفظوں کا ذخیرہ ہے' بہت عمدگی سے کہانی رواں دواں ہیں۔ عنیزہ سید کو "شب آرزو کا عالم" کی کامیابی پہ مبارک باد دینی ہے۔

بات کروں دوسرے سپرہٹ ناول یعنی "زمین کے آنسو" کی تو اس کے لیے بھی الفاظ نہیں۔ نگہت سیما نے کافی عرصے بعد لکھا ہے۔ آمنہ ریاض کا فلمی سا مگر ہلکا پھلکا "ماہ تمام" بہت زبردست ہے۔ ایسے ناول شائع کرتی رہا کریں اور عفت سحر سے ازمیر بٹ اور رویحا گل والی کہانی لکھوائیں۔ سمیرا حمید شاندار اضافہ ہیں ہماری رائٹرز میں' یہ کہاں رہتی ہیں؟

ج - پیاری عمارہ! آپ نے خط لکھا' بہت خوشی ہوئی سمیرا حمید بلاشبہ بہت اچھا اضافہ ہیں۔ یہ لاہور میں رہتی ہیں۔ اس ماہ شعاع میں ان کا مکمل ناول شامل ہے۔

نگہت سیما نے کافی عرصہ بعد لکھا ہے لیکن اب انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ باقاعدگی سے لکھتی رہیں گی۔ ان شاء اللہ آئندہ ماہ شعاع میں ان کا مکمل ناول شامل ہو گا۔

ملائکہ کوثر.... بسم اللہ پور

دونوں سلسلے وار ناول بڑے شاندار چل رہے ہیں بلکہ اب تو دوڑنے لگے ہیں۔ "ماہ تمام" بھی خاصا دلچسپ ہے افسانوں میں بھی کبھی کوئی کمی محسوس نہیں ہوئی۔ ہمیشہ کوئی احسن سبق سیکھنے کو ملتا ہے۔

سمیرا حمید لکھتی ہیں۔ "زندگی اس وقت حقیقی سانحہ اور دکھ سے آشنا ہوتی ہے... جب دو انمول نعمتوں ماں باپ میں سے کوئی ایک نعمت چھن جاتی ہے دنیا کا کوئی قلم اس دکھ کو نہیں لکھ سکتا اور دنیا کا کوئی فلسفہ اسے کم نہیں کر سکتا۔"

بھری بہار کی ایک خزاں آلود شام میری ماں کے چہرے پہ آکر ٹھہر گئی ان کے متحرک وجود کو ساکت کر گئی۔ کبھی وہ دن تھے میں ان کی انگلی تھام کر خراماں خراماں چلتی تھی۔ اب یہ دن تھے میں ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنے ہم قدم چلاتی تھی۔ میری مضبوط گرفت سے انہوں نے اپنا ہاتھ اتنی سرعت سے چھڑایا کہ میں ہکا بکا رہ گئی یہ بھی نہ پوچھ سکی کہ۔

ماں یہ تو بتا تیرے بعد کون لبوں سے اپنے
میرے ماتھے پہ حرف دعا لکھے گا

پچھلے سات ماہ سے میری ماں میری کسی دعا کے صلے میں میرے پاس مقیم تھیں۔

ج - ملائکہ! آپ کی والدہ کی وفات کے بارے میں جان کر افسوس ہوا۔ بلاشبہ ماں سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور اس کی دائمی جدائی، بہت بڑا سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر اور ان کو اپنے سایہ رحمت میں جگہ دے۔ یہ آپ کی خوش نصیبی ہے کہ آپ کو ماں کی خدمت کا موقع ملا اور اللہ نے آپ کو نیکیاں کمانے کی توفیق عطا کی ورنہ بہت سے بدنصیب لوگ اس موقع کو ضائع کر کے اللہ کی ناراضی مول لیتے ہیں۔

خواتین ڈائجسٹ کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

سمیہ، طاہر اور شمائلہ.... پڑھا لکھا پنڈوریاں

اس دفعہ عید کا شمارہ پڑھ کر ہم سے رہا نہیں گیا اور ڈرتے ڈرتے خط لکھ ہی ڈالا۔ اس ماہ کا ٹائٹل بے حد خوب صورت تھا۔ "کرن کرن روشنی" اس سلسلے سے ہم بہت متاثر ہیں آپ کے دستر خوان اور بیوٹی ٹپس سے ہمیں بہت فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ چکن توابی مسالا ٹرائی کیا اور گھر والوں سے بہت داد وصول کی۔

آمنہ ریاض کا ناول "ماہ تمام" بہت اچھا جا رہا ہے۔ تقی کا کردار بہت زبردست ہے۔ نگہت عبداللہ، آمنہ ریاض، نگہت سیما، عنیزہ سید، میری پسندیدہ رائٹرز ہیں۔ آپی ہمارے ہاں ڈائجسٹ پڑھنے کو اچھا نہیں سمجھا جاتا سب سے چھپ کر پڑھتے ہیں رات کو جب سارے سو جاتے ہیں ہم رسالہ پڑھنا شروع کرتے ہیں۔ اس ڈر کے باوجود کہ کہیں کوئی اٹھ نہ جائے۔

ج - سمیہ، طاہرہ اور شمائلہ! ڈرتے ڈرتے کیوں؟ ڈر کس بات کا ہے۔ خواتین ڈائجسٹ آپ کا پرچہ ہے اس میں آپ بہنوں کے خطوط شائع ہوتے ہیں۔ ممکن ہے صفحات محدود ہونے کی بنا پر کچھ خطوط شامل نہ ہو پاتے ہوں لیکن ہم تمام خطوط پوری توجہ سے پڑھتے ہیں اور آپ کی رائے سے آگاہ ہوتے ہیں۔

☼

سرورق کی شخصیت	
ماڈل	کائنات
میک اپ	روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافر	موسیٰ رضا

تبدیلی

علامہ اقبال نے کہا تھا کہ

ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں
سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں

دن کا رات میں اور پھر رات کا دن میں ڈھل جانا تبدیلی ہی کا مظہر ہے۔ تبدیلی بی بی نے صرف دنیاوی نظام ہی کو نہیں۔ بلکہ انسانی فطرت کو بھی اپنے رعب میں لے رکھا ہے۔... تو ایسے میں اگر اپنے شان جی نے بھی اپنا سابقہ بیان ایک طرف کر دیا ہے تو اس میں اب اس قدر حیران ہونے والی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ ارے! وہی بیان جو انہوں نے بھارتی فلموں میں کام کرنے اور ان کی پاکستان میں ریلیز کے خلاف دیا تھا... (کیا کہا؟ آپ کو یاد نہیں یہ بیان.... کوئی بات نہیں خیر ہے.... جب شان ہی اپنا بیان بھول گئے تو آپ کو یاد رکھنے کی کیا لوڑ۔)
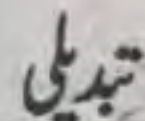
تبصیر نشاط

معروف بھارتی فلم ساز مہیش بھٹ کو تو آپ سب جانتے ہی ہیں۔ (یہ اب بھارت سے زیادہ پاکستان میں معروف ہیں.... شاید کئی پاکستانی فنکاروں کو بھارت میں متعارف کرانے کی وجہ سے) مہیش بٹ پرانی بھارتی فلم "ارتھ" کا ری میک بنانا چاہ رہے تھے شان کو فلم "ارتھ" اتنی پسند ہے کہ وہ اپنے بھارتی فلموں کے خلاف لمبے لمبے بیانات بھول بھال ان سے فرمائش کر بیٹھے کہ یہ فلم وہ بنانا چاہتے ہیں۔ مہیش بھٹ نے شان کی خواہش رد نہ کی۔ یوں شان اب اس فلم میں نہ صرف مرکزی کردار ہی ادا کر رہے ہیں۔ بلکہ اس فلم کی ہدایت کاری بھی دے رہے ہیں۔ مہیش بھٹ نے شان کو فلم کے سارے اختیارات سونپ رکھے ہیں۔ جس پر بالی وڈ کی اکثریت کو اعتراض ہے۔ ان کے لیے مزید المیہ یہ کہ یہ فلم بن بھی پاکستان میں رہی ہے۔ بھلا ہو شان کا کہ انہوں نے اپنے مقابل کسی بھارتی ہیروئین کو پسند نہ کیا (یا شاید انہوں نے شان کو پسند نہیں کیا۔) سو انہوں نے حمائمہ ملک اور عظمیٰ حسن کو کاسٹ کیا ہے۔ حمائمہ ملک، سمیتا پاٹل کا جبکہ عظمیٰ حسن، شبانہ اعظمی والا کردار نبھائیں گی۔ (شان جی! سمیتا پاٹل تو اب اس دنیا میں نہیں۔ سو بچت ہو گئی۔ مگر شبانہ اعظمیٰ تو ابھی حیات ہیں نا۔)

دعوا

دعوا ایک ایسی چیز ہے جو کوئی بھی، کبھی بھی کسی بھی شے پر کر سکتا ہے اور سنا ہے کہ سب سے زیادہ دعوے

وہی کرتے ہیں، جو سرے سے اس کے حق دار ہوتے ہی نہیں۔ لیکن جناب! بعض اوقات اس بات کا فیصلہ بے حد مشکل ہوتا ہے کہ کون حق پر ہے اور کون نہیں۔

گزشتہ دنوں ایک ابھرتی ہوئی اداکارہ سنہری نے ایک عدد پریس کانفرنس کی اور اس میں دعوا کیا کہ وہ معروف اداکارہ صائمہ کی چھوٹی بہن ہیں۔ سو سید نور کی سالی بھی ہوئیں۔ مگر ان کی بہن اور بہنوئی سنہری کے فن کی دنیا میں ابھرنے کی راہ میں رکاوٹیں ڈال رہے ہیں۔

اداکارہ صائمہ اور سید نور نے سنہری کی اس پریس کانفرنس کا کوئی نوٹس نہیں لیا اور خاموشی اختیار کرلی۔ تاہم سنہری کی اس پریس کانفرنس میں وہ لوگ بھی شریک تھے، جنہوں نے صائمہ کے کیریر کی ابتدا میں انہیں پروموٹ کیا تھا۔ (اب تک تو دیکھا سنا تھا کہ پاکستان کے اکثر تعلیمی اداروں کی ڈگریاں دنیا کے کئی ممالک میں تسلیم نہیں کی جاتیں۔ لیکن اب تو یہاں "رشتوں" کو بھی دنیا کے سامنے تسلیم کرانے کی نوبت آ گئی ہے۔)

چند صحافیوں کا کہنا ہے کہ سنہری، صائمہ کی چھوٹی بہن تو نہیں ہیں۔ تاہم وہ ان کی بڑی بہن یاسمین کی بیٹی ضرور ہیں۔ سنہری نے پریس کانفرنس میں دہائی دی کہ سید نور ہر جگہ اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ وہ نئے ٹیلنٹ کو متعارف کراتے ہیں۔ لیکن وہ گھر کے ٹیلنٹ کو لفٹ ہی نہیں کراتے۔ (تو اس میں نئی بات کیا۔۔۔ گھر کی مرغی تو ہوتی ہی دال برابر ہے۔۔۔ اور کیا خبر صائمہ اور سید نور کو بھی اس پریس کانفرنس ہی سے پتا چلا ہو کہ سنہری سے ان کا کوئی رشتہ بھی ہے۔)

شریک حیات

شاعر، ادیبوں کو عموماً شکوہ ہوتا ہے کہ ان کی بیویاں انہیں نہیں سمجھتیں۔ خود مرزا غالب کو بھی ساری زندگی یہی شکوہ رہا۔ مستنصر حسین تارڑ صاحب خوش قسمت ہیں کہ ان کی بیوی انہیں ان سے زیادہ سمجھتی ہیں اور تارڑ صاحب کو اپنی اس خوش قسمتی کا احساس بھی ہے۔ وہ اپنی زندگی کے ایک اہم راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہتے ہیں۔

"میں اپنے والد کے ساتھ بزنس کر رہا تھا۔ لیکن میرا عشق وہ دوسرے واہیات کام تھے، جو میں کر رہا تھا میری خوش قسمتی کہ میری بیگم نے مجھ سے کہا کہ "آپ بہت کامیابی سے بزنس چلا رہے ہیں۔ اس میں ترقی بھی ہے اور پیسہ بھی۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ آپ اس سے خوش نہیں۔ میں آپ کو خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ سو میں ہر حال میں گزارہ کرلوں گی۔ زندگی میں آپ سے کبھی کوئی مطالبہ بھی نہیں کروں گی۔ سو آپ وہ کام کریں جس میں آپ کی خوشی ہو۔" تارڑ صاحب کا کہنا ہے کہ بیگم کی اس بات نے ان کی راہیں آسان کردیں۔

یوں تارڑ صاحب "راہی دنیائے ادب" ہوئے۔ (اور بقول ان کے دیگر خرافات کے بھی) مستنصر صاحب نے مزید بتایا کہ "ابتدا میں ہمیں مالی لحاظ سے

کچھ سنبھل کر چلنا پڑا۔ پھر میڈیا کی ترقی کے باعث ہمیں بھی سہولت حاصل ہوگئی۔ کتابوں اور کالموں سے بھی ٹھیک ٹھاک پیسے ملنے لگے۔ میرے ناول "پیار کا پہلا شہر" کا پینسٹھواں ایڈیشن آیا ہے۔ ہر مہینے میری چار پانچ کتابوں کے نئے ایڈیشن آجاتے ہیں۔ رائلٹی ملتی رہتی ہے۔ خدا کا شکر ہے ٹھیک ٹھاک گزر بسر ہو رہی ہے۔"

(یعنی بزرگ صحیح کہتے ہیں کہ ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ بیگم مستنصر حسین تارڑ جی! آپ کا بے حد شکریہ کہ اگر آپ تارڑ صاحب کا ساتھ نہ دیتیں تو آج ہمیں اتنے بہترین ادیب، ڈراما نگار، اینکر پرسن اور سب سے بڑھ کر اتنے اچھے "چاچا جی" نہ ملے ہوتے۔۔۔ اور ماضی کا مقبول ترین مزاحیہ پروگرام "ففٹی ففٹی" بھی بس "ففٹی" یعنی ادھورا ہی رہ جاتا۔)

یہ بیان کالمانہ

☆ شاہ لطیف فرمایا کرتے تھے "جب تک کناروں پر خطرہ ہے تب تک سکون کے ساتھ مت سونا۔" آج دریائے سندھ کے اکثر کنارے پانی کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے باعث کانپ رہے ہیں۔ مگر سندھ اپنی سرکار کے ساتھ سو رہا ہے۔ یہی تو وہ نیند تھی، جب سوتے ہوئے سندھ کو دو برس قبل سیلاب بہا کر لے گیا تھا۔

(اعجاز منگی۔۔۔ آواز حق)

☆ چین میں عوام کو سوائے اپنی پروڈکٹ کی قیمت کے، جو انہیں بیچنی ہے کسی بات کا کچھ نہیں پتا۔ اپنے ہاں تو چھابڑی والے سے بات کرکے دیکھیں۔ وہ بھی آپ کو بتائے گا کہ ریمنڈ ڈیوس کو امریکا کیسے چھڑوا کر لے گیا۔ عالمی استعماری طاقتیں کس طرح پاکستان کا بازو مروڑتی ہیں۔ دہشت گردوں کا نیٹ ورک کیسے تباہ کیا جاسکتا ہے اور مصر اور شام کے حالات کا ذمہ دار کون ہے۔
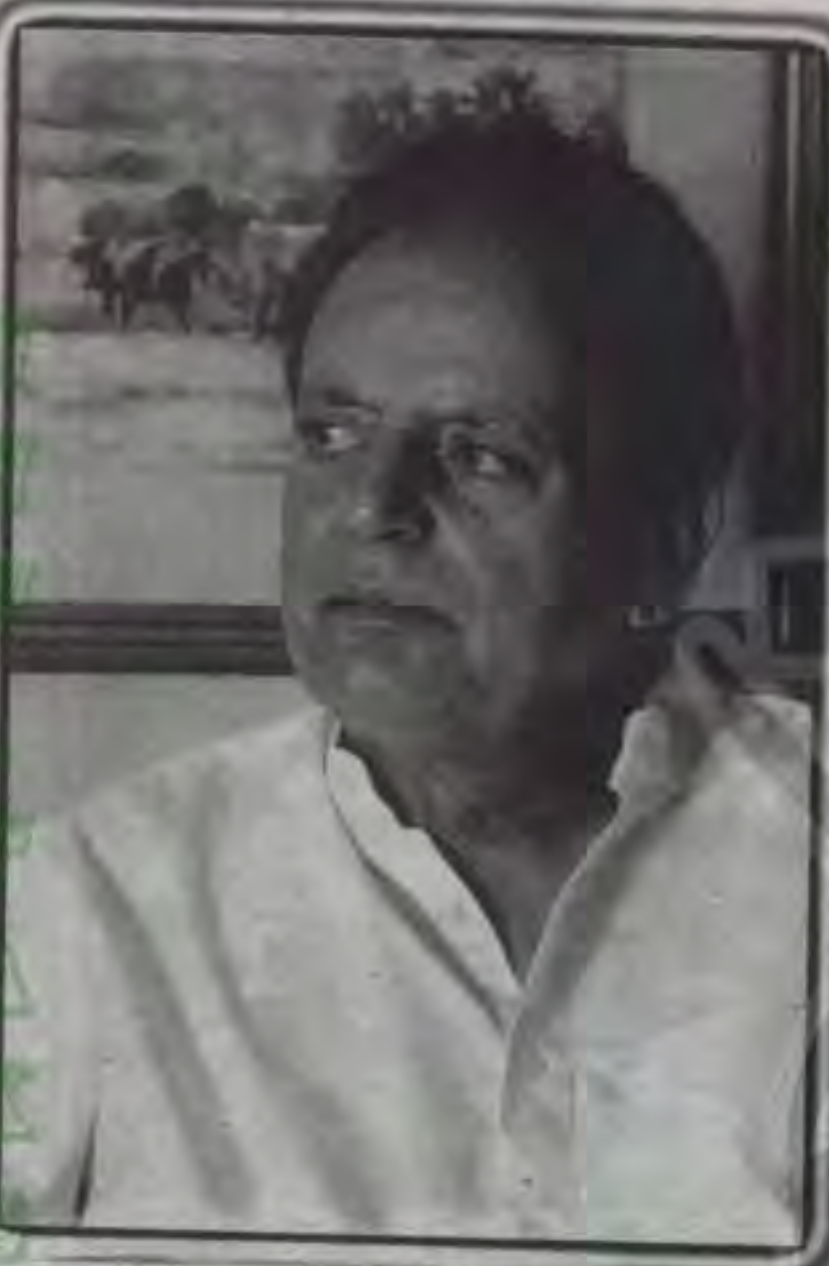
(یاسر پیرزادہ۔۔۔ ذرا ہٹ کے)

☆ 12 مئی کی صبح کڑوے موسموں کی نوید لے کر طلوع ہوئی۔ دانش وری کے بڑے بڑے سومنات منہ کے بل گرے۔ خواب فروشوں کی دھجیاں اڑ گئیں۔ بڑے بڑے قلم کاروں کی مقفیٰ اور مسجع تحریریں فریب لگیں۔ مجھے انتظار ہی رہا کہ کوئی قلم کار، کوئی دانش ور، کوئی خواب فروش کسی دن قوم سے کہے گا۔ ہمیں معاف کردو۔ ہم خود فریبی کا شکار ہوئے۔ ہم نے دل میں محبتوں اور نفرتوں کی دنیا بسائی اور سب کچھ اس کی نذر کردیا۔ ہمارے تبصرے، ہمارے تجزیے، ہماری تحریریں اور ہماری تقریریں کسی سے خدا واسطے کے بغض اور کسی سے والہانہ عشق کی نذر ہوگئیں۔ اے اہل وطن! ہمیں معاف کردو۔

(عرفان صدیقی۔۔۔ نقش خیال)

☆

آپ کا باورچی خانہ

مشیریں ظفر

کئی برسوں سے اس سلسلے میں جو جوابات دیے جارہے ہیں۔ پڑھ پڑھ کر تو کامپلیکس سا ہو گیا تھا کہ لوگوں نے تو سارا کچھ بتا دیا۔ ہم پھوہڑ ہم کیا مشورہ دیں گے۔ کیا ٹپ دیں گے۔ خیر! ہم بھی خاتون خانہ ہیں۔ ایک عدد بیوی ہیں اور تین بچوں کی ماما۔ گھر تو بخوبی چلا رہے ہیں۔ ہماری بھی سن لیں۔ شاید کوئی مطلب کی بات نکل آئے۔

1۔ کھانا پکاتے ہوئے سب سے پہلی بات کہ ڈشز بار بار دہرائی نہ جائیں۔ ہر بار کوئی نیا پن ہو' کوئی نئی چیز' جیسا کہ ہر گھر میں ہوتا ہے کہ کچھ دن دال' کچھ دن سبزی' کبھی مٹن' کبھی چکن۔ کبھی موسم کے حساب سے بھی بنتا ہے۔ کھانوں میں یکسانیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میرے بچے چکن اور سبزیاں دونوں چیزیں بے حد رغبت سے کھاتے ہیں اور خان صاحب تو میرے ہاتھ کے کھانے کے سوا کھاتے ہی نہیں۔

2 ۔ ہمارے گھر میں اچانک مہمان آنے کا اتنا رواج نہیں۔ اگر آجائیں تو میں بالکل نہیں گھبراتی۔ اکثر ہمارے صاحب کے آفس سے اچانک مہمان آتے ہیں۔ ہم فٹافٹ ایسا انتظام کرتے ہیں کہ وہ خود بھی حیران رہ جاتے ہیں۔ ایک بہت جلدی بننے والی ڈش ہے۔

دم کا قیمہ

اجزا :

قیمہ	آدھا کلو
پیاز	ایک عدد
لہسن ہ ادرک	ایک بڑا چمچہ پسا ہوا
ٹماٹر	دو عدد
دہی	آدھا پیالی
نمک	ایک چھوٹا چائے کا چمچہ
سرخ مرچ	ایک یا ڈیڑھ چائے کا چمچہ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ
پسا ہوا سوکھا دھنیا	آدھا چائے کا چمچہ
پسی کالی مرچ اور گرم مسالا	آدھا آدھا چمچہ
تیل	حسب پسند

ترکیب :

پتیلی یا ککر میں (اگرچہ قیمہ فریز ہی کیوں نہ ہوا ہو) دو کپ پانی کے ساتھ ڈال دیں۔ پیاز' لہسن' ادرک' دہی' کٹے ہوئے ٹماٹر' کوکنگ آئل' تمام مسالے' (کالی مرچ اور گرم مسالا چھوڑ کر) ڈال دیں اور دم پر لگا دیں۔ آکر مہمانوں سے گپ شپ کریں۔ چائے یا کولڈ ڈرنک سرو کریں۔ پھر جا کر چمچہ ہلائیں۔ قیمہ کھلتا بھی جائے گا' گلتا بھی جائے گا۔ پندرہ منٹ بعد قیمہ گل جائے گا اور پانی سوکھ جائے گا۔ گھی نظر آنے لگے تو بھون لیں۔ کالی مرچ گرم مسالا ڈالیں اور ہری مرچ' ہرا دھنیا سے گارنش کریں۔ دہی پھینٹ کر زیرہ' نمک' کالی مرچ چھڑک کر رائتہ بنالیں۔ چپاتی سے کھائیں مزا آجائے گا۔

3۔ کچن میں کام کرتے وقت ساتھ کے ساتھ مسالوں کے ڈبے صاف کر کر کے واپس ان کی جگہ پر رکھتے جائیں۔ سلیب بھی صاف کریں۔ پکانے کے دوران جو برتن خراب ہوں' ساتھ ہی دھولیں۔

ہم ناشتا بہت سادہ کرتے ہیں۔ مگر صبح تین ٹفن باکس تیار کیے جاتے ہیں۔ ایک میں پراٹھا' اچار کے ساتھ جو میری بڑی بیٹی کا فیورٹ ہے۔ دوسرے میں نوڈلز جو کہ چھوٹی والی کا فیورٹ ہے اور تیسرا میں بریڈ انڈا یا بریڈ پر چکن اسپریڈ یا بریڈ جام' جو چھوٹے نواب حکم دیں گے۔ خان صاحب فورس کے آدمی ہیں اور کھانے' پینے میں سخت احتیاط کرتے ہیں۔ روایتی پولیس افسروں والی توند سے سخت نفرت ہے۔ پہلے ایک پیالی دہی' پھر وردی پہن کر ایک کپ پھیکی چائے کا۔ یہ سب روانہ ہوئے تو بی بی شیریں نے لیا سکھ کا سانس' ہم تک باقی ملازمین کو ناشتا پہنچا دیتا ہے۔ جو کہ سالن' دہی اور چپاتیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ جب ہم ملتان' بہاول پور میں ہوتے تھے تو حلوہ پوری سے ناشتا کرتے تھے۔ اب ہم راجن پور میں ہیں۔ تو ہم آلو کے یا مولی کے پراٹھے بنالیتے ہیں جو کہ سب کو بنانے آتے ہیں۔

5۔ گھر سے باہر کھانا فیشن بھی ہے مگر میں تو اس کو ایک زبردست تفریح کہتی ہوں۔ ہم مہینے میں دو بار لازمی جاتے ہیں۔ ہر بار نئی جگہ جاتے ہیں۔ میری سالگرہ' صاحب کی سالگرہ یا پھر بچوں کی سالگرہ ہو۔ اسی دن جانا ممکن نہ ہو تو پرامس کرلیا جاتا ہے پھر چاہے سو کلو میٹر کا سفر کر کے راجن پور سے جام پور پھر کوئٹہ شنواری ہوٹل جانا پڑے ہم جاتے ہیں اور وہاں جو باربی کیو بنتا ہے۔ دنوں زبان پر چٹخارہ رہتا ہے۔ جب ہم باہر جاتے ہیں تو باربی کیو ہی انجوائے کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ گھر پہ مشکل سے بنتا ہے۔

6۔ بالکل موسم تو مد نظر رہتا ہی ہے۔ سردیوں میں مچھلی' پائے' نہاری اور گرمیوں میں ہلکے نمک مرچ والے سالن' توریاں' ٹینڈے' اروياں وغیرہ' ساتھ لسی کا استعمال زیادہ ہوتا ہے۔

7۔ محنت اور محبت دونوں کی قائل ہوں۔ کرکرا ہو جاتا ہے۔ سلاد نہیں ہو' رائتہ یا چٹنی اور پھر چھوٹے بچے ہوں یا مرد حضرات اگر جلدی میں آپ گلاس اور پانی رکھنا بھی بھول گئے تو کھانے کے دوران اچانک موڈ بدل سکتے ہیں اور اچھی بھلی ہنستی مسکراتی ڈائننگ ٹیبل اداس اور بدمزا ہو سکتی ہے۔

8۔ کچن ٹپ بہت فائدہ مند اور آسان ہے۔ بعض اوقات دال یا سبزی کے ساتھ بنائے گئے وائٹ' پلین رائس بچ جاتے ہیں۔ اسے ضائع ہونے سے بچائیں۔ جتنی مقدار میں رائس بچ گئے ہیں' اس حساب سے اگر ہری پیاز ہے تو دو عدد ہری پیاز ورنہ ایک چھوٹی پیاز باریک چوپ کرلیں۔ دو ہری مرچ بھی باریک کاٹ لیں۔ دو انڈوں میں ہلدی ڈال کر تل کر چھوٹے ٹکڑے کرلیں۔ دو ٹیبل سپون آئل کڑاہی میں ڈالیں۔ پیاز کو ہلکا سا تل لیں۔ ہری مرچ ڈال کر آدھا چمچہ یا حسب ذائقہ نمک ڈالیں اور انڈے شامل کر کے چاول ڈال کر مکس کرلیں۔ بالکل ایگ فرائیڈ رائس کا ٹیسٹ آئے گا۔ ہے نا مزے کی ٹپ!

☼

ناشتے میں کیا بنائیں

صبا سحر

اچھی صحت کے لیے ورزش، اچھی نیند اور متوازن غذا لازمی تصور کیے جاتے ہیں، مگر متوازن غذا میں صرف اچھی خوراک نہیں، بلکہ کھانے کے اوقات بھی شامل ہیں۔ اس لحاظ سے ناشتا اور رات کا کھانا صحت و فٹنس کے ضامن ہیں۔ ناشتے کی اہمیت و افادیت ثابت ہو جانے کے بعد "ناشتے میں کیا بنایا جائے" ہر خاتون خانہ کا روز کا مسئلہ ہوتا ہے۔

نیچے دی گئی تراکیب کی مدد سے اگر آپ ایک مرتبہ اپنے پورے ہفتے کا مینیو ترتیب دے لیں تو روز کچن میں کھڑے ہو کر سوچنے کی زحمت سے محفوظ رہ سکیں گی۔ درج ذیل مینیو مجموعی طور پر گھر کے جملہ افراد کی پسند اور صحت و غذائیت کو مد نظر رکھتے ہوئے ترتیب دیا گیا ہے، جو ہفتے کے سات دنوں میں آپ کی بھرپور رہنمائی کرے گا۔

اتوار کے دن چھٹی کے سبب گھر کے سب افراد ناشتے پر موجود ہوتے ہیں تو اس دن ناشتے میں حلوہ پوری کا اہتمام کریں۔

پیر کے دن اپنے دستر خوان پر کاربوہائیڈریٹس (نشاستہ) کا خزانہ دلیہ رکھیں۔

منگل کے دن انڈے کی مختلف تراکیب آزمائیں۔

بدھ کے دن ناشتے میں گھر والوں کی پراٹھوں سے تواضع کریں۔

جمعرات کے دن صحت بخش پھلوں کا رس بہتر رہے گا۔

جمعہ کے دن سینڈوچز کی اقسام متعارف کرائیں۔

اور ہفتے کے دن فرنچ ٹوسٹ سے دستر خوان سجائیں۔

ہمیں امید ہے، ہماری یہ کوشش کچن میں ہماری قارئین کے لیے معاون ثابت ہوگی۔

حلوہ پوری

ضروری اجزا:

سوجی — ایک پاؤ
چینی — ایک پیالی
میدہ — دو کپ
آٹا — ایک کپ
نمک — حسب ذائقہ
گھی/تیل — حسب ضرورت

ترکیب:

گھی گرم کر کے لونگ اور الائچی کڑکڑائیں، پھر سوجی ڈال کر خوشبو آنے تک بھونیں۔ چینی، زرد رنگ اور دو گلاس پانی ڈال کر شیرہ بنائیں اور براؤن ہوتی سوجی میں ڈال کر ہلکی آنچ پر پکنے دیں۔ سوجی نرم ہو جائے تو گھی آنے تک بھونیں پھر کیوڑہ ڈال کر رکھ دیں۔

میدے میں آٹا، نمک اور دو چمچے تیل ملا کر نیم گرم پانی سے گوندھ کر تھوڑی دیر کے لیے رکھ دیں۔ چھوٹے چھوٹے پیڑے بنائیں۔ بیلنے سے قبل پیڑے پر تھوڑا سا گھی لگا کر چکنا کریں اور کڑاہی میں گہرے تیل میں اسٹیل کے چمچے سے دبا دبا کر تلیں۔ اس سے پوریاں پھول جاتی ہیں۔ سنہری ہو جائیں تو نکال کر اخبار میں رکھ لیں تاکہ اضافی چکنائی جذب ہو جائے۔

دلیہ

ضروری اجزا:

دلیہ — آدھا پاؤ
دودھ — ایک پاؤ
چینی — حسب ذائقہ

ترکیب:

دلیہ میں چار گلاس پانی ڈال کر چولہے پر چڑھا دیں۔ دلیہ گل جائے تو چینی ڈال دیں۔ چینی مکس ہو جائے تو سمجھیں دلیہ تیار ہے۔ اس کو پیالی میں نکالیں اور اوپر سے دودھ ڈال کر کھائیں۔

دلیہ خواہ گندم کا ہو یا جو کا، سادہ مگر غذائیت سے بھرپور ایک مکمل ناشتا ہے۔ یہ پیٹ کے لیے بھی بہت مفید ہے۔

ویجی ٹیبل آملیٹ

ضروری اجزا:

انڈے — چار عدد
پیاز — دو عدد
بند گوبھی — آدھی پیالی
آلو — ایک عدد
نمک — حسب ذائقہ
گھی/تیل — حسب ضرورت

ترکیب:

آلو اور گوبھی کو باریک کاٹیں، پھر پیاز کے ساتھ گھی میں ہلکا سا سنہری کر کے انڈے کے ساتھ پھینٹ لیں۔ نمک، سرخ مرچ اور ہری مرچ باریک کتر کر شامل کریں اور فرائنگ پان میں کم گھی میں فرائی کریں۔

ذائقے میں تبدیلی کے لیے سبزیوں کی جگہ چکن کے ریشے بھی ڈالے جا سکتے ہیں۔ کبھی صرف آلو ہی اور کبھی گاجر اور شملہ مرچ بھی۔ اس کے علاوہ آپ کسی ہفتے آملیٹ کے بجائے خاگینہ بنائیے۔ خاگینے میں بھی سبزیاں ڈال کر کھانے کا لطف بڑھایا جا سکتا ہے۔

ابلا ہوا انڈا بھی اپنے مینیو میں شامل کر سکتی ہیں۔

قیمہ بھرے پراٹھے

ضروری اجزا:

قیمہ — آدھا کلو
سرخ مرچ، ہری مرچ — حسب ذائقہ
ہرا دھنیا — پاؤ گٹھی
پیاز — ایک عدد

آٹا	آدھا کلو
نمک	حسب ذائقہ
گھی / تیل	حسب ضرورت

ترکیب :

فرائنگ پان میں قیمہ کے ساتھ نمک، پیاز، سرخ مرچ اور ہری مرچ ایک ساتھ ڈال کر اچھی طرح بھون لیں۔ ہرا دھنیا چھڑک کر چولہے سے اتار لیں۔ آٹے میں نمک اور دو تین چمچے تیل ملا کر گوندھ لیں اور تھوڑی دیر کے لیے رکھ دیں۔ پیڑا بنا کر چھوٹی روٹی بیلیں۔ قیمہ رکھ کر دوسری روٹی بیل کر رکھیں پھر آہستگی سے توے پر ڈالیں۔ ہلکے گھی یا تیل سے دونوں طرف سے سینکیں۔ ذائقے کی تبدیلی کے لیے قیمہ کے علاوہ کسی بھی سبزی یا چکن کے پراٹھے بھی بنائے جا سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ رات کے بچے ہوئے سالن یا سبزی کو بھی بھون کر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

ملک شیک یا فروٹ جوس

ضروری اجزا :

کیلے	حسب ضرورت
لیموں کا رس	دو کھانے کے چمچے
نمک	دو چٹکی

ترکیب :

کیلوں کو باریک کاٹ کر ایک کپ دودھ اور دو گلاس پانی میں (صرف دودھ بھی استعمال کیا جا سکتا ہے) گرائنڈ کر لیں۔ لیموں کا رس اور بہت تھوڑی سی کرش کی ہوئی برف کے ساتھ پیش کریں۔ ناشتے پر زیادہ ٹھنڈا مشروب درست نہیں ہو گا۔

آدھا کلو آم لیں۔ آدھے آم کے باریک ٹکڑے کر کے ایک کپ میٹھے دودھ میں مکس کر لیں۔ باقی آم کو ایک گلاس دودھ میں گرائنڈ کر لیں۔ دونوں آمیزوں کو ملا کر ہلکا ٹھنڈا کر کے پیش کریں۔ اسی ترکیب سے چیکو کا ملک شیک بھی بنا سکتی ہیں۔ سردیوں میں مالٹوں کا جوس بنائیں۔ جوس سے پیٹ بھی بھرے گا اور توانائی بھی حاصل ہو گی۔

چکن سینڈوچ

ضروری اجزا :

چکن	آدھا پاؤ
آلو	دو عدد
بڑی ڈبل روٹی	آٹھ سلائس
نمک	حسب ذائقہ
گھی / تیل	حسب ضرورت

ترکیب :

چکن ابال کر ریشے کر لیں اور ابلے ہوئے آلوؤں کے ساتھ میش کر لیں۔ نمک، ہری مرچ، سرخ مرچ، ہرا دھنیا، پسی کالی مرچ بھی شامل کر لیں۔ اگر چاہیں تو تھوڑا سا مکھن بھی ملا لیں۔ سلائس کو تکون شیپ میں کاٹیں۔ ایک حصے پر یہ آمیزہ رکھ کر دوسرے حصے پر مایونیز لگائیں اور اس پر دبا کر رکھیں اور ہلکے تیل میں سنہرے ہونے تک تلیں۔

سلائس کو توے پر سینک کر (بغیر سینکے بھی استعمال کر سکتی ہیں۔) اس پر پنیر کا ٹکڑا، قیمہ فرائی اور ٹماٹر سلائس میں کاٹ کر رکھیں۔ اس کے اوپر دوسرا سلائس رکھیں۔ بیف چیز سینڈوچ تیار ہے۔

مندرجہ بالا ترکیب کے ساتھ چکن یا بیف مسالا تیار کریں۔ ڈبل روٹی کے سخت کنارے نکال کر لمبائی پر کاٹیں۔ آمیزہ رکھ کر دبائیں اور انڈے میں ڈبو کر ہلکے تیل میں تل لیں۔ سینڈوچز بنانے کے لیے ضروری نہیں کہ نیا مسالا تیار کریں۔ آپ رات کے بچے ہوئے کسی بھی سالن یا سبزی کے (بھون کر خشک کر کے) سینڈوچز با آسانی اور کم وقت میں تیار کیے جا سکتے ہیں۔ انڈے کو ابال کر مایونیز کے ساتھ میش کر کے بھی سینڈوچ بنائے جا سکتے ہیں۔

آج بہت سے لوگ تنہائی کے شدید احساس کا شکار ہیں موجودہ ترقی یافتہ دور جہاں اپنے ساتھ بہت سے نئے نئے پیچیدہ مسائل لایا ہے۔ ان میں ایک تنہائی کا مسئلہ بھی ہے۔ ہر انسان کو خواہ اس کی طبیعت کیسی ہی خاموش کیوں نہ ہو اپنی زندگی میں ایک دوست کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس سے کہ وہ بے تکلفی کے ساتھ دل کی بات کر سکے اپنے بھائی بہن سے بڑھ کر اچھا دوست کوئی نہیں ہو سکتا۔ لیکن کبھی کبھی بہن بھائیوں کے درمیان فاصلے ہونے کی بنا پر وہ بے تکلفی کے ساتھ ان سے باتیں نہیں کر سکتا یا بہن بھائی ہوتے ہی نہیں تو ایسے لوگوں کے لیے کسی سے دوستی کرنا بہت ضروری ہے۔

کسی شخص سے دوستی پیدا کرنے کے لیے ایک بہت ضروری بات یہ ہے کہ آپ ایک اچھے سننے والے بنیں۔ ایک دوست کو ایسا ہونا چاہیے کہ جب آپ اسے اپنی باتیں سنائیں تو وہ اسے نہایت توجہ اور دلچسپی سے سنے اور جب وہ کچھ کہے آپ اس کی باتیں اسی طرح توجہ اور دلچسپی سے سنیں۔ اپنے دوستوں کا احترام کریں۔

دوسروں کو حقیر اور کمتر سمجھ کر آپ کبھی ان سے دوستی پیدا نہیں کر سکتے۔

☼ ☼ ☼

ہمارے ملک میں جہاں اور بہت سی باتوں کی طرف توجہ نہیں دی جاتی وہاں ذہنی اور نفسیاتی امراض کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

کچھ ذہنی اور نفسیاتی مریض فرار کی سستی راہیں اختیار کرتے ہیں اور اپنے غموں، ناکامیوں اور پریشانیوں کا علاج کرنے کے بجائے غلط راستے اختیار کرتے ہیں۔ جس سے مزید نقصان ہوتا ہے۔

اگر آپ کسی ذہنی یا نفسیاتی بیماری میں مبتلا ہیں تو اس کا سیدھا راستہ یہ ہے کہ اپنے گھر کے ہی کسی فرد سے ڈسکس کریں۔ جس پر آپ کو مکمل بھروسا ہو۔ لڑکیوں کے لیے سب سے بہتر یہ ہے کہ اپنی ماں سے ڈسکس کریں کیونکہ ماں سے اچھی دوست، ہمدرد اور خیر خواہ کوئی ہستی نہیں ہو سکتی۔ اگر ضرورت محسوس کریں تو نفسیاتی ڈاکٹر سے مشورہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ بعض اوقات ڈاکٹر کے مشورے سے مرض کی اصل وجہ سامنے آجاتی ہے پھر علاج کی ضرورت نہیں رہتی۔

و۔س

س۔ کراچی سے ایک بہن نے انگریزی میں خط لکھا ہے اور اس خط میں اپنی ایک عادت کا ذکر کرتے ہوئے پوچھا ہے۔

"اس عادت کے ان کی زندگی پر کیا اثرات ہوں گے؟" ان بہن کی خدمت میں عرض ہے کہ عادت اچھی ہو یا بری دونوں صورتوں میں ہماری زندگی پر اثرات ہوں گے۔ اگر کسی کو صفائی کی عادت ہے تو ویسے تو صفائی بہت اچھی چیز ہے لیکن اگر انسان اس عادت کو خود پر سوار کرے اور ہر وقت صفائی میں لگا رہے تو نہ صرف خود اس کی اپنی بلکہ اس سے متعلقہ دیگر لوگوں کی زندگی بھی عذاب بن سکتی ہے، مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی عادت خواہ اچھی ہو یا بری

امت الصبور

بیوٹی بکس

ع-ل..... کراچی

(1) میں نے پڑھا تھا کہ ایک مٹھی آملہ بھگو کر پیس کر پیسٹ بنا کر بالوں میں ایک یا دو گھنٹوں کے لیے لگا کر رکھیں بال سیاہ ہو جائیں گے۔ میں آملہ لائی جو کالے رنگ کے چھلکے ٹائپ کے تھے یعنی گول نہیں تھے کٹے ہوئے سوکھے ہوئے تھے پھر اسے بیس سے پچیس منٹ تک بھگو کر پیسا (لکڑی کے ہاون دستے میں) تو وہ خشک سے ہو گئے۔ یعنی جیسے قیمہ پیستے ہیں شامی کباب کے لیے ویسے سرپہ لگ ہی نہیں رہے تھے۔ میرے خیال سے پیسٹ شیمپو ٹائپ کا بنتا ہے مگر مجھ سے تو ایسا عجیب سا بنا۔ سارا نیچے گر کر ضائع ہو گیا۔ پلیز صحیح طریقہ بتا دیں؟

(2) اسی میں ہی لکھا تھا دہی اور بیسن سے منہ دھونا چاہیے۔ پلیز صحیح طریقہ بتا دیں۔ کتنے دہی میں کتنا بیسن ملا کر کیسے منہ دھونا ہے؟

(3) میرا پیٹ بھی کافی بڑھا ہوا ہے۔ میں نے دو ہفتوں سے زیادہ سائیکل والی ورزش کی مگر بالکل بھی فرق نہیں پڑ رہا۔ موٹی تو ہوں وزن بھی بڑھ رہا ہے مگر پیٹ زیادہ نکلا ہوا ہے، بہت نمایاں ہوتا ہے۔

(4) میرے چہرے پہ کالے رنگ کی کیلیں ہیں۔ ناک پہ اور تھوڑی بہت گال پہ۔ کیا ان میں پھٹکری لگا سکتی ہوں؟

(5) میں نے کہیں پڑھا تھا کہ جو کا آٹا گوندھ کر پیڑا بنا کر چہرے پر رگڑیں تو غیر ضروری بال ختم ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ کیا چہرے کے ساتھ بازو اور ٹانگوں کے بال بھی اس سے صاف ہو جائیں گے؟

ج-1 آملے زیادہ خشک ہوں تو انہیں دیر تک بھگونا پڑے گا۔ سر پر پیسٹ نہ بھی لگے تو کوئی بات نہیں۔ دیر تک بھگونے سے آملے کا پانی نکل آئے گا، جسے لگانے سے بال سیاہ ہو جائیں گے۔

2 ایک یا دو چمچے دہی لے کر اتنا بیسن ملائیں کہ وہ کریم کی طرح پیسٹ بن جائے۔ اسے چہرے پر لیپ کی طرح لگا لیں۔ پھر رگڑ کر صاف کر لیں اور صاف پانی سے منہ دھو لیں۔
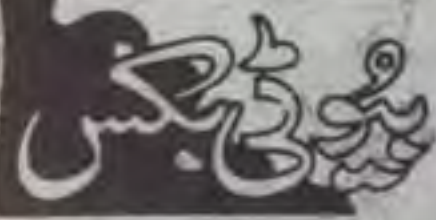
3 پیٹ کم کرنے کے لیے آپ سانس کی مشق کریں۔ سانس کو اندر کی طرف اتنا کھینچیں کہ پیٹ اندر چپک جائے۔ جب تک برداشت کر سکیں سانس روکے رکھیں، پھر باہر نکال دیں۔ پورے دن میں سو مرتبہ یہ عمل کریں۔ ٹی وی دیکھتے ہوئے، کھانا کھاتے ہوئے اور دیگر کام کرتے ہوئے یہ ورزش کر سکتی ہیں، جس انداز میں آپ کا پیٹ بڑھ رہا ہے، اس کے لیے بہتر ہو گا کہ کسی لیڈی ڈاکٹر سے مشورہ کر لیں۔ کبھی کبھی پیریڈز کی خرابی سے بھی یہ مسئلہ ہوتا ہے۔ وزن زیادہ ہے تو وزن کم کرنے کی کوشش کریں۔

4 آپ چہرے پر پھٹکری لگا سکتی ہیں۔ لیکن پہلے بھاپ کا عمل کرنا ضروری ہے۔ ایک برتن میں کھولتا ہوا پانی لے لیں، پھر ایک تولیہ اس طرح سر پر ڈالیں کہ برتن تولیہ کے اندر ہو۔ دس منٹ تک اسی حالت میں رہیں۔ کیل نرم پڑ جائیں گے۔ انہیں آہستہ سے دبا کر نکال دیں، پھر پھٹکری لگائیں۔

5 چہرے کے بال صاف کرنے کے لیے آپ شیرے والا عمل کریں، جو پچھلے ماہ خواتین ڈائجسٹ میں دیا گیا ہے۔ جو کے آٹے کا پیڑا رگڑنے سے بال صاف نہیں ہوں گے۔ بازو اور ٹانگوں کے بال صاف کرنے کے لیے بھی شیرے والا عمل کریں۔

نایاب سمن..... بکا جبھ

س: میری عمر 25 سال ہے اور میں غیر شادی شدہ ہوں۔ باجی! میرا مسئلہ میرے بال ہیں۔ آج سے دو سے تین سال پہلے تک میرے بال صحت مند تھے لیکن کچھ ماہ کے اندر اندر میرے سارے بال اس طرح سے خراب ہو گئے کہ چارپائی کی ادوائن سمجھ لیں۔ کم

اگرچہ اعتدال سے آگے بڑھ جائے تو نقصان کا باعث بن سکتی ہے یعنی زیادتی کسی بھی چیز کی ہو نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔

جس عادت کا آپ نے ذکر کیا ہے اسے یک لخت چھوڑنا تو آپ کے لیے مشکل ہو گا لیکن آہستہ آہستہ کم کرتے کرتے اسے ترک کر دیں۔ کوئی حرج نہیں اس میں مہینہ یا دو مہینہ لگ جائیں۔

لیکن شرط یہی ہے کہ آپ آج ہی سے اس کی کوشش شروع کر دیں۔

فرحت صبا، کراچی

س۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں اپنی ایک دوست کو بے انتہا چاہتی ہوں۔ آپ اسے میرا پاگل پن قرار دیں گے۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ میری تمام شدتوں کی حق دار وہی ہے۔ پہلے مجھ سے اتنا ہی پیار کرتی تھی۔ میرے ایک چھوٹے سے مذاق نے حالات پلٹ دیے اور اب میں اس سے بات کرنے کو ترستی ہوں۔ لیکن میری ایک اور دوست جو کہ اسکول کے زمانے تک میری بہترین دوست تھی۔ اس نے جب یہ دیکھا وہ میری طرف سے بدظن ہو گئی ہے تو اس نے جان بوجھ کر اس کی طرف پیش قدمی کی اور اسے مجھ سے چھین لیا۔ اب حالات یہ ہیں کہ مجھے سوائے رونے کے اور کوئی کام نہیں رہا۔ میں اتنا روئی ہوں کہ میرے آنسو خشک ہو چکے ہیں۔ مجھے پڑھنے کا بے حد شوق ہے اور میں اپنی کلاس کی اچھی طالبات میں شمار ہوتی ہوں۔ اب میرا چند سال سے یہ حال ہو گیا ہے کہ میرا کچھ کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ پڑھنے بیٹھتی ہوں تو پڑھا نہیں جاتا۔ اول تو یاد ہی نہیں رہتا اور اگر یاد ہو بھی جائے تو۔ باقی خط بھی اسی قسم کی باتوں سے بھرا ہوا ہے۔

ج ۔ آپ نے جس مسئلے کے بارے میں خط لکھا ہے۔ اس قسم کے خطوط مجھے پہلے بھی موصول ہو چکے ہیں اور میں نے جواب میں یہی لکھا کہ انتہا پسندی کسی معاملے میں درست نہیں۔ زندگی میں اور زندگی کے ہر معاملے میں میانہ روی اختیار کرنی چاہیے۔ لڑکیوں سے آپ کی دوستی اور محبت بری بات نہیں ہے۔ لیکن ایک تو اس میں اتنی شدت نہیں ہونی چاہیے۔ آپ کی محبت کے حق دار ماں، باپ، بھائی، بہن اور دوسرے قریبی عزیز، رشتے دار ہیں اور پھر ان رشتوں کے بعد شادی ہونی ہوتی ہے۔ شادی کے بعد شوہر کی محبت، بچوں کی محبت، جب محبت اتنے سارے خانوں میں بٹی ہوئی ہو تو جس جس کے حصے کی جتنی جتنی محبت ہے اسے اتنی ہی دینی چاہیے۔ ہاں کبھی کبھی کسی کو ذرا سی زیادہ بھی دی جا سکتی ہے۔ یعنی بعض صورتوں میں ماں سے ذرا زیادہ ہو گئی اور کہیں کہیں باپ سے زیادہ۔ کسی بھائی سے، کسی بہن سے، کسی پھوپھی، چچا، دادی یا دادا یا نانا، نانی وغیرہ سے۔ لیکن انتہا پسندی کسی کے معاملے میں بھی جائز یا درست نہیں ہے۔ بعض لڑکیاں اپنی ٹیچروں سے بہت زیادہ محبت کرنے لگتی ہیں۔ دراصل اسے محبت نہیں احترام اور لگاؤ کہنا زیادہ مناسب ہو گا۔ ویسے بھی میں ایک بات یہاں بتا دوں کہ اپنی ہی جنس سے محبت کرنا ایک طرح کی بے راہ روی ہے۔

مسز صبیحہ اشرف

یہ مشورہ تو دیا نہیں جا سکتا کہ پریشان ہونا چھوڑ دیں کیونکہ کوئی بھی شخص اپنی خوشی سے پریشان نہیں ہوتا اور نہ ذہنی تناؤ اور دباؤ کے تحت زندگی بسر کرنا پسند کرتا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے آپ کے بلڈ پریشر کی بڑی وجہ یہ بلاوجہ کی سوچیں اور وہم ہیں۔ آپ درج ذیل مشوروں پر عمل کریں۔

1۔ روزانہ آدھا گھنٹہ تیز چہل قدمی کریں۔
2۔ کوئی دلچسپ مشغلہ اپنائیں۔ کوئی جسمانی ورزش ضرور کریں۔ اچھی، خوش گوار کتابیں پڑھیں۔
3۔ اس کے ساتھ ساتھ کسی مستند ڈاکٹر کے مشورے سے کوئی ٹانک اور مسکن دوائیں لیں۔ یہ آپ کے لیے بہت مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔

ہو کر بالکل گردن تک پہنچ گئے ہیں اور دو مونہے اس طرح ہیں کہ لگتا ہے جیسے بال جلے ہوئے ہوں۔ گرتے اتنے ہیں کہ بالوں پر ہاتھ رکھتے ہی بالوں کا گچھا ہاتھ میں آجاتا ہے۔ دوپٹا سر پر اوڑھتی ہوں تو اس کے ساتھ بھی بال اتر آتے ہیں۔ میں ایک گاؤں سے اور غریب فیملی ہونے کی وجہ سے کسی ماہر کے پاس چیک اپ کروانے نہیں جا سکتی۔ براہ مہربانی آپ مجھے متوازن خوراک بھی بتا دیں جو مجھے روز مرہ استعمال کرنا چاہیے اور میں بالوں کی صحت دوبارہ حاصل کرنے کے لیے اور لمبے گھنے کرنے کے لیے کیا کروں۔

ج: نایاب! آپ نے جو کیفیت لکھی ہے، اس سے لگتا ہے کہ آپ کے جسم میں آئرن اور وٹامن اے اور ڈی کی کمی ہے۔ سب سے پہلے آپ کو خوراک پر توجہ دینا ہو گی۔ سیب میں آئرن بڑی مقدار میں پایا جاتا ہے۔ آپ چھلکوں سمیت سیب کھائیں۔ ممکن ہو تو ڈاکٹر سے مشورہ کر کے کوئی ٹیبلٹ لکھوا لیں تاکہ کمی پوری ہو سکے۔ وٹامن اے گاجر میں پایا جاتا ہے۔ کچی گاجریں کھائیں۔

کبھی کبھی خشکی کی وجہ سے بھی بال جھڑنے لگتے ہیں۔ اگر آپ کے سر میں خشکی ہے تو اس کا علاج کریں۔ بال دھونے کے لیے ہمیشہ میٹھا پانی استعمال کریں۔

ایک چمچ دہی، آدھا چمچ سرسوں کا تیل اور ایک لیموں کا عرق ملا کر محلول بنا لیں۔ اسے بالوں میں لگائیں۔ آدھے گھنٹے بعد بال دھو لیں۔ بال گرنا بند ہو جائیں گے۔

سندس...... شہر کا نام نہیں لکھا

س 1: میرا پہلا سوال یہ ہے کہ میری بہن کی عمر اٹھارہ سال ہے اور اس کا قد پانچ فٹ تین انچ ہے۔ اس کے قد کے مطابق اس کا وزن کتنا ہونا چاہیے۔ وہ بہت بھاری ہوتی جا رہی ہے۔ اس کا وزن 80.kg ہے۔ اس کا پیٹ بڑھا ہوا ہے۔ اور کولہے بھی بہت بھاری ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ مجھ سے بھی بڑی لگتی ہے۔

(2) میری عمر 22 سال ہے میرا قد پانچ فٹ ایک انچ ہے۔ میرا کتنا وزن ہونا چاہیے۔ ابھی میرا وزن 50.kg ہے لیکن یہ کہ میرا پیٹ نیچے سے بڑھ رہا ہے باجی! میرا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے چہرے پر یعنی رخساروں پر اور تھوڑی پر بہت دانے نکلتے ہیں۔ ختم ہو جائیں تو ان کے نشان رہ جاتے ہیں، جو کہ بہت بھدے لگتے ہیں اور جب تک یہ نشانات ختم ہوتے ہیں، نئے دانے نکل آتے ہیں۔ بائیں رخسار پر تو دانوں سے سرکل بنا ہوا ہے۔

اور باجی! یہ بھی بتا دیں کہ اس عمر میں اسکن پالش کروانی چاہیے یا فیشل۔ اور اگر کروانا ہو تو کون سا؟ میرا رنگ سانولا ہے۔ بس میں چاہتی ہوں کہ میرے دانے ختم ہو جائیں اور چہرے پر گلو آجائے۔ جو کہ فیشل کروانے کے بعد بھی نہیں آتا۔

ج: سندس! آپ کی بہن کا وزن بہت زیادہ ہے۔ اس عمر میں ان کا وزن 45.kg سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔ انہیں باقاعدہ ڈائٹ پلان کے ساتھ ساتھ ورزش کی بھی ضرورت ہے۔ انہیں وزن بڑھانے والی اشیا فوراً" ترک کر دینی چاہئیں اور روزانہ کم از کم آدھا گھنٹہ چہل قدمی کرنا چاہیے۔ بیکری کی بنی ہوئی اشیا کیک، پیسٹری پیٹیز وغیرہ ہرگز نہ کھائیں۔ چائے میں چینی کا استعمال ترک کر دیں۔ کھانا کھانے سے پہلے ایک پلیٹ سلاد کی کھائیں۔ ممکن ہو تو کسی ڈاکٹر سے مشورہ کر لیں۔ بعض اوقات تھائی رائیڈ کی وجہ سے بھی وزن بڑھ جاتا ہے۔

آپ کا وزن بھی زیادہ ہے۔ آپ نے اپنے پیریڈز کے بارے میں نہیں لکھا۔ اکثر پیریڈز کی بے قاعدگی اور ہارمونز میں گڑبڑ کی وجہ سے پیٹ اس طرح بڑھ جاتا ہے۔ دانوں کی وجہ بھی یہی ہو سکتی ہے۔ فیشل یا اسکن پالش کرانے سے آپ کا مسئلہ حل نہیں ہو گا۔ بہتر یہی ہے کہ آپ کسی اچھی لیڈی ڈاکٹر سے مشورہ کریں۔

اسکن پالش بیس سال کی عمر کے بعد کرائی جا سکتی ہے۔